انیس

۳۳

غیر مطبوعہ مرثیے

مرکزی انیس صدی کمیٹی۔ نئی دہلی

غیر مطبوعہ مرثیے

(میر انیس کے ۲۳ غیر مطبوعہ مرثیے جو پہلی مرتبہ شائع ہو رہے ہیں)

مرکزی انیس صدی کمیٹی ۔ نئی دہلی

تعارف

میر ببر علی انیس کا ۹ دسمبر ۱۸۷۴ء (۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ) کو انتقال ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں کچھ احباب جمع ہوئے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ ۱۹۷۴ء میں جب انیس کی وفات کو سو سال پورے ہو جائینگے، ان کی یادگار منائی جائے۔ چنانچہ مرکزی انیس صدی کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ مندرجۂ ذیل اصحاب اس کے اراکین مقرر ہوئے۔

سرپرست: ہز ہولی نس ڈاکٹر سیّد برہان الدین، بمبئی

صدر: نواب علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر، بمبئی

چیرمین: پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، صدر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی، نئی دلّی

نائب صدر: پرنس معظم جاہ بہادر، حیدر آباد

(۲) ڈاکٹر یوسف نجم الدین، بمبئی

جنرل سکریٹری: پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ

سکریٹری: (۱) مالک رام، نئی دلی

(۲) سید علی جواد زیدی، نئی دلی

خازن: ڈاکٹر صدیق الرحمن قدوائی، جامعہ نگر، نئی دلّی

ان کے علاوہ ایک مجلسِ عاملہ بنائی گئی، جو وقتاً فوقتاً مختلف مسائل پر غور و فکر کر کے فیصلہ کرنے کی مجاز قرار پائی۔

مرکزی انیس صدی کمیٹی نے کام کرنے کا جو منصوبہ بنایا، اس میں انیس کے مراثی کو از سرِ نو ترتیب دے کر شائع کرنا بھی تھا۔ محسوس کیا گیا کہ گزشتہ سو سال میں مراثیِ انیس کے جو مجموعے شائع ہوئے ہیں، وہ اغلاط سے پاک نہیں۔ فیصلہ ہوا کہ تمام کلام جمع کر کے اس پر نظرِ ثانی کی جائے۔ اور حتی الوسع اس کا مرثیوں کے

مسودات سے مقابلہ کرکے صحیح متن متعین کیا جائے۔
مسئلہ یہ تھا کہ یہ کام کس کے سپرد کیا جائے۔ غور و فکر کے بعد طے پایا کہ جناب مسعود حسن رضوی ادیب (لکھنؤ) سے درخواست کی جائے کہ وہ مراثی انیس کی تدوین کی ذمے داری قبول کریں۔ موصوف نے انیس کا کلام جمع کرنے اور اس کے مطالعے میں ایک عمر بسر کی تھی؛ اور انیس کے علاوہ بھی مرثیہ بالخصوص ان کے مطالعے کا موضوع رہا تھا۔ بارے انھوں نے یہ کام کرنے کی ہامی بھر لی۔ البتہ یہ شرط رکھی کہ کبر سنی اور خرابیٔ صحت کے پیش نظر میں اکیلے یہ کام نہیں کر سکتا۔ مجھے ایک مددگار چاہیے، جو مراثی پڑھ کر سناتا جائے، تاکہ میں حسب ضرورت اصلاح کر سکوں۔ کمیٹی نے ان کی اس تجویز پر صاد کیا اور انھیں اجازت دے دی کہ وہ خود کسی آدمی کو بطور مددگار مقرر کر لیں۔ اس پر تھوڑے دن بعد انھوں نے سید نائب حسین نقوی کا نام پیش کیا۔ سید نائب حسین کو بھی مرثیہ سے بہت دلچسپی تھی۔ وہ میر انیس اور ان کے صاحبزادے میر نفیس پر بھی کام کر چکے تھے۔ اور ان کی مرتب کردہ "مراثی انیس" کی چار جلدیں لاہور سے شائع بھی ہو چکی تھیں۔ اسی باعث ادیب صاحب نے ان کا انتخاب کیا۔ کمیٹی نے ان کی تجویز منظور کر لی اور کام شروع ہو گیا۔

اسی دوران میں ۱۹۷۴ء شروع ہو گیا، جو انیس صدی سال تھا۔ کمیٹی نے بڑے پیمانے پر دلی میں ایک سیمینار منعقد کیا۔ بعد کو اس کے مقالات کتابی شکل میں "انیس شناسی" کے عنوان سے شائع ہوئے۔

اس اثنا میں مراثی کی تصحیح اور ترتیب کا کام پروفیسر مسعود حسن رضوی کی نگرانی میں جاری رہا۔ لیکن ان کی مسلسل علالت کے باعث کام کی رفتار بہت سست رہی۔ اسی دوران میں ایک اور بات سامنے آئی۔ سید نائب حسین نقوی نے بتایا کہ مراثی کے مسودوں کی تلاش میں انھیں انیس کے متعدد غیر مطبوعہ مرثیے ملے ہیں، جو کسی طرح ان کے متداول کلام سے کم پایہ نہیں۔ افسوس کہ ۲۹ جولائی ۱۹۷۵ء کو پروفیسر سید مسعود حسن رضوی کا انتقال ہو گیا۔ بہرحال وہ وفات سے پیشتر مطبوعہ مراثی کا کام ختم کر چکے تھے۔ کمیٹی نے بیگم صالحہ عابد حسین سے درخواست کی کہ وہ ان کا انتخاب مرتب کر دیں۔ انھوں نے اس پر مقدمہ قلمبند کیا اور ضروری حواشی لکھے اور فرہنگ بھی تیار کی۔ یہ دونوں جلدیں ترقی اردو بورڈ کی طرف سے شائع ہوئیں۔

اس کے بعد غیر مطبوعہ مراثی کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ جو مراثی سید نائب حسین نقوی نے مہیا کیے تھے، وہ ڈاکٹر سید عابد حسین (مرحوم) کے حوالے کیے گئے۔ جن کی کلام انیس پر بہت گہری نظر تھی۔ انھوں نے یہ مرثیے دیکھ کر رائے دی کہ یہ انیس ہی کا کلام ہے، اگرچہ ان میں سے بعض مرثیے ابتدائی مشق کے زمانے کے ہیں اور اس باعث بعد کے کلام کے پایے کے نہیں۔

اب ضرورت ہوئی کہ یہ کام باقاعدگی سے کسی اہل نظر کے سپرد کیا جائے۔ غور و خوض کرنے کے بعد غیر مطبوعہ مراثی کے جمع و ترتیب کے لیے ملک کے مشہور ادیب جناب شہاب سرمدی سے درخواست کی گئی، جو انھوں نے قبول فرمالی۔ انھوں نے برسوں کی تلاش کے بعد کچھ غیر مطبوعہ مرثیے دریافت کیے۔ اس دوران میں خاندان انیس کے چشم و چراغ سید علی احمد دانش (لکھنؤ) سے بھی رابطہ قائم ہوا۔ انھوں نے اپنے خاندانی قلمی ذخیرے سے انیس کے کچھ غیر مطبوعہ مرثیے عنایت کیے۔ یہ تمام مرثیے جناب شہاب سرمدی نے دیکھے، بعض مرثیوں پر تعارف اور یادداشتیں قلمبند کیں، جن سے مرثیے کے مالہ، وما علیہ پر قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس کی پوری رُوداد بیان کر دی ہے۔ یوں یہ جلد تیار ہوئی ہے۔

افسوس، کہ کتابت کا مرحلہ بہت طویل ثابت ہوا۔ بہر حال اب کہ بحمدہٖ تعالیٰ سفینہ کنارے پر آ لگا ہے، ناخدا کے ستم و جور کا شکوہ بیکار ہے۔

کتابت شدہ کاپیوں کے پڑھنے اور تصحیح کا کام جناب مالک رام اور بیگم حبیبہ بانو نے کیا ہے۔ میں ان دونوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہوں۔ طباعت مکتبۂ جامعہ نے اپنے ذمّے لی ہے۔ طباعت کے پہلو سے مکتبۂ جامعہ کی ملک بھر میں جو ساکھ ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس کے منیجر شاہد علی خاں صاحب، انیس کمیٹی کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے دستِ تعاون بڑھایا۔

ہمیں یقین ہے کہ ابھی پرانے گھرانوں میں انیس کے اور غیر مطبوعہ مرثیے بھی ضرور پڑے ہوں گے۔ لیکن ان کے دستیاب ہونے تک اور انتظار کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ جو کچھ دستیاب ہو گیا ہے، اسے دوسرے اہل علم شائع کر دیں گے۔

ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور خوشگوار فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اس کام کی تکمیل کے لیے مندرجہ ذیل اداروں سے مالی امداد ملی:

۱۔ ہز ایگزالٹڈ ہائی نس نظام ٹرسٹ، حیدر آباد : پچاس ہزار روپیہ

۲۔ حکومتِ ہند، نئی دلّی : ساڑھے سات ہزار روپیہ
۳۔ شروانی ٹرسٹ، الہ آباد : پانچ ہزار روپیہ
۴۔ دعوتِ ہدایہ، بمبئی : چار ہزار روپیہ
میں خود اور انیس صدی کمیٹی ان سب اداروں کے اور ان کے اصحابِ مجاز کے ممنون ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کا تعاون میسّر نہ ہوتا تو یہ کام کبھی یوں بخیر و خوبی سرانجام نہیں ہو سکتا تھا۔
میں انیس صدی کمیٹی کے تمام عہدہ داروں اور متعلقین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے محض علم وادب کی خدمت کے جذبے کے تحت کام کر کے کمیٹی کے پروگرام کو پورا کیا۔
مجھے افسوس ہے کہ بعض ناگزیر مجبوریوں کے باعث کام میں غیر معمولی تاخیر ہوئی اور ہم یہ جلد اتنی دیر سے پیش کر رہے ہیں۔ تاہم ایک خوشی ہے کہ کوئی اچھا کام جب بھی ہو جائے، قابلِ اطمینان بات ہے
خدا کرے انیس صدی کمیٹی کی یہ خدمت قبولِ عام کا درجہ حاصل کرے۔ (آمین)

بشیر حسین زیدی
(صدر مرکزی انیس صدی کمیٹی)

فہرست

مقدمہ

تخلیقی فن کار، چاہے وہ صوت و معنی اور آواز و آہنگ سے کام لے یا مُو قلم اور رنگ و روغن سے، اپنی خداداد فطنت اور فطری ودیعت کے کمالِ ہنر ورزی کو پہنچتے ہی پہنچتے پہنچتا ہے؛ اس میں خاصے دن لگتے ہیں، بلکہ زمانے بیت جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اس خلّاقِ فن کی اکثر خصوصیات جن کے ذریعہ اس کی فنّی شخصیت کے ارتقا، اور اس کی برتی ہوئی فنّی قدروں کے ابتدائی عمل اور بنیادی محرکات کو جانا پہچانا جاسکتا ہے، اور جن کی اَچوک کسوٹی پر خود اُس کو اور اُس کے عہد کو آنکا اور پرکھا جاسکتا ہے، یہ سب اس کی سرافرازیِ فن اور عروجِ کمال کی چکاچوند میں کچھ ایسی ماند پڑجاتی ہیں کہ تذکرہ و تنقید کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہوجاتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو تخلیق کار کو ایک عبقری، یا ایک مردِ باکمال کے روپ میں دیکھنے کے بعد پھر اس کا کوئی روپ آنکھوں میں سماتا نہیں، اور دوسری طرف اس کی وہ تمام تخلیقات، اور ان کی یا اس کی شخصیت کی وہ اچھوتی خصوصیات جنھوں نے اس کے ذہنی، روحانی، فنّی نشو و نما، اور اس کے نظری اور عملی اعتبار اَت علم و فن کو سنِ بلوغ تک پہنچانے میں بڑا ہاتھ بٹایا ہے، یا تو سرے سے بِسرا دی جاتی ہیں، یا پھر انھیں ناپختہ اور نارسیدہ دَور کی یادگار ٹھہرا کر زمانے کی نظروں سے گرادیا جاتا ہے۔

میر اَنیس کے معاملے میں جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں، کچھ ایسا ہی ہوا ہے! ان کا وہ سارا سرمایۂ کلام جو اُن کے مستقلاً لکھنؤ منتقل ہونے سے پہلے وجود میں آچکا تھا، اور جسے خود انھیں کے بقول "دفتر در دفتر" ہونا چاہیے تھا، اس طرح محفوظ نہیں کیا گیا جس طرح اس کے بعد کا کلام ہوا، اور اگر کچھ ہو بھی گیا تو اُسے اس کی تاریخی حیثیت نہیں دی جاسکی؛ اور اگر کبھی کہیں دی بھی گئی تو قطعاً سرسری طور پر۔ ہوسکتا ہے یہی وجہ رہی ہو جو اُن کے کہے ہوئے ہزاروں مرثیوں میں سے صرف تین سو کچھ ہی چھپ پائے، یا دوسری طرح کہا جائے تو اتنے مرثیے (ملاحظہ ہوں اندراجات ضمیمہ) بے چھپے رہ گئے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کی طرف معتبرینِ فضل و فن کی توجہ اس وقت جاکر بھرپور

ہوئی جب مرثیہ کی ادبی حیثیت کو تسلیم کرنا ناگزیر ہوگیا تھا؛ اور چونکہ ایسا ہونے میں انیس اور کلامِ انیس زیادہ پیش پیش رہے، اس لیے ان کی شعری زندگی کا کامیاب ترین دور زیادہ مدِ نظر رہا، اور اسی دور کے زیادہ تر مرثیے ان کی نمایندگی کے لیے کافی سمجھ لیے گئے، چنانچہ اشاعت بھی اوّل اوّل زیادہ تر انھیں کی ہوئی، اور ان کے فکر و فن کے بارے میں تنقیدی اور تقابلی اندازے بھی انھیں کو اکثر و بیشتر سامنے رکھ کر لگائے گئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ انیسویں صدی کے اواخر سے تیز تر ہو جانے والی احیائی کاوشیں اور قومی اعتماد کی بحالی کی کوششوں کو ایک "نظم گو" انیس کی بھی شدید ضرورت پڑ گئی، یعنی ایک ایسے حماسہ رقم شاعر کی جو ایک طرف تو ہومر اور شکسپیر کا جواب، اور دوسری طرف کالی داس اور فردوسی کا نعم البدل ہو سکے۔ چنانچہ وہ انشائے غالب ہو یا عبارتِ آزاد، مقدمۂ حالی ہو کہ موازنۂ شبلی ان سب کا موضوعِ سخن کم و بیش ایک ہی انیس رہا۔ رزم و بزم کا دھنی انیس؛ ایپک نگار، مصورِ فطرت، جذبات کا عکاس، ساتھ ہی ساتھ مبالغہ آرا اور نازک خیال انیس۔ نوبت بالآخر یہاں تک پہنچی کہ ابھی موجودہ صدی کی ابتدا ہوئی ہی تھی کہ انیس شناس حضرات نے پے بہ پے یہ آواز اٹھانی شروع کر دی کہ "کاش! اس شاعرِ اعظم نے کربلا کے عظیم واقعہ پر ایک طویل رزمیہ نظم تصنیف کی ہوتی، جو ہماری شاعری کی عظمت میں اضافہ کرتی، اور جسے ہم دنیا کی عظیم رزمیہ نظموں کے مقابلے میں پیش کر سکتے"۔

صاحبانِ رائے کا اس طرح ارمان کرنا، یا جیسا کہ ایک اور صاحبِ نظر اکثر کہا کرتے تھے یہ خیال رکھنا کہ انیس نے اتنے مرثیوں کی جگہ ایک مثنوی کیوں نہ کہی جو سارے واقعات پر حاوی ہوتی؛ یہ سب باتیں اپنی جگہ مستحسن اور مفید سہی؛ اور یہ بھی مسلّم سہی کہ خود انیس چاہتے تو ان کی فکری اور فنی صلاحیتیں اتنی تھیں، اور صنفِ مرثیہ کی رفتارِ ترقی کا یہ عالم تھا کہ یہ کوئی امرِ محال بھی نہیں تھا۔ لیکن سوال پہلا تو یہ ہے کہ ہماری آج کی پسند اور ضرورت کے مطابق اس زمانے کی پسند اور ضرورت بھی یا ہو بھی سکتی تھی کہ نہیں! دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا میر انیس جیسا اپنے وقت اور زمانے کا نمایندہ، زندگی کا ترجمان، اور اس کے تہذیبی تقاضوں کا ذمہ دار شاعر ایسا کر بھی سکتا تھا

ہم سمجھتے ہیں مرثیہ بالخصوص سرزمینِ اودھ کا ساختہ پرداختہ مرثیہ۔ اس کا مزاج و کردار ہی ایسا تھا کہ نہ وہ خالصتاً "رزمیہ" ہو سکتا تھا اور نہ اس سے زیادہ "طویل" جتنا وہ ہوتے ہوتے ہوگیا۔ وجہ یہ کہ ابتدا ہی

سے مرثیے کا مزاج ایک عوامی نظم کا تھا؛ اودھ میں آکر وہ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اس کے علاوہ وہ مرثیہ جس نے فیض آباد سے لے کر لکھنؤ تک اپنی ارتقا کے ابتدائی مراحل طے کیے اس کا کردار برابر برابر ادبی اور فنّی دونوں تھا؛ یعنی اگر وہ علمِ بدیع اور علمِ بیان کے معیارِ اعتبار پر پورا اتر سکتا تھا تو اس کے لیے یہ بھی اتنا ہی لازمی تھا کہ وہ اپنے اندر فنِّ خطابت، فنِ مرثیہ خوانی اور فنِّ تمثیل بیانی کے تمام لطائف و کوائف کے لیے بھی بھرپور گنجایش رکھے۔

یہ دونوں صورتیں، فعّال اور محرک حدوں تک، بہم نہ ہوتیں تو حکومتِ وقت کی حوصلہ افزائیوں کے باوجود اودھ آکر بھی مرثیہ اتنا ہی فروغ پا سکتا جتنا بالخصوص دکن میں، اس لیے کہ شیعی سلطنتیں تو وہاں بھی قائم تھیں؛ پھر بھی وہاں یہ نہ ہوسکا کہ مرثیہ دیہات دیہات، قریہ قریہ اور قصبہ قصبہ پہنچ جائے اور وہاں بھی اتنا مروّج و مقبول ہو کہ ایک نیا ادبی مذاق پیدا کردے اور نئے فنّی مشغلوں کو اکسادے۔ ہمیں میر انیس کے مسلّمہ طور پر بالکل ابتدائی دَور کے کئی مرثیے ملے ہیں جو اَودھ کے دُور افتادہ دیہات اور قصبہ جات کے باذوق حضرات کے "بستوں" میں (ملاحظہ ہو حصۂ ضمیمہ جات) محفوظ تھے۔ انھیں میں کچھ وہ بھی ہیں جو برحسبِ قرائن شاید اسی وجہ سے اب تک چھپ بھی نہ سکے۔

پھر دور کیوں جائیے۔ ایسے تمام مرثیوں میں، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھینگے کہ خود ہی ایسے بیّن اور حتمی شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر یہ سمجھنا اور سمجھانا آسان ہوجاتا ہے کہ اَودھ پہنچ کر مرثیہ شروع ہی سے نہ صرف "رونے رُلانے کی چیز" رہ گیا تھا، نہ صرف طبقۂ خواص کے لیے مخصوص کیا جاسکا تھا؛ اسی لیے روایت و رسم، یا تصنّع و تکلّف کے ہاتھوں نہ اس کی باڑھ ماری گئی تھی اور نہ وہ کسی گھر بند رہ سکا تھا۔

ان حالات میں سوچنے کی بات ہے کہ "مرثیہ"، بفرضِ محال، "طویل نظم" کی صورت اختیار بھی کرتا تو صورت "مثنوی" ہی کی ہوسکتی تھی۔ مگر کیا "مثنوی" بہ حیثیت ایک صنفِ ادب، اپنے اندر اتنی سکت رکھتی بھی تھی کہ وہ "مرثیہ" کا پورا پورا بھار اُٹھا لیتی؟

ہمارے نزدیک یہ سوال اور اس کا معقول جواب دونوں بہت اہم ہیں؛ اس لیے اس سمت تھوڑی دیر توجہ ضروری ہے۔

اس عہد کے اودھ میں، بہ حسنِ اتفاق "مثنوی" کے تین ادبی سلسلے قریب قریب یکساں فروغ پائے ہوئے تھے: ان میں ایک سلسلہ، مقابلتاً قدیم تر اور مقبول تر، اودھی بھاکھا کا تھا؛ دوسرا خود اردو کا تھا، اور تیسرا فارسی کا۔ چنانچہ چندآین اور پدماوت اودھی بھاکھا کی، خواب و خیال اور سحرالبیان اردو کی؛ اسی طرح مثنوی مولانا روم اور شاہنامہ، سکندرنامہ اور حملۂ حیدری جیسی مثنویاں فارسی کی ۔۔ ان سب نے اس زمانے کے اودھ میں طرح طرح سے دھومیں مچا رکھی تھیں ۔۔ اور، خود میر انیس کے بارے میں چشم دید شہادت موجود ہے کہ:

"جب کبھی وہ بے تکلف احباب کی صحبت میں کمرے کے دروازے بند کر کے اپنے دادا میر حسن کی مثنوی، بلند آواز سے پڑھتے تھے، تو راہگیر کھڑے ہو کر دیر تک سنا کرتے تھے۔" (انیسیات: ۳۹)

اس سے ان کا، اپنے عہد کی ایک کامیاب ترین، اور خاندانی و جذباتی تعلق کی بنا پر گویا خود اپنی مثنوی سے ذہناً اور عملاً بہ غایت متعلق و متاثر ہونا درجۂ ثبوت کو پہنچ کر قابلِ یقین ہو جاتا ہے؛ اور اسی حد تک یہ زور دے کر کہا بھی جا سکتا ہے کہ انیس مثنوی کو اس قابل جانتے تو وہ مرثیے سے بہ نظرِ عقیدت یا بہ غرضِ حصولِ ثواب، یا بر بنائے رابطۂ خاندانی ناتہ چاہے نہ بھی توڑتے، پھر بھی دادا کی پروان چڑھائی ہوئی روایت کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے، خاص کر جب کہ وہ مثنوی کے گُن ڈھنگ سے یہی نہیں کہ بخوبی واقف تھے، بلکہ انھوں نے اپنے دَورِ ابتدائی کے ان مختصر اور نیم طویل مرثیوں میں (جن کا ہم آگے چل کر ایک ہیوا پیش کرنا چاہتے ہیں) ٹھیٹھ اور بامحاورہ زبان میں عوامی روزمرّہ کو جس طرح شامل کیا ہے، جس طرح تسلسلِ کلام کے حق میں جتن کیے ہیں، اور جس طرح ایک کے بعد ایک واقعے کے رونما ہونے اور حالات کے خود ہی اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھتے رہنے کا التزام کیا ہے، وہ بہت کچھ اس امر کی غمّازی کرتا ہے کہ وہ مثنوی کا سلیقۂ بیان اور اس کا فنّی شعور رکھتے تھے؛ نیز یہ کہ صنفِ مثنوی کے ہر ہونہار عنصر پر ان کی نظر بھی تھی، اور وہ چاہتے بھی تھے اور جانتے بھی تھے کہ کیسے اور کس حد تک انھیں مرثیے کے پیکر اور اس کی ہیئت میں سمو یا جائے۔

تاہم، وہ مثنوی کے تکملہ و ترقی کے اصولوں اور اس کے تکنیکی طریقوں سے باخبر ہونے کی وجہ سے اس کی سمت و جہت کو بھی جانتے پہچانتے تھے اور اس کا بھی بہت ہی صریح و صحیح اندازہ رکھتے تھے کہ کہاں مثنوی کی حدیں ختم ہوتی ہیں اور کہاں سے مرثیے کی شروع۔ مرثیے کی تعمیری ساخت، اس

کے بیرونی، اندرونی عناصر ترکیبی، اس کا مقصد اور تصوّرِ فن ——— یہ سب کچھ اور تھے، مثنوی کے کچھ اور۔ اسی طرح مرثیے کے موضوعی، صنفی اور عروضی عوامل الگ تھے۔ مثنوی کے الگ۔ مثنوی کی بحریں متعیّن تھیں، مرثیے کی مخصوص مگر غیر متعیّن۔ مثنوی، قصیدہ تو قصیدہ، غزل کا مزاج بھی نہیں برت سکتی تھی، چنانچہ خسرو اور ظہوری جیسوں کو، یا خود میر حسن کو ابیات کے دریا میں بہتے بہتے اکثر غزل کے ٹاپو الگ سے بسانے پڑے ہیں۔ اسی طرح اس کے برخلاف اودھ کا مرثیہ تو روحِ قصیدہ کے گویا احیاء کا باعث ہوا، اور تغزّل کے سنہرے، روپہلے تاروں سے تو مرثیہ کا تانا بانا ہی تیار ہوا تھا۔ اس کے باوجود مرثیہ کا موضوع، ساتھ ہی ساتھ اس کے تکنیکی تقاضے، اور اس کے موضوع و بیان کے شایانِ شان اس کا شعری مزاج ——— یہ سب اس کے ایسے خصائص تھے کہ مرثیہ نہ صرف بیانیہ و رزمیہ ہو سکتا تھا، نہ صرف حُزنیہ یہاں تک کہ صرف رثائیہ بھی نہیں۔ ہمیں اتفاق سے میر انیس کے شروعِ مشق کے کئی مرثیے ملے۔ ان میں زیادہ تر نایاب و نادر ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اب تک کہیں چھپے بھی نہیں؛ یہ موجودہ مجموعۂ کلام میں شامل کیے جا رہے ہیں، انھیں بیک نظر دیکھنے سے بھی یہ معاً سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ سارا رکھ رکھاؤ مثنوی کے بس کی بات نہ تھی۔

مثنوی تو اپنے بیان کی رَو میں بہتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ باشکوہ الفاظ، شوکتِ بیان، صوتی تناسبات، اور شدّ و مدّ حرکات و سکنات؛ یا طومار و تلازمہ؛ یا محاکاتی اور نفسیاتی جزئیات نگاری کی اس میں سمائی کہاں۔ پھر اودھ کا مرثیہ جہاں اپنے سماج کا پروردہ تھا، وہاں وہ اپنے سامع کو سامنے رکھ کر کہا بھی جاتا تھا، اور اسی کو سامنے بٹھا کر پڑھا بھی جاتا تھا۔ اور اس طرح پڑھا جاتا تھا کہ "لکھا ہوا" لفظ لفظ یوں ادا ہو جائے کہ سُننے والے پر معانی و مطالب کے ساتھ وہی کیفیات و تاثرات بھی طاری ہوتے چلے جائیں جو موضوعِ بیان اور مقصودِ کلام ہیں۔

ویسے پڑھی مثنوی بھی جاتی تھی؛ میر انیس خود ہی پڑھا کرتے تھے؛ اور مثنوی مولانا روم، یا ابیات اقبال تو آج بھی خوب خوب پڑھی جا رہی ہیں؛ اسی طرح ایک زمانے تک شاہنامہ خوانی اسی زور شور سے ہوا کی ہے؛ اور ایسے ایسے شاہنامہ خوان گذرے ہیں جو تاریخ میں اپنا نام چھوڑ گئے ہیں؛ مگر وہ خواندگی تمام تر غنائی تھی، شعر و نغمہ کے جانے مانے تعلقات کے تحت؛ تحت اللفظ خوانی نہیں تھی، اور نہ ایسی کوئی چیز تھی جو فنِ شعر و ادب کو خود بھی اپنا تابع بنا سکے۔ اس کے علی الرغم مرثیہ صرف پڑھا ہی نہیں جاتا تھا، کہا بھی اس طرح جاتا تھا کہ جیسے کہا گیا ہے ویسے ہی پڑھا بھی جا سکے۔

یہی باعث ہوا کہ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی، بالخصوص میر خلیق اور ان کے اپنے گھر والوں کی، ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم سی بنتی گئیں، تا آنکہ مرثیہ گوئی اگر ان کے ہاتھوں اپنے فنی کمال کو پہنچی، یا تکنیکی طور پر نگ سک سجی اور ترسیل و ابلاغ کا ایک معجزہ بن گئی تو اس سب میں مرثیہ خوانی اس کی برابر کی شریک رہی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کا بہت کچھ اسی کی شہ پر وجود میں آیا۔" اکثر نقاد اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ مرثیہ کے تحت اللفظ پڑھے جانے کی وجہ سے مرثیہ نویسی پر کیا اثر پڑا"؟ پروفیسر احتشام کا یہ اشارہ اسی جانب تھا!

اس صورتِ حال نے ایک اور ادبی واقعہ کی یاد دلادی۔ محتشم کاشانی کی مرثیہ گوئی پر کسی نے اعتراض کیا! فیضی نے اس کے اعتراض اور اپنے جواب کو اس بے ساختگی اور نکتہ رسی کے ساتھ نظم کر دیا ہے کہ ادب المرثیہ کے متعلق رائے رکھنے والے حضرات اس سے آج بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ فیضی کہتا ہے:

حریر بافِ سخن محتشم کہ در کاشاں — بہ طرزِ تازۂ طرزِ سخنوری دارد
یکی زنکتہ وراں گفت: "دیدم اشعارش — عبارتی است کہ معنیٔ سرسری دارد"
بگفتمش: "سخنِ او عبارتی ست، ولی — عبارتی کہ بہ معنیٰ برابری دارد"!

محتشم سے میر مستحسن اور ایران سے ہندوستان تک آتے آتے اردو مرثیہ کئی ہفتخواں طے کر چکا تھا! اس لیے اگر محتشم کے لیے وہ "تعبیرِ معنیٰ" بن سکا تھا، تو اس صنف کے داعیٔ بے بدل انیس کے ہاتھوں "تعبیرِ معنی اور تصویرِ کیف و اثر" دونوں ہوگیا، اور خواندگی کو بھی شامل کر لیجیے، تو پھر وہ بہ جملہ وجوہ ہمہ جہت تھا! آج کے تنقیدی آرٹ کی اصطلاح میں MULTI-DIMENSIONAL اور سنسکرت کی اصطلاح میں "سَروَ آیامی" یعنی اس میں اَرتھ، بھاؤ اور رَس تینوں کا وہ سماگم تھا کہ مرثیۂ انیس کو چاہے نٹک کا ویہ قرار دیں، چاہے کھنڈ کاویہ، لیکن وہ اپنی جگہ مہا کاویہ کا روپ سَروپ ہی نہیں سارا کا سارا سبھاؤ رکھتا تھا۔

خلاصۂ بحث یہ کہ انیس کو اپنی تسکینِ خاطر کے لیے ایپک نگار کہہ لینا اور بات ہے، مگر ان کی عظمت کا دار و مدار اس پر نہیں کہ وہ ایپک نگار تھے بلکہ اس پر ہے کہ انھوں نے جذبات حماست EPIC EMOTIONS کو برانگیختہ کیا! اور یہ کام وہ مرثیہ ہی کو وسیلۂ فن بنا کر انجام دے سکتے تھے، مثنوی یا کسی اور صنفِ نظم کو نہیں۔ اسی لیے یہ ہوا بھی، اور مبصرین نے اس کی پذیرائی

بھی کی، کہ انیس نے مرثیہ کا مفہوم ہی بدل دیا۔ مرثیہ کہہ کر بھی اور مرثیہ پڑھ کر بھی۔ اب ہمیں اس پوری حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ اور اس میں جتنا معروضی اندازِ نظر برتا جا سکے اتنا ہی بہتر۔

اس سلسلے میں اجتماعی زندگی کے ضروری محرکات، مقدمتاً اس کے ان سماجی، ثقافتی عوامل کو بھی سمجھنا واجب آتا ہے جنھوں نے انیس اور مرثیہ دونوں پر اپنے تقاضے عائد کیے، ساتھ ہی ساتھ دونوں کی نشو و نما کے لیے ماحول کو سازگار بنایا۔ مثل مشہور ہے: "اٹھتا خمیر چینی کا ہے ساٹھ سال بعد"۔ یہی حال تہذیبوں کا بھی ہے، کم سے کم آدھی صدی لگ جاتی ہے ایک تہذیب کو نیا چولا بدلتے۔ عہدِ انیس کی اودھی تہذیب کو بھی قریب قریب اتنے ہی دن لگے اپنا وہ روپ دھارن کرتے جسے لکھنؤ سے خصوصی نسبت دی جانے لگی۔ اس تہذیب کا ترتیبی عمل نادر شاہ کے ہاتھوں دلی کا سہاگ لٹنے (۱۷۳۹ء) کے بعد اور بھی تیز تر ہوگیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب نواب صفدر جنگ، ایرانی پارٹی کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے "دلی دربار پر اور بھی چھا گئے، اور انھیں یہاں کی "روز افزوں اور گوناگوں مصروفیات" کو دیکھتے ہوئے اودھ میں راجہ نول رائے کو اپنا نائب مقرر کرنا پڑا۔ ان کے علاوہ انھیں دنوں راجندر گر گوسائیں ان کے سپہ سالار، راجہ رام نراین دیوانِ مملکت، اور راجہ لچھمی نراین ان کی طرف سے دلی دربار میں وکیل نامزد ہوئے۔ اسے سیاسی مصلحت اور انتظامی ضرورت کہیے، یا مذہبی رواداری اور تہذیبی فراخدلی، بہرکیف یہ اور اس سے پیدا ہونے والی صورتِ احوال نے علاقۂ اودھ میں جس طرزِ زندگی کو پالا پوسا، وہ آپ اپنی مثال نہ بھی کہی جائے تو بھی غیر معمولی تو ضرور ہی تھی، اور اس کا اثر اس زمانے کے فکر و فن پر پڑنا بھی لابُد تھا۔ خاص کر جب مذکورہ صورتِ حالات کے مدِّ مقابل اور اس کی ممد و معاون کچھ اور صورتیں بھی تھیں، مثلاً خود نواب صفدر جنگ، یعنی ابو منصور مرزا مقیم نیشاپوری کا ۱۵ سال کی عمر تک ایران کی اعلیٰ درسگاہوں میں تعلیم پا کر ہندوستان "آنا، اور یہاں پھر اتنے ہی عرصے تک" اپنے ماموں سعادت خان برہان الملک کے زیرِ تربیت رہ کر اودھ کے "نائب ناظم کی ذمہ داری سنبھالنا۔ اسی کے ساتھ ان کی عالمانہ علم دوستی اور مدبرانہ سپاہی منشی دونوں کا اودھ جیسے حساس خطۂ زمین پر بسنے والوں کے لیے مثالیں قائم کرنا؛ فوج کی تنظیم اور آراستگی اور بہترین اسلحے کی فراہمی میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لینا: ان کی فوج میں معمولی ہندوستانی سپاہیوں کی اکثریت کا اودھی، اور ولایتی مغل اور قزلباش کا صرف ترکی یا فارسی بولنا اور انھیں کے ساتھ ان ہندوستانی سپاہیوں اور سرداروں کا بھی ہونا جو مغل انداز سے رہتے تھے" اور زیادہ تر فارسی ہی بولتے تھے۔

اس نسلی اور لسانی رنگا رنگی کی ہماہمی نے "اردو دفتر" کی اسامی کو سرکاری ضرورت بنا دیا ہو تو کیا عجب! پھر سونے میں سہاگا یہ کہ یہ سب اس دھرتی پر ہو رہا تھا جو اودھ یعنی ایودھیا، یعنی رام کا دھام، اور اپنے پھیلے پھیلائے کوشل دیش کے روپ میں گوتم کی جولانگاہ رہ چکی تھی؛ جسے تب سے ہزاروں سال بعد بھی امیر خسرو نے "جتنا شاداب اتنا ہی مردم خیز" پایا تھا، اور جہاں کی عوامی بولی، شاید انھیں سب وجوہ کی بنا پر ایک ادبی زبان کا معیار و اعتبار حاصل کرنے میں اتنا پہل کر سکی تھی کہ اس سے پہلے کے لکھے ہوئے مہاکاویہ کسی بھی علاقائی بولی میں آج بھی ڈھونڈے نہیں ملتے۔

انیس اسی ایودھیا میں پیدا ہوئے، یہیں پلے بڑھے، یہیں جوان ہوئے؛ اور یہیں مرثیہ ان کے ساتھ سنِ شعور کو پہنچا اور بالغ ہوا، اور ایک طرح دیکھا جائے تو یہیں اپنے فروغ کی کئی منزلیں طے کر کے انھیں کے ہمراہ لکھنؤ پہنچا۔ اس پورے سلسلۂ وقوع کو ایک واقعے کی صورت نظر میں رکھا جائے تو اس کا پہلا نجی اور عینی شاہد مرثیۂ انیس کی زبان ٹھہرتی ہے جو اپنے الھڑپن کے زمانے میں بھی "دلّی کی معلوم بھی ہوتی ہے تو کہیں کہیں، مگر لکھنؤ کی کہیں بھی نہیں۔ ان کا ایک مرثیہ ہے جو اب تک کبھی اور کہیں نہیں چھپا، اس کا مطلع ہے:

جب سبطِ نبیؐ گھر گئے میدانِ ستم میں (بند ۵۵)

اس کا قلمی نسخہ سیّد حسین ولد سیّد کرم حسین صاحب کے "بستے" سے ملا؛ سرورق پر مہر ۱۳۱۶ھ کی ہے، اور ترقیمہ کی صورت میں جو سالِ کتابت درج ہے، وہ ہے ۱۸۹۹ عیسوی۔ اس طرح اس مرثیہ کو میر انیس کے قریب ۲۵ سال بعد کا ہونا چاہیے، مگر اسی کا ایک اور نسخہ ۱۲۵۳ھ کا تحریر کردہ ذخیرۂ مسعودی کی دوسری جلد میں ملتا ہے۔ اس سے اس مرثیہ کا زمانۂ تصنیف قریب ۶۲ سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ پیچھے ہٹ کر متعین ہوتا ہے؛ یعنی اس بنا پر یہ بڑی حد تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرثیہ میر انیس کے زمانۂ قیامِ فیض آباد کی تخلیق ہے؛ اور چونکہ اتنا تو بہ اتفاق رائے کہا جا سکتا ہے کہ میر انیس فیض آباد چھوڑ کر جب مستقل اقامت کے لیے لکھنؤ آئے ہیں، اس وقت ان کی عمر ۴۲ سال سے کچھ زیادہ ہی تھی، اس لیے یہی ایک مرثیہ کیا، اس کے دس، پانچ سال بعد کے قلمی کیے ہوئے تمام مرثیے بھی اسی زمانے کی تصنیف ہونے چاہییں۔

اس کو بنائے محکم مان کر کچھ مفید مطلب باتیں متصوّر کی جا سکتی ہیں۔ صاحبِ یادگار کا کہنا ہے کہ پندرہ سولہ برس کے سن ہی میں "دل کا جوش اشعار کی صورت میں ظاہر ہونے لگا" تھا، یعنی میر انیس نے اوروں

کی دیکھا دیکھی غزل کہنا شروع کر دیا تھا۔ مرثیہ کہنا انھوں نے کب شروع کیا یہ مصدّق طور سے نہیں معلوم، البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ میر ضمیر کے "طرزِ نوی" سے جس جدید دور کا آغاز ۱۲۴۹ ہجری سے ہونا بتایا جاتا ہے اس سے کہیں پہلے میر انیس نے مرثیہ کہنا اور پڑھنا بلکہ تقسیم کرنا بھی شروع کر دیا تھا اس لیے کہ ۱۲۴۳ اور ۱۲۴۴ھ کے بھی لکھے ہوئے دو ایک مرثیے جو ہماری نظر سے گذرے ہیں، وہ دوسروں کے بستوں سے حاصل کیے گئے ہیں۔ پھر یہ ابتدائی دَور کے تو ضرور ہیں مگر بتدیانہ نہیں، چنانچہ:

قتل جب رن میں ہوئے مونس و غمخوارِ حسین (۴۴ بند)

یہ ۱۲۴۳ھ کا تحریر کردہ ایک مختصر سا مرثیہ ہے، مگر

اے مومنو! کیا مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے (۱۰۲ بند)

یہ اسی کے ایک سال بعد کا، یعنی ۱۲۴۴ھ کا لکھا ہوا ہے، لیکن اتنا مختصر بھی نہیں۔ رہی کلام کی پختگی اس کے آثار اس میں بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں بھی۔ اسی طرح کئی اور مرثیے بھی ہیں جن کے نسخے ۱۲۶۰ھ سے پہلے کے تیار کیے ہوئے ملے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حصۂ ضمیمہ جات) یہ مختصر بھی ہیں اور طویل بھی۔ ساتھ ہی ساتھ معیاری بھی اور معروف بھی؛ مثلاً:

۱	جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاہ کا	(۴۳ بند)	محررۂ ۱۲۵۵ھ
۲	دشتِ جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے	(۷۰ بند)	محررۂ ۱۲۵۴ھ
۳	ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں	(۱۲۶ بند)	محررۂ ۱۲۵۵ھ

یا پھر انھیں کے آس پاس کا تیار کردہ نسخہ ایک ایسے مرثیے کا جسے "لافانیاتِ انیس" میں شمار کیا جاسکتا ہے، یعنی:

آج شبّیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے (۵۴ بند)

یہ ماہ شوال ۱۲۵۷ھ کا تحریر کردہ مرثیہ بھی یقیناً اس سے پہلے کہا اور پڑھا جاچکا ہوگا، تب ہی تو تقسیم کیا جاسکا۔

ایسے ہی معیاری، معروف اور غیر معروف متعدّد مرثیے ہیں جن کے ابتدائی نسخوں کو سامنے رکھ کر اگر ان کے زمانۂ تصنیف کا اندازہ لگایا جاسکے، تو لامحالہ اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ انیس کی مرثیہ نگاری فیض آباد ہی میں اپنے دو اہم ترین تعمیری دور پورے کر چکی تھی: پہلا دور وہ، جب وہ اپنے باپ میر خلیق

کی طرح ۴۰ ۔ ۵۰ بند کے مرثیے بلا کسی تمہید کے اور تمام تر بیانیہ اور بینیہ کہا کرتے تھے؛ دوسرا دور وہ، جس میں ان کی انفرادیت، ودیعتِ فطرت اور ان کے اپنے زمانے کے فیض آباد، اس کی مذہبی فضا، اور اس سے زیادہ اس کی تہذیبی سرگرمیوں کے زیرِ اثر رنگ لا چکی تھی۔ اس دور کے مرثیوں میں ظاہری تبدیلیاں تو معمولی ہیں، مگر داخلی بہت دور رس ہیں؛ یعنی ایک تو بندوں کی تعداد ۴۰۔۵۰ سے بڑھ کر ۱۰۰۔۱۲۵ تک پہنچ جاتی ہے؛ دوسرے ایسا لگتا ہے کہ مرثیہ اب صرف رونے رلانے کی چیز نہیں رہا، اس لیے کہ اس کا سامع اب وہ نہیں رہا: اب صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرثیے کے موضوعات اور اس کے مقاصدِ تصنیف کو کچھ ایسے تقاضوں کا سامنا تھا جو اتنے شدید بھی تھے کہ میر انیس جیسا صاحبِ حسّ و شعور انھیں پورا کیے بغیر رہ ہی نہ سکتا تھا۔

چنانچہ مراثیِ انیس کے زیادہ سے زیادہ پرانے نسخے جواب بھی کہیں کسی صورت میں محفوظ پائے جاتے ہیں اور جن پر ان کا سالِ کتابت بھی درج ہے، اگر ان کا ایک سلسلہ قائم کیا جا سکے تو عین ممکن ہے کہ ہمارے اس خیال کی مزید تائید ہو سکے کہ ان میں چند در چند خصوصیات ایسی ہیں جو ایک طرف تو ایودھیا کے نکٹ فیض آباد بس جانے کے سماجی و تہذیبی عوامل کی آئینہ دار ہیں، اور دوسری طرف اس امر کی شاہد ہیں کہ انیس نے اپنے عہد اور سرزمین اودھ یعنی ایودھیا نگری سے منسوب علاقے سے کیا کیا ثبت اثرات قبول کیے اور کس حد تک اور کس کس طرح وہ ان کے کلام میں سرایت کرتے گئے یہاں تک کہ کیا طریقۂ بیان اور کیا سلیقۂ زبان، ان کے اس تعلق کی چھوٹ دونوں پر یکساں پڑتی دکھائی دیتی ہے۔

چنانچہ وہ بالآخر جب لکھنؤ پہنچے بھی تو ان کے رنج کے تربیت دادہ فن، جس کی ساکھ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں کے سہارے قائم تھی، اس نے لکھنؤ سے لیا کم اور اسے دیا زیادہ۔ یہی وجہ ہوئی کہ ادب المرثیہ سے شغف رکھنے والے صاحبانِ فکر و نظر اس نتیجے پر پہنچ سکے کہ میر انیس پر لکھنؤ کبھی نہ چھا سکا، البتہ وہ لکھنؤ پر چھا کے رہے"۔

یہ حقیقت اپنی جگہ بہت ہی معرکہ خیز ہے، اور سچ یہ ہے کہ اسے شق در شق ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر بھی اس حقیقت کے کچھ پہلو آپ ہی اتنے اجاگر ہیں کہ ان کی سمت معمولی سے اشارے بھی شاید کافی ہوں۔ مثال کے طور پر ان کی شعری زبان، جسے وہ "اپنے گھر کی زبان" کہا کرتے تھے؛ اور موقع پڑتا تو یہ بھی جتا دیتے کہ "اہلِ لکھنؤ یوں نہیں بولتے"۔
ظاہر ہے کہ زبان، بالخصوص شعری اور ادبی زبان، کوئی بھی ہو، کسی ایک کے گھر کی نہیں ہوا کرتی؛ مگر

انیسؔ جیسے ذہنی امانت، فکری متانت اور فنی دیانت کے دھنی کا ایسا کہنا، بار بار کہنا، بالائے منبر اسی لکھنؤ میں بیٹھ کر کہنا، جس کو خود اپنی زبان کا کچھ کم دعویٰ نہ تھا، یقیناً وزن و وقعت رکھتا ہے۔ ہمیں ان کی اس بات کو پوری طور سے سمجھنا ہو گا۔ اتنا تو بہرحال واضح ہے، اور اسے تسلیم کر لینے میں تامل نہ ہونا چاہیے کہ ان کے خاندان کو فیض آباد پہنچتے ہی ایک بنتی ہوئی زبان سے وابستہ ہونا پڑا۔ اس زبان سے ان کے بزرگوں کو جو خصوصی لگاؤ تھا وہ دانشورانہ بھی تھا اور پیشہ ورانہ بھی۔ یعنی میر انیسؔ کے باپ اور دادا نے جس زبان کی خدمت اپنا کارِ منصبی جان کر کی، اسی زبان کو انھوں نے اپنی شعر گوئی کے لیے اپنایا؛ اور پھر اسے اتنی ترقی دی کہ بہ الفاظ میر شیر علی افسوسؔ اسی زبان نے میر انیسؔ کے دادا میر حسنؔ کی مثنوی "سحر البیان کو "موہنی منتر" بنا دیا، اور اسی نے ان کے والد میر مستحسن خلیقؔ کی مرثیہ گوئی میں وہ گُن ڈھنگ دکھائے کہ شیخ ناسخ جیسے استادِ زمانہ سے بیساختہ کہلا ہی لیا کہ "زبان سیکھنی ہو تو میر خلیقؔ کے پاس جاؤ"۔

کیا عجب کہ انھیں حالات کے پیشِ نظر میر انیسؔ نے اپنی زبان کو اپنے گھر کی زبان کہا، اور اس طرح قسم کھائی، کہ

حقا! کہ یہ خلیقؔ کی ہے سر بسر زباں

اس زبان کی امتیازی خصوصیات چند در چند ہیں۔ ان کا اندازہ میر حسنؔ، میر خلیقؔ اور میر انیسؔ کے کلام پر ایک سرسری تقابلی نظر ڈال کر بھی لگایا جا سکتا ہے۔ ویسے میر انیسؔ اس خانوادۂ فضل و فن کے خاتم ہوئے ہیں۔ اس لیے صرف انھیں کے کہے کو سامنے رکھ کر بھی بہت کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً اس میں جو ایک بہت ہی انوٹھا ٹھیٹھ پن ہے؛ یعنی الفاظ و محاورات نپٹ دیسی ہوں، یا تازہ وارد ولایتی؛ ان کو اسی طرح نظم کر دینا جس طرح وہ ان دنوں بولے جاتے تھے، عام اس سے کہ اردو روزمرہ اور فارسی متداول میں وہ اس طرح مستعمل تھے بھی یا نہیں۔ ان کا یقیناً قیامِ فیض آباد کے زمانے کا ایک مرثیہ ہے:

کام آ چکی جب فوج امامِ مدنی کی

یہ اب تک کہیں چھپا نہیں۔ اس میں وہ امامؑ کا سراپا نظم فرماتے ہیں تو بیت دیتے ہیں:

تعریف ہے دندانِ شہِ جن و بشر کی
یہ درج ہیں یاقوت کی شمرن ہے گہر کی (۲۸ بند)

یہاں شمرن کا لفظ، اور وہ بھی امامؑ کے دُرِ دنداں سے اسے مشابہ قرار دینا بڑی حد تک یقین دلاتا ہے

کہ بَین اور سوگ جیسے اودھی بھاکا سے حاصل کیے ہوئے لفظوں کی طرح میر انیس نے اسے بھی معیاری گردان لیا تھا۔ ویسے کبیرؔ اور جائسی ان سے پہلے ہی اسے ایک شعری علامت کا درجہ دے چکے تھے۔

اسی طرح اسی مرثیے کے پانچویں بند میں اودھ کی عامی زبان کا ایک لفظ نظم ہوا ہے؛ مصرعہ ہے:

کھانا تھا مہیا نہ ٹھنڈائی تھی مہیا (بند ۵)

ٹھنڈائی، بروزن صفائی، بمعنی پینے کا پانی عوام بولتے تھے، آج بھی بولتے ہیں۔ میر انیس نے اسے مرثیے کی زبان سے جزوِ بدن ہونے کا موقع دے کر اپنی جرأتِ اجتہاد کا ثبوت دیا ہے، یا پھر بزرگوں کے چلن کو اور آگے بڑھایا ہے۔ بہرطور وہ سمرن ہو یا ٹھنڈائی، یا اور اسی ڈھب کے ٹھیٹھ بولی کے، یا اودھی بھاکا کے ہزار ہا الفاظ جن سے انیس نے ادب المرثیہ کا دامن بھر دیا ہے، یہ دراصل وہ سکّہ ہائے رائج الوقت ہیں جو اپنی ٹکسال کا خود ہی پتا دیتے ہیں۔

پھر جب یہی الفاظ محاوروں میں ڈھلتے، یا نئے پرانے فارسی محاوروں کا ہاتھ بٹاتے نظر آتے ہیں تو یقیناً ایسا لگتا ہے کہ پھپھکتے ہوئے پودے میں نئی کوپلیں پھوٹ رہی ہوں۔ مثال کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں؛ انھیں غیر مطبوعہ مرثیوں کو لیجیے، اور کسوٹی چڑھتے ان محاوروں کی جانب توجہ فرمائیے جو دیسی اور فارسی کے میل سے کھرے کُندن ہوئے، اور اغلباً نئے ٹکسال باہر ہوئے ہیں، اس لیے کہ ان میں سے اکثر نہ پہلے کہیں نظر آتے ہیں، نہ بعد کو؛ اور بعد کو نظر آتے بھی ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبان آگے بڑھی تو یہ بھی اُس کے ساتھ وہ نہیں رہے جو تھے؛ صرف چند بیّن اور روشن مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

محاورہ	مرثیہ	شمار بند
سرانجام تیار ہونا	درپیش ہوا جب کہ سفر سبطِ نبیؐ کو	۲۰
ع - جلدی چلو ہے کوچ کا تیار سرانجام		
خیمہ کرنا		۲۶، ۲۸
ع - اس نہر پہ تم خیمہ ہمیں کرنے نہ دوگے!	″	
ع - بھائی چلو! ریتی ہی پہ ہم خیمہ کریں گے	″	

تلوار کرنا — در پیش ہوا جب کہ سفر سبطِ نبی کا

ع۔ عبّاس، مرے سر کی قسم! مت کرو تلوار

ستھراؤ پڑنا — ″ — ۳۴

ع۔ میدان میں کشتوں ہی کے ستھراؤ پڑے تھے

رقت تھامنا — جب ناخدائے کشتیِ ایماں ہوا شہید — ۲۶

ع۔ کی عرض عورتوں نے یہ رقّت کو تھام کے

بیلچا بیٹھنا — جب سکینہ پہ بہت پیاس نے طُغیانی کی — ۳۱

ع۔ بیلچا لُوٹ گیا اس پہ جو بیٹھا اس دم

گھر لُوٹ ہونا — جب تیغ ستم چل گئی لشکر پہ خدا کے — ۲۶

ع۔ گھر لُوٹ ہے جب فاطمہؑ کے لال کو مارا

اَوج مَوج — یعقوبِ مصطفیٰ سے جو یوسف جدا ہوا — ۴۶

ع۔ خالق رکھے حسینؑ کا دنیا میں اَوج مَوج

چھاتی جلانا — تاراج جب خیامِ شہِ کربلا ہوئے — ۲۷

ع۔ اس آتما کی آنچ نے چھاتی جلائی ہے

ان محاوروں پر فرداً فرداً نظر کی جائے، اور جن مرثیوں سے یہ محاورے لیے گئے ہیں، اور جن مرثیوں کے سالِ کتابت سے ان کا سرزمینِ فیض آباد کی پیداوار ہونا یقینی قرار دیا جا سکتا ہے، ان سب کو ایک ساتھ پڑھ کر دیکھا جائے تو یہی نہیں کہ مجموعی طور پر ان کی زبان ایک ہی زمانے کی معلوم ہوتی ہے بلکہ ان کی تمامی خصوصیات ایک ایک کر کے اپنے ماضی و مستقبل کا پتا دیتی ہیں۔ جو لفظ، جو محاورہ جیسے رواج پا رہا تھا، اُسے ویسے ہی نظم کرنا، نہ تلفّظ کو لغت کا پابند بنانا نہ املا کو دیسی محاوروں (مثلاً تلوار کرنا)، کو جوں کا توں نظم کر دینا، چاہے اردو کے اپنے محاوروں سے ان کا ٹکراؤ ہی کیوں نہ ہو

فارسی، عربی الفاظ سے بنے ہوئے نئے محاوروں (جیسے خیمہ کرنا؛ سرانجام تیار ہونا، رقت تھامنا) یا دیسی الفاظ پر آدھارت محاوروں (جیسے سُتھراؤ پڑنا، گھر لُوٹ ہونا، اور چھاتی جلانا) کو اپنے زمانے کے فیض آباد، یا یوں کہیے کہ ایودھیا کی سا کیت کی زبان روزمرّہ سے لے کر اس سلیقے سے جزوِ کلام بنانا کہ وہی مستند معلوم ہونے لگیں۔ درآں حالے کہ یہ اور ایسے تمام محاورے جہاں تک ہماری معلوماتی دسترس ہے، نہ تب اور نہ اس کے بعد کبھی کہیں نظر نہیں آتے!

پھر اگر انھیں مرثیوں کے کچھ اور ساتھی یعنی اب تک غیر مطبوعہ مرثیوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو لغات و اصطلاحات، محاورات و ترکیبات کی اکثریت ایسی ملتی ہے جو ٹاٹ باہر سی معلوم ہوتی ہے، چنانچہ اقبال کرنا، بہ معنی قبول کرنا:

اوّل تو یہ شک ہے کہ نہ اقبال کریں گے   (مرثیہ:
مانا بھی تو کیا جانیے کیا حال کریں گے   جب تیغِ ستم چل گئی لشکر پہ خدا کے)

اسی طرح، قدم دیکھنے آنا، قدم بوسی کے لیے حاضر ہونے کے مفہوم میں:

بھتی ہیں تو قدم دیکھنے، آئی، مرے مولا!   (مرثیہ:
لونڈی کو یہ کیا شکل دکھائی، مرے مولا!   جس وقت یہ شیریں نے سنا آتے ہیں شبیرؑ)

یا مجال نہ ہونا؛ اجازت نہ ہونے کی جگہ:

اک دوسرے کی شکل کو دیکھے نہ تھی مجال   (مرثیہ: جب ناخدائے کشتیِ ایماں ہوا شہید)

یا رؤیں کھڑے ہونا، بجائے رونگٹے کھڑے ہونا کے:

رؤیں کھڑے ہیں جسم پہ تن ہے عرق عرق   (مرثیہ: جس دم نمازِ صبح ادا کی حسین نے)

یہ بات اور زیادہ اثر انگیز صورت میں اختیار کر لیتی ہے جب فارسی روزمرّہ اور ٹھیٹھ دیسی کے میل سے بنے ہوئے وہ محاورے جن پر بیگماتی زبان کی چھاپ صاف نظر آتی ہے، مرثیہ میں جگہ پاتے ہیں؛ اور ان سے اردو کی بیانیہ شاعری میں ایک نئی سمت و جہت قائم ہوتی ہے:

اپنی سنے گا کون، ہر اک خود پرست ہے
واری پھر آؤ! شمر کا واں بندوبست ہے

دسویں محرم ۶۱ ہجری کا دن گذر چکا؛ مرد سب شہید ہوئے، صرف عورتیں اور بچے ہیں اور "شامِ غریباں" کی کس مپرسی۔ ایسے میں ایک پھوپھی اپنی بھتیجی کو سمجھاتی ہے۔ اس بیت میں ان تمام حالات و واقعات

کی کسک ہے۔ طرزِ گفتار سے کردار کا جو بھرم قائم ہوتا ہے اس کا سچا اور سموچا انداز ہے۔ محاکاتی تکملہ جسے کہیے اس کی پاسداری ہے؛ رثائیت کا سوز و گداز ایک چیز، اس کا وہ عنصر زیادہ نمایاں ہے جسے حوصلۂ صبر اور تمہیدِ عمل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس بیت کی جگہ کوئی اور بیت یا بند کسی بھی مرثیہ کا لے لیجیے، جہاں کہیں بھی مقام و موضوع کی مناسبت سے اظہار و بیان کو اسی قسم کی ضرورتیں پڑی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا، یہی زبان، اسی لہجے اور اسی محاورہ و اصطلاح کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ یہاں اس زبان سے متعلق کسی بھی تفصیل میں جایا نہیں جا سکتا، دوسرے یہ ہم نے خود پر لازم کر رکھا ہے کہ اس مجموعہ میں شامل مراثی کے علاوہ جہاں تک ہو سکے، کوئی حوالہ نہ دیا جائے۔ اس لیے صرف انھیں کو مدِ نظر رکھا جائے تب بھی کچھ اندازے لگائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس زبان پر، جیسا کہ عرض کیا جا چکا، فارسی کا اثر جتنا تھا، اتنا ہی اس پر مقامی رنگ بھی چڑھا تھا۔ چنانچہ:

اک شور پڑا گریہ و زاری کا حرم میں
اے صاحبو! گرد آن کے سجّاد کے بیٹھو
پر کرتے ہیں وہ صبر کہ اللہ ہو خوشنود

اور اسی طرح ذیل کے مصرعوں میں خط کشیدہ فقرے:

آج کیا ہے کہ پذیرا نہیں فریادِ حسینؑ
کیا دخل زباں سے جو کبھی شکوہ کا لوں نام
بیٹھے ہیں کمر باندھے ہوئے مرنے پہ محکم
اک بار جھکے ٹوٹ پہ وہ سارے ستمگر
صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفا نہیں
میری تنہائی کا صاحب نہیں کچھ آپ کو دھیان
ہے ہے! علَم آیا مرے صاحب نہیں آئے
تیجا بھی کر سکی نہ تمھارا یہ خستہ جاں

میری کمائی ہائے اسی بَن میں لُٹ گئی

قربان رحیمی کے میں اب رحم کہاں تک

سینہ بھی سب چھدا ہوا گردن بھی زخم دار

سُن لیجیے ہوویگا جو احوال ہمارا

اب تک تو کب کے مرگئے ہوتے نپٹ کے ہم

اب شکل مری سوگ نشینوں کی بناؤ

بالی سمیت لے گیا گوہر اُتار کے

وہ گرم ہوا جیٹھ کی وہ تشنہ دہانی

جب تیغِ ستم آتی ہے سر دیتے ہیں نہوڑا

رو رو کے جب چھُڑاتی تھیں پلّا زنانِ شام

بیٹی تمھاری قُوت کو محتاج ہوگئی

دن میرے پھرے، گر دیں مولا کے پھرونگی

شیریں نے کہا بیٹھ کے سر کُوٹ کے چھاتی

ایذا نہ دے لحد میں محمدؐ کی جائی کو

گودی میں اپنی جا کے اٹھالو سکینہ کو

بیٹھیں پچھاڑیں خاک پہ کھا کھا کے بی بیاں

ان مثالوں کو نظر میں رکھ کر کئی ضروری اندازے لگائے جا سکتے ہیں: مقدم یہ کہ ان سے ایک بنتی ہوئی زبان کا سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ شور افتادن کو جوں کا توں ہندوستانی روپ دے کر شور پڑنا، اور پذیرا شدن کو پذیرا ہونا بنا دینا، بیگماتی زبان کا اثر کہا جا سکتا ہے (اس لیے اور بھی کہ ایسے محاورے کلامِ انیس میں بھی ان کی مرثیہ گوئی کے فیض آبادی دور کے بعد شاذ و نادر ہی

ملتے ہیں)۔ اسی طرح عربی، فارسی الفاظ کو ٹھیٹھ بلکہ کہیں کہیں عوامی اور عامی الفاظ کی طرح بے تکلف نظم کرنا، یہاں تک کہ ترکیبِ محاورہ اور اصطلاح کی صورت میں بھی، جیسے رحمدلی کے بدلے رحیمی، گودکی جگہ گودی، زخمی کی جگہ زخم دار، حال کی جگہ احوال، اور انھیں کے ساتھ سوگ سے سوگ نشیں، چہ دخل کو کیا دخل، چہ می بینند کو کیا دیکھیں، دامن درکشیدن کے وزن پر پلا چھڑانا (ہندوستان میں اس کا مفہوم ہوتا ہے پنڈ چھڑانا، پیچھا چھڑانا)، یہاں تک کہ دھیان کو فارسی گلستاں، بوستاں کی طرح اعلانِ نون کے بغیر، غنّہ کے ساتھ دھیاں باندھنا یہ سب انیس کی "شاعرانہ اور خلاقانہ بصیرت" ہی کی دلیل نہیں، ایک نئے تہذیبی مزاج کے درخور حاصل کرنے کا ثبوت بھی ہے، اور اس کی مزید تصدیق بھی ہے کہ وہ زبان جسے اصطلاحاً "بیگماتی" کہا گیا ہے، اسے اس طرح نام زد کرنے کی یقیناً کوئی معقول و مخصوص تاریخی وجہ رہی ہوگی؛ اور پھر جب وہی زبان نہ "بیگمات" تک محدود رہ پائی اور نہ محلّات تک، تو اس کے بھی لسانی تہذیبی محرکات و اسباب ہونے چاہییں۔

ویسے یہ روایت قابلِ لحاظ تواتر کے ساتھ بیان کی جاتی رہی ہے کہ نواب شجاع الدّولہ، وزیر اودھ کی محلِ خاص اَمۃ الزہرا بیگم عرف بہو بیگم نے فیض آباد میں ایک سرکاری محکمہ "اردو دفتر" کے نام سے قائم کیا تھا جس کا کام ہی تھا محاورات، اصطلاحات اور امثال و حِکَم کا اکٹھا کرنا: "جب کوئی جدید محاورہ محلّات سے ترشّح کر نکلتا، دفتر میں قلمبند ہوتا"۔ میر حسن اس دفتر کے "میر منشی" تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ کام میر خلیق، ان کے بڑے صاحبزادے کے سپرد ہوا۔ میر موصوف اس علمی اور ادبی خدمت کو مدتوں بجالاتے رہے۔ مبصرین کا خیال ہے، کہ

> "اس محکمے میں کام کرنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس پورے گھرانے کی زبان مستند قرار پاگئی"۔

بہرحال، یہ روایت اپنی جگہ، اور اس کا درایت کے اصولوں کے مطابق 'ہوسکنا' نہ ہوسکنا اپنی جگہ، اتنا تو بہر طور ماننا ہی پڑے گا کہ میر انیس جسے حق کی قسم کھا کر سر بسر خلیق کی زبان کہتے ہیں، جسے لکھنؤ پہنچ کر وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی اور اپنے گھر کی زبان کہنے لگتے ہیں' وہ دلی اور لکھنؤ دونوں کی زبانوں سے آج بھی الگ پہچانی جاسکتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی پہچان اس کا یہی بنیادی مزاج ہے جس کی داغ بیل کچھ بھی ہو فیض آباد ہی میں پڑی۔

انیس نے سارا زور زبانِ "روزمرہ" پر، اس کے لب و لہجہ پر، اس کی سلاست اور صلاحیت پر دیا ہے کہ جہاں جیسا موقع ہو وہ عبارت کو ویسا ہی ڈھال سکے۔ پھر جاننے والوں کا یہ بتانا کہ میر انیس "فصحا کے تلفظ کو لغت پر ترجیح دیتے تھے" یا یہ کہ "الفاظ و محاورات . . . کے طرزِ استعمال میں میر صاحب جمہور سے اختلاف کرتے ہیں . . . . وہ بیگمات کی خاص زبان کو ترجیح دیتے ہیں، اور استعمالِ فصحا کو قواعد کا پابند نہیں سمجھتے . . ." یہ سب باتیں ایک ہی سلسلے کی معلوم ہونے لگتی ہیں، جب ہم ایک طرف تو اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہیں کہ وہ اپنی اسی "بے قاعدہ" زبان کو فصاحت کا معیار قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف اس کو اس لائق بنانے میں سب سے زیادہ ہاتھ بھی خود انھیں کا رہا ہے۔

ہے سہلِ ممتنع یہ کلام اَدَق مرا

ہمارا اپنا خیال ہے کہ یہ بہ ظاہر اَنمل بے جوڑ سا قول ان کے زبان و بیان ہی نہیں، ان کے فکر و فن کی بھی کنجی ہے۔ اور یہ کہ ان کی مرثیہ نگاری کے وہ نمونے جو اب تک منظرِ عام پر نہیں آسکے، ان میں وہ جو نومشقی کے زمانے کے ہیں اور وہ جو ان کے بعد کے مگر زمانۂ کہنہ مشقی سے پھر بھی بہت پہلے کے ہیں، ان کی اس خصوصیت کے سمجھنے میں زیادہ سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان سے جو جو مثالیں اب تک دی جا چکی ہیں، ان کی بنا پر اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی لفظ فارسی، عربی کا ہو، یا کوئی محاورہ اور کوئی ترکیب فارسی کی، یا ٹھیٹھ دیسی اور فارسی کی ملی جلی ہو: مثلاً اوج موج، گھر لوٹ، بالی سَمیت، سوگ نشین؛ یا پھر اس صورت میں کہ بہَن کی جگہ بہنا؛ گود کی جگہ گودی، کمی کے بجائے کمتی، یہاں تک کہ جانجاں کا بدل جاں کی، مری جاں یہ موقع موقع سے اور اکا دکا ہی سہی مگر یہ سب ان کے کلام کے بقیہ اجزائے لازمہ کے ساتھ مل کر ان کے نظریۂ شعر کو متعین کرتے ہیں۔ اس حالت میں اور بھی کہ یہ فنی طریق کار، جسے ہم ان کا نظریۂ زبان و بیان قرار دینے میں اپنے کو حق بجانب سمجھتے ہیں، ایک طرف تو وقت کے ساتھ بنتا سنورتا ان کی انفرادیت کو نت نت اجاگر کرتا جاتا ہے، اور دوسری طرف انھیں بھاکھا کا نام اونچا کرنے والوں کے اٹوٹ سلسلے میں ایک خاص جگہ دیتا ہے۔

واضح رہے کہ عربی، فارسی الفاظ جو دیسی الفاظ کے ساتھ گھل مل کر وہی مزاج و کردار اپنا سکیں، انھیں دیسی کہنا اور دیسی کی طرح برتنا میر انیس سے صدیوں پہلے شروع ہو چکا تھا جب آچاریہ ہیم چندر سور نے دیشی نام مالا لکھی اور ہر غیر سنسکرت لفظ کو دیسی کہنے کے اسباب بتائے، اور سنسکرت، پراکرت سے ہٹ کر اس کے لیے صرف و نحو کے اصول مرتب کیے۔ ان اصول سے

میر انیس یقیناً بے خبر رہے ہونگے، مگر عملاً وہ ان سے بے نیاز ہرگز نہ تھے، اس لیے کہ انھوں نے کیا وہی ہے، یعنی بھاکا کے اکابرین اور خود اپنے دادا میر حسن کی طرح ایک لفظ ہی نہیں، ہر نقش، ہر تخیئلی پیکر اور ہر تاثیر کو انھوں نے بھی براہ راست زندگی سے لیا۔ اور اپنے زبان و بیان کو یہ ہنر سکھایا، کہ وہ اس نقش کو جوں کا توں اُبھار سکیں، اس پیکر کو ویسا ہی تراشیں، اور اس کیف و تاثر کی صاف اور سموچی تصویر کھینچ دیں۔

اس نقش "ریزی"، اس" پیکر تراشی"، اور اس" تصویر کشی" میں میر انیس نے جو گد کی: لفظ تو لفظ، جس طرح انھوں نے حرف حرف، صوت صوت اور ان کی ہر حرکت و سکنت سے، بہ قولِ خود" نایاب نظیریں" تیار کی ہیں، اُسے ان کا فن کہینگے، وہ فن جو فکری جِلا اپنے ساتھ لے کر آتا ہے؛ اور صرف یہی نہیں جو اپنے زمانے اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی زندگی کے سوز و ساز کو اپنے اندر جذب بھی کر سکتا ہے۔

خوش بختانہ یہ مرثیے جو ہماری دانست میں پہلی بار چھپ رہے ہیں، زیادہ تر وہی ہیں جو اس زمانے اور اس زندگی سے بالکل نزدیک ہیں جن کی سماجی اور تہذیبی، ذہنی اور روحانی سرگرمیوں سے شاعر نے سب کچھ لیا، اور پھر انھیں بہت کچھ دیا۔ چنانچہ صرف انھیں مرثیوں پر انحصار کرتے ہوئے، مگر انیس کی اپنی جتائی ہوئی ہر قابلِ ذکر خصوصیتِ کلام کو نظر میں رکھتے ہوئے، یہ چند عنوانات جو فی الواقع انھیں مرثیوں سے اُبھرے ہیں، قائم کیے جا رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح کوئی نئی بات سامنے آئے یا نہ آئے، کمائی ہوئی لکڑی کی طرح کچھ سچے ریشے ضرور اُبھر آئینگے۔

رزم و بزم

اردو نظم، وہ بھی صنفِ مسدّس نے یہ عنوان روایتاً یا ضرورتاً فارسی مثنوی سے لیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اودھی مثنویوں کا بھی کچھ اثر رہا ہو، اس لیے کہ ان میں بھی ویر رس اور شرنگار رس کی پردھانتا کو کچھ رزم و بزم ہی کے انداز میں نبا ہا گیا ہے۔ مگر میر انیس کو اس باب میں مزید اشتعالک اس زمانے کے فیض آباد اور اس کی "عسکریت" سے بھی ملی؛ یہ ایسی سامنے کی حقیقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

فیض آباد ان دنوں ایک قسم کی سیاسی، ثقافتی پناہ گاہ تھی، اُن ہندو، مسلمان شرفا کے لیے جو ایک

جیسے رہن سہن، ایک طرح کی بول چال کے قائل، اور خوگر ہو چکے تھے، اور جو خاص طور سے دلّی کی مرکزیت ختم ہو جانے کے بعد اس کی جانب کھچ آئے تھے۔ ان میں سے اکثر صاحبانِ سیف و قلم تھے، اور انھیں کے ساتھ، یا ان کے علاوہ، وہ لوگ بھی تھے جو اپنے اپنے ہنر میں کامل اور علم و فضل میں یگانہ سمجھے جاتے تھے۔ ان سب نے مل کر یہاں جو "بزم" سجائی اور یہاں کے پرانے باسیوں سے جو تہذیبی لین دین کا بیوہار شروع کیا، اس نے زندگی کی نئی پُرانی قدروں کو یک دل، یک جگر ہونے کا موقع دیا، اور محمد امین نیشاپوری یعنی سعادت خان برہان الملک سے لے کر ابو المنصور مرزا مقیم نیشاپوری یعنی صفدر جنگ اور ان سے لے کر ان کے صاحبزادے مرزا جلال الدین حیدر یعنی شجاع الدولہ کے عہد تک اس معاشرے اور اس طرزِ حیات کی بنا پڑی جسے بعد کو لکھنوی تہذیب سے تعبیر کیا جانے لگا۔

لیکن اصلاً یہ تہذیب اودھی تھی؛ بلکہ جب کی یہ بات ہے تب یہ لکھنؤ کی اپنی تہذیب سے میل بھی نہیں کھاتی تھی، اس لیے کہ لکھنؤ اس وقت شیخ زادوں کی بستی تھی، بر خلاف فیض آباد کے جو بہر حال رام اور لچھمن سے نسبت رکھنے والی سرزمین پر آباد کیا گیا تھا۔ پھر جیسا کہ بیان میں آچکا ہے، جہاں اس وقت متعدد نسل و ملت، اور مختلف عقائد رکھنے والے مسلمان اور غیر مسلمان دونوں زندگی کے ہر شعبے میں شریکِ کار رہتے تھے، یہاں تک کہ رسوم تعزیہ داری اور مجالسِ عزائے حسینؑ برپا کرنے کے سلسلے میں بھی۔ بلا شبہہ یہی صورتِ حال ذمہ دار رہی ہوگی جو اودھی مرثیہ کے میں ایک ہندو مسلک بزرگ منشی چھنولال دلگیر کا نام اتنے اونچے درجے پر آتا ہے۔

اس کے علاوہ شریکِ خیال اور حلیفِ قول و فعل ہونے کی ایک اور بڑی وجہ سیاسی تھی، یعنی اودھ کے ہندو، مسلمان اس لیے اور بھی دوست ہو گئے تھے کہ دشمن ایک تھا، یعنی انگریز۔ اور فیض آباد ایک تو فوجی چھاؤنی تھا، دوسرے صدر مقام؛ اس لیے ان اور ان جیسے رجحانات کا عمل دخل فیض آباد اور اس کے گرد و نواح میں زیادہ رہا اور اتنا رہا کہ عام ذہنوں پر بھی اس کے گہرے اور دیرپا اثرات مترتب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

الغرض، یہ تھے مجملاً وہ محرکات جن پر ذرا اور قریب سے نظر کی جائے تو یہاں سے میر انیس کی شعری نفسیات کے سوتے صاف پھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر عہدِ شجاع الدولہ کے فیض آباد کی چند جھلکیاں: (بہ حوالہ ڈاکٹر سید صفدر حسین، مؤلف "لکھنؤ کی تہذیبی میراث"):

شجاع الدولہ نے اودھ کی تجارت اور صنعت و حرفت کو بنگال کے غیر ملکی تاجروں کی شماتت سے محفوظ کر دیا تھا۔ غیر ملکی سامان بغیر محصول کے اودھ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، اور یہاں سے سونا چاندی اور قیمتی جواہرات برآمد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ زراعت کی وسعت اور پیداوار کی فراوانی کی کوششوں پر بھی نواب وزیر کی خاص توجہ تھی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اودھ میں ضروریات زندگی کا سامان کمپنی کے مقبوضات کے مقابلے میں بہت سستا اور افراط سے ملتا تھا۔ ...

ان حالات میں جو بہتات، فراغت اور خوشحالی پیدا ہوئی، اس نے فیض آباد کو مرجعِ خلائق بنا دیا، یہاں تک کہ ادب اور آرٹ کے فاضلین اور کاملین ہر طرف سے اودھ کی طرف چل پڑے ...

شہر کے عروج کا پانچواں سال تھا جب "تاریخ فرح بخش" کا مؤلف ۱۱۸۲ھ ۱۷۶۹ء میں فیض آباد پہنچا، وہ لکھتا ہے: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ .... (شہر کے باہر ہی مجھے شہر کا دھوکا ہوا) بالآخر جب میں شہر میں پہنچا تو صبح سے شام تک اور غروبِ آفتاب سے سحر تک فوجوں کے ڈھول اور باجوں کی آوازیں برابر چلی آتی تھیں۔ گھڑیالوں کی صداؤں اور نوبت کی دُھنوں سے کان بہرے ہوئے جاتے تھے ... (ص ص ۵۵ تا ۵۷)

میر انیس، ابھی ان حالات کی آب و تاب، اور ان آوازوں کی گونج جوں کی توں باقی تھی، کہ اسی فیض آباد میں پیدا ہوئے؛ یہیں پلے بڑھے؛ یہیں انھوں نے سب کچھ پڑھا، سب کچھ سیکھا اور یہیں جوان سے ادھیڑ ہوئے، تب کہیں جا کر لکھنؤ کا رُخ کیا۔ لہٰذا یہیں کی روزمرّہ زندگی کے ہلکے گہرے اثرات سے ان کا ذہن بنا، اور یہیں ان کی حسیّات میں مقدّم و مؤخر کی درجہ بندی ہوئی۔

اسی سلسلے کی ایک بات اور: وہ یہ کہ شجاع الدّولہ کو اودھ کے پورے علاقے میں "ایک کامیاب ہیرو" کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ "دراز قامت اور توانا تھے"۔ ان کے اعضا اتنے مضبوط تھے کہ

تلوار کے ایک وار میں وہ موٹے سے موٹے بھینسے کا سر کاٹ دیتے تھے"۔ ۔ ۔ فرانسیسی جنرل (JEAN LOW) نے انھیں ۳۰ سال کی عمر میں دیکھا تھا؛ وہ لکھتا ہے: "ہندوستان میں ان سے زیادہ خوبصورت آدمی میں نے نہیں دیکھا"۔ ۔ ۔

ساتھ ہی ساتھ سپاہیانہ فنون سے ان کی دلچسپی اتنی گہری تھی کہ "اس کا اثر ہر کہ و مہ پر پڑنا ناگزیر ہو گیا تھا"۔ ۔ ۔ ہر چرن اس کا عینی شاہد ہے کہ "نواب وزیر کشتی لڑنے میں اپنے وقت کے بہترین پہلوان تھے"۔ ۔ اسی طرح نیزہ باز ایسے تھے کہ کبھی وقت آن پڑا ہے تو چوکھا لڑے ہیں اور بڑے سے بڑے پیشہ ور، بحیثیت اور پھکیت بھی ان کا کچھ بنا بگاڑ نہیں پائے۔

دوسری طرف وہ ازحد" بامذاق انسان تھے۔ ان کی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی۔ فارسی زبان و ادب پر وہ پوری قدرت رکھتے تھے، ترکی، عربی بھی وہ بڑی آزادی سے لکھ بول سکتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مرہٹی اور متداول ہندی سے بھی بخوبی واقف تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اسی کے ساتھ فنونِ لطیفہ سے انھیں صرف "ذاتی دلچسپی" ہی نہ تھی، بلکہ ان میں خاصہ "نظریاتی درک بھی حاصل تھا"۔ اس لیے وہ ہر علم اور فن کے صحیح قدردان بھی تھے اور غیر معمولی مربّی بھی۔

نتیجہ یہ کہ جہاں "ہر نسل، اور ہر قوم کے سپاہیوں، شہریوں اور تاجروں کے آنے کا تانتا بندھ گیا" وہیں اسی طرح، اس عہد کے فیض آباد میں خاص کر، علماء، اہلِ حرفت، اور صاحبانِ فضل و فن" ڈھاکہ، بنگال، گجرات، مالوہ، حیدرآباد، شاہجہان آباد، لاہور، پشاور، کابل، کشمیر اور ملتان سے آ آکر جمع ہو گئے"۔ ("تہذیبی میراث": ۵۶، ۵۷)

یہ حالات جن پر نصف صدی سے زیادہ کا زمانہ گذر چکا تھا، عہدِ شجاع الدولہ تک، قیام سے استحکام کی منزل تک اس طرح پہنچے کہ میر انیس کے رزم و بزم کے بنیادی محرکات انھیں حالات سے ترتیب پائے، اس لیے کہ اس دَور کے فیض آباد عسکری معاشرے میں اقدارِ زندگی کی جو درجہ بندی ہوئی تھی اس کی رُو سے "مردِ سیف و قلم" کا مثالی کردار یہی نہیں کہ پسندیدۂ خاص و عام بن گیا تھا بلکہ بڑی حد تک معیارِ علم و عمل بھی وہی ٹھہرا تھا۔ اس کے بعد جب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو مستقر بنایا تو یہ نہیں ہوا کہ پورا فیض آباد اٹھ کر وہاں پہنچ گیا ہو، یا اس کی ساری روایات ہی وہاں منتقل ہو گئی ہوں بلکہ جہاں تک واقعات بتاتے ہیں ہوا صرف اتنا ہے کہ اب سے اودھ کی تہذیب کے مرکز ایک کی

جگہ دو ہو گئے : فیض آباد اور لکھنؤ ۔ ان میں فیض آباد عجمی اثرات کا گہوارہ تھا ۔ مقامی اثرات یہاں دوسری طرح سرایت کیے تھے ۔ لکھنؤ غیور شیخ زادوں کا دیار تھا ۔ شہر اور اس کے مضافات پر وہی چھائے ہوئے تھے ، اور ان کی مرضی کے بغیر ایک پتّا بھی نہ ہل سکتا تھا ۔ یہ اپنے کو سدا لیے دیئے رہے ، نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی اور تہذیبی معاملات میں بھی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمدن و معاشرت کی دوسری شقوں کے ساتھ لکھنؤ کا شعری اسکول نہ تو دہلی سے اس طرح متاثر ہوا ، جیسے فیض آباد ، اور نہ عجمیت سے ، نہ اودھیت سے ۔ اس بنا پر یہاں جن اثرات کو قبول کیا گیا ان کی نوعیت بھی جداگانہ تھی ، اور انھوں نے آیندہ کے لیے جو صورتیں اختیار کیں ، وہ بھی کچھ اور تھیں ۔

اس کا ایک اچھوتا اور بہت ہی مفید اندازہ میر انیس کے ابتدائی زمانے کی رزم نویسی کا موازنہ میر ضمیر کے "طرزِ نوی" سے کر کے لگایا جا سکتا ہے ۔ ایک "آمد و آورد" کا فرق ہی نہیں ان میں کئی پہلو ایسے نکلیں گے جو الگ الگ محرکات کا پتہ دیں گے ۔ ذیل کی بحث براہِ راست اس موضوع پر تو نہ ہو سکے گی ، پھر بھی امید قوی ہے کہ ہمارے ان معروضات و مفروضات کی کچھ نہ کچھ وضاحت ضرور ہو سکے گی ۔

رزم کا ابتدائی مفہوم تھا دو پہلوانوں کی لڑائی ؛ اصطلاحی مفہوم بھی اسی کے آس پاس متعیّن ہوا یعنی جنگ و جدل ۔ فارسی رزم نگاری کے بانیان فردوسی اور نظامی نے اسی مفہوم کو برتا ۔ اردو مرثیے میں رزم کا عنصر کہتے ہیں کہ میر ضمیر نے شامل کیا ۔ ان کے یہاں بھی رزم کے یہی تیور بہ دستور رہے ، یعنی ذکرِ جنگ اور اس کے لوازمات کا بیان اور بس ۔ میر انیس نے بھی یہی کیا ہے ، مگر جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی عرض کیا ہے ، ان کا طریقِ نظم کچھ اور تھا ، اس لیے کہ ان کی تخیلی اُپج کچھ اور تھی ۔ ان کی مرثیہ گوئی میں شروع ہی سے جنگ کلِ رزم نہیں ، اُس کا صرف ایک جُز رہی ہے ، اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے صاحبِ رزم و بزم کا جو تصوّر تھا ، وہ مردِ سیف و قلم کے مثالی کردار کا پرتو تھا ؛ فارسی مثنوی کے جنگ آزما رستم اور مہم جُو سکندر کا نہیں ، اسلام کے حامی اور قرآن کے حامل مردِ مومن کا ۔

جنگ اس کا شیوہ ہے ، پیشہ نہیں ؛ وہ بھی جہد و جہاد بن کر ۔ یا پھر اجتہاد کی صورت میں ۔ یہ کردار میر انیس نے وضع نہیں کیا ، تاریخ سے پایا ہے ۔ تاریخ کی رُو سے رسول اسلام صلعم جنھوں نے

کبھی تلوار نہیں سونتی، اور جن کی امّی لقبی ان کے درجات پر دال ہے، سب سے پہلے صاحبِ سیف و قلم قرار پاتے ہیں، اور ان کے بعد صاحبِ ذوالفقار، اور باب العلم علی مرتضیٰ، جن کا تواریخی کردار؛ ایک واقعے کے حوالے سے، میر انیس نے یوں پیش کیا ہے:

تلواریں کھینچے گھر میں جو در آئے اہلِ شر　　اللہ رے صبر! بولے نہ کچھ شاہِ بحر و بر

سَر کی عجب طرح کی مہم بے لڑے ہوئے

گردن جھکا کے شیرِ خدا اُٹھ کھڑے ہوئے　　(غیر مطبوعہ)

پورے واقعے کو نظر میں رکھ کر ان چار مصرعوں میں لفظ و معنی کے باہمی ربط کو ترقی دے کر رمز و کنایہ کے ذریعے جو بات پوری کی گئی ہے اس پر ذرا تامّل فرمائیے، تو مجاہد و مومن کا جو معیاری اور متوازن کردار اس میں مجسّم ہوتا ہوا نظر آتا ہے، یہ علیؑ کا ہے۔ حسینؑ انھیں کے بیٹے اور ساتھ ہی ساتھ رسولؐ کے نواسے بھی تھے۔ یہی حسینؑ، انیس کے مرثیوں کے ہیرو ہیں۔ یہ بھی اسی کردار کے مالک تھے؛ مالک کے علاوہ مبلّغ بھی۔

ابن جریر طبری نے اسی حسینؑ کو اور ان کے اسی کردار کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور چشم دید شہادتیں نقل کی ہیں؛ چنانچہ کوئی حال، کوئی مقام ہو وہی حسینؑ ہر جگہ ملتا ہے؛ اتمامِ حجّت کی منزل میں، مثلاً — آپ طبری اور انیس کو ایک ساتھ پڑھ کر دیکھیے؛ مورّخ نے حسینؑ کے خطبۂ آخر کو مقصد و ماجرائے شہادت کی طرح بیان کیا ہے، اور شاعر اسی مقصد و ماجرا کو ایک تاریخی واقعہ کی صورت میں نظم کرتا ہے، وہ بھی اس احتیاط و اہتمام کے ساتھ کہ پورا واقعہ کوئی معرکۂ رزم نہیں، معرکۂ خیر و شر معلوم ہوتا ہے۔ طبری نے لکھا تھا:

"... دشمن جب آپڑے تو آپ نے ناقے کو طلب کیا اس پر سوار ہوئے اور بہت بلند آواز سے پکار کر کہا، جسے سب لوگوں نے سنا:

'لوگو! میری بات سنو! میرے ساتھ جلدی نہ کرو....'

"راوی کہتا ہے میں نے کسی کی ایسی فصیح و بلیغ تقریر نہ اس سے پہلے کبھی سنی تھی، نہ اس کے بعد کبھی سنی... آپ نے کہا:

'یہ تو بتاؤ تم میرے قتل کے درپے کیوں ہو؟ کیا میں نے تم میں سے کسی کے عزیز کو قتل کیا ہے یا تمہارے کسی مال

کو ڈبویا ہے؛ یا کسی کو میں نے زخمی کیا ہے، جس کا قصاص
مجھ سے چاہتے ہو ۔ ۔ ۔ ؟
اُب کوئی آپ کی بات کا جواب ہی نہیں دیتا ۔ ۔ ۔ الخ

میر انیس نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ اسی کو نظم کیا ہے؛ زبان سادہ اور سلیس رکھی ہے مگر انداز بیان از حد فصیح ہے؛ ملاحظہ ہو:

فرماتے ہیں ثابت بھی ہوئی کچھ مری تقصیر! آتا ہے برابر جو کوئی تول کے شمشیر

اسی کی بیت ہے:

احسان ہیں ہم سب پہ رسولِ عربیؐ کے
کیوں ہاتھ سے کھوتے ہو نواسے کو نبیؐ کے

اور پھر اسی کے آگے کا بند ہے:

تم میں سے کسی پر بھی جفا کی ہو تو کہہ دو کچھ میں نے تمھاری جو خطا کی ہو تو کہہ دو
وعدے پہ جو میں نے نہ وفا کی ہو تو کہہ دو گر شرطِ محبت نہ ادا کی ہو تو کہہ دو
اِس وقت تلک ترکِ محبت نہیں کرتا
گھر لٹ گیا اور شکوۂ امت نہیں کرتا

مدّعائے کلام یہ ہے کہ "کتابِ کربلا" کے تواریخی متن میں مندرج واقعات، اور حسینؑ کی ذات وصفات کے مضمرات، یا ان کے پیاسے ساتھیوں کی قربانیٔ نفس اور تہیۂ باطن کے ذکر سے میر انیس نے انسانی جذبات کو دو مخصوص طریقوں سے برانگیختہ کرنا چاہا ہے۔ ایک، حماستہ کے جذبہ کو اُبھارکے، یعنی ان کے صبر، ان کی پامردی اور شجاعت کے ساتھ، ان کے مقصدِ شہادت کے اظہار و بیان کے لیے لفظ لفظ کو اس طرح ذمہ دار بنا کر کہ حرف حرف اور صوت صوت کی ایک ایک حرکت و سکنت سے صرف معانی و مطالب ہی ادا نہ ہوں، وہی کیف واثر بھی ترتیب پائے جو مقصودِ کلام ہے؛ دوسرے یہ شرط لازم بھی پوری ہو کہ اس کلام سے طبیعتوں میں علو پیدا ہو، اور حوصلۂ حیات میں تیکھا پن آئے۔
فرماتے ہیں:

بڑھ بڑھ کے وہ سیاہ عَلَم کھولنے لگے
تھم تھم کے شاہؑ تیغِ دو دم تولنے لگے (غیر مطبوعہ)

یہ ایک بہت ہی سادہ سی رواں بیت ہے، مگر جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا اس کا لفظ لفظ ذمہ دار ہے خود میر انیس کے حسب الارشاد "ہر نقطہ مقامے دارد" کی مصداق : اُدھر جنگ کی جلدی ہے اور کثرتِ افواج ؛ ایک پر ایک دَل، بڑھ بڑھ کے اپنے کالے جھنڈے لہراتا چلا جا رہا ہے؛ اور اِدھر اکیلے حسینؑ جو اب تک تلوار اٹھانا نہیں چاہتے تھے اور اب مجبور ہیں؛ انھیں نہ ہراس ہے، نہ اشتعال؛ وہ اب بھی حق کو باطل سے الگ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں :

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبّیری

اقبال نے یہ بعد میں کہا، انیس نے حسینیّت کا یہ مقام پہلے ہی جان لیا تھا، اور سچ پوچھیے تو یہی شعور و یقین ان کی فکر کا سرچشمہ ہے۔

دوسرا طریقہ واقعہ نگاری کا وہ ہے جسے اصطلاحاً بزم کہا گیا، یعنی ان عنوانات کے تحت بیان جو رزم کے نہیں، مثلاً آمد، تعریفِ اسپ و تیغ، رجز اور جنگ وغیرہ؛ بلکہ ایک طرح دیکھا جائے تو رخصت، شہادت اور بَین کو بھی چھوڑ کر صرف چہرہ، سراپا، اور دعا یہی تین عنوانات بزم کے قرار پاتے ہیں۔

میر انیس کے ان نو دریافتہ مرثیوں میں عنوانات کا نہ یہ التزام ہے، نہ ترتیب، ان میں زیادہ تر مرثیوں کے مطلعے "جب"، "جس وقت"، "جبکہ"، "جس دم" یا "جو" سے شروع ہوئے ہیں، تاکہ واقعات کا سلسلہ قائم ہو سکے۔ پھر چونکہ بیان کی ابتدا بلا کسی تمہید کے براہِ راست ایک نہ ایک روایت سے ہوئی ہے اس لیے "چہرہ" کی وہ صورت جو آگے چل کر متعیّن ہوئی اس کا ان میں ایک شائبہ تو ملتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اسی طرح سراپا کے بند جزوِ لازم کی حیثیت سے ہر چند کہیں نہیں ملتے پھر بھی موضوع کی ضرورت یا اودھی نیز فارسی مثنوی کے حسبِ روایت اس کا رنگ کہیں ہلکا کہیں گہرا جھلک ہی گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی بیّن مثال وہ بیت ہے جس میں "دُرِ دنداں" کو موتیوں کی "سُمرن" کہا گیا ہے، اور جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ ایسی ہی ایک اور مثال بھی دی جا سکتی ہے۔ یہ بھی ایک بالکل ابتدائی دور کے مرثیے میں ملتی ہے، جس کا مطلع ہے :

جب تیغِ ستم چل گئی لشکر پہ خدا کے

اسی کا ایک بند ہے (جناب عبداللہ ابن حسنؑ کے بیان میں) :

چہرے پہ بھلی لگتی تھی کیا زلفِ مسلسل ظاہر تھا کہ گھیرے ہوئے ہے چاند کو بادل
تھا طوقِ گلو رشکِ ہلالِ شبِ اوّل ہاتھوں میں کڑے، کانوں میں دُر، سینے میں ہیکل
کُرتے کا عجب حُسن تھا اس پھول سے تن پر
معلوم یہ ہوتا تھا کہ شبنم ہے چمن پر (غیر مطبوعہ)

سراپا نویسی کا یہ انداز دوسرے غیر مطبوعہ مرثیوں میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے، مگر ایک انداز اس کے علاوہ ایسا بھی ہے جو خود میر انیس کے کلام میں ہر جگہ نظر نہیں آتا۔ دوسروں کے یہاں اس سے بھی کم ملے تو عجب نہیں۔ یہ انداز وہ ہے جس میں رزم و بزم کی حدیں قائم نہیں رہ پاتیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان کے فکر و فن کی پوری چھوٹ اس پر پڑ رہی ہے، مثلاً ایک دوسرے مرثیے میں انھیں عبداللہ ابن حسنؑ کا میدانِ جنگ میں چلا آنا۔ مصرعے ہیں :

مشک اک سوکھی لیے کاندھوں پہ باحالِ تباہ
زُلفیں بکھری ہوئی رخساروں پہ، جوں مشکِ سیاہ

چہرہ کمھلایا ہوا پیاس سے، پانی بن* تھا دُر تھا اک کان میں، دس بارہ برس کا سن تھا
(غیر مطبوعہ)

یا ایک ماں کا سراپا جس کا صرف ایک جزو بیان کیا گیا ہے، مگر اس سے ماں کی پوری تصویر کھنچ جاتی ہے : فرماتے ہیں :

بانوؑ پہ نظر پڑ گئی شبیرؑ کی ناگاہ
دیکھا کہ سراسیمہ و مضطر ہے وہ ذی جاہ اشک آنکھوں سے جاری ہیں، لبِ خشک پہ ہے آہ

ہیں بال کھلے، خاک سے رخسار بھرے ہیں
کرتا علی اصغرؑ کا کلیجے پہ دھرے ہیں
(مرثیہ : کام آچکی جب فوج امام مدنی کی)

اس سموچے بیان کا ویسے صرف ایک جزو، وہ بھی ایک مصرعے کی حد تک، ذکر سراپا میں جگہ پا سکا ہے

لیکن جو نفسیاتی تجزیہ اور محاکاتی تکملہ سارے مصرعوں کے سہارے وجود میں آیا ہے، وہ سب سے پہلے اسی ایک مصرعے کا رہین منت ہے جس نے گویا ایک مرکزی خط کھینچ کے دوسرے خط کو اُبھار دیا ہے۔

انیس ناگاہ اور ناگہاں جیسے الفاظ سے جو بات شروع کرتے ہیں، وہ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ آگے بڑھ کر ڈرامہ بن جاتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ ایک ماں جس کا رکھا ؤ جانا پہچانا ہے، اپنے بچّے کے لیے بے چین ہے۔ انیس اس ماں کی تصویر کھینچتے ہیں، مگر اس طرح کہ کربلا کی پوری ٹریجڈی، اس کا پس منظر معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی نادرہ کاری کی دین ہے کہ ایک بنیادی جذبہ، جس کی چوٹ ہر انسانی دل پر، (اگر وہ غیر صحت مند نہ ہو) ایک ہی طرح پڑنی لازمی ہے، اُبھر آتا ہے۔ اور اس کے ذریعے احساس میں وہ جلا سی آجاتی ہے جو پوری زندگی کو آئینہ دکھا سکے۔

مرثیۂ انیس کی پوری تکنیک پر اس کا اثر پڑنا ہی چاہیے تھا، چنانچہ وہ پڑا، اور اس کے اجزاے ترکیبی میں حصّہ بزم سے متعلق عنوانات کو جوں جوں وسعت اور اہمیت حاصل ہوتی گئی۔ یہ اثر اور بھی زیادہ نمایاں ہوتا گیا۔ بزم کا ایک عنوان یا یوں کہیے کہ بزم کے مزاج و کردار کا حامل مثلاً ایک عنصر تغزّل کا تھا، اس کی خاصی ہونہار شکل ان ابتدائی دور کے مرثیوں میں بھی نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح منظر نگاری کے طور طریق، یا مدح و ثنا، نعت و منقبت، ذکرِ خود، اور ربط و گریز کے انداز؛ اور انھیں کے ساتھ میر انیس کی وہ نادرہ کاری یعنی رزم و بزم کو یکجا کر دینا اس کا تہیّہ، یہ سب بھی نقوشِ اوّلین کی صورت، ان مرثیوں میں پائے جاتے ہیں، اور ان سب کے رگ ریشے میں پیوست ملتا ہے" واقعات کا وہ تسلسل، اور فطری احساسات کی وہ گونا گونی جنھیں حرکت و حرارت بخشتا ہے خود المیۂ کربلا۔

ایک مقام ملاحظہ ہو؛ حسینؑ فوجِ مخالف کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

'تم ذبح کرو اور میں خالق کو کروں یاد'

اور اسی کے آگے کا بند ہے:

یہ کہتے تھے حضرت کہ گھٹا شام کی چھائی بھاگی ہوئی سب فوج یکایک اُمنڈ آئی

کس صبر سے گردن شہِ بیکس نے جھکائی تلوار کہیں لگ گئی، برچھی کہیں کھائی
مجروح سراپا جو تنِ زار ہوا تھا
زخموں سے بدن تختۂ گلزار ہوا تھا

فکر و فن

ان دو بندوں میں بات مقصدِ حسینی سے چل کر زخموں کے چمن تک، یعنی ذبحِ عظیم کے فلسفے سے شہادت کے ذکرِ متغزل تک پہنچی ہے۔ بیچ میں شام کی گھٹا کا چھانا اور بھاگی ہوئی فوج کا پھر امنڈ کر آنا بیان کو ایک رزمیہ رنگ دیتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ایک سراپا صبر کا گردن جھکا لینا اور تلوار پہ تلوار کھاتے رہنا ٹریجڈی کے اس عنصر کو بھی ابھار دیتا ہے جس سے انسان کے نفس کی تربیت ہوتی ہے، جس سے تزکیۂ باطن آسان ہو جاتا ہے اور زندگی کے مصائب کو ہیچ سمجھنے کی عادت پڑتی ہے۔

غم کا یہی تصور، اور اس کی قوتوں پر یقین میر انیس کی فکر کا محور ہے، مگر اس یقین کی محرک ہے اس غم کو بھی سمت و جہت عطا کر سکنے والی قوتِ صبر، وہ قوتِ صبر جو یہی نہیں کہ ظلمِ صریح کا مقابلہ کر سکتی ہے بلکہ جو ایک صاحبِ حق ہی کو میسر آتی ہے اور وہی اس کو صحیح طور سے صرف کرنا بھی جانتا ہے۔ حق اور صبر کا یہ ساتھ نصِ قطعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسینؑ نے اسی حق کو قائم کرنا چاہا اور اس کی خاطر وہ صبر کیا جو مثالی بن گیا۔

قرآن حکیم کا ارشاد سامنے تھا:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ○
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

حق عینِ ذات، حق موجبِ کائنات، حق مقصدِ حیات، اس لیے حق دائم و قائم، اور اسی کے ساتھ حق ورثۂ اولادِ آدم، چنانچہ اس حق کی پاسداری فرض، اور اس فرض کی ادائگی واجب۔ اور اسی وجوب کی بنا پر حق اور صبر کا ازلی ربط برقرار، یعنی جس طرح حق حق ہے تو فرض عائد، اسی طرح فرض ادا ہونا ہے تو عمل لازم، اور عمل لازم ہے تو صبر شرط۔

اسے فلسفہ کہا جائے، یا نظریہ یا عقیدہ، انیس کی فکر بہر وجہ حق اور صبر کے انھیں معانی و مطالب سے مل کر راسخ ہوئی تھی۔ قرآن کریم نے یہ کہہ کر یقین دلا دیا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِین : اللہ صابرین کے ساتھ ہے؛ اس لیے جہاں حق وہاں صبر؛ اور اسی لیے جو صبرِ احسن بجالائے وہ حق پہ۔ انیس نے واقعاتِ شہادت کو مدینہ سے تا کربلا اور کربلا سے تا شام انھیں اعتبارات کی روشنی میں پیش کیا ہے، اور چونکہ یقینِ محکم کے ساتھ پیش کیا ہے، اس لیے ان کے کہنے میں بڑی جان ہے، دوسرے کو یقین دلانے کی بھی بڑی طاقت ہے۔

ایک خیال ہے کہ حسینؑ سرداریِ اسلام اور قیادتِ ملّت کو اپنا حق جانتے تھے، اس لیے یہی حق مرثیۂ انیس کا بھی نفسِ موضوع بنا۔ اسی طرح عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ کربلا کے میدان میں وہ اور ان کے اہل و عیال اور ان کے بہتر ساتھی تین دن بھوکے پیاسے رہے، مگر انھوں نے صبر کیا؛ ان کے اعزا و رفقا، ان کے بھائی اور بیٹے، بھانجے اور بھتیجے قتل ہوئے، یہاں تک کہ ان کا ایک چھ مہینے کا بچہ بھی انھیں کے ہاتھوں پر تیرِ ظلم کا نشانہ بنا، پھر بھی انھوں نے صبر کیا۔ اس کے بعد جب کوئی نہ رہا اور خود ان کی باری آئی تو وہ سجدۂ خالق میں جھکے اور اسی حالت میں ان کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ صبرِ حسینی اسی کو کہتے ہیں اور یہی اردو کے رثائی ادب کو اس کا مرکزی خیال فراہم کرتا ہے۔

جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں، کسی بھی معیاری مرثیہ گو، بالخصوص میر انیس کا نہجِ فکر یہ نہ تھا اس لیے کہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک تو اس بنا پر کہ یہ ان میں سے کسی کا بھی عقیدہ ہونا امرِ محال تھا؛ دوسرے یہ واقعہ بھی نہیں تھا۔ عقیدہ یہ تھا کہ حق ہدایت و امامت کا ہو یا قیادت و امارت کا؛ یہ منجانب اللہ ہوتا ہے؛ اور واقعہ یوں رونما ہوا ہے کہ حسینؑ کا مطالبہ اپنا ذاتی حق نہیں، دینِ حق تھا۔ اب رہا صبر، تو جس طرح حق کا مجازی مفہوم فکرِ انیس کے منافی تھا۔ اسی طرح صبرِ لغوی اعتبار سے نہ ان کی فکر کا ساتھ دے سکتا تھا، نہ واقعات کا۔

یہیں میر انیس کا فن دخیل ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف تو ان کی فکر کا ترجمان ہے؛ وہ یہ بتاتا ہے کہ انھوں نے کیا سوچا، کیا کہا اور کیسے کیسے کہا۔ دوسری طرف وہ اس کا غمّاز ہے کہ ان کی تخئیل و تخلیق کی وہ خصوصیات کیا تھیں جنھوں نے انھیں ہر زمانے کے لیے اتنا ضروری بنا دیا۔ جہاں تک ان کا فن فکر کی ترجمانی کرتا ہے، اور ہر بات کو اتنا سجا بنا کے بیان کرتا ہے کہ واقعہ

تو واقعہ جذبہ وخیال کی بھی تصویر سی کھنچ جاتی ہے۔ اس نے نت نت سب کا من موہا ہے اور تذکرہ ہو یا تبصرہ دونوں کی خاطر خواہ توجہ اس جانب رہی ہے۔ لیکن ان کے فن کی وہ خصوصیات جن کے ہوتے وہ اپنے حریفانِ ہم زمانہ کو پیچھے چھوڑ کر افقِ وقت پر اس طرح ابھر سکے کہ وہاں آج بھی اتنے ہی نمودار ہیں، انھیں شاید آج تک جی لگا کر آنکا نہیں جا سکا۔ مثلاً ان کے فن کی ایک یہی خصوصیت کہ اس میں عام روایات کے ساتھ بلکہ اکثر وبیشتر ان کے سوا مستند اور متفق الیہ تاریخی واقعات کو نظم کرنے کا جو ایک وقیع تہیّہ پایا جاتا ہے اس پر نگاہ بہت کم جا پائی ہے؛ درآں حالے کہ ان کے فن کی یہی وہ واحد خصوصیت ہے جس کے آئینے میں ان کی فکر قدِ آدم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

یہ صورت، ہمارا اپنا قیاس ہے، اس طرح بہم ہوئی کہ میر انیس کے برابر کے فنکارانہ اور ذمہ دارانہ مزاج نے ایک تو، واقعہ کو خیال پر ترجیح دی اور اس کی معروضیت کو ضروری حد تک مسلّم رکھا، دوسرے جب نظم کرنے کی نوبت آئی تو انھوں نے واقعہ کو بھی اتنا ہی خوبصورت بنا دیا جتنا خیال۔

بہر حال اس بحث کو یہیں روک کر زیادہ مفید مطلب یہ ہو گا کہ تاریخی واقعات کے اس بہ جملہ وجوہ اہم سلسلے پر ایک غائر نظر ڈال لی جائے جو میر انیس کی فکر کا جزوِ فعال بن کر ان کے فن کو نئی جلا دے گیا؛ جس نے ان کی وسعتِ تخیل اور قوتِ نظم کے سامنے اتنا بڑا سرمایۂ سیر و سوانح رکھ دیا، تاریخی واقعات کا اتنا بھرا پُرا ذخیرہ ان کے سپرد کر دیا کہ مرثیہ نگار سے مسدس نگار اور مسدس نگار کے ساتھ رزم نگار بننے کا عمل ان کے معاملے میں لازمی اور قدرتی سا بن گیا۔ انیس جب "مضمون" اور "مضامین" کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی مراد ہوتی ہے کوئی "نیا خیال" یا کوئی نادر نکتہ "پیدا کرنا"، مگر جسے وہ "معنی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ کوئی "اکلوتا شگوفہ" نہیں "سموچا گلدستہ" ہوتا ہے۔ اس میں ترتیب صرف ہوتی ہے، اور اس ترتیب سے تناسبات کی بساط بچھتی ہے۔ ہماری دانست میں مرثیہ پر مسدس کے فن کا سبقت لے جانا اسی سے تعلّق رکھتا ہے۔

تناسبات سے ہمارا مقصود ہے کلامِ انیس کے صوتی، معنوی، تاثّراتی اور جمالیاتی محاسن کا باہمی نسبات پر قیام، اور ساتھ ہی ساتھ ان سب کا "مطابقت بہ اصلِ واقعہ" جیسی نسبت کو اپنے میں شامل کر لینا۔ آپ میر انیس کا مطبوعہ، غیر مطبوعہ کوئی بھی مرثیہ اٹھا لیجیے مطلع کی اٹھان ہی بتا دے گی کہ انھیں جس شہید کے بھی حال میں یہ مرثیہ لکھنا ہے، اس سے متعلق وہ تمام واقعات

جو معتبرین تاریخ اسلام نے مصدّق قرار دیے ہیں، ان کی نظر میں اپنی ساری ترتیب اور تاریخی سچائیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اکثر و بیشتر مطلع ہی کے بند سے خیالات کو جذبات، اور جذبات کو واقعات سے نسبت دینا شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ لفظ ہو یا ترکیب، اس میں ایک جان سی پڑ جاتی ہے، ایک ایسی چمک سی آ جاتی ہے کہ ہر صنعت صاف دکھائی دے، ہر عبارت کا نکھرا جانا پہچانا ہوا معلوم ہو۔

ہم سمجھتے ہیں، اسی باعث انیس کو ان ابتدائی دور کے مرثیوں میں بھی چھ مصرعوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کہیں بھی ترادف یا تکرار کی ضرورت نہیں پڑی اور یہی وجہ ہے کہ ان کا کہا ہوا ہر بند ایک اکائی ہوتا ہے؛ ان کے ہر بند کی بیت تیسرے یا چوتھے مصرعے سے نہیں نکلتی، بلکہ کبھی کبھی دوسرے یہاں تک کہ پہلے مصرعے سے بھی نکلتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو پورے بند سے نکلتی ہے۔ ہمیں ان کے خلف ارشد میر خورشید علی نفیسؔ کا ایک مرثیہ ملا ہے، جو انھیں کے ہاتھوں محشّی بھی ہے۔ اس میں خوانندگی کے لیے جو تحریری اشارے درج ہیں، ان کی رُو سے کئی بند ایسے ہیں جنھیں ایک سانس میں پڑھنا ہوتا تھا؛ یعنی ہر مصرعے کو ہموارہ یا برابر کا زور دے کر پڑھا جاتا تھا۔ لازماً کہا بھی اسی طرح جاتا رہا ہوگا۔

بہرکیف اس ضمن میں سب سے بڑی بات یہ صورت پذیر ہوئی کہ تاریخی واقعات سے مطابقت کے التزام نے کردار نگاری کو میر انیس کے فن سے مخصوص کر دیا۔ اُن کے سامنے کربلا کے سارے کردار تھے: شش ماہے علی اصغرؑ سے لے کر بوڑھے بزرگ صحابیوںؓ تک۔ سچائی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ قصہ کہانیوں سے زیادہ حیرت انگیز ہوا کرتی ہے۔ انیس نے مرثیے کے ہر کردار میں وہ ذیلی ہو کہ مرکزی، اس کی سچائی کو دریافت کیا ہے، مگر کربلا کے واقعات ایسے ہیں کہ یہ سچائی ایک نہیں انیک ہے۔ اس کے علاوہ وہ صرف حیرت انگیز بھی نہیں؛ بلکہ تیکھے سے تیکھے، تند سے تند، ساتھ ہی ساتھ نازک سے نازک اور نرم سے نرم انسانی جذبے کو بروئے کار لا کر سموئی ہوئی ہے۔ اس سچائی میں حیرت و استعجاب ہے، ہیبت و ہراس ہے، غیظ و غضب ہے، غم و غصہ اور نفرت و کراہت ہے، مگر اتنا ہی نہیں جلال و جمال، درد و اندوہ، شجاعت و مردانگی اور صبر و سکون، بہ طورِ بدرقہ بھی ہے۔

کردار نگاری

انیس کی کردار نگاری میں ہر کردار کی اپنی سچائی، اور اس سچائی میں جذبہ و

احساس کی مسطورۂ بالا فراوانی یا رنگا رنگی کو نظر میں رکھنا ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے فنی کمال کے کنہ تک پہنچنا ہے۔ اس لیے کہ لفظوں کا انتخاب ہو، یا اصطلاحوں کی کھپت؛ صنعتوں کا استعمال ہو یا بزم و رزم کے لوازمات کو برتنا اور اس سلسلے میں خیال آرائی، نکتہ سنجی اور سلیقۂ زبان و بیان کے جوہر دکھانا، یہ سب کچھ وہ ہر کردار کی رعایت سے کرتے ہیں اور اس طرفہ ہنر کے ساتھ کرتے ہیں کہ جب تک اس کا تجزیہ نہ ہو جائے کم سے کم اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ یہ انھیں کا حصّہ ہے۔

اس باب میں ہمیں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم سے جو فیض پہنچا، وہ قابلِ ذکر ہے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ انیسؔ کے یہاں حالی کے حسبِ نشاندہی لغات و اصطلاحات کی بہتات بھلے ہی سہی، مگر اس بہتات کے باوجود انھیں لغات و اصطلاحات نے مرثیے کی ڈرامائیت کے حق میں ایک نت نئی فضا کی ترتیب کا جو اہتمام کیا ہے، تناسبات کا جو ایک طومار سا باندھا ہے، بالخصوص ایک معمولی سے معمولی لفظ نے جس طرح کرداروں کے بیچ حفظِ مراتب کو قائم کیا ہے، وہ اس سب پر مضاف ہے۔ ان کا مشہور مرثیہ ہے:

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر

عام روایت ہے کہ حُر ابن یزید ریاحی ایک ہزار مسلّح سواروں کا سردار تھا، مگر تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ اس کے ساتھ دو ہزار سوار تھے۔ کچھ بھی ہو انیس کا اُسے اوّلاً "فارس" کہنا، پھر "ایک دو لاکھ جوانوں میں بہادر. . ." بتانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کے فن اور اس کی تکنیک دونوں کا یہ تقاضا تھا کہ حُر کی تاریخی شخصیت شروع ہی سے متعین کر دی جائے: وہ شہ سوار تھا، ایک سوار دستہ پر تعینات تھا، لفظ فارس نے اس کا تعیّن کر دیا؛ اور لفظ تہوّر نے اسی طرح اس کے کردار کی دوسری بڑی خصوصیت کو ابھار دیا۔ یعنی آگا پیچھا سوچے بغیر جان جوکھوں میں پڑنا (بقول حکما: افراطِ قوتِ غضبی)۔ حُر نے حسین کی حمایت میں کچھ ایسا ہی کیا؛ واقعات گواہ!

اسی طرح فرداً فرداً دیکھا جائے تو جس کسی کے حال میں بھی کوئی مرثیہ ہے اس کی ساری فضا اس مخصوص کردار کی رعایت سے ترتیب پاتی ہے؛ چنانچہ حسین کی شخصیت اور ان کا کردار، جوابِ تاریخِ عالم کا جُزو بن چکے ہیں، ان کے ذکر میں انیس نے جو رعایتیں لازم جانی ہیں، وہ بھی

اسی قبیل کی ہیں - وہ ، ایک تو حسینؑ کا حسینؑ ، یعنی حق کا حامی اور صبر کا حلیف حسینؑ ہونا اتنی ہی بڑی بات سمجھتے ہیں ، جتنا ان کا علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا اور رسول کا نواسہ ہونا ۔

بولے کہ میں حسین علیہ السّلام ہوں

اور

مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

ان دونوں بیانات میں جو فرق ہے ، وہ ایک ساتھ کئی طرف اشارے کرتا ہے ؛ اس طرف شاید سب سے پہلے کہ عہدِ انیس ہی کے لکھنؤ میں معیاری مرثیہ گوئی کا ایک اور اسکول بھی تھا جو فنی معاملوں میں بھی صرف مودّت و عقیدت کے جذبے کو ہر جگہ پیش پیش رکھنا چاہتا تھا ۔ انیسؔ نے ایک آفاقی قد و قامت کے مثالی انسان کے کردار کے حسینؑ کی شخصیت میں بہ وجوہ احسن ضم ہو جانے پر بھی اتنا ہی زور دیا ، اور جیسا کہ عرض کیا جا رہا ہے ، انھوں نے اپنے فکر و فن کی اساس ہی اس پر قائم کی کہ

ہے کُل کا فخر ، دلبرِ پیغمبرؐ زماں

عیسیٰؑ پکارتے ہیں کہ حق کا ظہور ہے — موسیٰؑ کا ہے یہ قول کہ خالق کا نور ہے

یہ حسینؑ جو سب کے لیے اس طرح فخر کا باعث ہو ، فطرت کا کرشمہ تسلیم کیا جائے گا ۔ انیس نے اور بڑی حد تک ، موقرین علم التواریخ نے حسینؑ ابن علیؑ کے جو خصائص گنائے ہیں وہ انھیں اسی قسم کا ایک کرشمہ ثابت کرتے ہیں ؛ چنانچہ اسی جلد میں شامل مرثیوں کو ایک فوری ترتیب دے کر غور فرمائیے :

در پیش ہوا جب کہ سفر سبطِ نبیؐ کو

انیس کا بیان ہے کہ " یہ سفر " نہیں تھا ، " راہِ ثواب کا طے کرنا " تھا ۔ طبری ، ابن اثیر ، ابوالفدا منزل بہ منزل کے جو حالات نقل کرتے ہیں ان سے اس یقین کو اور بھی تقویت پہنچتی ہے ۔

جب سبطِ نبیؐ گھر گئے میدانِ ستم میں

یہ ۲ محرم ۶۱ ہجری اور اس کے بعد کے احوال ہیں ۔ تاریخ کامل میں ہے :

جب امام حسینؑ نے دشتِ کربلا میں قیام فرمایا تو زہیر بن قین نے عرض کیا کہ یا ابنِ رسول اللہ قسم ہے خدا کی ، دشمنوں کا جو برتاؤ آپ اس وقت

ملاحظہ فرمارہے ہیں آیندہ اس سے زیادہ شدید ہوگا؛ اور ان موجودہ مخالفین سے قتال کرنا بہ نسبت اُن لوگوں سے قتال کرنے کے آسان ہے جو اِن کے بعد آئیں گے کیونکہ اپنی جان کی قسم جو فوجِ کثیر اب آئے گی اُس کے مقابلے سے ہم عاجز ہوں گے۔

امام حسینؑ نے جواب دیا:

کہ ہاں، یہ سچ ہے مگر میں لڑائی میں اپنی جانب سے پہل نہیں کروں گا۔"

یہ ایک عظیم تاریخی فیصلہ تھا۔ اسی کے بعد "یک حسین و بسیار یزید" والی حقیقت سامنے آتی ہے۔ انیس نے اس پوری حقیقت کو اپنے فکر و فن میں جذب کرنا چاہا ہے۔ فکر میں اس طرح کہ حسین ان کے مراثی میں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کی عملی تفسیر ہو جاتے ہیں۔ اور فن میں یوں کہ حسین اور حسینیوں کے کردار کے وسیلے سے اسی کی تلقین و تبلیغ ہوتی ہے؛ چنانچہ "سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب" ہوئی، اور کربلا میں "داخلۂ شاہِ دیں" ہوا، تو:

ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار

مُڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے　　بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یک جا ہوئے یہ سُن کے جوانانِ صف شکن

نکلا ہر اک ولی کی زباں سے یہی سخن

اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں　　ناحق کوئی، لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

یہ جوانانِ حسینی کے سوچنے، کرنے کا ڈھنگ ہے۔ انیس ان میں سے ہر ایک کو ولی کہتے ہیں۔ اور خود وہ دشمن کو اپنا دشمن نہیں، عدوے دیں بتاتے ہیں۔ دونوں باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

اب ایک اور حسینی کے کردار و گفتار پر نظر کیجیے تو بات آگے بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اس لیے اور بھی کہ یہ متعلق ہے ہونے والے علمدارِ حسینی، عبّاس ابن علی سے، جن کا جلال ان کی ذات کے لیے صفتِ لازم کا درجہ رکھتا ہے؛ اس کے باوجود وہ بھی شدید سے شدید اشتعال کے موقع پر یہ جتا دینا، بلکہ اس کا اعلان کر دینا، ضروری جانتے ہیں، کہ

سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں

یہ بھی حسینؑ کی پاسداریِ آئینِ حق اور اصولِ صبر کی ایک چھوٹ تھی۔ وہ جنگ کو جہاد کا تابع، اور جہاد کو جہدِ حق کا ایک طریق جانتے تھے۔ اس کا احساس ان کے ہر ساتھی کو تھا، مگر فوجِ مخالف کو نہیں تھا۔ اس لیے دشواریاں پہلے منزل بہ منزل بڑھی تھیں، اب لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ دوسری محرم سے دسویں محرم کی صبح تک اتنی اور ایسی ہو گئیں کہ آج تک ان کا بیان جاری ہے۔ اس کے باوجود پاس و احساسِ حق کا یہ عالم تھا کہ اُدھر جنگ کی ساری تیاریاں ہیں اور ادھر فریضۂ فجر ضروری۔ چنانچہ انھیں نو دریافتہ مرثیوں میں آگے کا مرثیہ ہے:

جس دم نمازِ صبح ادا کی حسینؑ نے

تاریخ شاہد ہے کہ یہ نماز پڑھی گئی۔ انیس نے اسی واقعہ کو مطلعِ کلام بنایا ہے، اور گویا ابتدا بیان کرنی چاہی ہے اس انتہا کی، جو عصر کے وقت ہونے والی ہے، اور جس کے ذکر میں ان کا ایک نو دریافتہ مرثیہ ہے:

کام آچکی جب فوج امامِ مدنیؑ کی

اس مرثیے سے، اور اسی کے ساتھ ایک دوسرے مرثیے

تاراج جب خیامِ شہِ کربلا ہوئے

سے اس امر کی تصدیق آسان ہو جاتی ہے کہ ابتدا ہی سے مرثیہ نگاری میر انیس کا پیشہ و مشغلہ نہیں، ان کے مسلکِ فکر و یقین کا وسیلۂ اظہار تھی۔ اسی باعث ان کی فکر اُن کے فن کا سرچشمہ بن سکی، اور اسی صورت ان کا فن عقیدے سے زیادہ واقعے کو اپنا کر منفرد ہوتا گیا۔ "کام آچکی جب فوج امامِ مدنیؑ کی" اس مطلع کی اٹھان ہی بتا رہی ہے کہ بات ایک تاریخی حقیقت سے شروع کی جا رہی ہے، مگر ایک نظریاتی اہتمام کے ساتھ؛ حسینؑ شاہِ مدنی نہیں امامِ مدنی ہیں؛ ان کی فوج نہ ختم ہوئی ہے، نہ قتل بلکہ کام آئی ہے؛ کسی مقصد کے حق میں کام آئی ہے (یہی وجہ ہے کہ میر انیس "خاتمہ بخیر" کا فقرہ استعمال کرنا ضروری سمجھتے تھے) چنانچہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ اسی مرثیے کو لیجیے جس کا ابھی حوالہ دیا گیا۔ اس میں شروع کے سات بند ایک سلسلے سے فوجِ یزید کی زبانی ہیں۔ مطلع کے بند کے پہلے اور آخری دو مصرعے اس طرح ہیں:

کام آچکی جب فوج امامِ مدنیؑ کی غل تھا کہ بڑی غازیوں نے صف شکنی کی

ہے کون جسے مرنے کو بھجوائیں گے شبیرؑ
خود حلق کٹانے کو چلے آئیں گے شبیرؑ

یہ اندازہ بڑی حد تک صحیح تھا حسینؑ نے یہی کیا، لیکن ان کا مقصد صرف "حلق کٹانا" نہیں، اپنے کٹے ہوئے حلق سے بھی نعرۂ اعلاءِ حق لگانا تھا۔ اس لیے رسولؐ کی عزت کی ذمہ داری بیمار بیٹے سیّد سجادؑ کو سونپی، رسولؐ کے تبرکات بہن زینب کے حوالے کیے اور اپنے مقصدِ شہادت کی تبلیغ ان دونوں کے سپرد کر کے میدانِ جنگ میں آئے۔

انیس نے اس مرثیے میں حسین کی رخصت بھی نظم کی ہے، اور ان کی آمد بھی؛ آمد اس طرح دکھائی ہے کہ اسی میں گھوڑے کی تعریف بھی پوری ہو گئی ہے، فرماتے ہیں:

یوں اُڑ گیا گھوڑا کہ نہ معلوم ہوئی گرد
پہنچے سرِ میدان شہِ دیں، ڈر گئے نامرد
رعبِ شہِ دیں چھا گیا افواجِ لعین پر ہاتھوں سے گرے پڑتے تھے ہتھیار زمیں پر

حسین کی یہ آمد عین مطابق ہے۔ درجِ تواریخ حالات و واقعات سے۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ انھیں نہ جنگ سے فرار تھا، نہ اس کی جلدی۔ وہ امتِ محمدی کی بہبود کو دوسروں سے بہتر سمجھتے تھے، اس لیے شروع سے اب تک جس بات کو مقدم کرتے آئے تھے، یعنی اتمامِ حجت اس کے لیے بڑھتے ہیں، اور خطبہ فرماتے ہیں:

منظور ہے گو آج تمھیں میری شہادت
"لیکن کل توبہ کرو گے؛ مجھے تمھاری "بدانجامی" کی فکر ہے......"!

میر انیسؔ نے امام کا یہ تاریخی خطبہ کئی مرثیوں میں نظم کیا ہے، اس مرثیے میں بھی کیا ہے، اور امام کے تلوار اُٹھانے کی وہی وجہ بیان کی ہے جو معتبرینِ تواریخ نے کی ہے، یعنی

یہ کہتے تھے حضرت کہ چلے تیر اُدھر سے منھ پھیر لیا سب نے محمدؐ کے پسر سے
کچھ تیر لگے سینے پہ، کچھ رو کے سپر سے کھینچی اسد اللہ کی شمشیر کمر سے

اس کے بعد جنگ ہے اور ہاشمی تلوار کی کاٹ، مگر چونکہ امام جنگ نہیں 'جہاد' کر رہے تھے' اس لیے جیسے ہی

حضرت کو محمدؐ کی صدا آئی یہ ناگاہ
غصہ نہ کرو گر تمھیں الفت ہے ہماری رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ امت ہے ہماری

آپ نے تلوار روک لی ؛ انیس مصرعے دیتے ہیں :

شبّیر نے سن کر یہ صدا روک لی تلوار کی عرض یہ نانا سے کہ یا احمد مختار
گر حکم نہیں ہے تو نہیں لڑنے کا زنہار امّت پہ فدا ہے مری جاں اور مرا گھر بار
اب کاٹ لے قاتل مرا سر آن کے تن سے
جُز شکر کوئی بات نہ نکلے گی دہن سے

مقام صبر کی جن بلندیوں پر فائز ہو کر اس عزم صمیم کا اظہار ہوا ہے، میر انیس نے انھیں کی مناسبت سے زبان و بیان کو اور بھی زیادہ ذمہ دار بنایا ہے۔ اور چونکہ یہی وہ منزل بھی ہے جہاں تصدیقِ حق کردارِ شہادت کی آخری آزمائش کرتی ہے اس لیے یہیں ایک نقطۂ عروج بھی واقع ہوتا ہے اور کربلا کا تاریخی المیہ ایک SUPER-DRAMA (تمثیل اکمل) بن جاتا ہے۔ انیس نے اپنی فکر اور اپنے فن کو یہاں اور بھی زیادہ ذمہ دار بنایا ہے، حالات و واقعات کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی شدّت کو لفظ لفظ میں سمویا ہے، تا آنکہ وہ ہنگام بھی آ گیا جسے اس ٹریجڈی کا نقطۂ عروج ہی نہیں، ان واقعات کے پیش نظر جو ذبح حسین کے وقت ہی سے صورت پذیر ہونے لگے تھے (مثلاً قتلِ حسین سے توبہ کرنے والی جماعتِ توابین کا معاً وجود میں آنا) اسے عنفوانِ انقلاب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

انیس کا عہد، اس کے اپنے ثقافتی تقاضے، مرثیے کا عوامی نظم بن جانے کی وجہ سے اس کی نت نت بڑھتی ہوئی ضروریات، اور ان کی بنا پر مرثیہ کہنے، پڑھنے اور سننے کے فن میں بے اندازہ ترقی ؛ پھر میر موصوف کی فکر کا اچھوتا پن، دوسرے فردوسی کی طرح درایت کے اصولوں کو ضابطۂ سخن قرار دینا، اور روایت کو بھی انھیں کے تابع گرداننا، اس سب کے ہوتے وہ مرثیہ کے کلارکس تک پہنچنے کے لیے تو زبان و اسلوب بیان کا سہارا لے سکتے تھے لیکن وہاں پہنچ کر صرف اشارے کر سکتے تھے۔ اور یہی انھوں نے کیا ہے۔

اس مجموعے میں بہتات، اتفاق سے، ان مرثیوں کی ہے جو "مختصر خوانی" کے لیے وضع کیے گئے تھے، ان میں ایسے اشاروں کی گنجائش بہ ظاہر کم معلوم ہوتی ہے لیکن ہوا یہ ہے کہ ایسے ہی مسدّس پاروں میں شاعر کے ہنر کی سخت ترین آزمائش بھی ہوئی ہے۔ اس لیے انھیں میں اشارے بلیغ سے بلیغ تر اور وقیع سے وقیع تر بھی واقع ہوئے ہیں۔ مثال دینے کی ضرورت

نہیں کسی شہید بالخصوص امام حسین کے حال کا کوئی مرثیہ بھی ہو، اس میں یہ ملے گا کہ اتمامِ حجت سے لے کر شہادت اور شہادت کے بعد بَین ان کے ضمن میں تسلسل کلام کو جس طرح ترقی دی گئی ہے اور جو طرزِ گریز بیچ بیچ میں اختیار کیا گیا ہے، وہ فی الجملہ بیانیہ نہیں ایمائیہ ہے۔

ہماری دانست میں اس سے "انیس سنجی" کچھ سہل ہی ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس طرح ان کے فکر و فن کی جامعیت ثم انفرادیت کو ان کے سارے کلام (وہ جو سامنے آچکا ہے، اور وہ جو اب مل سکا ہے اور سامنے لایا جا رہا ہے) اس سمُوچے سرمایے کو نظر میں رکھ کر، جاننا پہچاننا اور آنکنا پرکھنا امکانی ہو جاتا ہے۔

یہاں تک ہماری کوشش رہی ہے کہ انیس کے اساسِ فکر اور ان کے تصوّر فن سے متعلق جو بھی داخلی شواہد ان کے غیر متعارف مرثیوں میں قابلِ ذکر ملیں۔ انھیں ضروری احتیاط کے ساتھ جوں کا توں پیش کر دیا جائے؛ یہ ہم سے کتنا بن پایا ہے ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اتنا شاید ضرور ہوا ہے کہ یہاں وہاں سے انیس کی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے ارتقائی عمل کا سراغ کم سے کم اس حد تک یقیناً لگ سکا ہے کہ تلاش آگے بھی جاری رکھی جا سکے۔ اسی کے ساتھ مرقع انیس کے کچھ دھندلے اور اُجاگر نقوش ایسے بھی اُبھر پائے ہیں، جنھیں اردو تاریخ و تنقید کو شاید نئے سرے سے اپنے اندر کھپانا پڑے۔

چنانچہ یہ چند مرثیے جو ہم سمجھتے ہیں کہ پہلی بار چھپ کر سامنے آ رہے ہیں، اور جن میں سے اکثر میر انیس کے قیامِ فیض آباد کے زمانے کی تخلیقات ہیں، یعنی جن پر اودھ کی چھاپ زیادہ اور لکھنؤ کی کم ہے، ان کا ذرا تامّل سے مطالعہ کیا جائے تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا، پہلا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اصلاً اور عملاً ادبی عوامی نظمیں ہیں، اور شاعر کی ابتدائی مشق کی پیداوار ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر اتنی اپچ رکھتی ہیں کہ اور تو اور خود میر خلیق کے اسی دور کے کہے ہوئے مرثیوں سے بھی جا بجا میل نہیں کھاتیں۔ اس کے علاوہ یہ احساس بھی مرثیہ بہ مرثیہ اور بند بہ بند محکم ہوتا جاتا ہے کہ میر انیس کی خصوصیاتِ فکر و فن کے بارے میں ابھی بہت کچھ "دانستنی" ہے مثلاً MOTHER AND CHILD STUDY IN ART کا موضوع جو اُن کے یہاں ایک شعوری شرح و بسط سے ملتا ہے۔

ان کا ایک مرثیہ غیر مطبوعہ اس مطلع کے ساتھ ملا ہے:

غش ہوئے پیاس سے جب بانو کے جانی اصغر

ہر چند یہ مرثیہ اردو کے ایک محقق نے ہماری اس تحریر کے حین تکملہ اپنے پیش فرمودہ مجموعۂ مرثیہ ہائے انیس میں شامل کر لیا ہے، اور اس طرح ہمیں یہ حق جاتا رہا ہے کہ اب ہم اسے غیر مطبوعہ مرثیے کی حیثیت سے اپنے مجوزہ مجموعے میں جگہ دے سکیں، مگر فاضل محقق کی مرتبہ جلد میں اس مرثیے کے متن ہی کو شامل کر دینا چونکہ کافی سمجھا گیا ہے، اور نفسِ مرثیہ، یعنی اس کی داخلی خصوصیات سے کوئی بحث نہیں کی گئی، اس لیے اپنی ضرورت بھر اگر ہم اس سے اس ضمن میں کچھ فیض اٹھا سکیں، تو کیا مضائقہ!

ویسے ماں اور بچے کے فطری تعلقات، یا بچوں کی نفسیات، یا بچوں بچوں کے آپس کے معصوم معاملات سے عالمی ادب یا آرٹ کبھی بھی خالی نہیں رہے، مگر کچھ زمانے ایسے گذرے ہیں جب یہی موضوعات مرکزی اور مقدم ہو گئے ہیں، مثلاً میلادِ مسیح کے بعد بازنطین و روم کے ادب اور آرٹ میں، یا اور آگے چل کر بالخصوص اس آرٹ میں جو یورپ کے نشاۃ ثانیہ کا ہم مزاج و ہم کردار قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سنسکرت کا وِدیا میں ہوا ہے کہ جب ان موضوعات کی وسعت بڑھی اور وہ لطف جو ان سے متعلق ہوا کرتا ہے مستقل و معتدبہ سمجھا گیا تو ایک نئے رس، "واتسلیہ" کا اضافہ کرنا پڑا۔ اور بھاکا میں سورداس نے جس جس طرح کرشن کے بال روپ کو درشایا ہے اس سے ماں بچے کا یہ موضوع اور بھی وقعت حاصل کر گیا ہے۔

اردو نظم میں عجب نہیں کہ انیس سب سے پہلے صاحبِ فکر و فن رہے ہوں جنھوں نے اس لطیف ترین فطری موضوع کی اہمیت اور قدر و قیمت کو جانا اور اسے اسی طرح نباہا۔ ان کے ان نو دریافت مرثیوں میں دو، تین ایسے ہیں جن کے مرکزی کردار ہیں: ماں اور بچہ، یا صرف بچے۔ ان میں ایک مرثیہ تو یہی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، مطلع کا حوالہ دیا جا چکا: قافیہ اور ردیف ملاحظہ ہوں:

"بانو کے جانی اصغر"

بلا اندیشۂ تردید کہا جا سکتا ہے کہ شاعر نے شعوری طور پر مرثیے کی ابتدا اس طرح کی کہ سامع ہو یا قاری اس کا ذہن معاً اس حقیقت پر مرتکز ہو جائے کہ بچہ ماں کے وجود کا وہ حصہ ہوتا ہے جسے وہ "اپنی جان" اپنی زندگی سمجھتی ہے۔ مثالوں سے کبھی کبھی طوالت بھی پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے مثالوں کو جانے دیجیے: ۳۵ بندوں کا مختصر سا مگر بڑا ہی سنجل مرثیہ ہے: اسے خود پڑھ کر دیکھیے!

انیس نے مکالموں کا یا پھر ماں کی خود کلامی کا خاص طور سے سہارا لے کر کہیں نکات اور کہیں مسلمات کو جس فنی چابکدستی سے ابھارا ہے، وہ خود آپ اپنی مثال ہے: ماں کی مامتا اس کا اتھاہ پیار، اس کا اپنے بچّے کی ہر ضرورت کو سمجھنا، اس کی ہر حرکت کا بھید جاننا، یہاں تک کہ اس کی غوں غاں میں بھی معانی و مطالب پہنا لینا، اس مرثیے میں یہ ساری باتیں رہ رہ کے جھلکتی جاتی ہیں، تا آنکہ ہم ۲۷ ویں بند پر پہنچتے ہیں، اور ایک ماں کو یہ کہتے سُنتے ہیں:

بارے اعدا نے بجھا دی مرے معصوم کی پیاس

تو TRAGIC IRONY کا عنصر اپنی جگہ، ہمیں ماں کا غم نہیں اس کا پیار اتھاہ — اور بھی اتھاہ — ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے؛ اور اس کے بعد پھر وہی ماں جب باپ سے پوچھتی ہے:

یہ تو کہیے کہ ہیں کس وقت سے سوئے اصغر
جب سے پانی پیا پھر تو نہیں روئے اصغر

تو ایک بار ایسا لگتا ہے. جیسے ماں کی حیات آفرینی موت پر بھی قابو پا سکتی ہے.

⁂

اسی قبیل کا دوسرا مرثیہ ہے:

جب سکینہ پہ بہت پیاس نے طغیانی کی

یہ مرثیہ ایک SOLILOQUY سے شروع ہوتا ہے، ایسی SOLILOQUY جو ان کے معروف اور کامیاب تر مرثیوں میں بھی شاید ہی اتنے بسط کے ساتھ نظم ہوئی ہو، اور پھر جس نے بچّوں کے ذہن اور ان کے طریقہ ہائے کار کو سمجھنے کے لیے اس طرح پس منظر تیار کیا ہو۔

اس میں عبداللہ ابن حسنؑ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اور ایک حضرت عبّاس کو چھوڑ کر بقیہ سارے کردار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بچے، جیسا کہ ہوتا ہے، مصیبت پڑنے پر اپنے بڑے کی پناہ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب کربلا کی پیاس نے بچّوں کو بے حال کر دیا تو انھوں نے حضرت عبّاس کا سہارا لیا۔ انیس اس کی کتنی سادہ مگر کتنی سچی تصویر کھینچتے ہیں، کہ

ایک بچہ
پاس عبّاس کے روتا ہوا، دوڑا آیا
اور عبّاس کے شانے سے لپٹ کر بولا
فکر کیجیے مری اب پیاس سے مرتا ہوں چچا!

مشہور تاریخی روایت ہے کہ جناب عبّاس نے جب بچّوں پر پیاس کی یہ شدت دیکھی تو وہیں ریت پر کنواں کھودنا شروع کر دیا۔ بچّے متفاول مزاج تو ہوتے ہی ہیں، ابھی کنواں کھُدنا شروع ہی ہوا تھا کہ انھیں یقین ہو گیا کہ بس پانی نکلنے ہی والا ہے۔ ایسے میں بچّوں کا جو عالم ہوتا ہے اسے میر انیس الفاظ دیتے ہیں، فرماتے ہیں :

کہتے تھے، دیکھیں، کسے ملتا ہے پانی پہلے
پانی نکلا کہ نہیں، دیکھتے تھے جُھک جُھک کے

کوئی کہتا تھا کہ میں تو ہوں سحَر سے پیاسا
کوئی کہتا، میں ہوں چوبیس پہر سے پیاسا

اب ایک بچّی کا مرقّع ؛ وہ بھی انھیں میں تھی ؛ مگر وہ ایک طرف، دوسرے دوسری طرف :

منتظر ایک طرف پانی کا تھا عبداللہ
تھی کھڑی جام لیے ایک طرف دخترِ شاہ
ایک جانب تھی رُقیہ کھڑی با حالِ تباہ
باقر اک سمت کھڑا روتا تھا با نالہ و آہ
برسرِ چاہ کھڑے منتظرِ آب تھے سب
دھوپ کی گرمی تھی اور پیاس سے بیتاب تھے سب

اس کے بعد جیسے ہی پانی تہ میں سے جھانکنے لگتا ہے ایک CRISIS آتا ہے، اور بیلچا ٹوٹ جاتا ہے؛ یہی مرثیے کا کلائمکس بھی ہے؛ بچوں کی سراسیمگی، بالخصوص سکینہ کی مایوسی جناب عبّاس سے دیکھی نہ گئی، انھوں نے ریت بھرا پانی کوزوں میں بھر کر نتھارا، ایک کوزہ سکینہ کو دیا، سکینہ نے کہا: چچا پہلے آپ! چچا نے کہا: نہیں بیٹی، امام پیاسے ہیں اور میں پانی پی لوں! سکینہ وہی پانی لیے باپ کی طرف چل پڑیں؛ دور ہی سے بولیں :

آپ نے پیاسوں کی تقدیر کو دیکھا، بابا!

امام چپ رہ جاتے ہیں تو وہ کوزہ لیے گہوارے کی طرف بڑھتی ہیں کہ چھوٹے بھائی ہی کی پیاس بجھا دیں؛ ناگہاں ان کا پاؤں طناب خیمہ سے الجھتا ہے اور کوزہ ہاتھ سے گر جاتا ہے۔ اب کیا کریں؛ چچا کی طرف بھاگتی ہیں۔ چچا پکارتا ہے، گھبراؤ نہ بی بی! عبّاس زندہ ہے تو پانی آ کے رہے گا!

اس سب میں "مآل مجلس" کے لیے جتنا ہے، اور جتنا ڈرامائیت کو اور زیادہ اُجاگر کرنے کے لیے ہے اسے نظر میں رکھ کر بھی دیکھا جائے تو کربلا کے بچّوں کے ذہن و دماغ اور ان کی جان اور روح کے جو پیکر اور جو سراپے اس مرثیے میں اُبھر کر سامنے آتے ہیں، بڑے ہی یقین بخش ہیں:

بابا! کچھ آرزو مجھ کو بھی نہیں جینے کی
تم نہیں پینے کے تو میں بھی نہیں پینے کی

اسے بالک ہٹ کہیے، جذبۂ ایثار کی وارفتگی کہیے، بات درپیش ہے کربلا کے بچوں کے سوچنے سمجھنے کے طور طریقوں کی اور میر انیس کی رموز بینی، لطیف بیانی کی" اس لیے اُسے اُسی کسوٹی پر کس کے دیکھیے۔

یہ مرثیہ ۱۲۴۴ھ سے یقیناً پہلے کا ہونا چاہیے، اس واسطے کہ جو نسخہ زیر نظر ہے اس پر یہی سالِ کتابت درج ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے تخلیق کار کی عمر اس وقت ۲۸ سال سے بھی کچھ کم رہی ہوگی، اور یہ کہ اس کا مستقر فیض آباد تھا، جہاں کے مذہبی اور تہذیبی محرکات جن کا بیورا دیا جا چکا، لکھنؤ سے اتنے الگ ضرور تھے کہ انھیں الگ کہا جا سکے۔ اور اسی حد تک وہاں کا علمی و ادبی ماحول بھی لکھنؤ سے الگ اپنی خصوصی نوعیت رکھتا تھا، اس کے بھی قرائن و شواہد بہتیرے ہیں۔ پھر یہ تو سیاسی تاریخ کی ایک سامنے کی حقیقت ہے کہ فیض آباد کے معاشرتی، ثقافتی تیور جو ایک فوجی چھاؤنی کے ۱۷۲۲ء سے قائم ہوئے تھے وہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تک بدستور رہے۔ لکھنؤ میں بھلے ہی انگریزوں سے یہ سمجھوتا ہو گیا ہو کہ فوج تمھاری' ذمّے ہمارے، لیکن فیض آباد کے مغل، راجپوت، قزلباش اور کشمیری، ایرانی اور ہندستانی گھرانے اب بھی سیف و قلم ہی کی زندگی کو زندگی جانتے تھے؛ وہ اب بھی پڑھے لکھے علم و فضل کے دھنی سپاہی تھے۔

میر انیس اپنی آدھی عمر سے بھی کچھ زیادہ انھیں تلوار اور قلم دونوں کی لاج رکھنے والوں کے بیچ رہے۔ یہی ان کے سامع تھے۔ عبّاس سے ان کی شجاعت، ان کی وفاداری، خاص کر ان کے بچوں کے ہیرو ہونے سے ایسے سامع کی لازمی دلچسپی سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ اس میں کمزور کی حمایت، یعنی CHIVALRY کا ایک ایسا عنصر شامل ہو جاتا ہے جو ہر سچے سپاہی کو، وہ کہیں کا بھی ہو دل سے عزیز رہا ہے، چنانچہ عبّاس کا کربلا کے بچوں کی پیاس کو دیکھ کر یہ کہنا کہ:

خونِ معصوموں کا گردن پہ لعیں لیتے ہیں

صاف بتاتا ہے کہ ان پر بچوں کی تکلیف کا کتنا اثر تھا اور وہ اس وقت سوچ کیا رہے تھے۔

ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھ کر پورے مرثیے کو تولا پرکھا جائے تو وہ نومشقی کے زمانے کا ہوتے ہوئے بھی بے تراشا ہوا ہیرا معلوم ہوتا ہے؛ معصوم بچوں کے بکھتے ہوئے ذہن اور فطری بے لوثی کی عکاسی کرنے والی فنی تخلیق کو اس سے بہتر کہا بھی کیا جا سکتا ہے!

اسی نوعیت کا ایک اور مرثیہ اس مطلع کے ساتھ ملا ہے۔

"مفتاحِ قفلِ بابِ سخن ہے زباں مری"

یہ ویسے چھپا تو اب تک کہیں نہیں، مگر اس کے دو ایک نسخے چونکہ میر نفیس کے تخلص سے بھی پائے جاتے ہیں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ انھیں کی تصنیف ہو؛ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میر انیس کی ہو؛ بہر صورت ذخیرۂ مسعودی والا نسخہ اپنی عبارتِ سرورق، اپنے مقطع جس میں تخلص انیس کا ہے اور نیز اس سے کہ پروفیسر مرحوم، حضرت ادیبؒ نے اسے انھیں کا مرثیہ قرار دیا۔ میر انیس ہی کی تصنیف فرض کیا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ مرثیہ رسول اور خاندانِ رسول کے حال میں ہے۔ مگر اس کے نمایاں کردار ایک ماں اور دو بیٹے ہیں۔ ماں ہے رسول کی بیٹی جناب فاطمہ اور بیٹے ہیں حسنؑ و حسینؑ؛ حسنؑ اس وقت تک بڑے ہو چکے تھے، مگر حسین ابھی بچے ہی تھے۔ یہی بچہ پورے مرثیے کو رُو میں لاتا ہے اور یہی اس کا محور ہے۔ اندازہ لگائیے۔ صرف ایک مقام پیش کیا جا رہا ہے۔ حسینؑ اپنے نانا کے ساتھ ایک کھیل کھیل رہے ہیں :

پھرتے تھے ساتھ ساتھ نواسے کے مصطفیٰؐ　　بچوں میں کھیلتا تھا جو زہرؑا کا دلربا
ہم دوڑتے ہیں، آکے ہمیں چھو تو لو' بھلا　　کہتا تھا یوں ہٹا کے قدم کو وہ مہ لقا

فرماتے تھے رسولؐ کہ اچھا ہم آتے ہیں
دیکھیں تو آپ بچ کے کدھر ہم سے جاتے ہیں

پھیلا کے دونوں ہاتھ بڑھے سیّد البشرؐ ہنس ہنس کے پچھلے پاؤں لگا ہٹنے وہ قمر
ہلتے تھے مثلِ قبلہ نما کان کے گہر جاتے تھے وہ اُدھر کو تو آتے تھے یہ اِدھر
فرماتے تھے نبی کہ کدھر جائیے گا آپ
یہ ہنس کے کہتے تھے نہ ہمیں پائیے گا آپ

آجاتے تھے قریب جو محبوبِ ذوالجلالؐ بچ جاتے تھے اچھل کے حسین نکو خصال
پیغمبرِ خدا کو یہ اس دم ہوا خیال ایسا نہ ہو، اُلجھ کے گرے فاطمہؑ کا لال
کیا ہوگا اضطراب شہِ مشرقین کو
گھوڑے سے جب گراتے تھے اعدا حسین کو

ایک حسین جیسے تاریخ ساز کا یہ بچپنا اور اس کا یہ نفسیاتی مطالعہ جو اس مرثیے کے ۳۷ بندوں (۱۸ تا ۵۵) پر حاوی ہے۔ انسانی فطرت کی اصل، اور انسانی تہذیب کی اساس سے براہِ راست وابستہ ہے، یعنی وہ حوصلۂ کار جو حسین کے اندر شروع ہی سے موجود تھا، انسان کا فطری جوہر تھا۔ اسی طرح جو شفقت اور جو توجہ پیغمبرِ اسلام اپنی بیٹی کے ناتے اس کے بیٹے پر صرف فرمایا کیے، وہ فطری تقاضے کی بنا پر بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن جو خصوصیت انھیں حسینؑ کی ذات سے تھی، بنیادی طور پر یہی انسانی تہذیب کی تربیت کنندہ رہی ہے۔

کلامِ انیس کا اس رُخ سے بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے، اسی طرح کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر مزید روشنی ڈالنی انیس کے فکر و فن سے مستفیض ہونے والوں کے لیے فرضِ واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں اس سلسلے میں کسی بھی تفصیل میں جانا ممکن نہیں، پھر بھی جتنا ممکن ہے اس کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ بھی ضروری نشاندہی کی حد تک یک حرفی، دو حرفی تشریح کے ساتھ، اور بس!

:

جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے، یہ مرثیے زیادہ تر ابتدائی دور کے ہیں، مگر انھیں جوں جوں پڑھیے تو جہاں یہ واضح ہوتا چلا جاتا ہے کہ ترقیِ کلام اور عروجِ بیان جو میر انیس کا ایک حد تک حق مان لیا گیا ہے ان کی یہاں بڑی سخت کمی ہے، وہیں یہ یقین بھی راسخ ہونے لگتا ہے کہ ایسے تمام مرثیے، وہ مطبوعہ ہوں یا غیر مطبوعہ، ان کو سامنے رکھ کر جب صحیح اندازے لگائے جائیں گے تو ان دشوار گذار فاصلوں کا علم ہو پائے گا جو ان کے ذوق اور ریاضت

فن نے طے کیے ہیں۔

اسی مقصد سے میر انیس کے وہ فنی خصائص جن کا صریحی شائبہ ان مرثیوں میں جا بجا پایا جاتا ہے اور جو آگے چل کر اور بھی زیادہ رچ بس کر سامنے آتے ہیں، انھیں یادداشت کر لیا گیا تھا یہاں جن کی اہمیت اور افادیت ہم سمجھتے ہیں، جتنی آج ہے کل اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے ان کا سرسری ذکر عنوان بہ عنوان کیا جا رہا ہے۔

معیارِ فصاحت

زبان سے کہیں زیادہ انیس نے فصاحتِ بیان پر زور دیا ہے، اور "فصاحت میری" والی بات بار بار کہی ہے۔ طرح طرح کہی ہے۔ ان کے معترضین نے بھی اسے خوب جانچا پرکھا ہے۔ پھر بھی اپنے موجودہ مطالعۂ انیس کے دوران ایک سوال برجستہ ذہن میں اٹھا: وہ یہ کہ انیس کے معیارِ فصاحت کو ایک بار پھر سے درست کرنے کی ضرورت کیا واقعی ہے؟

ویسے انھوں نے خود بھی کافی وضاحت کر دی ہے کہ فصاحت سے ان کا مقصود یہ ہے کہ "شرفا کا روزمرّہ" معیاری سمجھا جائے، سلاست کو اس کا لازمہ جانا جائے؛ جیسا موقع ہو ویسی عبارت رقم کی جائے، اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ ترسیل و ابلاغ کی کوئی صورت مسخ نہ ہونے پائے تاکہ کوئی بھی "صنعت و بدیعت" ہو "سامعین" اسے "جلد سمجھ" سکیں۔ انھیں باتوں کا خلاصہ انھوں نے اس مصرعے میں سمو کے بیان کر دینا بھی چاہا تھا کہ:

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

اس کے باوجود ہم یہ سمجھ سکے ہیں کہ "فصاحت بہ کلام" کا اصلی معیار انیس کے نزدیک یہ تھا کہ نہ روزمرّۂ شرفا ہی کافی تھا، نہ سلاست ہی صرف سب کچھ تھی اور نہ یہ کہ

لفظ مغلق نہ ہوں، گنجلک نہ ہو، تعقید نہ ہو

یہی کوئی حرفِ آخر نہیں اس لیے کہ وہ جہاں چاہتے ہیں، اَدق سے اَدق اور مغلق سے مغلق لفظ کو اس طرح کھپا دیتے ہیں کہ سلیس سے سلیس لفظ ان کا منھ ہی دیکھتا رہ جاتا ہے مثلاً انھیں مرثیوں میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اعمیٰ ہے جو حسینؑ کو پہچانتا نہیں

ظاہر ہے کہ اس مصرعے میں اعمیٰ کی جگہ بڑی آسانی سے "اندھا" بھی کہا جا سکتا تھا، لیکن ذوقِ سلیم سے پوچھ دیکھیے، وہ یہی کہے گا کہ عام مسدس کے لیے بھی اس لفظ کی کھلی اجازت نہیں، چہ جائے کہ مرثیہ اور اس کا مزاج اور اس کی متانت؛ ساتھ ہی ساتھ اس کے اسلوب کی بڑھتی، بدلتی ہوئی ضرورتیں۔

مسدس کے فن کا ایک تقاضا

اسے تقاضا کہیے فن کا یا فن کار کی دین سمجھیے، بات وہی ہے اس لیے کہ فن کار ہوتا ہی وہ ہے جو اپنے فن کی ہر مَڑک کو جانے، اس کی ہر مانگ کو پورا کر سکے۔ ہمیں ان مرثیوں کے دورانِ استفادہ ایک ایسے ہی تقاضے سے سابقہ پڑا۔ اور جس طرح انیس اس سے عہدہ برآ ہوئے ہیں، اس سے ہمیں ایسا لگا کہ فن مسدس نے مرثیہ نگاری کا روپ دھارن کرنے کے مدتوں بعد اپنی ایک اور مانگ پوری کرالی: وہ یوں کہ جب چھ مصرعے سجا بنا کے نظم کر دینا فن مسدس کے لیے کافی نہیں ہو سکا، تو مرثیے کے فن کے لیے وہ اور بھی ناکافی ٹھہرا، اس لیے کہ مرثیے میں صرف ایک خیال یا کوئی واقعہ، یا خیال اور واقعہ دونوں کا سیدھا سادہ بیان ہی نہیں کیا جانا تھا، بلکہ ضرورت تھی ان کی چلتی پھرتی تصویریں کھینچ دینے کی؛ یہی نہیں ان میں ان کے وہی رنگ بھر دینے کی، اور اس سب کے بعد احساسات و جذبات کا صحیح سوز و ساز سمو دینے کی۔

یہی صورتِ حال تھی کہ اردو مرثیہ نے فارسی مثنوی سے رزم و بزم کا سانچا ڈھانچا لیا اور اسے اختیار کیا؛ خوانندگی کو بیان کی نوک پلک سجانے کے لیے اسے اور بھی بڑھا وا دیا۔ مگر اب منزل وہ آ چکی تھی جب خود بیان ہی، وہ کسی طرح بھی کیا جائے، کبھی کبھی کافی نہیں ہوتا تھا۔ میر انیس نے اسے شاید اپنے ہمعصروں سے پہلے یا کچھ زیادہ محسوس کیا۔ لہٰذا انھوں نے بیان پر ایمائے بیان کو مستزاد کیا۔ یعنی بیان کی وہ بلندیاں جہاں تک صوت و حرف کی رسائی نہیں ان تک پہنچنے کے لیے ایما، و اشارہ سے کام لیا۔ وہ اس طرح کہ فنِ ایجاز کو شاملِ کار کیا، رزم و بزم کے ڈانڈے ملائے، خوانندگی کو خود کفیل تر ہو جانے کی دعوت دی اور بیان میں ایک اس عنصر کو پیدا کیا جو بیان سے ماورا ہے: مثال کے طور پر ان کے اس بند کو لیجیے:

تھے لاکھ لعینوں میں گھرے سیّدِ ابرار　　ہمدرد، نہ دل سوز، نہ یاور، نہ مددگار
بیٹا تھا، نہ بھائی تھا، نہ لشکر، نہ علمدار　　یا آپ تھے، یا فاقے سے دو روز کے رہوار
آفت تھی، مصیبت تھی، غریب الوطنی تھی
مظلومی تھی، تنہائی تھی، تشنہ دہنی تھی

(مرثیہ : جب شہ پہ ستمگاروں کا نرغہ ہوا رن میں)

اندازے اپنے اپنے، مگر ہم اپنی حد تک وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان چھ مصرعوں میں جتنا لفظ و معنی کے وسیلے سے کہا گیا ہے، اتنا ہی اُس ایمائیت اور اشاریت کے ذریعے بھی ظاہر کیا گیا ہے جس کا تعلّق الفاظ و معانی کے سلسلے سے اتنا نہیں جتنا اصوات و حروف کے در و بست سے ہے۔ ان کے اس بہاؤ سے ہے جو موج موج اٹھتا چلا جاتا ہے، اور اس کے سوا اس تاثر سے ہے جو لفظ "لاکھ" سے جذبہ و احساس کا دامن پکڑتا ہے تو آخر آخر اسی میں لپٹ کر رہ جاتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ مرثیۂ انیس کو اب تین خانوں میں بانٹنا زیادہ مناسب ہوگا یعنی بزم، رزم اور تمثیلِ غم۔

مرثیۂ انیس کا ایپک کردار

جب سے اردو مرثیے نے ادبی قد و قامت حاصل کی ہے اس کی حیثیت مسلّم ہوتی گئی ہے، یہاں تک کہ میر انیس کو قدمائے تنقید نے ایپک نگار تسلیم کیا ہے اور فردوسی، کالیداس، ہومر جیسوں سے انھیں مماثل کیا ہے۔

ایپک نگاری کسے کہا گیا ہے، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر ایپک اور مہا کاویہ کے مزاج و کردار کو بہت کچھ ملتا جلتا قرار دیا جا سکے، تو میر انیس کی جزئیات نگاری، محاکاتی تکملہ طرازی، نفسیاتی اور جذباتی ہمہ گیری، اور حیات و کائنات کے ہر مسئلے کو موضوعِ بیان بنا سکنے کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ان کی ہموارہ کلامی یقیناً ایسی ہے جو دنیا کے ایپک نگاروں میں ان کے لیے ایک جگہ متعیّن و مخصوص کرا سکے۔
سنسکرت مہا کاویہ کے نووں رس بہت ہی جانے مانے ہیں؛ مگر ان پر دو نئے رسوں کا

اضافہ کیا گیا ہے۔ ایک واتُسلیہ جس کا اوپر ذکر ہوا، اور دوسرا مادُھریہ (مدُھر سے) یعنی سننے محسوس کرنے، سمجھنے اور شعور و ادراک میں جذب کرنے میں ایک انوکھے لطف، ایک انوکھی مٹھاس کا حاصل ہونا۔ حافظؒ نے اسی کو "قبولِ خاطر و لطفِ سخن" سے تعبیر کیا تھا۔ اور انیس کی تو یہ گویا اپنی چیز تھی، وہ اسے براہِ راست "شیریں سخنی" کہا کرتے تھے۔

ویسے ایک ایپک نگار کا کالیداس اور انیس جیسا شیریں مقال ہونا قطعاً معمول کی بات نہیں۔ اس لیے اس کا تجزیہ بھی خاصا تامّل طلب ہوتا ہے۔ پھر بھی انیس کی شیرینیٔ بیان جو ان کی ایپک نگاری کو ایک حد تک منفرد درجہ دیتی ہے، اس کے وہ اجزائے ترکیبی جو ان مرثیوں کو بہ غور پڑھتے وقت معلوم ہو سکے ہیں، ان کو مختصر سے مختصر بنا کر عرض کیا جا رہا ہے۔

EPIC کی اصطلاح کی اصل EPOS ہے؛ EPIC بہ معنی لفظ۔ بعد کو جب ہومر نے اپنے رزمیے کہے تو ان رزمیوں کی زبان کو EPIC-DIALECT کہا گیا، اور ہوتے ہوتے EPIC کا مفہوم ہی یہ ہو گیا کہ جو نظم بیانیہ ہو، رزمیہ ہو اور جس میں الفاظ ایک ایسے طرزِ بیان کی ضروریات کو پورا کر سکیں جو حوصلہ مندی، اعلیٰ کرداری اور انسانی صفات کے مدارج کو نکتہ بہ نکتہ وضاحت دے سکے، EPIC ہے۔ لیکن الفاظ پر زور چونکہ اس کی گھٹی میں تھا اس لیے وہ بدستور رہا۔

بنا بریں انیس کا برحسبِ فرمودات خواجہ الطاف حسین حالی الفاظ کا ایک طومار لگا دینا؛ پھر ان الفاظ کو ہشت پہل سے چہل و ہشت پہل بنا دینے کا ہنر جاننا اور فصاحت و سلاست دونوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا، یہ ساری باتیں اب اور بھی سمجھ میں آنے والی ہوتی جا رہی ہیں۔ چنانچہ:

انیس کی قوتِ اظہار

ان کا ایک مرثیہ ہے: جب رَن میں قتل ہو گیا مہرو حسینؑ کا

ے اس مرثیے کو مدتوں ہم غیر مطبوعہ سمجھا کیے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا بیشتر حصہ دوسرے مطلع کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یعنی "آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی" اس مرثیے کے درمیانی حصّے کی صورت میں۔

یہاں 'مہرو' سے اکبر مہرو نہیں، 'قمر بنی ہاشم' جناب عباسؑ مراد ہیں۔ وہ نہر سے پانی لے کر چلتے ہیں تو ساری فوج ان پر جھک پڑتی ہے۔ پھر بھی جیساکہ تاریخ میں بھی آیا ہے، وہ کسی کے روکے نہیں رکتے تو کمین گاہ سے ان پر وار کیا جاتا ہے اور یکے بعد دیگرے ان کے دونوں شانے قلم ہو جاتے ہیں۔ وہ مشک کو دانتوں میں دبا کر گھوڑے کو مہمیز کرتے ہیں کہ کسی طرح بچوں تک پانی پہنچ جائے، مگر دشمنوں نے یہ دیکھا تو صحیح معنوں میں "نہتے" عباس کے سر پر گرزِ گراں مارا۔ انیس یہاں پر ایک بند دیتے ہیں:

ہر چند پھٹ گیا تھا سرِ دلبرِ علی — تسمہ نہ چھوٹا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
اپنا نہ کچھ خیال تھا، پیاسوں کی فکر تھی — ہر نے پہ سر ٹیک دیا جب مشک چھد گئی
آنکھیں نہ بھیگیں، اشک بہ صد یاس گر پڑے
پانی گرا تو گھوڑے سے عباس گر پڑے

یہ عالم کہ آنکھیں نہ بھیگیں اور آنسو ٹپک پڑیں، نادر الوجود بہادر افراد ہی کا ہوتا ہے۔ یہ صرف ان کا ہو سکتا ہے جنھیں رونے کی عادت نہ ہو جو مایوس ہونا نہ جانتے ہوں، جو اپنے کو کسی حال میں مجبور نہ پاتے ہوں، جن کے مقاصد اعلیٰ و ارفع ہوں، اور جو ان مقاصد کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہوں۔ آپ چاہیں تو انگریزی محاورے کو نظر میں رکھتے ہوئے اسی کو "ایپک جذبہ EPIC-EMOTION" کہ لیجیے۔

شعرِ انیس اور محاکات

محاکات کی جو تعریف علامہ شبلی نے کی ہے حتمی ہے، مگر کبھی کبھی یہ یقین راسخ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسے یہ اصطلاح انیس ہی کے لیے وضع کی گئی ہو۔ پھر بھی شعرِ انیس کا احاطہ کرنے میں قاصر رہی ہو۔ علامہ موصوف نے محاکات کو شاعرانہ مصوری کہ کر بھی متعارف کرایا ہے، اور شعر کے لیے اسے لازم نہیں مانا۔ تخئیل کو اس کی جگہ زیادہ ضروری قرار دیا ہے؛ البتہ آگے چل کر یہ بھی فرمایا ہے کہ "شاعری اصل میں دو چیزوں کا نام ہے: محاکات اور تخئیل؛ ان میں سے ایک بات بھی پائی جائے تو شعر شعر کہلانے کا مستحق ہوگا۔"

انیس نے تخئیل کو "تلاشِ مضمون" کہا ہے؛ اور محاکات کو فکر بہ معنی تخئیل کا تابع جانا ہے، چنانچہ

مناجات والے مرثیے میں فرماتے ہیں :

قلمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ — شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ

اور ان مرثیوں میں بھی بیان سراپا جیسے نازک موضوع کو چھیڑتے ہیں تو مصرعہ دیتے ہیں :

دکھلاتا ہوں اب فاطمہ کے لال کی تصویر

مگر وہ صرف تصویر کشی کو شاید کافی نہیں سمجھتے تھے۔ ہمیں مزاولتِ کلامِ انیس سے جو بھی فیض پہنچا ہے اس کی بنا پر گذارش ہے کہ انیس ندرتِ تخئیل کے عطیہ کو "مضمون" کہتے تو تھے اور تنوع بیان اور "شاعرانہ مصوّری" وغیرہ کو برتنے میں بڑی کد فرماتے تھے مگر اسی کو سب کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ جو "مقصودِ تخئیل" ہونا چاہیے اسے اپنے شعر پر شرط کیا کرتے تھے۔ یہ مقصودِ تخئیل جسے تاثیر و تاثر کی تکملہ کاری کہا جائے تو بات پوری ہوتی ہے۔ یقیناً محاکات و تخئیل ہی کا آسرا لیتی ہے مگر ہے ان دونوں سے اولیٰ تر، چنانچہ ابھی جس مصرع کا حوالہ دیا گیا، اسی کے بند کی بیت ہے :

سچ ہے کہ شب و روز بھی پروانہ ہے اس کا
مژگانِ بتولِ عذرا شانہ ہے اس کا

یا، ایسے ہی ان کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ ہے : "کام آچکی جب فوج امام مدنی کی" اس کی بیت ہے :

گلگوں ہوا پوشاک کا جوڑا بھی لہو میں
سرتا بہ قدم غرق تھا گھوڑا بھی لہو میں

یا، ایک دوسری بیت ہے ؛ حسینؑ سوالِ آب کرتے ہیں۔ ادھر سے جواب آتا ہے ؛ انیس بیت دیتے ہیں :

دیکھا جو مہیّائے ستم بے ادبوں کو — دریا بھی لگا کاٹنے غصّے سے لبوں کو

یہ اشعار مختلف مقامات سے متعلق ہیں اور ان کا موضوعِ بیان بھی الگ الگ ہے مگر جس تاثیر انگیزی کی ان سب میں کوشش صرف ہوئی ہے، وہ ایک ہے : بنتِ رسول، امّ الحسنین کو

بتول عذرا کہنا، پھر ان کی پلکوں سے حسین کے گیسوؤں میں کنگھی کا بیان؛ اسی طرح حسین کے زخموں کی تاریخی شہادت کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کی پوشاک کا خونا خون ہونا بھی ان کی اس وقت کی سچی تصویر پیش کر سکتا تھا مگر مردِ مجاہد حسین، امامِ شہادت مآب حسین کی تصویر جس تصویر کو اپنا بنا چکی تھی، وہ نامکمّل رہ جاتی:

سر تا بہ قدم غرق تھا گھوڑا بھی لہو میں

یہ کہ میر انیس نے جس تاثر کی صورت گری کی ہے، اس نے حسین کو صبر و استقلال، شرافت و شجاعت کے ساتھ امامت بالشہادت کی ایک زندۂ جاوید علامت بنا دیا ہے، اور یہی انیس اعلی اللہ مقامہ کا مقصود تھا۔

خلاصہ

یہ کہ ان غیر مطبوعہ تصنیفاتِ انیس کو مدنظر رکھتے ہوئے اب یہ اندازہ لگانا آسان ہو جانا چاہیے کہ ان کی فطنت، ان کی فطری اور غیر معمولی شعری صلاحیت، بالخصوص ان کی شخصی خصوصیات اور فنی انفرادیت کا نشو و نما کہاں، اور کیونکر ہوا؛
یہ کہ فیض آباد انھوں نے جس عمر میں چھوڑا، اس عمر میں کوئی بھی صاحبِ فن ہو، صاحبِ طرز ہو جاتا ہے؛ انیس کے ساتھ بھی یہی ہوا؛
وہ لکھنؤ آئے، مگر لکھنؤ کے اثرات بہ دیر قبول کر پائے، اور قبول کیے بھی تو زبان و بیان اور فکر و فن کے معاملات میں کوئی سمجھوتا کیے بغیر؛
اس لیے اب کہ ان کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ان کی نمایندگی تازہ تر کرنے کے لیے مہیّا ہے، اور اب کہ ان کے سوانح حیات اسی ادارے کی سعی و کاوش سے ترتیبِ نو پا رہے ہیں، انیس شناسی کے فریضہ کو نئی امیدوں کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے۔
اور جیسا کہ اس مقدمہ کی ابتدا میں خاص کر ذکر کیا گیا، ایک ۳۰-۳۵ بند کی RITUAL ORIENTED عوامی نظم، مرثیے کا، ایپک کے درجہ تک پہنچنا ایک معرکۃ الآرا ادبی و ثقافتی عمل ہے جسے انیس کی زندگی اور اُن کے عہد اور ان کے سماج کی تہذیبی زندگی کی ہر ضروری تفصیل کی چھان بین کر کے سمجھنا ایک فرض واجب الادا کی صورت باقی ہے۔ یہ مرثیے اس کام کے حق میں نیا مواد فراہم کر سکینگے اُس کی ہمیں امید ہے۔

یہ مرثیے جو اس جلد میں شامل ہیں اپنی قلمی صورت میں چند در چند خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کے متعلق ایک نوٹ ہماری یادداشتوں پر مبنی ہمارے معاون خصوصی ڈاکٹر عنایت علی صاحب نے عنایت فرمایا، وہ ضمیمہ جات کے طور پر جزو کتاب ہے۔ کچھ ضروری باتیں شاید وہاں رہ گئیں ہیں۔ ان کا اجمالی ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

ہر مرثیے کو اس کے سرورق کے ساتھ، اگر سرورق اس کا حصّہ تھا، اسی طرح پیش کیا گیا ہے، اور اس پر جو عبارات درج ملی ہیں، ان کی پوری اور صحیح نقل پیش کی گئی ہے۔ ترقیمہ کی عبارت کو بھی جوں کا توں نقل کر دیا گیا ہے۔ البتہ حاشیے پر اور بین السطور جو اضافے اور تبدیلیاں تحریر پائی گئی ہیں، انھیں عام طور سے نظر انداز کر دیا گیا ہے، تاہم کوئی ضروری بات ہوئی ہے تو اس کی طرف فٹ نوٹ میں اشارہ ضرور کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح بہت سے نسخوں کے آخر میں رباعیات اور سلام بھی درج پائے گئے ہیں۔ انھیں بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔

ایک تعارفی نوٹ اور ہر مرثیے کے ساتھ اس کا تاریخی پس منظر متن پر مضاف کیا گیا، تاکہ نسخۂ متعلقہ کے بارے میں ضروری معلومات فراہم ہو جائیں اور مرثیے میں واقعات کی طرف جو اشارے ملتے ہیں انھیں سمجھنے میں سہولت ہو اس کے علاوہ اختلافِ نسخ کی وضاحت کے لیے جہاں تہاں پائیں نویسی سے کام لیا گیا ہے

ایسے مرثیے جن کے ایک سے زیادہ نسخے دستیاب ہو سکے ان کے متن کو، جہاں تک ہو سکا ہے، مقابل و مطابق کر کے دیکھا گیا اور ارجح اور اصح صورت ہی کو رکھا گیا ہے۔

ذخیرۂ مراثی کی موجودگی کا سراغ جہاں جہاں لگ پایا، وہاں پہنچنے کی کوشش کی گئی۔ مگر مالکانِ مراثی میں کچھ نے نوازا، کچھ نے مایوس کیا۔ بہر حال ان ذخائر کا ذکر ملحقاتِ کتاب میں تفصیلی طور پر کر دیا گیا ہے تاکہ مزید تلاش و تحقیق کے لیے راہیں کھلی رہیں اور بہ الفاظ ضامن علی خاں صاحب سکنۂ پری، جونپور "چراغ سے چراغ جلتا رہے"۔

مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مرثیوں کی تلاش جو اتنے دنوں چلی، اس تلاش کے دوران ایک قابلِ بسیار توجہ بات یہ معلوم ہوئی کہ میر انیس کے بہت سے چوٹی کے مرثیے جو بار بار چھپتے رہے ہیں

ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے بند کے بند چھپنے سے نہ رہ گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ مرثیوں سے یہ بند نکال دیئے گئے ہوں، لیکن پھر بھی کچھ مرثیے ایسے رہ جاتے ہیں جن کے متعدد معرکے کے بند قلمی صورت میں موجود ہیں، چھاپی صورت میں نہیں۔

ہم ایسے مرثیوں کی نشاندہی الگ سے کرنا چاہیں گے۔

شہاب سرمدی

مصادرات

۱۹۷۴ء میں انیس کی صدسالہ یادگار کی تقریبات کے موقع پر ایک مرکزی انیس کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جس کے ذمہ انیس کے فن اور ان کی حیات کے ہر اس پہلو پر نئے سرے سے تلاش وتحقیق اور تدوین وترتیب واشاعت کا کام کیا گیا تھا جو ضروری تھا۔ اسی سلسلہ میں ایک بات یہ بھی طے پائی کہ میر انیس کے غیر مطبوعہ کلام کی تلاش کی جائے، تاکہ ضروری چھان بین کے بعد اسے بھی سامنے لایا جائے اور پھر اُن کے سارے کلام کی روشنی میں اُن پر اور اُن کے کمالِ فضل وفن پر ایک اور نظر ڈالی جا سکے۔

چنانچہ اس کام کا آغاز ہوا، اور اربابِ دانش نے انیس کے غیر مطبوعہ کلام کی تلاش وتحقیق شروع کی، اسی دوران ہی میں بھی دسمبر ۱۹۷۹ء میں انیس صدی کمیٹی نے غیر مطبوعہ مراثی کی فراہمی اور ترتیب کا کام میرے سپرد کیا۔ تب تک کام آگے بڑھ چکا تھا، اور انیس کے مرثیوں کی تلاش ایک صورت اختیار کر چکی تھی۔ چنانچہ اس برِ صغیر میں ان کے مرثیوں کے قلمی نسخے کہاں کہاں محفوظ ہیں، یا کہاں کہاں اور ڈھونڈنے چاہئیں، اس کا علم ہو چکا تھا۔ اسی طرح یہ بھی طے پا چکا تھا کہ کسی ایک ذخیرہ مراثی کو بنیادی مان کر مطالعہ ومقابلہ کا آغاز کیا جائے تاکہ حقائق جیسے جیسے سامنے آتے جائیں ان کی پذیرائی ہوتی رہے۔

خوش بختانہ ایک ایسا کافی ووافی ذخیرہ مراثی جناب کرنل بشیر حسین زیدی صدر مرکزی انیس کمیٹی اور جناب مالک رام صاحب کی سعی وکاوش سے کمیٹی کو میسر آ چکا تھا۔ یہ ذخیرہ تھا پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب، بانیِ ادبستان لکھنؤ کے جمع کردہ مراثی کا۔ اور سچ یہ ہے کہ موصوف نے اس کام کو جس طرح اپنی زندگی کا ایک مقصد بنا کے کیا تھا، یہ انھیں کا حصہ تھا۔ اور یہی وجہ بھی تھی کہ اتنے مرثیہ نگاروں کے اتنے مرثیے، ابتدائے مرثیہ نگاری سے لے کر انیک کے، اور وہ بھی سب اُن کے دیکھے ہوئے، جانچے، پرکھے ہوئے، انھیں کے فہرست کردہ، بلکہ کہیں کہیں اُن کی دستخطی تحریروں کے ذریعے اور بھی استناد گرفتہ، بحقِ ملک وقوم ہاتھ آ سکے۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اُنھوں نے اس انمول خزانے کو صحیح وقت پر ملک وملت اور تہذیب وثقافت کے حق میں سونپ کر اپنے تبحرِ علمی کو عملی شکل بھی دے دی۔

یہ سارا سرمایۂ شعر و ادب کتاب خانۂ مولینا آزاد، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مخطوطات و نوادرات کا ایک حصّہ ہے اور اسے بجا طور پر "ذخیرۂ مسعودی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہم اعترافِ احسان میں اس سے کم اور کر ہی کیا سکتے تھے!

اس ذخیرہ میں مرثیے کے نقوشِ اوّلین سے لے کر دورِ حاضر تک کے مرثیے شامل ہیں۔ یعنی صلاح احسان و گدا سے لے کر ناظم اور محب کے مرثیوں تک کو ذیل میں درج چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا یعنی:

۱۔ متقدمین — میر خلیق اور ضمیر کے پہلے کے مرثیہ نگار:
مسکین، گدا، سودا، دلگیر، سکندر

۲۔ متوسطین — میر ضمیر، میر خلیق، مرزا فصیح، منشی دلگیر

۳۔ انیس و معاصر — مرزا دبیر، میر مونس، میر انیس، میر نفیس، عشق، تعشق

اس ذخیرے کے متفرق مخطوطہ دستاویزات کی تعداد ۱۲۰ ہے، جن کا لائبریری شمار نمبر ۵۴۲ سے لے کر ۶۶۱ تک ہے۔ یہ سب قلمی ہیں، زیادہ تر بڑی بڑی جلدوں میں محفوظ، کچھ مجموعوں کی صورت میں، اور کچھ بیاضوں میں ان میں اکثر و بیشتر نسخے مرثیوں کے ہیں۔ مگر رباعی، سلام، نوحے، مخمس اور تضمین سے متعلق نسخے بھی اسی ذخیرے میں شامل ہیں۔

ان تمام نسخوں کی صدلائقِ توجہ سمجھتے ہوئے ہم نے پہلے تو متقدمین کے کہے ہوئے مرثیوں پر ایک نظر ڈالی۔ اور ان میں کوئی مفید مطلب بات ملی تو اسے یادداشت کر لیا۔ پھر مرثیے کے علاوہ بقیہ اصناف یعنی رباعی، سلام وغیرہ کو قطع نظر کر کے دورِ متوسطین سے مطالعہ و مقابلہ کی ابتدا کی، خاص کر میر ضمیر کے کلام کو دیکھا کہ وہ "طرزِ نوی" کے موجد مانے گئے ہیں، اور میر خلیق کے مرثیوں کو اس نقطۂ نگاہ سے اور بھی اہم جان کر دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ اس ادبی روایت کے ایک طرح مورثِ اعلیٰ ہیں جسے آگے چل کر انھیں کی اولاد نے فروغِ اتم بخشا۔ سعی و تلاش سے بھی ابھی کچھ وثوق مزید حاصل ہوا، کم سے کم اتنا ضرور ہوا کہ اخلافِ خلیق کے کلام میں خلیق کا رنگ ہم پہچان سکیں، اور دونوں میں امتیاز بھی قائم کر سکیں۔

مختصر یہ کہ جب یہ منزلیں طے ہو سکیں تو اصل کام کی نوبت آئی، اور ہم نے ایک طرف سے پہلے انیس پھر مونس و انس اور اس کے بعد میر نفیس و مرزا دبیر کے ہر مرثیے کو جو ذخیرۂ مسعودی میں شامل ہے حسبِ ضرورت کہیں سرسری اور کہیں بند بند اور لفظ بلفظ پڑھنا شروع کیا۔ انھیں کے ساتھ دیگر معاصرین مثلاً عشق و تعشق کے مرثیوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا، اور اسی طرح طوبیٰ و عروج (وہ شاگردِ نفیس تھے) اور یہ ان کے صاحبزادے) ان کے مرثیوں کو بھی ایک بار دیکھ لیا گیا اس سے یہ معلومات فراہم ہو سکیں۔

ـــہ ان جلدوں کی تفصیل ضمیمہ الف میں شاملِ کتاب کی جا رہی ہے، ملاحظہ ہو۔

مراثی میر ضمیر

یہ دو جلدوں اور دو بیاضوں میں محفوظ ملتے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔	جلد اوّل،	اردو مخطوطہ نمبر	۵۶۰	۴۳	مرثیے
۲۔	جلد دوم،	"	۵۶۱	۹۵	"
۳۔	بیاض نمبر،	"	۶۱۰	۳	"
۴۔	بیاض نمبر،	"	۶۱۴	۵	" جملہ ۱۵۰ مرثیے

منشی دلگیر کے مرثیے

ان کی دو جلدیں اس ذخیرے میں شامل ہیں:

۱۔	جلد اوّل	اردو مخطوطہ نمبر	۵۵۷	۸۷	مرثیے
۲۔	جلد دوم	"	۵۵۸	۴۶	"
۳۔	بیاض نمبر	"	۶۳۷	۳۱	"
۴۔	بیاض نمبر	"	۶۵۱	۲۹	" جملہ ۱۹۳ مرثیے

مرزا فصیح کے مرثیے

متعدد بیاضوں میں، اور ایک مستقل جلد میں ملتے ہیں:

۱۔	جلد اوّل	اردو مخطوطہ نمبر	۵۶۳	۱۱۱	مرثیے
۲۔	بیاض	"	۵۹۴	۲	"
۳۔	بیاض	"	۶۱۰	۴	"
۴۔	بیاض	"	۶۱۱	۲	"
۵۔	بیاض	"	۶۱۵	۱	"
۶۔	بیاض	"	۶۳۹	۲	"
۷۔	بیاض	"	۶۴۵	۳	"
۸۔	بیاض	"	۶۵۱	۱۳	"

۹- بیاض	اردو مخطوط نمبر	۶۵۴	۱۳	جملہ ۱۵۴ مرثیے

میر خلیق کے مرثیے

جز اس کے کہ اُن کے مرثیے یا تو ملے ہی نہ تھے، یا اب اس کی چار جلدیں تحویل میں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف بیاضوں میں اُن کا کلام ملتا ہے۔ یہ جلدیں اور یہ بیاضیں نمبروار اس طرح ہیں:

۱- جلد اوّل	اُردو مخطوط نمبر	۵۶۳	۲۲	مرثیے
۲- جلد دوم	//	۵۶۴	۲۳	//
۳- جلد سوم	//	۵۶۵	۲۴	//
۴- جلد چہارم	//	۵۶۶	۲۵	//
۵- بیاض	//	۶۰۹	۱	//
۶- بیاض	//	۶۱۰	۱۰	//
۷- بیاض	//	۶۱۱	۲	//
۸- بیاض	//	۶۱۴	۲	//
۹- بیاض	//	۶۱۸	۱	//
۱۰- بیاض	//	۶۱۲	۲	//
۱۱- بیاض	//	۶۲۳	۲	//
۱۲- بیاض	//	۶۳۷	۲۱	//
۱۳- بیاض	//	۶۵۱	۴	جملہ ۱۴۹ مرثیے

میر خلیق کے خلفِ اکبر حضرت میر انیس کے مرثیے

۱- جلد اوّل	اردو مخطوط نمبر	۵۷۳	۴۴	مرثیے
۲- جلد دوم	//	۵۷۴	۴۲	//
۳- جلد سوم	//	۵۷۵	۴۸	//
۴- جلد چہارم	//	۵۷۶	۳۷	//
۵- جلد پنجم	//	۵۷۷	۴۵	//

۶۔ جلد ششم	″	۵۷۸	۳۵	″
۷۔ جلد ہفتم (مجموعۂ طوبیٰ)	″	۵۷۹	۲۴	″
۸۔ جلد	″	۵۶۷	۴۰	″
۹۔ مجموعۂ مراثی	″	۵۶۸	۴	″
۱۰۔ بیاض نمبر	″	۶۱۰	۴	″
۱۱۔ بیاض نمبر	″	۶۱۱	۳	″
			۳۲۶	

۷ جلدوں، دو مجموعوں اور دو بیاضوں میں میر انیس کے ۳۲۶ مرثیوں کے قلمی نسخے ملے۔ ان کے متعلق یہاں اتنا ہی واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ تمام وہ مراثی ہیں، جنھیں بوجوہِ معقول پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے میر انیس کی تصنیف تسلیم کر کے فہرست کروایا تھا، اور اسی لیے جہاں بھی ضروری جانا بہت مفید اشارے جابجا خود اپنے قلم سے کر دیے ہیں، ان میں سے کچھ مذکورہ فہرستوں کی کیفیت کے خانے میں بھی پائے گئے ہیں۔

میر مونس کے مرثیے

ان کے ۱۲۴ مرثیے ذخیرۂ مسعودی میں حسبِ ذیل مختلف جلدوں میں محفوظ ہیں۔ جلد نمبر ۵۸۲ صرف مونس کے مراثی سے مخصوص ہے، دیگر جلدوں میں ان کے ساتھ رئیس، جلیس وغیرہ کا کلام بھی شامل ہے۔

۱۔ جلد	اردو مخطوطہ نمبر	۵۸۲	۶۱	مرثیے
۲۔ جلد	″	۵۷۹ (مجموعۂ طوبیٰ)	۳۳	″
۳۔ جلد	″	۵۸۴	۶	″
۴۔ جلد	″	۵۶۷	۲۰	″
۵۔ جلد	″	۵۶۸	۴	″ جملہ ۱۲۴ مراثی

میر انس کے مرثیے

دو جلدوں اول و دوم میں صرف انس کے مراثی ہیں، اس کے علاوہ تین جلدوں میں انس کے ساتھ

دوسرے شعرا، وحید، سلیس وغیرہ کے مرثیے بھی شامل ہیں۔

۱۔ جلد اوّل	اردو مخطوطہ نمبر	۵۸۰	۲۵	مرثیے
۲۔ جلد دوم	"	۵۸۱	۳۴	"
۳۔ جلد مجموعہ مراثی	"	۵۸۴	۳	"
۴۔ جلد "	"	۵۶۷	۷	"
۵۔ جلد (مجموعہ طوبیٰ)	"	۵۷۹	۱۳	" جملہ ۸۲ مراثی

میر نفیس کے مرثیے

۱۔ جلد اوّل	اردو مخطوطہ نمبر	۵۸۵	۳۸	مرثیے
۲۔ جلد دوم	"	۵۷۹	۱۵	"
۳۔ جلد سوم	"	۵۶۷	۳	" جملہ ۵۶ مراثی

مرزا دبیر کے مرثیے

۱۔ جلد اوّل	اردو مخطوطہ نمبر	۵۸۷	۴۶	مرثیے
۲۔ جلد دوم	"	۵۸۸	۴۷	"
۳۔ جلد سوم	"	۵۸۹	۴۸	"
۴۔ جلد چہارم	"	۵۹۰	۴۹	"
۵۔ جلد پنجم	"	۵۹۱	۵۰	"
۶۔ جلد ششم	"	۵۹۲	۵۱	"
۷۔ بیاض	"	۶۳۸	۲	" جملہ ۲۹۳ مراثی

عشق کے مراثی

اس ذخیرے میں ان کے مرثیوں کی صرف ایک جلد ملی۔ بیاضوں میں بھی دیکھا گیا، لیکن ان میں ایک بھی مرثیہ قلمبند نہیں ملا۔

۱۔ جلد	اُردو مخطوطہ نمبر	۵۸۵	۱۴	مرثیے

تعشّق کے مرثیے

اس ذخیرے میں ان کے قلمی مرثیوں کی ایک ہی جلد محفوظ پائی گئی۔

۱- جلد	اُردو مخطوطہ نمبر	۵۸۶	۶ مرثیے

طوبیٰ کے مرثیے

اس ذخیرہ کی حسبِ ذیل جلد میں کل پانچ مرثیے محفوظ ہیں۔

۱- جلد	اُردو مخطوطہ نمبر	۵۹۴	۵ مرثیے

عروج کے مرثیے

۱- جلد	اُردو مخطوطہ نمبر	۵۸۳	۱ مرثیہ

جن فہرستوں کا ابھی ذکر کیا گیا، اُن کو سامنے رکھ کر ہر نسخے کی تصدیق کی گئی اور اس طرح پھر ایک تفصیلی فہرست ترتیب پائی۔ ان فہرستوں کو سامنے رکھ کر ہر مرثیے کے بند بند کو پڑھا گیا، جو باتیں سامنے آئیں اُن کی یادداشتیں تیار کی گئیں۔ خاص طور سے حاشیے پر، بین السطور یا سرورق یا زائد اوراق پر جو کچھ درج ملا، اُن کو مزید تفتیش کے لیے الگ کیا گیا، نیز جو عبارات سرورق پر یا ترقیمہ کی صورت میں ملیں، اُن کی مدد سے صاحبِ لبتہ یا مالکِ نسخہ، کاتب، تاریخ اور سالِ کتابت وغیرہ کے بارے میں جو اطلاعات بھی مل سکیں، اُن کو ترتیب دیا گیا، کون سا مرثیہ کس خط میں تحریر ہوا ہے، اگر یہ بات ذکر پایا گیا تو طرزِ خط اور صحتِ کتابت کے بارے میں بھی ضروری باتیں محفوظ کرلی گئیں۔ اکثر نسخے ایسے بھی ملے جن کے اوپر ''صہ'' کا نشان ایک خاص طریقے سے ہر جگہ ایک جیسا ملا۔ ''صحیح نمودہ شد''، ''تصحیح کردہ'' اور ''مقابلہ نمودہ شد'' کے اندراجات بھی پائے گئے۔ ان سے بھی نسخوں کی نوعیت اور اہمیت کا اندازہ لگایا گیا۔ وہ اصلاحات اور اضافے یا تبدیلیاں جو مختلف نسخوں میں جابجا ملیں، انھیں بھی ایک الگ حیثیت دے کر یادداشت کرلیا گیا۔

اس طرح گویا ہمارے سامنے وہ تمام نسخے بالخصوص میر انیس کے قلمی مرثیوں کے تمام نسخے بمع جملہ اندراجات سامنے آگئے۔ جن کا مقابلہ اس ذخیرے میں موجود اُن کے تمام ہمعصروں کے مرثیوں کے خطی نسخوں سے کرنا مقصود تھا۔

یہ کام لازماً طوالت طلب تھا، اس لیے اس میں خاصا وقت لگا، اس لیے اور بھی کہ یہ تقابلی مطالعہ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار اور کئی طرح سے کرنا پڑا۔ بہرکیف ایک وقت وہ آیا کہ جب ہم اس حد تک اپنے کو مطمئن کر سکے کہ اس سلسلہ میں جتنی تلاش بھی کی جا سکتی تھی وہ کر لی گئی۔ ظاہر ہے، بھول چوک کی گنجائش ایسے کاموں میں ہوتی ہی ہے، اس لیے اگر ہم سے بھی ایک نہیں کئی فروگزاشتیں سرزد ہو گئی ہوں تو ہمیں کوئی تعجب نہ ہوگا۔ ویسے ہمیں امید یہی ہے کہ فاش غلطی شاید کوئی نہ کوئی ہو۔ اس لیے کہ اس امر کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے اور اس ضمن میں ہر ضروری احتیاط برتی گئی ہے کہ کوئی مرثیہ جس کا تصنیفِ میرانیس ہونا ذرا بھی مشتبہ معلوم ہو اُسے یہی فرض کر لیا جائے کہ وہ نہیں۔ ان کا اسی طرح جو مرثیہ ایک بار بھی کہیں چھپ چکا ہو، اُسے مطبوعہ فرض کر لیا جائے، عام اس سے کہ اس کی اشاعت ہوئی یا نہیں، یا وہ سب کا سب چھپ چکا ہے یا جزوی طور سے، یا یہ کہ وہ غلط اور ناقص چھپا ہے یا صحت و ترتیب کے ساتھ۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ میرانیس کے دو مرثیے ان کی زندگی ہی میں چھاپ دیے گئے تھے۔ یعنی:

۱۔ جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں ۶۶ بند ؎

۲۔ اے مومنو، کیا مرتبۂ سبطِ نبی ہے ۷۵ بند

ان میں پہلا مرثیہ اس کے بعد بھی کئی بار چھپ چکا ہے۔ اور کہیں زیادہ بہتر تکملہ کے ساتھ اس لیے کہ مطبوعاتِ نول کشور، جلد سوم ہی میں یہ ۱۰۶ بندوں کے ساتھ چھپا ہے۔ لیکن دوسرا مرثیہ "اے مومنو کیا مرتبۂ سبطِ نبی ہے" پھر نہیں چھپا۔ اس کے علاوہ جو قلمی نسخہ اس مرثیے کا ذخیرۂ مسعودی کی جلد دوم (مخطوطہ نمبر ۲، ۵) میں موجود ہے ۱۱۰ بندوں کا ہے اور بہت پرانا ۱۲۵۴ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے باوجود یہی مناسب قرار دیا گیا کہ سردست اُسے مطبوعہ ہی تصور کر لیا جائے۔ اسی طرح ہوتے ہوئے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایسے مرثیے جن کو تصنیفِ میرانیس تسلیم کر لینے کے باوجود بھی، ہمیں کسی نہ کسی وجہِ معقول (کبھی کبھی بہ ظاہر غیر معقول بھی) سے نظر انداز کرنا پڑا۔ ہمیں دراصل اس کا دلی صدمہ ہے کہ ہم متعدد ایسے مرثیوں کو، خاص کر وہ جن کے غیر معمولی صحیح اور بھرے پُرے نسخے ہمیں دستیاب تھے، اس جلد میں

؎ مطبع اسلامی، بمبئی ۱۸۵۱ء / ۱۲۶۸ھ میں "مجموعۂ بُکا" کے عنوان سے مراثی کی ایک جلد شائع کی تھی، جس میں انیس کے مذکورہ دونوں مرثیوں کے علاوہ ضمیر اور فصیح کے مراثی بھی شامل تھے۔

اس جلد کے علاوہ اسی ۱۸۵۱ء / ۱۲۶۸ھ میں مطبع مخدومی، بمبئی نے دو مرثیے انیس کے شائع کیے، ایک تو یہی "جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں" اور دوسرا "آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی" (۱۲۰ بند)

شامل نہ کر سکیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ اطمینان بھی ہے کہ اپنے ہی قائم کردہ اصولوں پر حتّی الوسع کاربند رہ سکے ہیں۔

بہر صورت مرثیوں کے متن کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں اور جو قابلِ ذکر باتیں سامنے آئی ہیں ان کی افادیت کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کا مجملاً بیان درج کیا جا رہا ہے۔

۱۔ جہاں تک انیسؔ کے خطّی نسخوں کا تعلق ہے، ان میں اکثر ایسے ہیں جو حیاتِ انیسؔ میں لکھے گئے، مثلاً:

جب طول کھنچا خانۂ زنداں میں حرم کو

اس کے سرِ ورق پر "تصنیف میر انیس صاحب سلمہٗ تعالیٰ درج ہے"۔ اسی طرح ایک دوسرا مرثیہ، جس کا مطلع ہے:

تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتیٰ کی مدح

اس کے سرورق پر "من کلامِ لطافت نظام میر انیس صاحب سلمہ اللہ الواہب" لکھا ہوا ملتا ہے۔ اسی طرح بعض نسخوں کے سرورق پر سنہ ہجری کی بھی تخصیص ملتی ہے، جیسے:

خیر النسا کے باغ میں آمد خزاں کی ہے

"تصنیف جناب میر انیس صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سنہ ۱۲۴۴ھ"

۲۔ کچھ ایسے مرثیے بھی پائے گئے جو وفاتِ انیسؔ کے فوراً بعد خطّی کیے گئے، مثلاً:

وصفِ جنابِ شیرِ الٰہی محال ہے

اس کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

"تمام شد مرثیۂ ہذا بوقتِ دوپہر پنجم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۴ھ بہ مکانِ خود بہ بخطِ خام سید محمد حسین ولد سید کرم حسین مرحوم"

اس کا ذکر آچکا ہے کہ میر انیسؔ کے اکثر خطّی نسخوں پر "ص" کا نشان ایک خاص عنوان سے بنا ہوا ملتا ہے۔ چنانچہ:

جب بادبانِ کشتیٔ شاہِ اُمم گرا

اس کے سرِ ورق پر "ص" کا نشان بہت ہی جلی قلم اور بڑی اُجاگر روشنائی سے بنا ہوا ملتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے مرثیہ کے سرورق پر "مقابلہ نمودہ" خصوصیت کے ساتھ مندرج ملا۔ اسی

مرثیہ کا یہ مطلع ہے:

جب حضرتِ زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

اسی طرح عبارت سرِ ورق کی ایک اور نوعیت اسی طرح سامنے آئی کہ مرثیہ بمطلعِ ذیل:

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں

اس مرثیہ کو دولہ صاحب مرحوم کے خطی نسخہ سے مقابلہ کرکے صحیح کیا گیا تھا، چنانچہ سرورق کی عبارت یوں ہے۔

"از دولہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نقلِ خطی حاصل ہوئی اور صحت کی گئی فقط ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر انیس کے مراثی صرف خواندگی کے لیے نقل نہیں کیے جاتے تھے بلکہ ادب المرثیہ کی حیثیت سے بھی ان کا مجموع و محفوظ کرلینا ایک قسم کی ادبی روایت بن چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی صحتِ متن اور صحتِ ترتیب پر خاص توجہ دی گئی جس سے یہ یقین کرلینا ممکن ہوجاتا ہے کہ اس وقت کے ادبار اور فضلار نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ انیس کے مراثی میں اکثر ایسے ہیں جو مغتنم سرمایہ ہیں جسے سینت، سنبھال کے رکھنا ہوگا۔ چنانچہ ذخیرۂ مسعودی کے مرثیوں میں اکثر ایسے ہیں جو شاگردانِ انیس یا خاندانِ انیس کے متوسلین کے "بستوں" سے ملے ہیں۔ جیسے آغا حسن طوبیٰ جو میر انیس اور میر نفیس دونوں کے شاگرد بتائے جاتے ہیں۔ یا محمد بشیر الدین صاحب جن کے متعلق پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کا یہ اہم نوٹ قابلِ توجہ ہے۔

ان کے تحریر کیے ہوئے چند اور مرثیے میر انیس کے اور ایک مرثیہ میر مونس کا میرے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ یہ حنفی المذہب بزرگ عزاداری کرتے تھے، مرثیہ کہتے اور پڑھتے تھے، میر نفیس کے شاگرد تھے۔"

۴۔ ذخیرۂ مذکور میں کچھ ایسے مرثیے بھی ہیں جن کے ایک سے زیادہ نسخے پائے جاتے ہیں، مثلاً:

کھولا علم جو خسرو زریں کلاہ نے

اس کے تین مختلف نسخے ملے ہیں، جو یہ ہیں:

جلد اوّل	اردو مخطوطہ نمبر ۵،۳	مرثیہ نمبر ۴	تعداد بند ۱۵۰
جلد ششم	اردو مخطوطہ نمبر ۵،۸	مرثیہ نمبر ۳۵	تعداد بند ۱۲۹ (ناقص الطرفین)
جلد مراثی	اردو مخطوطہ نمبر ۵۶۸	مرثیہ نمبر ۳	تعداد بند ۱۵۱

۵۔ کچھ ایسے مرثیے بھی ملے ہیں جن کا ایک نسخہ اصل ہے تو دوسرا اس کا انتخاب معلوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ شاید یہ انتخاب خواندگی کی ضرورتوں کے لیے کیا گیا ہو۔ اس سے بھی مرثیے کی عام مقبولیت اور اس کی خواندگی سے متعلق طریقۂ کار کا کچھ تو اندازہ ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ "اصلاح" و "اضافہ" کے علاوہ جو ردّ و بدل، کہیں کہیں مرثیوں کے متن میں ملتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی صورت یوں ہی پیدا ہوئی ہو، مثلاً یہ مرثیہ:

عبّاسؑ میں تھی شوکت و شانِ اسد اللہ

اس ذخیرے میں اس کے دو نسخے ملے، اور دونوں ہی جلد اوّل میں ہیں۔ ان میں سے ایک ۳۳ بندوں کا ہے۔ اور دوسرا ۴۰ کا۔

اسی طرح اور بھی کئی مرثیے ہیں جن کے ایک سے زیادہ نسخے پائے گئے ہیں۔

ان خصوصیات کے علاوہ مراثیٔ انیس کے جو نسخے "ذخیرۂ مسعودی" میں شامل ہیں، اُن کی کچھ اور باتیں بھی قابلِ ذکر اور مستوجبِ لحاظ ہیں:

۶۔ ایسا لگتا ہے کہ اس زمانے میں مرثیوں کی کتابت کا عام دستور یہی تھا کہ سرورق پر بیچوں بیچ جلی قلم سے مطلع لکھا جائے، اس کے نیچے تعدادِ بند اور پھر مصنّف؛ اگر وہ زندہ ہے تو سلمہ اللہ تعالیٰ ورنہ مرحوم و مغفور وغیرہ۔ اتنا لازماً لکھا جاتا تھا، لیکن اکثر مرثیوں پر صاحبِ لبتہ یا مالک کا نام بھی درج کیا جاتا تھا؛ اور کچھ نسخوں پر اُن حضرات کے نام بھی ملے جن کی فرمائش پر مرثیے تحریر کیے گئے۔ اِکّا دُکّا مرثیے ایسے بھی ہیں جن کے سرِ ورق یا پشت پر رباعیاں بھی درج ہیں۔

طویل مرثیوں میں بالخصوص ایک سے زیادہ مطلعے ملے ہیں، اور ان کو مطلع دیگر، مطلع ثانی و مطلع ثالث یا رابع وغیرہ نام دیا گیا ہے۔ مقطع کا بند شاید مرثیے کا لازمہ ہوتا ہے۔ اسی لیے کہ ان مرثیوں کو چھوڑ کر جو ناقص الآخر ہیں یا جن کی کتابت نامکمل رہ گئی ہے، شاید ہی کوئی ایسا نسخہ ملا ہو جس میں مقطع کا بند نہ ہو۔ اسی طرح ترقیمے کی عبارت، مرثیے کے تتمہ پر اکثر نسخوں میں ملتی ہے۔ اسی میں کاتب کا نام، سالِ کتابت، وقتِ کتابت وغیرہ ملتے ہیں۔ کہیں کہیں اشاعتِ اختتامِ کتابت کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔

۷۔ اس ذخیرے کے تمام تر مرثیے ایسے ہیں جن کے کاتب علمی معیار چاہے نہ بھی رکھتے ہوں، لیکن ان کا فنّی ذوق محکم و مسلّم تھا، اس لیے کہ اس پورے ذخیرہ میں مشکل ہی سے کوئی مرثیہ ایسا ملا ہے جس کی صحتِ متن برقرار نہ ہو۔ یہاں تک کہ دو ایک کاتب جنھوں نے مرثیے کو "س" سے لکھا ہے یا جن سے

کہیں کہیں املا کی غلطی بھی سرزد ہو گئی ہے، انھوں نے متن مرثیہ صحیح لکھا ہے اور بندوں کی ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرثیہ بحیثیتِ ادب طبقۂ عوام تک پہنچ چکا تھا یعنی وہ اودھ کی عام زندگی سے اس درجہ نزدیک ہو چکا تھا کہ کم پڑھے لکھے لوگ بھی یہ حوصلہ رکھتے تھے کہ مرثیہ خود لکھیں، اور ان کا ذوق اتنا رچا ہوا تھا کہ وہ غلط لکھ کر بھی مرثیہ کو صحیح پڑھ سکتے تھے۔ یہ صورتِ حال مرثیے کے ساتھ آگے بڑھتی رہی، اور اس نوعیت کی کتابت بعد تک ہوتی رہی۔

۸۔ اس ذخیرہ کے زیادہ تر مرثیے کے بند عام طور سے آڑے لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ یہ طریقہ ظاہر ہے خواندگی کے سہولتوں کے لیے اختیار کیا جاتا تھا۔ مرثیوں کی بیت یعنی پانچویں اور چھٹیں مصرع کو بقیہ چار مصرعوں سے زیادہ تر الگ کر کے لکھا جاتا تھا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک بند میں بیت کے مصرعوں کو کتنی اہمیت حاصل تھی۔ بندوں پر نمبر شمار دینے کا رواج ابتداً نہیں تھا، بعد میں شروع ہو گیا۔

اکثر مرثیوں کے سرِورق پر مطلع کے اوپر "یافتاح" یا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یا "بسم اللہ خیرالاسماء" لکھا ہوا ملتا ہے۔ آخرالذکر طریقہ میر انیس کا رائج کردہ فرض کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہر مرثیے کی ابتدا اسی طرح سے ہوئی ہے۔

۹۔ ذخیرۂ مسعودی میں کچھ مرثیے ایسے بھی ملے ہیں جن کے نسخے ایک ہوں یا ایک سے زیادہ، ان میں جا بجا اصلاحیں کی گئی ہیں، یا مصرعوں اور بندوں پر اضافہ کیا گیا ہے الفاظ و تراکیب میں تبدیلی کی گئی ہے جنھیں کبھی بین السطور اور کبھی حاشیہ پر تحریر کر دیا گیا ہے۔

اس سے مزید تحقیق کے لیے بڑی واضح راہیں کھلتی ہیں، اس لیے کہ بظاہر یہ تبدیلیاں صرف خواندگی کی ضرورت یا سہولت کے لیے ہوتی نہیں معلوم ہوتیں۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ کہیں کہیں جو اصلاحیں کی گئی ہیں وہ اصل متن پر ترقی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۰۔ اس ذخیرے میں پائے جانے والے مراثی کے سلسلے میں ایک بات اور قابلِ توجہ ہے کہ چند مرثیے ایسے ملے ہیں جو چھپ کر اور مشہور ہو کر اردو ادب کے اُفق پر نمایاں حیثیت اختیار کر چکے ہیں مگر ان میں بھی بہت سے بند ایسے ہیں جو اب تک غیر مطبوعہ پڑے ہیں۔ ان کی جانب انیس شناسوں کی توجہ مبذول ہونی ضروری ہے، اس لیے کہ چوں کہ ان مرثیوں کا بیشتر حصہ چھپ چکا ہے اس لیے کیا اُن کے غیر مطبوعہ اجزا کو بھی ہم اس جلد میں جگہ نہیں دے سکتے۔

۱۱۔ کچھ مرثیے ایسے بھی ملے ہیں، جو میر انیس سے منسوب ہو کر معروف حاصل کر چکے ہیں یا جنھیں معترضین نے

انھیں کی تصنیف قرار دیا ہے۔ حال آنکہ وہ ان کے تخلص سے نہیں پائے گئے۔ مثلاً:

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حر

یہ مرثیہ ہر ایک کی نظر میں میر انیس کا ہے اور انھیں کے نام سے بار بار چھپا ہے، مگر یہ ملتا ہے میر مونس کے تخلص سے۔ اس ذخیرے میں اس کے سات، نسخے ملے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جلد سوم میں، ۱۰۶ بند؛ ناقص الآخر؛ محررہ ۱۲ رجمادی الثانی ۱۲۷۰ھ

۲۔ جلد چہارم میں، ۱۴۰ بند؛ مکمّل؛ میر مونس کے تخلص کے ساتھ

۳۔ جلد پنجم میں؛ ۱۴۰ بند؛ مکمّل؛ میر انیس کے تخلص کے ساتھ

۴۔ جلد ششم میں، ۱۲۵ بند؛ ناقص؛ ۱۲۹۴ھ کا کتابت کردہ

۵۔ جلد ہفتم میں، ۱۴۲ بند؛ مکمل؛ بمع مقطع و تخلص میر مونس، ۱۲۹۶ھ

۶-۷۔ جلد ۵۸۲ میں، ۸۷، ۲۰ بند؛ انتخاب؛ بمع مقطع و تخلص میر مونس ۱۲۸۲ھ

اسی طرح کے کچھ اور بھی مرثیے ہیں جو میر انیس کے علاوہ اُن کے خاندان کے دوسرے مرثیہ گو حضرات کے تخلص سے بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً:

جوہر کشائے تیغِ دو پیکر حسین ہے

یہ ذخیرہ مسعودی کی جلد دوم کا بارہواں مرثیہ ہے، جو ۸۳ بندوں کے ساتھ نامکمل ملا ہے۔ اس لیے بے مقطع ملا ہے، پھر بھی فہرست ہوا ہے میر انیس کے نام سے۔ اس کا دوسرا نسخہ جلد ہفتم (مجموعۂ طوبیٰ) میں ۱۰۸ بندوں کا ہے، پھر ایک تیسرا نسخہ جلد مراثی میر مونس نمبر ۵۸۲ میں ۱۳۲ بندوں کے ساتھ ملا۔ ان دونوں میں تخلص میر مونس کا ہے۔ علاوہ ازیں میر مونس کی مطبوعہ جلد اوّل (نول کشور) میں بھی یہ مرثیہ ۱۰۸ بندوں کا چھپا ہوا پایا گیا۔ ایسی حالت میں اسے میر انیس کی تصنیف قرار دینا ممکن نہیں۔ اسی طرح:

جس دم جہازِ آلِ پیمبر ہوا تباہ

مراثیِ میر انیس کی جلد دوم میں ۱۳۵ بندوں کا یہ نسخہ میر انیس اور میر مونس دونوں ہی کے تخلص سے ملتا ہے۔ دراں حالے کہ سرورق پر یہ عبارت بھی درج ملتی ہے۔

من تصنیف میر ببر علی صاحب انیس سلمہ اللہ تعالیٰ

جس خط اور روشنائی میں یہ پورا مرثیہ لکھا گیا ہے۔ اسی خط اور روشنائی میں مقطع کا بند بھی ہے۔ اور میر انیس کے تخلص کے ساتھ ہے۔ اس کے برعکس میر مونس کے تخلص سے جو مقطع اسی نسخہ میں درج ملتا ہے وہ دوسرے خط میں لکھا ہوا ہے۔ ویسے یہ نسخہ ۱۲۵۷ھ کا کتابت کردہ ہے، جس سے صاف ظاہر

ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا تھا۔ کوئی صورت ایسی پیش آئی کہ مقطع کا بند بدلا گیا اور میر مونسؔ کا تخلص ڈال دیا گیا۔ اور بظاہر یہ مرثیہ انھیں کا ہو گیا۔ اس لیے کہ اس کا ایک دوسرا نسخہ میر مونسؔ کے قلمی مراثی کی جلد نمبر ۵۸۲ میں ۱۱۹ بندوں کا انھیں کے مقطع و تخلص کے ساتھ موجود ملتا ہے۔ علاوہ ازیں "مجموعۂ مراثیِ میر مونس" جلد دوم مطبوعۂ نول کشور پریس، کانپور تاریخی ۱۲۹۵ھ میں یہ ۱۲۵ بندوں کے ساتھ (ص ۲۹۹-۳۱۳) چھپ بھی چکا ہے۔

دولت سرا میں شورِ وداعِ حسینؑ ہے

اس مرثیے کا ایک نسخہ ذخیرۂ ہذا کی جلد چہارم میں ۱۸۰ بند کا ملا ہے، مگر ناقص الآخر اور بغیر مقطع کے، اس لیے اِسے تصنیفِ میر انیسؔ فرض نہیں کیا جا سکا۔ حال آنکہ نسخے کے سرِ ورق پر عبارتِ ذیل سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ کسی اور کا شاید نہ ہو:۔

در حال امام حسین علیہ السّلام۔ میر انیسؔ صاحب مرحوم

اسی کا دوسرا نسخہ جلد اوّل مراثیِ میر انیس (اُردو مخطوطہ نمبر ۵۸۰) میں ۱۸۳ بند کا میر اَنیس کے مقطع کے ساتھ موجود ہے، اور اس کے سرِ ورق پر یہ عبارت بھی ملتی ہے:

"جناب میر مہر علی مغفور المتخلص بہ اُنس لکھنوی

دونوں نسخوں کے بندوں کا مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرثیہ ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس کے یہ دونوں نسخے میر انیسؔ اور میر اُنس کی وفات کے بعد تیار کیے گئے۔ مگر ایسا کیوں ہوا کہ ایک میر انیس سے منسوب کر دیا گیا، اور دوسرا میر اُنس سے؟

جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھُلا

جو مطبوعہ جلدیں مراثیِ میر انیسؔ کی ہمارے سامنے ہیں، یعنی مطبع نول کشور کی چاروں، مطبع شاہی کی دو، مطبع جعفری کی دو، اور مطبع نظامی کی تین، ان میں یہ مرثیہ شامل نہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ سرے سے میر انیسؔ کا مرثیہ ہی نہ ہو۔ ویسے اس مرثیے کے کئی نسخے ہماری نظر سے گزرے، ایک نسخہ جلد پنجم میں ۵۲ بند کا بلا مقطع، دوسرا جلد ہفتم (مجموعۂ طوبیٰ) میں ۱۶۱ بند کا بمع تخلص میر مونسؔ، تیسرا جلد ششم میں ۱۶۹ بندوں کا میر مونس اور میر انیس دونوں کے تخلص سے۔

علاوہ ازیں یہی مرثیہ اپنے اسی مطلع و مقطع کے ساتھ ۱۶۲ بندوں کا میر مونسؔ کی جلد سوم مطبوعہ منشی نول کشور میں چھپا ہوا پایا گیا۔

بہر کیف اس مرثیے کے بعد بند بند کا مطالعہ کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ اس نسخے کے وہ تمام بند

جو میر اُنس سے منسوب نسخوں میں نہیں پائے جاتے اور میر انیس سے نامزد نسخے ہیں، اگر انھیں کی بنا پر اس پورے مرثیہ کو تصنیفِ میر انیس قرار دیا گیا ہو، تو بات سمجھ میں آتی ہے۔

جب نونہالِ گلشنِ مسلم قلم ہوئے

حالآنکہ یہ مطلعِ ثانی ہے اسی مرثیہ کا جس کا اوپر ذکر ہوا، یعنی:

جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھلا

یہ مرثیہ جلد ہفتم (مجموعۂ طوبیٰ) ذخیرۂ مسعودی میں میر مونس کے مقطع کے ساتھ ۱۶۱ بند کا موجود ہے۔ اس کا ایک دوسرا نسخہ جلد ششم میں ۴۶ بندوں کے ساتھ ناتمام موجود ہے۔ جو اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں جابجا ردّ و بدل اور اضافے کیے گئے ہیں۔ ویسے دونوں نسخوں میں کوئی خاص فرق نہیں پایا گیا۔

مہلت نہ ملی شاہ کو جب طوفِ حرم کی

مراثی میر انیس کی جلد سوم (اردو مخطوطہ نمبر ۵۷۳) میں یہ مرثیہ بہت خوشخط اور صاف لکھا ہوا ۲۲۶ بند کا ملا، جس کے سرورق پر:

تصنیف میر صاحب سلمہٗ انیس

درج ہے۔ سرورق اور بندوں کی شانِ کتابت میں واضح فرق ہے۔ خصوصاً "انیس" کا تخلص دوسرے خط میں ملتا ہے۔ اس میں دو ذیلی مطلعے بھی ہیں۔ پھر یہ کہ مرثیہ پورا لکھا ہوا نہیں ہے۔ زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ بعد کے اوراق گر گئے۔ میر انیس کی دوسری قلمی جلدوں میں بھی اب تک کہیں یہ مرثیہ ان کے تخلص سے نہیں ملا۔ اگرچہ یہی مرثیہ اپنے اسی مطلعِ اوّل کے ساتھ نول کشور کی دوسری جلد میں، ۲۴ بند کا چھپا ہوا میر انیس کے نام سے موجود ہے۔

پھر اسی جلد میں اس کا دوسرا نسخہ ۲۵۰ بندوں کا میر مونس کے تخلص سے ملتا ہے؛ اس میں ۵ بند زائد ہیں، جو غیر مطبوعہ بھی ثابت ہوئے ہیں، اور یہ اضافے اس خط سے الگ ہیں جس میں پورا مرثیہ لکھا گیا ہے۔ نیز اس نسخے میں ۶ ذیلی مطلعے ہیں۔ بہرحال یہ میر مونس کے نام سے اب تک کہیں چھپا ہوا بھی نہیں ملا۔

تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتح کی مدح

یہ ذخیرۂ مسعودی کی جلد سوم کا مرثیہ نمبر ۲۲ خوشخط و بہتر لکھا ہوا، ۸۰ بند کا انیس کے مقطع کے ساتھ ملا، جس کے سرورق پر حسبِ ذیل عبارت تحریر ہے:

"من کلامِ لطافت نظام میر انیس صاحب سلمہٗ اللہ الواہب"

اس کا دوسرا مطلع ہے:

ہے جادۂ بہشت بریں مرتضیٰ کی مدح

اس مرثیے کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ سامنے آئی کہ یہ "مجموعۂ مراثی میر مونس" جلد دوم (مطبوعہ نامی نامی پریس نول کشور کان پور ۱۲۹۶ھ، مرتبہ مولوی تصدق حسین رضوی لکھنوی) میں، ۱۱ بندوں کا بیع مقطع و تخلص میر مونس چھپ چکا ہے۔ ایسی حالت میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ میر انیس کے حینِ حیات اس مرثیے کی جو کتابت ہوئی اور اس کو انھیں کی تصنیف قرار دیا گیا، اسے یکسر غیر وقیع فرض نہیں کیا جا سکتا۔

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

۱۴۳ بندوں کا یہ مرثیہ ذخیرۂ زیرِ نظر کی جلد ششم کا مرثیہ نمبر ۲۷ ہے۔ سرِ ورق کی تحریر یوں ہے۔

بقلم مرتضیٰ حسین آخر ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ

لیکن عجیب بات ہے کہ یہ مرثیہ اسی نسخے میں میر مونس کے تخلص سے ملتا ہے۔ اور قیامت یہ ہے کہ انیس اور مونس دونوں کا تخلص اس حد تک ایک جیسا ملتا ہے کہ آج بھی ان نسخوں کی بنا پر یہ طے کرنا مشکل ہے کہ یہ مرثیہ دراصل کس کا ہے!

مرثیہ بہرکیف بار بار چھپتا رہا ہے، اور اردو دنیا میں انیس کا تسلیم کیا جا چکا ہے، اس اعتبار سے ہم بھی اسے میر انیس ہی کی تصنیف سمجھنا مناسب گردانتے ہیں۔

یہی مرثیہ اس ذخیرہ کی اُس جلد کا جزو بھی ہے، جسے کتابخانۂ مولانا آزاد کا اردو مخطوطہ نمبر ۵۰۸ قرار دیا گیا ہے۔ اس جلد میں اس کے دو نسخے ملتے ہیں، ایک، ۵۰ بند کا جو ۱۲۸۵ھ کا کتابت کردہ ہے، دوسرا ۱۵۲ بند کا جس کو ۱۹۰۷ء میں قلمی کیا گیا۔

ان نسخوں کے متن کو مطابق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مخطوطہ مذکور کا ہر بند از ابتدا تا بند نمبر ۹۷ مطبوعہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ اس کے بعد ایک بند بہ عنوان "مطلع دیگر ملتا ہے، جو چھپا بھی نہیں اور کسی نسخے میں اب تک نظر سے بھی نہیں گزرا، یہ بند اس طرح ہے:

نوشاہ کو رضا جو ملی رزم گاہ کی　　یوں روئے اہلبیت کہ حالت تباہ کی
عباس نے گلے سے لگا کر اک آہ کی　　قاسم نے پھر سوئے علی اکبر نگاہ کی
مضطر تھا دل، جو ابن حسن کی جدائی سے
اکبر لپٹ کے رونے لگے اپنے بھائی سے

آخر میں یہ بات بھی واضح ہے کہ مونس کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جلدوں میں یہ مرثیہ کہیں بھی ان کے مقطع یا تخلص سے نہیں ملا۔ ایسی حالت میں اسے تصنیفِ میر انیس جاننا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یعقوبِ مصطفیٰ سے جو یوسف جدا ہوا

۸۸ بند کا یہ مرثیہ مراثی میر انیس کی جلد ششم (مخطوطہ نمبر ۸۰۷) میں شامل پایا گیا۔ جس کے سرورق پر "بسم اللہ خیر الاسماء" ایک طرف اور "میر انیس" دوسرے گوشہ پر اور "ص" "یعنی صحیح کا نشان مطلع سے ملا ہوا تحریر ہے۔ پھر اسی نشان کے نیچے آڑی سطر میں:

تصنیف میر انیس سلمہ اللہ تعالیٰ

درج ہے، اور اس کے بعد دو رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ ترقیمہ میں سالِ کتابت نہیں، البتہ کاتب کا نام "سید احسان علی" ثبت ہے۔

اس ذخیرے میں جتنے مرثیے میر انیس سے منسوب کیے گئے ہیں ان میں صرف یہی ایک نسخہ اس مرثیے کا میر انیس کے نام و تخلص سے ملتا ہے۔

البتہ میر نفیس کے قلمی مراثی کی جلد اوّل (مخطوطہ نمبر ۵۸۵) میں اس کے تین نسخے ملے، جن میں پہلا نسخہ ۸۳ بند کا ہے، اور اس کے سرورق کی ترتیب یوں ہے:

"مرثیۂ نفیس"

یعقوبِ مصطفیٰ سے جو یوسف جدا ہوا
یعنی شہید اکبرِ گلگوں قبا ہوا

بند ۸۳

مقطع بھی میر نفیس ہی کے نام سے ملتا ہے۔

اس نسخے کے بارے میں خاص بات یہ ہے کہ اس کے کاتب "آغا حسن" ہیں۔

قاصر تری ثنا میں ہے شاہا، زباں مری

رو سخن ثنائے حسینِ شہید ہے

ویسے تو یہ مرثیہ اپنے سرورق کے مطابق ۱۱۶ بند کا ہونا چاہیے تھا، مگر بصورتِ موجودہ صرف ۵۹ بندوں کا ہے اور میر انیس کے مراثی کی جلد سوم (مخطوطہ نمبر ۵۰۵) میں شامل ہے، اس کا مطلع ہے:

قاصر تری ثنا میں ہے شاہا زباں مری

اس کے دو ذیلی مطلعے ہیں، ایک تو وہی جو سرورق پر درج ملتا ہے یعنی:

رو سخن ثنائے حسینِ شہید ہے

اور دوسرا:

شبیر تاجِ تارکِ عرشِ عظیم ہے

اس مرثیے کے تین نسخے میر مونس کی جلدوں (مخطوطہ نمبر ۵۸۲ اور ۵۸۴) میں بھی انھیں کے تخلص سے ملتے ہیں۔ لیکن مذکورۂ بالا ذیلی مطلع:

رقمِ سخن ثنائے حسینؑ شہید ہے

کے ساتھ۔ اس کا پہلا نسخہ ۱۱۸ بندوں کا، ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا اور تیسرا دونوں ہی ۱۱۰ بند کے۔ اور تینوں نسخوں میں مونس کا مقطع موجود ہے۔ پھر ایک چوتھا نسخہ اسی ذخیرۂ مسعودی کی جلد ہفتم (مخطوطہ نمبر ۵۰۹)، یعنی مجموعۂ طوبیٰ میں بھی اتنے ہی بندوں (۱۱۰) کے ساتھ مونس ہی کے تخلص سے ملتا ہے۔ اس مخصوص نسخے میں ذیلی مطلعے حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ قاصر تری ثنا میں ہے شاہا، زبان مری

۲۔ شبّیر تاجِ تارکِ عرشِ عظیم ہے

۳۔ خلدِ بریں ہے گلشن کا شانۂ حسینؑ

۴۔ رضوان ہے باغبانِ گلستانِ شاہِ دیں

۵۔ جب لڑتے لڑتے عصر کا ہنگام آگیا

شہاب سرمدی

ہے غازۂ عذارِ سخن مرتضیٰ کی مدح

"مجموعۂ طوبیٰ" کا یہ مرثیہ نمبر ۲۱ ہے، تعداد بند ۱۰۹، آغا حسن طوبیٰ جیسا اس سے پہلے بھی ذکر آچکا ہے، میر انیس کے متوسّلین میں سے تھے۔ اور جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے اور اُن کے بیٹے میر خورشید علی نفیس کے شاگرد بھی تھے۔ یہ بھی معلوم ہو سکا ہے کہ انھوں نے میر انیس، میر مونس، میر اُنس، میر نفیس کے مراثی کا مجموعہ اپنے قلم سے لکھ کر مرتّب کیا ہے۔ اس کا تکملہ میر انیس کے حینِ حیات ہوا۔ ایسی حالت میں آغا حسن طوبیٰ کا اس مرثیہ کو میر انیس کی تصنیف قرار دینا ایک حیثیت رکھتا ہے۔

اس مرثیے کا دوسرا نسخہ کتاب خانۂ محمود آباد میں مطلع کے معمولی ردّ و بدل کے ساتھ ملا، یعنی وہاں "مرتضیٰ" کی جگہ "پنجتن" کا لفظ ہے ("ہے غازۂ عذارِ سخن پنجتن کی مدح") بندوں کی تعداد کم ہے یعنی ۱۰۹ کے مقابلہ میں ۱۰۴۔ اسی کا ایک اور قلمی نسخہ ذخیرۂ مسعودی کی جلد نمبر ۵۸۵ میں ملا اس کی تعداد بند اور بھی کم ہے، یعنی صرف ۱۰۱۔ اور مقطع اس میں بھی نفیس کا ہے۔

ہم بوجودِ مذکورۂ بالا یہ مرثیہ میر انیس کا تصنیف کردہ زیادہ ممکن پاتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس کے کاتب میر انیس اور میر نفیس دونوں کے کاتب رہ چکے ہیں اور ان کے لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ میر نفیس کی تصنیف کو میر انیس سے نسبت دیں۔ اور دوسری ایک معقول وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ نسخۂ محمود آباد پر سالِ تحریر ۱۲۴۵ھ درج ہے۔ یعنی کہ اس مرثیہ کو میر انیس کے قیامِ فیض آباد کی تصنیف ہونا چاہیے؛ نیز یہ کہ اس وقت ان کی عمر ۲۸ یا ۲۹ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور ان کے بڑے صاحبزادے میر خورشید علی نفیس جن کا سال

پیدائش ۱۲۳۵ھ ہے، اس وقت جب یہ مرثیہ لکھا گیا، دس گیارہ سال کی عمر سے زیادہ کے نہیں رہے ہوں گے۔ ایسی حالت میں ان کا اس مرثیہ کا مصنف ہونا محال ہو جاتا ہے۔
ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ہم مجموعۂ طوبیٰ کے نسخے کو اولیٰ سمجھنا مناسب جانتے ہیں۔ اور چوں کہ وہی سب سے اکمل نسخہ ہے اس لیے اسے اصل قرار دیتے ہیں۔
معلوم ہوا ہے کہ اس مرثیے کے محمود آباد والے نسخے میں تین بند زائد ہیں۔ افسوس کہ وہ مرثیہ دستیاب نہیں ہوا اور ہم یہ مرثیہ ان بندوں کے بغیر ہی شائع کر رہے ہیں۔ اگر وہ بند شاملِ مرثیہ ہوتے تو ان کا نمبر ۵۸، ۵۹، ۶۰ ہوتا۔

۱

زیبائشِ کلام ہے مشکل کشا کی مدح ہے غازۂ عذارِ سخن مرتضیٰ کی مدح
آرائشِ بیاں ہے شہِ لافتیٰ کی مدح مصباحِ بزمِ نور ہے دستِ خدا کی مدح
ان کا کلام دونوں جہاں میں سعید ہے
حُبِّ علیؑ بہشتِ بریں کی کلید ہے

۲

جبریلؑ مدح خوانِ جنابِ امیرؑ ہے فردوسؑ بوستانِ جنابِ امیرؑ ہے
حق کی زباں، زبانِ جنابِ امیرؑ ہے عرشِ علاؑ مکانِ جنابِ امیرؑ ہے
قدرت عیاں ہے اُن سے خدائے قدیر کی
قرآں میں ثنا ہے جنابِ امیرؑ کی

۳

جنّت کا باب، بابِ جنابِ امیرؑ ہے عرشِ عُلا مقامِ جنابِ امیرؑ ہے
شیرِ خدا خطابِ جنابِ امیرؑ ہے حق کا غضب، عتابِ جنابِ امیرؑ ہے
کیوں ہو نہ فخر بنتِ اسد ایسے لال سے
خورشید کانپتا ہے علیؑ کے جلال سے

۴

دنیا و دیںؑ عطائے جنابِ امیرؑ ہے آرامِ جاں ولائے جنابِ امیر ہے
اکسیرِ خاکِ پائے جنابِ امیرؑ ہے شیعوں کی جاںؑ فدائے جنابِ امیر ہے
گیتی کو اِن کے فیضِ قدم سے شرف ملا
چھانی نجف کی خاک تو دُرِّ نجف ملا

۵

کیا عزت و وقارِ جنابِ امیرؑ ہے
رُوحُ القُدُس نثارِ جنابِ امیرؑ ہے
کیا اوج و اقتدارِ جنابِ امیرؑ ہے
ہر شے پہ اختیارِ جنابِ امیرؑ ہے
جنّ و ملک ہیں تابعِ فرماں امامؑ کے
دونوں جہاں ہیں زیرِ نگیں ایک نامؑ کے

۶

عالم میں بے عدیل، جنابِ امیرؑ ہے
قسّامِ سلسبیل، جنابِ امیرؑ ہے
استادِ جبرئیل، جنابِ امیرؑ ہے
ذوالکفل کا کفیل جنابِ امیرؑ ہے
احسان کس نبی و وصی پر کیا نہیں
وہ کون سی مہم تھی جسے سَر کیا نہیں

۷

عالم کا دستگیر، جنابِ امیرؑ ہے
کونین کا امیر، جنابِ امیرؑ ہے
شاہِ فلک سریر جنابِ امیرؑ ہے
سُلطاں نبیؐ، وزیر جنابِ امیرؑ ہے
کس کو شرف کریم نے ایسا عطا کیا
دونوں جہان کا جسے مُشکل کشا کیا

۸

قطرے کو رشکِ گوہرِ یکتا کرے علیؑ
ادنیٰ کو ایک آن میں اعلیٰ کرے علیؑ
اعمیٰ کو چشمِ فیض سے بینا کرے علیؑ
چاہے تو ہر درخت کو طوبیٰ کرے علیؑ
دَب جائے آسماں یہ زمیں کی شکوہ ہو
گر کاہ کو وقار وہ بخشیں تو کوہ ہو

۹

دم میں روا ہر ایک کا مطلب کرے علیؑ
عُقدے کھُلیں کرم کی نظر جب کرے علیؑ
کوکب کو ماہ، ماہ کو کوکب کرے علیؑ
شب کو جو دن، تو دن کو ابھی شب کرے علیؑ
آنکھیں جو وہ ملے قدمِ بوتراب سے
اس ہاتھ کو (ہو) فخر جو ہو مَس رکاب سے

۱۰

دوزخ کو رشکِ گلشنِ جنّت کرے علیؑ ناجی ہو جس کے حال پہ رحمت کرے علیؑ
دَم میں گدا کو صاحبِ دولت کرے علیؑ جو چاہے جس بشر کو عنایت کرے علیؑ

شیعوں کو خوف کیا کہ علیؑ سا کفیل ہے
جنت بھی وقف، چشمۂ کوثر سبیل ہے

۱۱

بیکس کو تخت و تاج کا وارث کرے علیؑ دشمن کو رزقِ دوست کا باعث کرے علیؑ
جس شے کو چاہے خلق میں حادث کرے علیؑ زائل کرم سے خوفِ حوادث کرے علیؑ

ہرگز ہوا چراغ کی لَو تک نہ آ سکے
کیا تاب ہے جو آگ کو پانی بجھا سکے

۱۲

جس شے کو چاہے عرش مدارج کرے علیؑ شہرہ ہو، جس کے نام کو رائج کرے علیؑ
وہ خارجی رہے، جسے خارج کرے علیؑ بیمار کو شفا کا معالج کرے علیؑ

ہر شے فشارِ دستِ غضب سے ہلاک ہو
جس پر نگاہِ قہر ہو پیوندِ خاک ہو

۱۳

عاصی کو باغِ خلد کا فاتح کرے علیؑ طالع کو اک اشارے میں صالح کرے علیؑ
تاریک شب کو صبح سے واضح کرے علیؑ حق ہو وہ سوئے حق جسے راجح کرے علیؑ

گو ہو گناہ گار مگر رستگار ہو
سختیِ مرگ ہو نہ لحد میں فشار ہو

۱۴

دشمن کو اپنے داخلِ دوزخ کرے علیؑ گرم اس کی قبر صورتِ مطبخ کرے علیؑ
نارِ سقر محب کے لیے یخ کرے علیؑ زائل کرم سے زحمتِ برزخ کرے علیؑ

وہ عرش قدر حکم جو دے انقلاب کا
پھر جائے منہ اِدھر سے اُدھر آفتاب کا

۱۵

شق القمر مثالِ محمدؐ کرے علیؑ — سنگ و خذف کو لعل و زبرجد کرے علیؑ
آئی ہوئی سروں پہ بلا رد کرے علیؑ — بے خانماں کو صاحبِ مسند کرے علیؑ

دم میں گدا کو حشمتِ سلطاں عطا کرے
اک مور کو بساطِ سلیماںؑ عطا کرے

۱۶

دن کی طرح سے شب کو منوّر کرے علیؑ — جلوے سے آفتاب کو ششدر کرے علیؑ
پتھر کو لعل، قطرے کو گوہر کرے علیؑ — آبِ دہن سے خشک شجر تر کرے علیؑ

جس گل کو ہاتھ سے نہ چھوئیں پائمال ہو
سایہ کریں تو خلد میں طوبیٰ نہال ہو

۱۷

عزت ہو اُس کی جس کو معزز کرے علیؑ — فیض اُس سے پائیں سب جسے فائز کرے علیؑ
حق سمجھیں سب، جس امر کو نافذ کرے علیؑ — پشّے سے پیلِ مست کو عاجز کرے علیؑ

کارِ قوی ضعیف سے گروہ جناب لے
کنجشک شاہباز کو پنجے میں داب لے

۱۸

خاروں کو غیرتِ گلِ نورس کرے علیؑ — آہن ہو گر نظر طرفِ خس کرے علیؑ
رشکِ طلا ہو مس کو اگر مَس کرے علیؑ — ٹھوکر لگا کے سنگ کو پارس کرے علیؑ

آہن کو رنگ دیں تو زرِ سرخ زرد ہو
مٹھی میں خاک اٹھائیں تو اکسیر گرد ہو

۱۹

آتش کو آب، آب کو آتش کرے علیؑ — عاصی کے رُوئے زشت کو مہوش کرے علیؑ
ویراں مکاں کو روضۂ دلکش کرے علیؑ — بینائے مئے کو سرکۂ بے غش کرے علیؑ

قطرے میں اس کے فیض سے موتی کی آب ہو
بخشیں وہ نور اگر تو سُہا آفتاب ہو

۲۰

آہن کو غیرتِ زرِ خالص کرے علیؑ — کامل ہو گر نظر سوئے ناقص کرے علیؑ
ظاہر کتابِ حق کے قصائص کرے علیؑ — کفّار کے دلوں کو منغّص کرے علیؑ
گر وہ کریم اوجِ سعادت عطا کرے
بالِ مگس کو ہمسرِ بالِ ہُما کرے

۲۱

خونِ جبیں کو غازۂ عارض کرے علیؑ — تیغوں تلے ادائے فرائض کرے علیؑ
زائل جہاں کے دم میں عوارض کرے علیؑ — پشّہ کو پیلِ مست پہ قابض کرے علیؑ
رتبہ جو ابتدا کا وہی اختتام کا
خالق کا گھر ہے مولد و مشہد امامؑ کا

۲۲

ارفع کو پست، پست کو ارفع کرے علیؑ — اضعف کو ایک آن میں اشجع کرے علیؑ
ساری زمیں کو تختِ مرصّع کرے علیؑ — جس گھر کو چاہے نور کا مطلع کرے علیؑ
عزّ و شرف اگر وہ دو عالم کا تاج دے
ذرّے کو کانپ کر شہِ خاور خراج دے

۲۳

دن کی طرح سے رات کو روشن کرے علیؑ — دامانِ شب کو غیرتِ گلشن کرے علیؑ
گِل کو جواہرات کا معدن کرے علیؑ — کندن ہو گر نظر سوئے آہن کرے علیؑ
ہل جائے لب اگر شہِ والا صفات کا
ہو آبِ تیغ میں اثر آبِ حیات کا

۲۴

نورِ خدا عیاں ہو جدھر رُو کرے علیؑ — طرّہ وہ گُل ہو سب پہ جسے بُو کرے علیؑ
غصّے میں گر اشارۂ ابرو کرے علیؑ — آہو کو شیر، شیر کو آہو کرے علیؑ
اللہ رے نہیبِ شہِ حق پرست کا
پشّہ سے کانپتا ہے جگر پیلِ مست کا

۲۵

کیوں کر بشر مناقبِ حیدرؑ کرے بیاں ہے معترف قصور کی اس ذکر میں زباں
مملو علیؑ کے وصف سے ہے دفترِ جہاں دشوار ہے شمارِ نجوم تُہ آسماں

عرشِ خدا بمرتبۂ آں جناب ہست
خاکش بسر کہ خاکِ درِ بوترابؑ ہست

۲۶

حامی جو تھے خلیلِ خدا کے میانِ نار اس نورِ حق نے کر دیا آتش کو لالہ زار
یحییٰؑ کا فخر، موسیٰؑ عمراں کا افتخار داؤدؑ کا شرف، تو سلیماںؑ کا اقتدار

باعث یہی تھا جاہ و حشم کے وفور کا
نقشِ نگیں تھا اسمِ مبارک حضور کا

۲۷

ایماں کے تن کی جاں ہے تولّائے بوترابؑ ہے جنّتی وہی جو ہے شیدائے بوترابؑ
کحلِ بصر ہے خاکِ کفِ پائے بوترابؑ ہے مسندِ رسولِ خدا جائے بوترابؑ

بے فصل مقتدا ہیں، ولی ہیں امامؑ ہیں
یہ جانشینِ حضرتِ خیر الانامؐ ہیں

۲۸

لکھوں حروفِ اسمِ مقدّس کی گر ثنا ثابت یہ عینؔ سے ہے کہ عالی ہے مرتبا
لاؔمِ علی ہے لمعۂ انوارِ کبریا اس لاؔم سے حصول ہے اس لامِ اسلام کی جلا

کیا لطفِ حق سے اسمِ مقدّس کی شان ہے
یؔ سے یقیں ہوا کہ یہی دیں کی جان ہے

۲۹

ہم نامِ حق ہے نامِ خدا مرتضیٰؑ کا نام ہے عینؔ سے علیؑ کے دو عالم میں فیض عام
ہے لؔ، عدل و علم و عنایت سے لاکلام عزّت کی ابتدا تو ورع کا ہے اختتام

دیں کی یہی ہے اصل یہی عینِ فرع ہے
آغاز عرش کا ہے تو انجامِ شرع ہے

۳۰

اس لام کے ہے لطف و عنایت میں کیا کلام ہے مُنجلی کہ پاتا ہے اس سے جلا کلام
ہے لا الٰہ سے کوئی بہتر بھلا کلام یہ لام ہے کلامِ الٰہی میں لا کلام
یہ علم کی ہے جان، الف لام میم ہے
لامِ علی اشارۂ لطفِ علیم ہے

۳۱

مشہور ہے جہاں میں ید اللہ کا وقار یعسوبِ دیں، یمِ کرم و فیضِ کردگار
یٰسین میں امامِ مُبیں ہے وہ نامدار ہے سب پہ شانِ آیۂ یوفون آشکار
عالم میں یُمن کا اسی یؔ سے ظہور ہے
یائی علی نہیں ہے یہ دریای نور ہے

۳۲

کعبہ میں جب کہ دوشِ نبیؐ پر رکھے قدم طاقوں سے کانپ کانپ کے خود گر گئے صنم
ہفت آسمان و عرشِ بریں لوح اور قلم طوبیٰ و کوثر و فلک و گلشنِ ارم
ساتوں نہ آسماں ہی فقط زیر دست تھے
یہ سب بلندیِ قدِ بالا سے پست تھے

۳۳

عاجز ہے وصفِ حیدرِ صفدر میں خلق سب کیا مُشتِ خاک سے ہو بھلا مدحِ نورِ رب
معجز نما امامِ زماں سرورِ عرب روشن ہے آفتاب سے جس کا حسب نسب
ذاتِ علیؑ سے کفر جہاں برطرف ہوا
خود معجزوں کو ذاتِ علیؑ سے شرف ہوا

۳۴

عاجز جہاں تلک تھے وہ سرِّ خفیِّ رب تھے شمع کی طرح سے جلی ان پہ سب کے سب
جو سانحے زمیں پہ گذرتے تھے روز و شب دیتی تھی سب علی کو خبر وہ بصد ادب
اخبارِ فوق و تحت پر اک دم گذرتی تھی
تحت الثریٰ کا حال زمیں عرض کرتی تھی

۳۵

ڈیوڑھی پہ جلوہ گر تھے شہنشاہِ لافتیٰ ہے بابِ معجزاتِ یداللہ میں لکھا
چلائے سب دُہائی ہے اے کُل کے پیشوا! جو اہلِ کوفہ آئے کھُلے سر برہنہ پا
مشکلکشا ہیں آپ، شہ دیں پناہ ہیں
لیجے خبر کہ ہم کئی دن سے تباہ ہیں

۳۶

طغیانی پر ہے آبِ فرات ان دنوں کمال پوچھا سبب تو عرض انھوں نے کیا یہ حال
گھر سب کے منہدم ہیں زراعت ہے پائمال بہیئہ غضب کی آئی ہے یا شیرِ ذوالجلال
جانیں بچیں جو باڑھ میں دریا کی فرق ہو
یہ خوف ہے کہ شہر نہ پانی میں غرق ہو

۳۷

جیتے ہیں چار دن سے تلاطم میں اہلِ شہر کوسوں تلک ہے عالمِ آب اے امامِ دہر
کیجے مدد، کہ باڑھ ہے یہ یا خدا کا قہر چلتی ہے مثلِ تیغ جگر پر ہر ایک لہر
اے نوحِ عصر خلق میں فریاد و آہ ہے
کشتیِ کشتِ کارِ غریباں تباہ ہے

۳۸

کی زیبِ دوش صاحبِ معراج کی قبا اُٹھا یہ سُن کے کشتیِ امّت کا ناخدا
پہنے وصی نے پاؤں میں نعلینِ مصطفاؐ سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کبریا
آگے چلے رفیق، جلو میں پسر چلے
لے کر عصا نبیؐ کا شہ بحر و بر چلے

۳۹

سب اہلِ شہر ساتھ چلے چھوڑ کر مکاں وہ بحرِ نور جب سُوے دریا ہوا رواں
شمشادِ بوستانِ شرف رونقِ جہاں ہمراہ تھے حسینؑ و حسنؑ سرورِ زماں
ہمراہِ مہر دو مہِ تاباں تھے راہ میں
سروِ روانِ خلد خراماں تھے راہ میں

۴۰

وہ آسمانِ نور ہیں یہ ماہ و آفتاب　　وہ ٹو کتابِ علم کی فصلیں ہیں اور یہ باب
وہ بے عدیل دونو(ں) جہاں ہیں یہ انتخاب　　وہ عرش بارگاہ، یہ دونو(ں) فلک جناب
وہ تھے اگر قسیم گلستانِ خُلد کے
سردار تھے یہ دونو(ں) جوانانِ خلد کے

۴۱

یہ دوٗ ستونِ کعبۂ ایماں وہ رُکنِ دیں　　وہ لعلِ بے بہا ہیں، تو یہ گوہرِ ثمیں
انگشتری پہ قائمِ قدرت کے، وہ نگیں　　تھے وہ مکانِ عز و شرف اور یہ دو مکیں
وہ زیب بخشِ کرسیِ ربِّ عظیم تھے
یہ دونوں گوشوارۂ عرشِ کریم تھے

۴۲

قرآں وہ اور یہ سورۂ وَالشَّمس وَالضُّحیٰ　　کَالشَّمسُ فِی اللَّیَالی و کَالبَدرُ فِی الدُّجیٰ
وہ معدنِ سخا تھے تو یہ منبعِ عطا　　وہ باغِ مدّعا، یہ گلِ گلشنِ وفا
حامیِ دیں تھے وہ، یہ نگہبانِ شرع تھے
وہ نخلِ دیں کے اصل تھے یہ دونوں فرع تھے

۴۳

نزدیکِ دجلہ آئے جو سلطانِ بحر و بر　　تھے نورِ عینِ فاطمۂ پہلو میں جلوہ گر
لہروں نے دوڑ دوڑ کے رکھا قدم پہ سر　　بہرِ وضو بڑھا فلکِ نور کا قمر
دستِ علی جواب میں سایہ فگن ہوا
اس وقت بحرِ رحمتِ حق جوش زن ہوا

۴۴

جب پڑھ چکا نماز وہ حلّالِ مشکلات　　اُس دم کیا عصا سے اشارہ سوئے فرات
کم ہوگیا وہ آبِ رواں تین چار ہات　　پڑھنے لگے درود محبّانِ نیک ذات
پانی کا زور آپ کے بڑھنے سے گھٹ گیا
آبِ فرات دور تلک وہاں سے ہٹ گیا

۴۵

فرمایا بس! تو سب نے کہا یا شہِ زماں — پانی میں دُور تک ہے زراعت ابھی نہاں
مارا عصا جو آب پہ مولا نے ناگہاں — پانی یہ کم ہوا کہ نظر آئیں مچھلیاں
اک شور تھا کہ خلق کے سردار آپ ہیں
ہر خشک و تر کے مالک و مختار آپ ہیں

۴۶

اُن مچھلیوں سے تب یہ علی نے کیا خطاب — پہچانتی ہو تم مجھے اے ماہیانِ آب
گویا نہ تھی زباں، پہ یہ سب نے دیا جواب — بیشک ہے تو وصیِ رسولِ فلک جناب
تجھ کو خدا نے گوہرِ بحرِ شرف کیا
ناری ہیں وہ جنھوں نے ترا حق تلف کیا

۴۷

کیوں مومنو! علی کا سا (تھا) رتبۂ جلیل — مولائے خلد، قاسمِ تسنیم و سلسبیل
الیاس کا شرف، ثمرِ گلشنِ خلیل — فرزند اس جناب کا پیاسا ہوا قتیل
بچے پھڑک رہے تھے کلیجا کباب تھا
اک دن اسی فرات پہ کیا قحطِ آب تھا

۴۸

تھے مسجدِ نبیؐ میں شہنشاہِ لافتیٰ — بیمار تھے امامِ حسنؑ سرورِ ھُدا
منھ چوم کر علیؑ نے کہا تم پہ میں فدا — کیا لوگے اے گُلِ چمنِ سیّد الوریٰ
پہلے زباں سے اپنی ادا شکرِ رب کیا
بابا سے پھر انار حسنؑ نے طلب کیا

۴۹

دستِ خدا نے ہاتھ بڑھایا جو ایک بار — پیدا ہوئی ستون سے اک شاخِ باردار
نیچا کیا جو ہاتھ تو تھے اس میں چار انار — توڑے امامِ دیں نے وہ رُمّانِ خوشگوار
اس میں سے دو علی نے حسن کو عطا کیے
اور دو حسین تشنہ دہن کو عطا کیے

۵۰

بیٹوں سے پھر یہ کہنے لگے شاہِ حق شناس　　لے جاؤ اِن اناروں کو تم فاطمہؑ کے پاس
اُس وقت کی حسنؑ نے یہ حیدرؑ سے التماس　　آئے یہ کس جگہ سے انار اے فلک اساس
فرمایا باغِ چمنِ روزگار ہیں
یہ چاروں، باغِ خلدِ بریں کے انار ہیں

۵۱

جس وقت تم نے مجھ سے کیے تھے طلب انار　　روحِ امیں کو تب یہ ہوا حکمِ کردگار
خالی انار سے ہے گلستانِ روزگار　　ہاں توڑ کر بہشت سے لے جا انار چار
نار ان کے واسطے ہے عمل جن کے زشت ہیں
حصّے میں پنجتن کے یہ آٹھوں بہشت ہیں

۵۲

اک دن کیا نبیؐ سے کسی شخص نے سوال　　معلوم سب ہے آپ کو مولا جہاں کا حال
مختار بحر و بر کے ہیں، محبوبِ ذوالجلال　　منبع کہاں ہے آب کا یا شاہِ خوش خصال!
ارشاد آپ کیجیے اپنی زبان سے
پیدا زمیں سے ہوتا ہے یا آسمان سے

۵۳

یہ سُن کے اس سے کہنے لگے سیدالبشرؐ　　جا کوہِ بوقبیس پہ اے مردِ خوش سیر
چڑھ جانا اس پہاڑ پہ بے خوف و بے خطر　　وہاں جا کے تجھ کو معرکہ اب آئے گا نظر
خالق کے بحرِ فیض کی لہریں بھی دیکھ لے
منبع بھی جا کے دیکھ لے، نہریں بھی دیکھ لے

۵۴

گو راہ تھی پہاڑ، مگر کوہ پر گیا　　داخل ہوا درے میں تو دیکھا یہ ماجرا
اک تختِ سنگِ سبز ہے اس میں رکھا ہوا　　بالائے تخت سوتا ہے اک بندۂ خدا
چاروں طرف بلند مگر حق کا نور ہے
سمجھا کہ ہیں یہ حضرتِ موسیٰؑ وہ طور ہے

۵۵

دیکھا جو اس نے نورِ الٰہی کو جلوہ گر تھرّایا جسم، کرنے لگی خیرہ گی نظر
بولا یہ درِ پہاڑ کا یا نور کا ہے گھر پڑھتا ہوا درود گیا وہ قریب تر
دیکھا کہ ساری شکل تو ہے بوتراب کی
جاری دس انگلیوں سے ہیں دس نہریں آب کی

۵۶

لپٹا قدم سے بازوے خیر الورا کے وہ قربان سات بار ہوا مرتضیٰؑ کے وہ
پھر آیا ہاتھ چوم کے دستِ خدا کے وہ حیراں ہوا رسولؐ کی خدمت میں آکے وہ
آرام میں وہاں شہِ گردوں اساس تھے
دیکھا جو آن کر تو محمدؐ کے پاس تھے

۵۷

سب شانِ کبریا ہے یداللہ سے عیاں دستِ خدا و ناصرِ پیغمبرِؐ زماں
طاقت وہ تھی کہ عالمِ حیرت میں تھا جہاں خیبر کا دَر تھا یا کہ زمیں پر تھا آسماں
یوں دستِ چپ سے آپ نے دَر کو اٹھا لیا
معلوم یہ ہوا کہ سپَر کو اٹھا لیا

۵۸

اک دن وہ تھا کہ کر دیا خندق پہ دَر کو پُل اندھیر تھا چراغِ ہدایت ہوا جو گُل
رسّی تھی اور گردنِ سردارِ جزو کل چھینو! حقِ علیؑ کو یہ تھا غاصبوں میں غُل
سمجھے نہ منزلت کو جنابِ امیرؑ کی
مکّاروں نے بھلا دیں حدیثیں غدیر کی

۵۹

رکھا نہ یاد آیۂ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْل حکمِ خدا و حکمِ نبیؐ کو کیا عدول
سب جانتے تھے باغِ فدک تھا حقِ بتولؑ واں کانٹے بوئے غاصبوں نے جس جگہ تھے پھول
بوئے ہوئے چمن کئی تاراج ہو گئے
سادات نانِ خشک کو محتاج ہو گئے

۶۰

دنیا میں فاطمہ کو فقط تھی پدر کی آس ماتم میں فاقے کرنے لگی وہ خدا شناس
اک باغ دے گئے تھے رسولِ فلک اساس وہ باغ بھی نہ رہنے دیا فاطمہ کے پاس
خاتونِ روزگار کو مغموم کر دیا
بیٹی کو حق سے باپ کے محروم کر دیا

۶۱

شوریٰ یہی شقیوں میں تھا اور قیل وقال کون اُٹھ گیا جہاں سے یہ مطلق نہ تھا خیال
پُرسا تو کیسا، دفن کو آئے نہ بد خصال ہولی نمازِ میّتِ محبوبِ ذوالجلال
ماتم میں کی نہ آ کے شراکت بتولؑ کی
آئے تو قبر کھودنے آئے رسولؐ کی

۶۲

تھا ماتمِ رسولؐ میں یہ فاطمہؑ کا حال گوندھے نہ تا بہ مرگ جو کھولے تھے سر کے بال
جس حجرے میں کیا تھا محمدؐ نے انتقال وہاں لوٹتی تھی صورتِ بسمل وہ خوشخصال
ہر دم پکارتی تھیں شہِ کائنات کو
اٹھتی تھیں اس جگہ سے نہ دن کو نہ رات کو

۶۳

خالی رسولِؐ حق کے جو رہنے کا تھا مکاں آنسو نہ چشمِ پاک سے تھمتے تھے کوئی آں
تکیوں کو سونگھ سونگھ کے کرتی تھیں یہ بیاں اب کون ان پہ رکھے گا سر ہائے بابا جاں
راحت کا اس یتیم کے نقشہ بگڑ گیا
آباد قبر آپ نے کی، گھر اجڑ گیا

۶۴

آنکھوں میں اشک، جسم میں رعشہ، جگر میں درد بالوں پہ سب زمین کی خاک، اور تن پہ گرد
مانندِ کہربا رُخِ انور کا رنگ زرد شدّت تپِ فراق کی اور ہاتھ پاؤں سرد
اُٹھیں جو آہ کر کے تو جی سن سنا گیا
ہے ہے پدر زباں سے کہا اور غش آ گیا

۶۵

جس وقت منہ کو ڈھانپ کے روتی تھی وہ جناب — رہتی تھی اُس گھڑی نہ کسی کے جگر کو تاب
آنکھیں کسی بشر کی نہ تھیں آشنائے خواب — روتے تھے طائرانِ ہوا، ماہیانِ آب
ہوتا تھا حشر بنتِ نبیؐ کے بیان پر
روتے تھے جن زمیں پہ، مَلک آسمان پر

۶۶

تنگ آگئے جو گریۂ زہرا سے خاص و عام — کی عرض سب نے آکے علی سے کہ "یا امام
بے چین ہیں گھروں میں زن و مرد، صبح و شام — رونے سے فاطمہؑ کے ہے اب آب و خور حرام
کہیے کہ تلخ کیجیے نہ سب کی حیات کو
گر، دِن کو آپ روئیں تو ساکت ہوں رات کو

۶۷

زہرؑا کے پاس جا کے کہا مرتضیٰؑ نے تب — اے جسم و جان (و) راحتِ روحِ رسولؐ رب
شاکی تمھارے رونے سے ہیں اہلِ شہر سب — کہتے ہیں ہم کو تلخ ہے آب و طعام اب
مِلتا ہے دن کو چین نہ راتوں کو سوتے ہیں
سب عورتیں بھی روتی ہیں بچّے بھی روتے ہیں

۶۸

بولی علیؑ سے روکے، وہ خاتونِ روزگار — جا کر کہو، کہ کہتی ہے زہرا جگر فگار
کردو بحل، کہ دل پہ نہیں میرا اختیار — شاکی نہ ہو، بہت نہ جیے گی یہ سوگوار
بھرتی ہوں اپنی زیست کے دن نیم جاں ہوں میں
کیوں دق ہو چند روز کی اب میہماں ہوں میں

۶۹

ایسے شفیق باپ کا کیوں کر کروں نہ غم — مانگو دُعا کہ تن سے نکل جائے میرا دم
کم ہوئے نا بہ مرگ یہ ایسا نہیں الم — تڑپوں گی لحظہ لحظہ تو پیٹوں گی دم بدم
دامن کو آنسوؤں سے بھگونا نہ جائے گا
آنکھیں ہیں جب تلک تو یہ رونا نہ جائے گا

۷۰

اُس دن سے ساتھ بیٹوں کو لے کر وہ نوحہ گر بیرونِ شہر جاتی تھیں اُٹھ کر دمِ سحر
قبروں میں دفن تھے شہدائے اُحد اِدھر یوں مقبروں میں روتی تھیں تا شام بیٹھ کر
کٹتا تھا دن بُکا میں جو اُس نیک نام کو
لے آتے تھے علیؑ ولی جا کے شام کو

۷۱

لکھا ہے یہ کہ تھا وہیں اک نخلِ بارور سائے میں اُس کی بیٹھ کے روتی تھیں دوپہر
پہونچی جو غاصبِ حقِ حیدر کو یہ خبر کاٹا جنابِ فاطمہؑ کی ضد سے وہ شجر
کیا کیا جفا گذر گئی اس دل ملول پر
اوس دن سے دھوپ رہتی تھی بنتِ رسول پر

۷۲

جس وقت کاٹتے تھے شجر کو وہ بدخصال کہتی تھیں رو کے فاطمہؑ زہرا بصد ملال
کیا اس شجر کو کاٹ کے ہو جاؤ گے نہال کاٹو ہرا بھرا نہ شجر بہرِ ذوالجلال
کرتے ہو یہ جفا و ستم کس قصور پر
رہنے دو اس درخت کا سایہ قبور پر

۷۳

زہراؑ تو غم میں باپ کے روتی تھی صبح و شام قرآں کے جمع کرنے میں مصروف تھے امامؑ
پر مشورہ لعینوں میں تھا اور یہ کلام صورت بھی اب دکھاتے نہیں شاہِ خاص و عام
ہرگز ڈرو نہ احمدِ مرسلؐ کی آل سے
بیعت طلب کرو اسدِ ذوالجلال سے

۷۴

آئے جنابِ فاطمہؑ کے گھر پہ مل کے سب کوئی شقی تو نار لیے تھا کوئی حطب
کہتا تھا کوئی ریسمان لیے کوئی بے ادب باندھوں گا اس سے گردنِ شاہنشہِ عرب
در بند ہے تو کھینچ لو حلقہ مروڑ کے
درّانہ گھس چلو درِ حیدرؑ کو توڑ کے

۷۵

غُل کر کے جب ہلانے لگے در کو اہلِ شر
طاقت نہ تھی مگر گئیں زہراؑ قریبِ در
رو کر کہا ستاتے ہو کیوں مجھ کو اس قدر
میں فاقہ کش ہوں سر پہ نہیں سایۂ پدر
پُرسا رسولِ حق کا مجھے دینے آئے ہو
چھینا فدک تو اب کہو کیا لینے آئے ہو

۷۶

توڑو نہ تم اسے درِ رحمت ہے گھر مرا
دنیا نہ پھر رہے گی، کُھلے گا جو سر مرا
کرتے تھے پاس حضرت خیر البشرؐ مرا
کیا نارِیو جلاؤ گے آتش سے گھر مرا
کچھ تم کو پاسِ حضرتِ آلِ عبا نہیں
نامحرمو، ہٹو مرے سر پر ردا نہیں

۷۷

کہنے لگے یہ تب بہ خشونت وہ تُند خُو
گھر میں جنھیں چھپایا ہے ان کو نکال دو
فرمایا فاطمہؑ نے، یہ کیا بات کہتے ہو
ایسی ہوں میں کہ گھر میں چھپاؤں گی غیر کو
یہ بے پدر خدا سے طلبگارِ عون ہے
حیدر ہیں، یا حسینؑ و حسنؑ اور کون ہے

۷۸

میں سوگوار گھر میں ہوں یا خویشِ مصطفیٰ
قرآں کے چند جزو ہیں اور کُل کا پیشوا
سبطینِ مصطفیٰ کو کرو گے اسیر کیا
باندھو گے کیا رسن سے یداللہ کا گلا
کیا کام ہے، علی ابھی باہر نہ آئیں گے
قرآں کو جمع کر لیں، تو صورت دکھائیں گے

۷۹

مُنھ سے جنابِ فاطمہؑ کے جب سُنی یہ بات
اُس بُت پرست نے درِ کعبہ پہ ماری لات
یوں در گرا کہ دب گئی وہ فخرِ کائنات
اور مر گیا شکم میں پسر صاحبِ حیات
پہلو پکڑ کے بنتِ نبیؐ نے جو آہ کی
جنبش میں آئی قبر رسالت پناہؐ کی

۸۰

فضہؑ نے دوڑ کے جو اُٹھایا شکم سے در
ماں سے لپٹ کے روئے مصیبت زدہ پسر
تلواریں کھینچے گھر میں جو در آئے اہلِ شر
اللہ رے صبر! بولے نہ کچھ شاہِ بحر و بر
سر کی عجب طرح کی مہم بے لڑے ہوئے
گردن جھکا کے شیرِ خدا اُٹھ کھڑے ہوئے

۸۱

سب دوڑ کر لپٹ گئے حیدر سے اشقیا
غل تھا علی کو لے چلو گھر سے پیادہ پا
تھاما کسی نے بازوے دامادِ مصطفٰی
تھا ریسمانِ ظلم لیے کوئی بے حیا
رُتبے بھلا دیے اسدِ ذوالجلال کے
کھینچا، رِدا گلوے مبارک میں ڈال کے

۸۲

بابا کے پاس آئے حسن لے کے ذوالفقار
یعنی جہاد کیجیے یا شاہِ نامدار
فرمایا وقتِ صبر ہے یہ تم پہ میں نثار
برہم ہو دینِ حق جو کروں آج کارزار
ہوگا خلافِ حکم نہ زوجِ بتول سے
اقرار کر چکا ہوں خدا اور رسول سے

۸۳

گھر سے علیؑ کو لے کے چلے جب وہ اہلِ شر
نکلیں زنانِ ہاشمیہ سب برہنہ سر
دوڑیں جنابِ فاطمہؑ پہلو کو تھام کر
چلاتی تھیں دہائی ہے یا سیّد البشر!
ہے ہے پکڑ لیا شہِ گردوں سریر کو
میں کس طرح چھڑاؤں جنابِ امیرؑ کو

۸۴

پہلو مرا شکستہ ہے اُٹھتے نہیں قدم
ٹوٹی ہیں پسلیاں مری دم میں نہیں ہے دم
شانے میں درد ہوتا ہے بازو پہ ہے ورم
کوئی مرا شریک نہیں آج ہے ستم!
دامادِ مصطفٰی کے چھڑانے میں مدد کرے
کوئی خدا کے واسطے اس دم مدد کرے

۸۵

حیدر کو لے گئے سوئے مسجد وہ اہلِ شر　　زہرا چلیں مزارِ محمدؐ پہ ننگے سر
پہلو کو تھامتی تھیں کبھی، اور کبھی جگر　　رعشہ بدن میں، چاند سا منھ آنسوؤں سے تر
پٹکا تھا سَر تو خاک لگی تھی جبین پر
آدھی رِدا تھی دوش پہ آدھی زمین پر

۸۶

قبرِ نبیؐ پہ گر کے پکاری وہ خستہ حال　　فریاد یا رسولِ خدا! دیکھو میرا حال!
ظلم و ستم سے قید ہوئے شیرِ ذوالجلال　　بیٹی تمھاری قبر پہ اب کھولتی ہے بال
بابا جفائے ظالمِ بدخو کو دیکھیے
اُٹھ کر مزار سے مرے پہلو کو دیکھیے

۸۷

بال اپنے کھولنے لگی جس دم وہ سوگوار　　کانپی زمینِ روضۂ محبوبِ کردگار
چھت یوں ہلی کہ گر گئیں قندیلیں ایکبار　　دیواریں اونچی ہو گئیں تھرّا گیا مزار
انسان میں نہ خوف سے دم تھا نہ جان میں
غل پڑ گیا کہ آئی قیامت جہان میں

۸۸

گھبرا کے دوڑے حضرتِ سلمانِ فارسی　　قدموں پہ فاطمہؑ کے رِدا اپنی ڈال دی
دستِ ادب کو جوڑ کے اس طرح عرض کی　　اُمت پہ رحم کیجیے اے دخترِ نبیؐ
ڈر ہے مجھے کہ چادرِ افلاک ہٹ نہ جائے
سر کو نہ کھولیے کہیں طبقہ اولٹ نہ جائے

۸۹

اللہ رے صبر حیدرِ صفدر کا حوصلہ!　　باندھا گلا مگر نہ زباں سے کیا گِلا
جانے دیا نہ ہاتھ سے رحمت کا سلسلہ　　موقوف منتقیم پہ رکھا یہ معاملہ
یہاں تک کہ زندگانی کا نقشہ بدل گیا
زہرا جہاں سے اُٹھ گئیں سب گھر اُجڑ گیا

۹۰

اعدا نے اس پہ بھی نہ کیا خوفِ قہرِ رب گذری مہِ صیام کی انیسویں جو شب
پڑھنے نمازِ صبح گئے سرورِ عرب مارا امامِ خلق کو سجدے میں، ہے غضب
محراب خونِ کعبۂ ایماں سے بھر گئی
شمشیرِ زہر دار جبیں سے اُتر گئی

۹۱

ضربت غضب کی تھی کہ اُٹھایا گیا نہ سر غش ہو گئے مُصلّے پہ سلطانِ بحر و بر
کانپے سُتون و منبر و محراب و بام و در ارض و سما سے آتی تھی آوازِ الحذر!
دو ٹکڑے دیکھ کر سرِ مشکل کشا علیؑ
اک شور تھا کہ قتل ہوئے مرتضیٰ علیؑ

۹۲

کم تھا وہ گھر کہ جس میں نہ پہنچی ہو یہ صدا دوڑے گھروں سے لوگ کُھلے سر برہنہ پا
دیکھا لہو سے تر جو رُخِ شاہِ لافتا چلاّئے سب کہ ہائے علیؑ! ہائے مقتدا
تھے قبلہ رُو امامِ حجازی پڑے ہوئے
سر پیٹتے تھے گرد نمازی کھڑے ہوئے

۹۳

سُن کر یہ غل ہوا دلِ زینب کو اضطراب چلائی بھائیوں کو وہ با دیدۂ پُر آب
کیسا یہ غل ہے جاؤ تو مسجد تلک شتاب صاف آتی ہے صدا کہ ہوئے قتل بُوتراب
یہ بے سبب نہیں ہے اُداسی جہان کی
لِلّٰہ جلد لاؤ خبر بابا جان کی

۹۴

ناگاہ در پہ آکے کسی نے یہ دی صدا اے اہلِ بیتِ حضرتِ محبوب کبریا
بیٹھی ہو کیا، اُٹھو کہ قیامت ہوئی بپا تلوار شیرِ حق پہ چلی، وامصیبتا
مارا شقی نے بادشہِ مشرقین کو
مسجد میں جلد بھیجو حسنؑ اور حسینؑ کو

۹۵

دوڑیں کہ اُن کا والدِ ماجد ہوا شہید ماتم کریں، امامِ مجاہد ہوا شہید
راہِ خدا میں صابر و حامد ہوا شہید سجدے میں حق کے عابد و زاہد ہوا شہید
بالائے خاک عرشِ بریں آج گر پڑا
بیت الحرم کا رُکنِ رُکیں آج گر پڑا

۹۶

سُنتے ہی یہ سروں کو لگے پیٹنے حرم گھر سے علیؑ کے لاڈلے دوڑے بچشمِ نم
منّھ پیٹ کر وہ کہتے تھے دونوں کہ ہے ستم امّاں تو مر چکی تھیں، ہوئے بے پدر بھی ہم
بابا کے بعد گھر کے نبیؐ کی صفائی ہے
چھوٹے سے سن میں لُوٹے گئے ہم دہائی ہے

۹۷

دونو ہوئے جو داخلِ مسجد بخوف و بیم محراب میں تھا خلق کا اک مجمع عظیم
پہنچے ہٹا کے بھیڑ، پدر تک وہ جب یتیم دیکھا کہ تیغ سے ہے سرِ مرتضیٰ دو نیم
کھائیں پچھاڑیں، رونے لگے ڈھاڑیں مار کے
پھینکے زمیں پہ سر سے عمامے اُتار کے

۹۸

پھر باپ کے قدم سے لپٹ کر وہ نوحہ گر چلّائے ہم نہ مر گئے یا شاہِ بحر و بر!
ہے ہے یہ منّھ کن آنکھوں سے دیکھیں لہو میں تر! کس شخص نے کیا ہمیں بچپن میں بے پدر
حیرت میں ہیں کہ آپ پہ کیوں یہ جفا ہوئی
تقصیر ایسی قبلہ و کعبہ سے کیا ہوئی

۹۹

حضرت تو رحم کرتے تھے دشمن پہ بھی مُدام بے درد تھا وہ کون کہ جس نے کیا یہ کام
بیٹوں سے آنکھیں کھول کے کہنے لگے امام اے لاڈلو نہ روؤ! یہ ہے صبر کا مقام
پائی غم و الم سے رہائی ہزار شکر
تلوار ہم نے سجدے میں کھائی ہزار شکر

۱۰۰

بولے حسنؑ سے پھر یہ شہنشاہِ نیک خُو — تجھ کو بھی میرے بعد ستائینگے کینہ جُو
پیارے شہید ہوئے گا زہرِ ستم سے تو — کاٹیں گے تیغِ ظلم سے شبیرؑ کا گلو
بعدِ فنا بھی چین سے اک دم نہ سوئیں گے
ہم قبر میں تمھاری مصیبت پہ روئیں گے

۱۰۱

یہ کہتے کہتے غش ہوئے پھر شاہِ مشرقین — زخمی پدر کو لے گئے گھر میں حسنؑ حسینؑ
سر ننگے دونوں بیٹیاں دوڑیں بہ شور و شین — حضرت کو زخمی دیکھ کے کرنے لگیں یہ بین
ہے ہے لہو میں حیدرِ صفدر نہائے ہیں
مسجد سے بیٹے باپ کے لاشے کو لائے ہیں

۱۰۲

مارا گیا امامِ زماں ، وا مصیبتا ! — آئی ریاضِ دیں پہ خزاں، وامصیبتا
زخمی پڑا ہے شیرِ ژیاں ، وامصیبتا ! — رُخ پر، جبیں سے خوں ہے رُواں، وامصیبتا
پڑھنے نہ دی نماز بھی طاعت گذار کو
ہے ہے شقی نے قتل کیا روزہ دار کو

۱۰۳

جرّاح کو بُلا کے دکھایا جو زخمِ سر — بولا وہ دونوں ہاتھوں سے سر اپنا پیٹ کر
سینے تلک تو پھیل گیا زہر کا اثر — دشوار ہے کہ اب کوئی مرہم ہو کارگر
نیلا ہے سارا عضوِ بدن زخم بھر چکا
اب کیا علاج، زہر تو کام اپنا کر چکا

۱۰۴

ہاں عاشقانِ حیدرِ صفدر بُکا کرو — آقا کا اپنے حقِّ رفاقت ادا کرو
رونے میں تم شراکتِ خیر الورا کرو — جی بھر کے آج ماتمِ شیرِ خدا کرو
رخصت ہے روزہ دار سے ماہِ صیام کی
یہ آخری ہے مجلسِ ماتم امام کی

۱۰۵

بستم[۲] تلک تو غش میں رہے شاہِ کائنات　　نکلی نہ غیرِ شکرِ خدا منھ سے کوئی بات
آ پہنچی اس مہینے کی اکیسویں[۲۱] جو رات　　تیغِ اجل نے قطع کیا رشتۂ حیات
پھیلا کے پاؤں اور کلمہ پڑھ کے شان سے
پچھلے پہر کو آپ سدھارے جہان سے

۱۰۶

ٹکڑے جگر کے ہو گئے بس اے انیس بس　　نالاں ہے اپنے سینے میں دل صورتِ جرس
دنیا کو خوب دیکھ چکے اب نہیں ہوس　　خالق چھڑائے ہند کی ظلمت سے اس برس
سلطانِ اوصیا، عزا پروری کرے
چلتے ہیں، خضرِ بخت اگر رہبری کرے

زیرِ نظر نسخہ

ہر چند اس مرثیہ کا کوئی اور نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہو سکا، اور نہ اس کا کوئی سراغ ہی ملا؛ مگر ذخیرۂ مسعودی کی جلد ششم [مخطوطہ نمبر ۵۷۸] میں یہ مرثیہ مکمل بہت بے عیب، خطِ شکستہ ہیں، ایک بند دوسرے بند سے نمودار، از ابتدا تا انتہا ایک ہی خط میں لکھا ہوا ملا۔ اس کا سنۂ تحریر ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) درج ہے۔ اور ترقیمہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ میر نواب کے لیے لکھا گیا۔ اور چوں کہ میر مونس کا بھی یہی نام تھا اور میر انیس اکثر ان کو میر نواب کہہ کر پکارتے تھے، یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نسخہ اُن کی فرمایش پر تیار کیا گیا ہو۔

اس مرثیہ کی زبان، سادگیِ بیان اور تاثیر و تاثر اچھوتا ہے۔ میر انیس نے جو مرثیے بہت ہی شروع میں کہے ہیں، یہ ان میں سے ایک ہو سکتا ہے۔ اور چوں کہ شروع سے آخر تک بینیہ ہے اس لیے اور بھی قابلِ لحاظ ہے۔ بعد میں میر صاحب کے یہاں بین اس طرح نہیں ملتا۔ یا یوں سمجھیے کہ ان کا بین لکھنے کا انداز بعد میں بدل گیا۔

مرثیہ کی زبان پر دلّی کا اثر نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ : "آخر اتنوں میں کسُو کے بھی تو بچّے ہوں گے" (بند ۴)

یا

"تیرے بابا کے تئیں ذبح کریں گے دشمن" (بند ۳۹)

واقعات

روضۃ الاحباب میں ہے کہ ......
ناگہاں خیمے میں صدائے العطش،
العطش بلند ہوئی، حضرت عباس
اہل بیتِ رسالت کی فریاد و زاری سُن
کر بیتاب ہو گئے اور مشک لے کر فرات
کی جانب روانہ ہو گئے۔

[تاریخ احمدی
تصنیف شیخ احمد حسین
صفحہ ۳۰۱]

۱

جب سکینہؑ پہ بہت پیاس نے طغیانی کی — چشمۂ چشم سے اشکوں نے فراوانی کی
رو رو کہتی تھی کہ اک بوند نہ دی پانی کی — خوب اعدا نے مرے باپ کی مہمانی کی!
کیا غضب ہے کہ پیے لشکرِ اعدا پانی
دو دو دن پائے نہ احمدؐ کا نواسا پانی

۲

کیا غضب ہے کہ لعیں ندی سے ہوئیں سیراب — پسرِ ساقیِ کوثر کو میسّر نہ ہو آب
پیاس کے مارے کئی دن سے ہیں بچّے بیتاب — پانی پیاسوں کو نہ دینا یہ سمجھتے ہیں ثواب
کچھ عجب طرز ہے ان لوگوں کی مہمانی کا
کربلا میں ہمیں محتاج کیا پانی کا

۳

رسم دنیا میں ہے مہماں جسے بلواتے ہیں — خاطریں کرتے ہیں کھانا اُسے کھِلواتے ہیں
سرد پانی، وہ پیاسا ہو، تو پلواتے ہیں — کیسا کھانا، یہ ہمیں پانی سے ترساتے ہیں
اُن کے لشکر میں ہر ایک شخص ہے پیتا پانی
ہم نے چوبیس پہر سے نہیں دیکھا پانی

۴

آخر اتنوں میں کسُو کے بھی تو بچّے ہوں گے — پانی وہ مانگتے ہوں گے، تو نہ دیتے ہوں گے؟
علی اصغرؑ کی طرح سے وہ پیاسے ہوں گے — یا مری طرح سے لب تشنہ وہ لڑکے ہوں گے
رحم بچّوں پہ بھی کھاتے جو یہ جلّاد نہیں
کیا مگر ان میں کوئی صاحبِ اولاد نہیں

۵

پیاس سے روتے ہیں ہم، اور لعیں ہیں خورسند — لاوَلَد سب ہیں کسی کے نہیں شاید فرزند
ہوتا گر ان کے کلیجہ کا بھی کوئی پیوند — تو انھیں گریۂ و زاری مری آتی نہ پسند

بلکہ بن مانگے یہاں آپ وہ لاتے پانی
اپنے بچوں کی طرح ہم کو پلاتے پانی

۶

میرے بابا کو تو پانی نہیں دیتے اعدا — آپ فرزندِ علیؑ ہے کئی دن سے پیاسا
شہِ مظلوم کو گر پانی کہیں سے ملتا — آپ پیتے نہ، مجھے لا کے پلاتے بابا

میرا کیا ذکر ہے، مجھ سے تو محبت ہے انھیں
صدقے ہیں غیروں کے بچوں سے بھی الفت ہے انھیں

۷

شہِ والا تو ہیں واللہ سخی ابنِ سخی — پانی ملتا تو مجھے پیاسا نہ رکھتے وہ کبھی
جانتے سب ہیں یہ ادنیٰ ہے سخاوت ان کی — جب یہاں پہنچے تو تھیں چھاگلیں پانی سے بھری

پیاس سے لشکرِ حُر جس گھڑی بیتاب ہوا
واہ رے رحم! کہ حضرت کا جگر آب ہوا

۸

دھیان کچھ پیاس کا اپنی نہ رہا سَرْوَر کو — پانی جو ساتھ تھا پلوا دیا سب لشکر کو
غش پہ غش پیاس سے آتے ہیں علی اصغر کو — اب یہ پانی نہیں دیتے خلفِ حیدرؑ کو

وہ مروّت شہِ دیں کی، یہ مروّت اِن کی
وہ سخاوت مرے بابا کی، یہ ہمت اِن کی

۹

میرے بابا نے کیا لشکرِ حُر کو سیراب — یہ تو بچوں کو بھی دیتے نہیں اک قطرۂ آب
پیاس کی گرمی سے دل ہو گیا سینہ میں کباب — کوئی للہ کرے پانی کی تدبیر شتاب

جان بچنے کی نہیں، جی سے گذر جاؤں گی
اب اگر پانی نہ پاؤں گی تو مر جاؤں گی

۱۰

تشنگی آگ جگر میں مرے بھڑکاتی ہے
پانی بن ہائے زباں خشک ہوئی جاتی ہے
کوئی صورت نہیں جینے کی نظر آتی ہے
پیاس اب نزع کے صدمے مجھے دکھلاتی ہے
میرے عمّو کو مرے حال سے آگاہ کرو!
فکر پانی کا کہیں سے مرے للّٰلہ کرو!

۱۱

کہہ کے یہ صحن میں خیمہ کے وہ اک بار گری
خاک پر ماہیِ بے آب کی صورت تڑپی
دوڑی یہ کہتی ہوئی زوجۂ عباسِ علیؑ
پانی بن ہائے مری لاڈلی کی جان گئی
زینبؑ اک سمت سے کرتی ہوئی فریاد آئی
اک طرف روتی ہوئی بانوئے ناشاد آئی

۱۲

زوجۂ عباسؑ کی گھبرا کے چلی ڈیوڑھی پر
پہونچی در پر تو یہ شوہر کو پکاری رو کر
جلد یا حضرتِ عباسؑ علیؑ آؤ اِدھر!
پانی بن مرتی ہے بچی تمھیں کچھ بھی ہے خبر
سرد ہے جسم، زباں خشک ہے، غش طاری ہے
اے علمدار! یہی وقتِ مددگاری ہے

۱۳

یہ صدا سُن کے حسینؑ ابنِ علیؑ گھبرائے
دیکھ خیمہ کی طرف بھائی سے یوں کہنے لگے
بھائی بھابی نے پکارا ہے ابھی ڈیوڑھی سے
کیا کوئی مر گیا دیکھو تو ہیں سب کیوں روتے
ہے یقیں مجھ کو سکینہؑ کو غش آیا ہوگا
پانی لانے کے لیے تم کو بلایا ہوگا

۱۴

پانی بن جان سکینہؑ کی گئی ہائے ستم!
مرتی ہے عاشقِ فرزندِ علیؑ ہائے ستم!
کہاں یہ عمر، کہاں تشنہ لبی ہائے ستم!
بوند اعدا نے نہ اک پانی کی دی ہائے ستم!
پیاس سے آنکھوں میں ہر ایک کا دم دیکھتے ہیں
بچے بن پانی موئے جاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں

۱۵

سن کے یہ روتے ہوئے حضرتِ عباسؑ چلے　　دیکھا ڈیوڑھی پہ جو زوجہ کو تو یوں کہنے لگے
خیر ہے کس لیے گھبرا کے بلایا ہے مجھے　　بولی وہ کیا کہوں، کچھ پوچھو نہ اس دم مجھ سے

دخترِ شاہِ مدینہؑ کو غش آیا صاحب!
جلد ہی چلیے کہ سکینہؑ کو غش آیا صاحب!

۱۶

سُن کے یہ خیمہ میں گھبرا کے عَلَمدار آیا　　خاک پر پیاسی سکینہؑ کو تڑپتا پایا
گود میں لے کے بھتیجی کو یہ رو رو کے کہا　　آنکھ تو کھولو تری پیاس کے قربان چچا!

دیکھ لایا ہوں ترے واسطے ٹھنڈا پانی
کھول دے آنکھ مری جان! میں لایا پانی

۱۷

بولی زانو پہ چچا جان بٹھاؤ مجھ کو　　لا کے رکّھا ہے کہاں پانی دکھاؤ مجھ کو
رو چکی ہوں میں بہت اب نہ رُلاؤ مجھ کو　　مرتی ہوں پیاس سے اب پانی پلاؤ مجھ کو

اے چچا سینہ میں دل میرا جلا جاتا ہے
پانی دینا ہے تو دو، پھر مجھے غش آتا ہے

۱۸

ایک قطرہ بھی نہ پانی کا اگر پاؤں گی　　آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے مر جاؤں گی
اب غش آیا تو نہ پھر ہوش میں میں آؤں گی　　خلد میں تشنہ لبی دادی کو دکھلاؤں گی

آسرا اب تو، چچا جان تمھارا ہے مجھے
فکر کیجے مری کچھ، پیاس نے مارا ہے مجھے

۱۹

سُنی اس غازی نے جس وقت بھتیجی سے یہ بات　　دل یہ بھر آیا کہ رونے لگا وہ نیک صفات
اور کہا سامنے لہراتا ہے دریائے فرات　　پانی اتنا نہیں ملتا کہ پیے یہ ہیہات

خون معصوموں کا گردن پہ لعیں لیتے ہیں
آپ پیتے ہیں، انھیں پانی نہیں دیتے ہیں

۲۰

اتنے میں ابنِ امامِ حسنؑ عالی جاہ — چھوٹا قاسمؑ سے تھا، کہتے تھے اسے عبداللہ
مشک اک سوکھی لیے کاندھے پہ باحالِ تباہ — زلفیں بکھری ہوئی رخساروں پہ جوں مُشکِ سیاہ
چہرہ کمھلایا ہوا پیاس سے پانی بِن تھا
دُر تھا اک کان میں دس گیارہ برس کا سِن تھا

۲۱

پاس عباسؑ کے روتا ہوا دوڑا آیا — اور علمدار کے شانے سے لپٹ کر بولا
فکر کیجے مری اب پیاس سے مرتا ہوں چچا! — صدقہ شبیرؑ کا لادو مجھے پانی تھوڑا
جس طرح ہو سکے اس نہر سے لاؤ پانی
واسطہ پیاسی سکینہؑ کا پلاؤ پانی

۲۲

میرے بابا نہیں جیتے، جو پلاویں پانی — بھائی قاسمؑ نہیں جیتے، جو منگاویں پانی
میرے عمّو نہیں ممکن ہے جو پاویں پانی — لائیں دریا سے تو ہاں آپ ہی لاویں پانی
پانی لانے میں چچا جان نہ تاخیر کرو!
بے پدر ہوں مری کچھ بچنے کی تدبیر کرو!!

۲۳

جب کہ عباسؑ نے اُس بچے کا یہ حال سنا — بس علمدارِ حسین ابنِ علیؑ کانپ گیا
چوم کر ماتھے کو بولا ترے قربان چچا — تو نہ رو، پانی ترے واسطے میں لاؤں گا
میں تو موجود ہوں گو سیّدِ مسموم نہیں
حال کیا پیاس کا مجکو تری معلوم نہیں؟

۲۴

کہہ کے بس اتنا سوئے نہر چلا تشنہ دہن — فرطِ گریہ سے نہ کچھ منھ سے نکلتا تھا سخن
تب سکینہؑ نے علمدار کا پکڑا دامن — اور کہا رات کو فرماتے تھے یہ شاہِ زمن
جب تلک سر کو مرے کاٹ نہیں لینے کے
تب تلک اہلِ ستم پانی نہیں دینے کے

۲۵

میں تمہیں جانے نہیں دینے کی سُوئے میداں — لڑیں گے آپ سے واللہ وہ سب بے ایماں
پانی کے واسطے مفت آپ کی جاوے گی جاں — آپ کی جان پہ سو جان سے سکینہؑ قرباں
پیاس کے مارے بلا سے، جو میں مر جاؤں گی!
آپ اگر جیتے نہ ہوں گے تو کدھر جاؤں گی؟

۲۶

بولے عباسؑ کہ پھر پانی ملے گا کیوں کر — تم تو جانے نہیں دیتی ہو ہمیں دریا پر
تا کجا تشنہ لبی، پیاس سے تم جاؤ گی مر — رو کے عباسؑ سے کہنے لگی وہ خستہ جگر
چاہ اک کھودیے گھر میں کہ پئیں ہم پانی
لب تو تر ہوں گے، زیادہ ملے یا کم پانی

۲۷

تب عَلَمدارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کہنے لگا — جان تک گر مری کام آوے تو تجھ پر ہے فدا
مجھ کو منظور ہے، واللہ جو کچھ تیری رضا! — تیری خدمت سے نہ انکار کروں گا اَصلا
چاہ بھی کھودے گا، اور جان بھی دیگا عباسؑ
جو مری جان! کہو گی سو کرے گا عباسؑ

۲۸

سُن کے یہ خیمہ کی جانب کو سکینہؑ دوڑی — بیلچا رکھا تھا، خیمہ میں اسے لے آئی
اس کو لے کر پسِ خیمہ گئے عباسِ علیؑ — پیچھے عباسؑ کے تھے تشنہ دہن لڑکے کئی
کیا کچھ عذر نہ زنہار کنواں کھودنے میں
ہوا مشغول عَلَمدار کُواں کھودنے میں

۲۹

چاہ کے گرد تھے بیٹھے ہوئے پیاسے بچّے — ہاتھ میں کوئی لیے کوزہ کوئی جام لیے
پانی نکلا کہ نہیں، دیکھتے تھے جھک جھک کے — کہتے تھے، دیکھیں! کسے ملتا ہے پانی پہلے
کوئی کہتا تھا کہ میں تو ہوں سحر سے پیاسا!
کوئی کہتا، میں ہوں جو بیس پہر سے پیاسا!!

۳۰

تھی کھڑی، جام لیے ایک طرف دخترِ شاہ منتظر پانی کا تھا، ایک طرف عبداللہ
باقرؑ اک سمت کھڑا روتا تھا با نالہ و آہ ایک جانب تھی رُقیہ کھڑی با حالِ تباہ
برسرِ چاہ کھڑے منتظرِ آب تھے سب
دھوپ کی گرمی تھی، اور پیاس سے بیتاب تھے سب

۳۱

کچھ تری پانی کی ان کو نظر آئی جس دم بچے آپس میں سبھی ہو گئے شاد و خرم
ناگہاں، سنگ سرِ آب گرا اتھا محکم بیلچا ٹوٹ گیا، اوس پہ جو بیٹھا اوس دم
مضطرب حضرتِ عباسِ علیؑ ہونے لگے
سر اوٹھا دیکھ کے بچوں کی طرف رونے لگے

۳۲

کہا عباس نے پھر سوے فلک کر کے نگاہ کیا تری مصلحت، اس باب میں ہے یا اللہ!
جام خالی لیے سب روتے ہیں با حالِ تباہ ایسا کیوں، پانی نے پیاسوں سے کنارا کیا آہ!
یوں ہیں کیا پانی کو ترسا کرے اولادِ حسینؑ
آج کیا ہے کہ پذیرا نہیں فریادِ حسینؑ

۳۳

پھر بصد جہد کنویں میں سے وہ غازی روتا جام میں آب گِلِ آلودہ کو لے کر نکلا
ہاتھ میں پیاسی سکینہؑ کے ہی وہ جام دیا اور کہا پی لو کہ تر ہووے ذرا خشک گلا
جان دینے کو ترے واسطے تیار ہوں میں
پر سکینہؑ تری تقدیر سے لاچار ہوں میں

۳۴

تب سکینہؑ نے علمدار سے رو رو کے کہا تم بھی تو پیاسے کئی دن سے ہو عباسؑ چچا
صدقے ہو جائے سکینہ، پیو پانی تھوڑا بولے! عباسِ علیؑ ہیں تو نہیں پینے کا
گزرے چوبیس پہر، ہیں شہِ والا پیاسے
کس طرح پانی پیوں ہیں مرے آقا پیاسے

٣٥

باپ کا حال سکینہؑ نے سُنا یہ جس دم — بولی سچ ہے کہ پیاسے ہیں بہت شاہِ اُمم
جا کے بابا کو پلا آتے ہیں، پھر پانی ہم — ہونٹوں پر پھیرتے ہیں خشک زباں وہ پے ہم
شہِ والا کو پلا لیں تو پییں ہم پانی
اپنے بابا کو پلا لیں تو پییں ہم پانی

٣٦

کہہ کے یہ روتی ہوئی باپ کے وہ پاس گئی — رکھ دیا جام کو، اور شہ کے گلے سے لپٹی
کہتی تھی آپ پہ قربان ہو، یہ جان میری — پیار سے باپ کا منہ دیکھ کے پھر کہنے لگی
ٹھنڈی سانسیں نہ بھرو، پیاس کے مارے بابا!
پیو اس پانی کو قربان تمھارے بابا!

٣٧

تب سکینہؑ سے یہ کہنے لگے سرورؑ رو رو — میں تو، واللہ نہیں پینے کا اس پانی کو
بابا قربان ہو، بیٹیا تمھیں یہ پانی پیو — میں تو پیاسا نہیں، تم مجھ سے بہت پیاسی ہو
کیوں مرے پانی پلانے کی تو تدبیر میں ہے
اے سکینہ نہیں پانی مری تقدیر میں ہے

٣٨

پانی کس طرح ترا باپ پیے اے پیاری! — خون ہوتا ہے مرے خشک گلے سے جاری
پانی مجھ کو یہ دمِ ذبح نہ دیں گے ناری! — لبِ کوثر پہ یہاں جانے کی ہے تیاری
میرِ کوثر کو دکھانی ہے مجھے پیاس اپنی
آبِ خنجر سے بجھانی ہے مجھے پیاس اپنی

٣٩

تیرے بابا کے تئیں ذبح کریں گے دشمن — خلد میں جاؤں گا اے لاڈلی میں تشنہ دہن
نیزہ پر ہوگا یہ سر، خاک پہ تڑپے گا بدن — بعد مرنے کے بھی ہوویں گے بڑے رنج و محن
کس طرح پانی سے یہ خشک گلا تر ہوگا
ہم کو تو غسل و کفن بھی نہ میسر ہوگا

۴۰

بابا کی جب کہ سکینہؑ نے وصیّت یہ سنی ننّھے ہاتھوں سے وہ سر پیٹ کے اپنا روئی
کہتی تھی تن سے نکل جائے کہیں جان مری شہِ مظلوم سے رو رو کے وہ یوں کہنے لگی

بابا! کچھ آرزو مجھ کو بھی نہیں جینے کی
تم نہیں پینے کے تو میں بھی نہیں پینے کی

۴۱

چھوٹے بھائی کے لیے جاتی ہوں پانی لے کر پیاس سے جھولے میں دم توڑ رہا ہے اصغرؑ
جا کے میں کرتی ہوں اس پانی سے لبِ اُس کے تر دودھ بھی خشک ہے ماں کا کہیں وہ جائے نہ مر

چھوٹا بھائی مرا، آنکھوں کا مرے تارا ہے
جان پیاری نہیں اپنی، وہ مجھے پیارا ہے

۴۲

کہہ کے وہ جھولے کی جانب چلی ہو کر بیتاب الجھیں تب پاؤں میں اس بچّی کے خیمہ کی طناب
پاؤں سنبھلا نہ زمیں پر، گری وہ سینہ کباب جام بھی ٹوٹ گیا، بہہ گیا سب خاک پہ آب

رو رو چلائی کہ ہے ہے کروں اب کیا بابا!
آپ نے پیاسوں کی تقدیر کو دیکھا بابا!

۴۳

ہو گئی ہائے چچا کی مرے محنت برباد شاد کر کے کیا تقدیر نے مجکو ناشاد
کوئی سنتا نہیں، اب کس سے کروں میں فریاد پانی دریا کا تو دیتے بھی نہیں وہ جلّاد

سخت مشکل ہے کہ بِن پانی تو رہ سکتی نہیں
اب چچا جان سے بھی پانی کو کہہ سکتی نہیں

۴۴

سُن کے یہ بَین، علمدار گیا اُس کے پاس لے کے گودی میں، سکینہؑ کو کہا با صد یاس
گر پڑا پانی، بلا سے، نہ کرو تم وسواس! پانی بھر لائے گا، جیتا ہے ابھی تو عبّاسؑ

لے کے پھر مشک سوے نہر علمدار چلا
شاہ رو رو کے پکارے مرا غمخوار چلا!

۴۵

پیٹ سر کہنے لگی بانوے مضطر ہے ہے! ہائے عباسِ علیؑ، ثانیِ جعفرؑ ہے ہے!
بولی زینب مرے غم خوار برادر ہے ہے! تم چلے مرنے کو تنہا رہے سرور ہے ہے!!
زوجہ عباسؑ کی بولی کہ علمدار چلے!
میرے مالک، مرے صاحب، مرے غمخوار چلے!!

۴۶

کہہ کے یہ دوڑ کے عباسؑ کا پکڑا داماں سر جھکا پاؤں پہ، بولی میں تمہارے قرباں
میری تنہائی کا صاحب نہیں کچھ آپ کو دھیان مرنے جاتے ہو تو پہلے مجھے کرلو بے جاں
تم چلے مرنے کو، کیا لطف رہا جینے کا!
رانڈ ہو کر نہیں دنیا میں مزا جینے کا!!

۴۷

تم سوا، اور کہو مالک و مختار ہے کون؟ تم اگر مارے گئے تو مرا غمخوار ہے کون؟
ماں نہیں، باپ نہیں میرا مددگار ہے کون؟ اور ہمدم مرا اے شہ کے علمدار ہے کون؟
خیر! تم مجھ سے تو منھ موڑے چلے جاتے ہو!
اپنے فرزندوں کو کیوں چھوڑے چلے جاتے ہو؟

۴۸

سُن کے زوجہ سے یہ کہنے لگے عباسِ علیؑ ہوش رکھ اپنے بجا اے مری بیکس بی بی!
صبر کر، صبر، کہ بے صبر نہ ہو تو اتنی جانتی ہو کہ مصیبت میں ہے فرزندِ علیؑ
روکتی کیوں ہو مجھے راہِ سعادت سے تم
بس ڈرو نالۂ خاتونِ قیامت سے تم

۴۹

جاں نثاروں میں، مَیں اُس شاہ کے ہوں کہلاتا مارے غیرت کے لہو جوش ہے تن میں کھاتا
مجھ پہ گر وہ شہِ بیکس نہ کرم فرماتا کس طرح اُس کی علمداری کا رتبہ پاتا
بھائی کے قدموں پہ گر جان نہ دوں گا صاحب!
تو نبیؐ سے بھی میں شرمندہ رہوں گا صاحب!

۵۰

آخر اک روز اسی دہر میں مر جانا ہے   پاس عزّت کا رہے جس کو، وہی دانا ہے
مُنھ مجھے حیدرِ صفدرؑ کو بھی دکھلانا ہے   پیشتر شہ سے گلا یہ مجھے کٹوانا ہے
تم کو لازم نہیں فریاد و بُکا صبر کرو
رہو ہر حال میں راضی بہ رضا صبر کرو

۵۱

اپنا وسواس ہے ناحق تمھیں اے نیک تمیز   مجھ سے بھی حضرتِ زینبؑ تمھیں رکھتی ہیں عزیز
میں تو ہوں شہ کا غلام اور تم ہو ان کی کنیز   اُس کے کام آئے تو جاں تک نہ سمجھنا کچھ چیز
تم تو ہو زینبؑ ناشاد کی خدمت کے لیے
اور مرا بیٹا ہے سجاد کی خدمت کے لیے

۵۲

اپنی عزّت کا بھی صاحب تمھیں مطلق نہیں دھیان   دیکھو زینبؑ کے پسر دو ہوئے خوں میں غلطاں
رانڈ کبرا ہوئی، مارا گیا قاسمؑ سا جوان   کیا شبیرؑ پہ تم نے بھی کسی کو قرباں؟
گر مجھے روکو گی اِس دم تو قیامت ہو گی
تم کو خاتونِ قیامت سے ندامت ہو گی

۵۳

طعنہ دیں گی تمھیں یہ بیبیاں ساری مل کر   ہم نے قربان کیا وارثوں کو سرورؑ پر
تھی مگر زوجۂ عباسِ علیؑ سخت جگر   اُس نے صدقے نہ کیا شاہ پہ اپنا شوہر
کبھی توقیر نہ تم پاؤ گی ہم چشموں میں
مجکو روکو گی تو شرماؤ گی ہم چشموں میں

۵۴

ماورا اِس کے ہر اک شخص پہ ہے یہ اظہار   شاہ بیٹوں کی طرح کرتے ہیں عباسؑ کو پیار
اور عباس بھی شبیرؑ کا ہے عاشقِ زار   جب سُنیں گے نہ علمدار ہوا شہ پہ نثار
کہیں گے جان کو افسوس ہے وہ کھو نہ سکا
بھائی مارا گیا عباس سے کچھ ہو نہ سکا

۵۵

دم بخود رہ گئی یہ سنتے ہی وہ نیک نہاد
اور عَلمدار سوئے نہر چلا خرّم و شاد
بس انیسؔ، آگے ہو خاموش، بیاں کر نہ زیاد
جانتے قتلِ عَلمدار کی ہیں سب رُوداد
تجھ کو اس نظم کا عباسؑ صلا دیویں گے
زیرِ دامانِ عَلم حشر میں جا دیویں گے

اس نسخے کے بارے میں

اس مرثیے کا ایک قلمی نسخہ ذخیرۂ مسعودی کی پانچویں جلد [مخطوطہ نمبر ۷۷، ۵] میں ہے۔ یہ بہت ہی سلیجھے ہوئے خطِ شکست میں باریک اور گنجان لکھا ہوا ہے، تعداد بند حسب شمار ۵۱ ہے؛ مقطع اسی میں شامل ہے۔ اور ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ابن مسعود محمد کا لکھا ہوا ہے۔

اسی مرثیے کا ایک مختصر (۴۳ بندوں کا) ذوالقدر صاحب مرحوم کے مجموعۂ مراثی کی فہرست میں نظر آیا لیکن باوجود کوشش اس مجموعہ تک رسائی حاصل نہ ہوسکی جس کی وجہ سے تقابلی مطالعہ نہ ہوسکا۔

زبان و بیان کی خصوصیات کی بنا پر اس مرثیے کو میر انیس کی ابتدائی مشق کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا، اس لیے کہ بیانِ سراپا کے ساتھ اس مرثیے میں وہ اجزاے ترکیبی بھی شامل ہیں جن کا التزام انیس کے ابتدائی کلام میں نہیں ملتا۔

مرثیے کے اختتام پر جو نثر ملتی ہے اس کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مرثیہ اس زمانے کی تصنیف ہے جب تینوں بھائی حیات تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ میر انیس کی رباعی جس کا ایک مصرع ہے:

رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ نسخۂ ہذا اور تتمہ کی یہ عبارت دونوں ہی شاید میر انیس کے آخری لمحاتِ زندگی کی تحریریں ہیں۔

واقعات

"تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ جب عاشورائے محرم روز شنبہ یا جمعہ کو عمر بن سعد نمازِ صبح کے بعد مع اپنے لشکر کے سوار اور امام حسینؑ بھی اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کر کے آمادۂ جنگ ہوئے۔۔۔۔ بعد ازاں امام حسینؑ مرکب پر سوار ہوئے اور قرآن مجید منگا کر اپنے آگے رکھ لیا۔"

مورخ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتا ہے کہ لشکرِ مخالف قریب آگیا تو امام حسینؑ سوار ہو کر صفِ اعدا کے مقابل آئے اور انھوں نے بآوازِ بلند بطور خطبہ ارشاد فرمایا:

"ثُمَّ نَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِہٖ، یسمعہ کُلَّ النَّاسِ، فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِیْ۔۔۔۔

ایہا الناس میری بات سنو اور میرے قتل میں جلدی نہ کرو تا وقتیکہ جو حقِ نصیحت مجھ پر واجب ہے اس کو ادا نہ کر دوں۔ اگر تم نے میرا عذر قبول کیا اور میرے قول کی تصدیق کر کے دادِ انصاف دی تو سعادت اندوز ہو گے۔۔۔ [ورنہ بقول خدائے بزرگ] اپنے شرکا کو جمع کر کے اپنے کام کو انجام دو تاکہ تم پر تمھارے کام کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے۔ بعد ازاں جو برتاؤ میرے ساتھ کرنا ہو کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا ولی وہی خدا ہے جس نے قرآن نازل فرمایا اور جو صالحین کو دوست رکھتا ہے۔"

ہنوز امام حسینؑ نے اسی قدر ارشاد کیا تھا کہ خیمۂ اقدس میں کہرام مچ گیا، اور امام حسینؑ کے اس کلام کو سُن کر ان کی بہنوں نے ایسا نوحۂ جگر خراش کیا کہ امام حسینؑ نے بیتاب ہو کر عباسؑ علمدار اور حضرت علی اکبرؑ سے فرمایا کہ خیمے میں جا کر عورتوں کو سمجھاؤ اور رونے سے منع کرو۔

نیز تاریخ موصوف اور تاریخ ابن جریر طبری میں وارد ہے کہ وہ مخدرات خاموش ہوئیں تو بارِ دگر امام حسین نے تقریر شروع کی کہ "اے گروہِ مخالف، تم لوگ میرے نسب کا لحاظ کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں، پھر دل میں غور کر کے اپنے نفوس کو ملامت کرو اور سوچو کہ کیا مجھے قتل کرنا اور میری ہتکِ حرمت تمھارے لیے حلال ہے؟ کیا میں

تمہارے نبی کی دختر کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کے وصی اور برادر کا پسر نہیں ہوں جو سب سے پہلے نبی پر ایمان لایا اور جس نے سب سے پہلے دعوتِ رسالت اور احکامِ خداوندی کی تصدیق کی؟ کیا حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ اور کیا میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول اللہ نے ارشاد نہیں فرمایا کہ: یہ دونوں اہلِ جنت کے سردار ہیں؟ سنو! اگر تم میری حق بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ دیکھو! جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن سعد، زید بن ارقم، انس بن مالک موجود ہیں، اُن سے پوچھو ضرور بیان کریں گے کہ انھوں نے اس حدیث کو میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول مقبول کی زبان سے سنا۔"

تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ جب امام حسین نے گروہِ اعدا کی انتہائی شقاوت و قساوت دیکھی تو قرآن کی یہ آیت پڑھی:

اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ۔

یعنی خدا کی پناہ ہر ایسے متکبر سے جو روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔"

کتاب روضۃ الشہداء میں ہے کہ پھر امام حسینؑ نے قبائے خزِ مصری زیب بدن فرمائی، جنابِ رسولِ خدا کا عمامہ سر پر باندھا، سید الشہداء حمزہ کی سپر پشت پر لگائی، پدر بزرگوار کی شمشیر ذوالفقار حمائل کی اور اسپ ذوالجناح پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ اس وقت امام حسینؑ یہ اشعار بطور رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْخَیْرِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ	کَفَانِیْ بِهٰذَا مَفْخَرٌ حِیْنَ اَفْخَرُ
میں فرزند ہوں علی کا جو بنی ہاشم میں بہتر تھے	میرے فخر کو یہی کافی ہے
وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَکْرَمُ مَنْ مَشٰی	وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ یَزْهَرُ
کہ میرے جدِ امجد خدا کے رسول اور افضل ترین مخلوق تھے	ہم زمین پر خدا کے چراغ روشن ہیں
وَفَاطِمَةُ اُمِّیْ سُلَالَةُ اَحْمَدٍ	وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذُوالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ
میری ماں فاطمہ بنت محمد	اور میرے چچا جعفر جنھیں ذوالجناحین کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں
وَفِیْنَا کِتَابُ اللّٰهِ اُنْزِلَ صَادِقًا	وَفِیْنَا الْهُدٰی وَالْوَحْیُ وَالْخَیْرُ یُذْکَرُ
ہم اہل بیت رسالت میں خدا کی برحق کتاب نازل ہوئی	اور وحی الٰہی و ہدایت و امر خیر کا ذکر کیا جاتا ہے

روضۃ الاحباب میں ہے کہ پھر عمر سعد نے اپنے سپاہیوں کو آواز دی کہ حسینؑ کی باتوں میں نہ پڑو اور

چاروں طرف سے ان کو گھیر کر تیر برساؤ پس تقریباً پندرہ ہزار آدمیوں نے تیر باری شروع کی .....‘‘

’’مقتل ابی مخنف میں ہے کہ پھر امام حسین نے اتمامِ حجت کے لیے استغاثہ فرمایا: واما من مغیث یغیثنا‘‘ کیا کوئی ایسا ہے جو میری فریاد کو پہنچے!‘‘

’’روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس کے بعد امام حسین نے حضرت زین العابدین کو لپٹا کر پیار کیا اور کہا اے فرزند، جب مدینے واپس جانا تو میرے دوستداروں کو میرا سلام پہنچانا .....‘‘

’’تاریخ کامل میں ہے کہ پھر امام حسینؑ نے ایک زیر جامہ کہنہ منگایا اور اس کو جا بجا سے چاک کر کے پہنا، تاکہ ان کی شہادت کے بعد دشمن اس کے لینے کی طمع نہ کریں۔ اتنے میں دشمنوں نے دونوں جانب سے امام حسینؑ کو گھیر لیا۔ امام حسینؑ نے داہنی جانب والوں پر ایسا حملہ کیا کہ اس پوری جماعت کو تتر بتر کر دیا۔ بعد ازاں بائیں طرف والوں پر اسی طرح حملہ آور ہوئے کہ ان سب کو مار کر متفرق کر دیا..... عمر ابن سعد کے لشکر والے امام حسین کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتے تھے، جس طرح بھیڑیے کے حملے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ اس وقت امام حسینؑ خز مصری کی عبا پہنے اور سر پر عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ ان کے بالوں میں وسمے کا خضاب تھا، اور وہ پیادہ پا اس طرح لڑ رہے تھے جس طرح بڑا بہادر سوار لڑتا ہے۔ یہ دیکھ کر شمر نے اپنے لشکر کو ڈانٹا اور کہا: وائے ہو تم پر کہ شخص واحد کے قتل میں اس قدر دیر کرتے ہو! جلد حسینؑ کا کام تمام کرو۔ یہ سن کر سب نے ہر طرف سے حملہ کر دیا .....‘‘

[تاریخ احمدی، صفحات: ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴]

۱

کام آ چکی جب فوج امامِ مدنی کی غُل تھا کہ بڑی غازیوں نے صف شکنی کی
دو دن تلک ایذا رہی تشنہ دہنی کی شہ روتے ہیں، گھر میں ہے صدا سینہ زنی کی
ہے کون جسے مرنے کو بھجوائینگے شبیرؑ
اب حلق کٹانے کو چلے آئینگے شبیرؑ

۲

صد شکر بڑی ہم سے ہوئی آج مہم سَر مارا اونھیں چُن چُن کے جو باقی تھے دلاور
بے یکّہ و تنہا پسرِ حیدرؑ صفدر بیٹا ہے، نہ بھائی ہے، نہ مونس ہے، نہ یاور
اس طرح کسی گھر کی صفائی نہیں ہوتی
یوں جلد کہیں فتح لڑائی نہیں ہوتی

۳

بے کار ہے، لڑنے کی عبث کرتے ہو تدبیر وہ زور کہاں ہے جو لڑیں گے شہؑ دلگیر
بے فرق توانائی میں اور حال ہے تغئیر اب میان سے کھینچی بھی نہیں جائے گی شمشیر
تدبیر یہی ہے کہ اونھیں گھیر کے رَن میں
حیدرؑ کی طرح کر لو گرفتار رَسَن میں

۴

ہاں لُوٹ لو اب چل کے خیامِ شہِ ابرار اک بیٹا ہے باقی سو وہ ہے صاحبِ آزار
اب خوف ہے کیا مر چکے سب شاہ کے انصار غش رہتا ہے پہروں لئے اُٹھنا بھی ہے دشوار
ہے تپ کی یہ شدّت کہ ہلاکت کے قریں ہے
اکبرؑ کے بھی مرنے کی خبر اس کو نہیں ہے

۵

غُل رونے کا ہے خیمۂ سرورؑ میں جو برپا　　شاید سوئے فردوس سدھارا کوئی لڑکا
مظلوم نے پردیس میں پائی بہت ایذا　　کھانا تھا مہیّا نہ ٹھنڈائی تھی مہیّا
بیکس کا پسر بیکس و مظلوم سدھارا
غربت زدہ پانی سے بھی محروم سدھارا

۶

کرتا تھا بیاں ہنس کے یہ کوئی ستم ایجاد　　خیمہ میں یہ حضرت کے نہیں ماتمِ سجادؑ
مارا گیا اصغرؑ ابھی کیا تجھ کو نہیں یاد　　خوں میں اُسے تر دیکھ کے ماں کرتی ہے فریاد
گو سن میں وہ چھوٹا تھا پہ اندوہ بڑا ہے
غم میں اُسی بچّہ کے یہ کہرام پڑا ہے

۷

چلّاتی ہیں بہنیں، مرے بھیّا ترے قربان　　اس ننھی سی گردن پہ لگے تیر کے پیکان
ماں کہتی ہے، ہے ہے مری بستی ہوئی ویران　　اے لعل میں کن آنکھوں سے دیکھوں تجھے بے جان
کیا وجہ جو مُنہ دودھ سے موڑا علی اصغرؑ
ماں صدقے مری گود کو چھوڑا علی اصغرؑ

۸

واں ذکر یہ تھا یاں تھا بپا خیمہ میں محشر　　شبیرؑ کی رخصت تھی حرم پیٹتے تھے سر
تھی سبطِ پیمبرؑ کی جو اک لاڈلی دختر　　لپٹی ہوئی حضرتؑ سے یہ کہتی تھی وہ مضطر
منھ بیٹی سے موڑے ہوئے جاتے ہو کدھر کو
بابا ہمیں چھوڑے ہوئے جاتے ہو کدھر کو

۹

شہ روتے تھے اور ملتے تھے منھ اوس کے بدن سے　　ہر بار اشاروں میں یہ کہتے تھے بہن سے
ہم جاتے ہیں اب پھر کے نہیں آئیں گے رن سے　　بہنا! کہیں دم اِس کا نکل جائے نہ تن سے
اب اٹھتا ہے سایہ مرا اِس بچّی کے سر سے
تقدیر سکینہ کو چھڑاتی ہے پدر سے

۱۰

اِس پیاری سے بہنا، مجھے الفت تھی نہایت　　تم بعد مرے اس پہ بہت کیجیو شفقت
افسوس، یہ سن اور یہ یتیمی کی مصیبت　　جان اس کی یقیں ہے نہ بچے گی کسی صورت
روئے گی تو بہلائیو گودی میں اُٹھا کر
راتوں کو سُلانا اِسے چھاتی سے لگا کر

۱۱

وہ کہتی تھی صدقے ہو بہن، اے شہِ ابرار!　　ہوتا ہے جگر ٹکڑے، نہ یہ کیجیے گفتار
قائم رکھے دنیا میں تجھے ایزدِ غفّار　　ہیں آپ چراغِ لحدِ احمدِ مختار
مر جاؤں گی چھوٹی جو میں حضرت کے قدم سے
بہنا کی تو ہے زیست فقط آپ کے دم سے

۱۲

بھیّا مرے دُکھتے ہوئے دل کو نہ دُکھاؤ　　پردیس میں داغ اپنا بہن کو نہ دِکھاؤ
تم کو نہیں لازم کہ مجھے چھوڑ کے جاؤ　　یہاں کون مرا وارث و والی ہے، بتاؤ
بعد آپ کے محبوسِ بلا ہووے گی زینبؑ
لُٹ جائے گی، محتاجِ رِدا ہووے گی زینبؑ

۱۳

برباد کرو مجھ کو نہ، اے سرورِ ذیشاں　　بیٹی کی سفارش ہے، بہن کا نہیں کچھ دھیاں
حضرت کی سکینہ پہ تصدّق ہے مری جاں　　سونپا کسے ہمشیر کو، میں آپ کے قرباں
ان باتوں سے بیتاب ہوئی جاتی ہے بہنا
تم روتے ہو، صدمے سے موئی جاتی ہے بہنا

۱۴

وہ دن مجھے یاد آتے ہیں، جب جیتی تھی مادر　　اور رونی کبھی دیکھتی تھی تم کو برادر
ہو جاتی تھی تب اُن کی بھی چشم آنسوؤں سے تر　　فرماتی تھی سر آپ کا چھاتی سے لگا کر
بس جانے دو، اب ٹکڑے جگر ہوتا ہے میرا
شبیرؑ ترے رونے سے دل روتا ہے میرا

۱۵

کس شے کی طلبگار ہو زہراؑ کو بتاؤ — قربان ہیں، اب آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
آزردہ ہو کس واسطے مطلب تو سناؤ — صدقے گئی، اے لال! مری گود میں آؤ
موجود ہے کام آئے اگر جان تمہارے
کچھ منھ سے کہو فاطمہؑ قربان تمہارے

۱۶

دل کو مرے ٹکڑے کیے دیتی ہے یہ تقریر — رو کر کہا حضرتؑ نے کہ وہ دن گئے ہمشیر
اور آج تو آفت میں گرفتار ہے شبیرؑ — وہ چاہنے والے ہوئے سب خلد کو رہگیر
کٹ جائے گا سر تیغِ ستم سے کوئی دم کو
اب تم سے بھی تقدیر جدا کرتی ہے ہم کو

۱۷

بانو پہ نظر پڑ گئی شبیرؑ کی ناگاہ — یہ سُن کے لگی پیٹنے سر بنتِ یداللہ
اشک آنکھوں سے جاری ہیں، لبِ خشک پہ ہے آہ — دیکھا کہ سراسیمہ و مضطر ہے وہ ذی جاہ
ہیں بال کھُلے، خاک سے رخسار بھرے ہیں
کُرتے علی اصغرؑ کے کلیجے پہ دھرے ہیں

۱۸

ننھے سے (وہ) تکیے کبھی چھاتی سے لگاتی — گہوارۂ اصغرؑ کو ہے خالی وہ جھلاتی
ہاتھوں سے کبھی پیٹتی ہے سر، کبھی چھاتی — معصوم کی بُو سونگھ کے آنسو ہے بہاتی
چلاتی تھی بن دودھ بہت روتے تھے اصغرؑ
ہے ہے اسی جھولے میں ابھی سوتے تھے اصغرؑ

۱۹

ایک جوش ہوا رونے کا دل غم سے بھر آیا — حضرت کو جو بانوؑ کا یہ عالم نظر آیا
روتا ہوا نزدیک علیؑ کا پسر آیا — سینہ میں اٹھا درد کہ منھ کو جگر آیا
فرمایا عبث اشکوں سے منہ دھوتی ہو صاحب!
اصغرؑ ہے کہاں کس کے لیے روتی ہو صاحب!

۲۰

مر جاؤ گی صاحب! نہ کرو گریہ و زاری کیا زور ہے، جو مصلحتِ ایزدِ باری
پھرنے کی نہیں خلد سے اصغر کی سواری اب ہم بھی چلے مرنے کو رخصت ہی ہماری
کوثر پہ ملے گا وہ گل اندام تمھارا
جو کچھ کہو کہہ دیں اُنھیں پیغام تمھارا

۲۱

گھبرا گئی سُن کر یہ سخن بانوے ذی جاہ دل تھام لیا ہاتھوں سے اور سینہ سے کی آہ
رو کر کہا گر آپ چلے ہیں سوے جنگاہ اس لونڈی کو سونپا کسے، اے ابنِ ید اللہ!
اکبرؑ بھی سفر کر گئے فردوسِ بریں کا
بتلائیے یاں کون ہے مجھ زار و حزیں کا

۲۲

بہنوں کو تو کی آپ نے یا شاہ، وصیت اِس لونڈی کے کچھ حق میں بھی فرماتے ہیں حضرت
شبیر نے اُس دم یہ کہا تھام کے رقت اے بیکس و دلگیر و گرفتارِ مصیبت!
جو ظلم ہوں تم پر وہ اٹھا لیجیو، بانو!
بر بخششِ امت کی دعا کیجیو، بانو!

۲۳

یہ کہہ کے چلا مرنے کو وہ عاشقِ قیوم سب بیبیوں میں گریہ و زاری کی ہوئی دھوم
چلاتی تھی رو رو کے ہر اک بیکس و مغموم ہَے ہَے پسرِ فاطمہ! ہَے ہَے شہِ مظلوم
لب خشک تھے منھ آنسوؤں سے دھوتے تھے شبیر
اِک ایک کو سمجھاتے تھے اور روتے تھے شبیر

۲۴

اتنے میں صداے دُہلِ جنگ جو آئی گھبرا کے چلے گھر سے شہِ کرب و بلائی
چلائی یہ رو کر اسد اللہ کی جائی ہمشیر نے اللہ کو سونپا تمھیں بھائی
تنہائی میں حیدرؑ ہیں نگہبان تمھارے
زہراؑ و پیمبرؐ ہیں نگہبان تمھارے

۲۵

فضّہ گئی اور خیمہ کے پردے کو اُٹھایا کس شان سے باہر پسرِ فاطمہؑ آیا
ڈیوڑھی پہ کوئی مونس و یاور جو نہ پایا اسوار ہوا حیدرؑ کرّار کا جایا
کیا صولت و شوکت تھی شہِ ارض و سما کی
افلاک سے آتی تھی صدا صلِّ علیٰ کی

۲۶

یوں اُڑ گیا گھوڑا کہ نہ معلوم ہوئی گرد پہنچے سرِ میداں شہِ دیں ڈر گئے نامرد
یک بار ہوئی گرمیٔ بازارِ عدو سرد رنگ اُڑ کے کمانداروں کے رُخ ہوگئے بس زرد
رعبِ شہِؑ دیں چھا گیا افواجِ لعیں پر
ہاتھوں سے گرے پڑتے تھے ہتھیار زمیں پر

۲۷

دکھلاتا ہوں اب فاطمہؑ کے لال کی تصویر پیشانیٔ پُر نور میں تھی مہر کی تنویر
آنکھیں ہیں تو نرگس پہ یہ ابرو سرِ شمشیر ہے رشک دہِ سنبلِ تر زلفِ گرہ گیر
سچ ہے کہ شب و روز بھی پروانہ ہے اس کا
مژگانِ بتولِ عذرا شانہ ہے اس کا

۲۸

ہے چہرۂ انور پہ عجب حُسن کا عالم اس جا ہے ستارے سے بھی کم نیّرِ اعظم
عارض پہ پسینہ ہے کہ ہے پھولوں پہ شبنم سوکھے ہوئے لب نرگسِ تر سے نہیں ہیں کم
تعریف ہے دندانِ شہِ جن و بشر کی
یہ دُرج ہیں یاقوت کے سمرن ہے گہر کی

۲۹

اس طرح رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے تلوار میں شیر ہوں اے ظالمو ! ہشیار ، خبردار !
نانا ہے مرا ختمِ رُسُل احمدِ مختار بابا وہ ہے کہتے ہیں جسے حیدرِؑ کرّار
ماں وہ ہے جو رتبہ میں ہے مریمؑ سے زیادہ
کس کا ہے حسب اور نسب ہم سے زیادہ

۳۰

بابا کی شجاعت سے تو سب خلق ہے آگاہ　　دہشت سے جہاں شیر بھی ہو جاتے تھے روباہ
ہاتھوں میں ہمارے بھی ہے زورِ اسداللہ　　گر کوہ پہ کی ضرب تو کاٹا صفتِ کاہ
جس تیغ سے دو ٹکڑے پرِ روحِ امیں ہے
دیکھو تو یہ شمشیر وہی ہے کہ نہیں ہے

۳۱

پھر رو رو کے ملعون سے کہنے لگے حضرتؑ　　منظور ہے گو آج تمہیں میری شہادت
سیّد ہوں، نبی زادہ ہوں، دو اتنی اجازت　　عورات کو میں سوئے مدینہ کروں رخصت
عزت رہے ناموسِ رسولِ عربی کی
برباد نہ ہوں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۳۲

تنہا نہ سمجھنا مجھے اے قومِ بد انجام　　اک حملہ میں چاہوں تو بھگاؤں تمہیں تا شام
آفت ہے، قیامت ہے، غضب ہے، مری صمصام　　مجبور نہیں سبطِ رسولِ ذوالاکرام
تھی تاب کسے ضربتِ شمشیرِ علیؑ کی
ناچار ہوں لیکن، کہ ہو امت میں نبیؐ کی

۳۳

گر ہوں تو میں حاکم کا تمہارے ہوں گنہگار　　وہ بیکس و محتاج ہیں کیا اُن سے سروکار
زہراؑ سے نہیں رتبہ میں کم زینبِؑ ناچار　　واللہ وہ کرتی ہے مجھے ماں کی طرح پیار
دیکھا نہیں جائے گا مرا قتل بہن سے
وہ نکلی تو زہراؑ نکل آوے گی کفن سے

۳۴

جس وقت کہ لے راہِ وطن زینبِؑ ناشاد　　حاضر ہوں میں پھر شوق سے مجھ پر کرو بیداد
گردن پہ مری تیغ، چڑھے چھاتی پہ جلاد　　تم ذبح کرو اور میں خالق کو کروں یاد
راضی ہوں میں لاشہ مرا پامالِ جفا ہو
زینبؑ نہ مگر بلوے میں محتاجِ ردا ہو

۳۵

یہ کہتے تھے حضرتؑ کہ چلے تیر اُدھر سے　　منہ پھیر لیا سب نے محمدؐ کے پسر سے
کچھ تیر لگے سینہ پہ، کچھ روکے سپر سے　　کھینچی اسد اللہؑ کی شمشیر کمر سے

ہر دم سوئے افواجِ لعیں شعلہ فشاں تھی
تیغِ دو زباں تھی کہ وہ اژدر کی زباں تھی

۳۶

حملہ جو کیا ابنِ شہِ عُقدہ کُشا نے　　ڈر کر سپریں چہروں پہ لیں اہلِ جفا نے
جو منہ پہ چڑھا، پست کیا اُس کو قضا نے　　اور ہاتھ اٹھائے تو قلم ہو گئے شانے

شمشیر کی بجلی سے جلے جاتے تھے ناری
میداں سے جہنّم کو چلے جاتے تھے ناری

۳۷

جس صف پہ چلی تیغ، وہ صف ہو گئی بے سر　　نہ خود پہ رُکتی تھی، نہ رُکتی تھی سپر پر
غل تھا، غضبِ حق ہے کہ شمشیر دو پیکر　　بجلی میں بھی دیکھے نہیں اس طرح کے جوہر

دوزخ کے (زبانوں) کو دکھا دیتی ہے یہ تو
ایک دم میں ہزاروں کو جلا دیتی ہے یہ تو

۳۸

حضرتؑ کو محمدؐ کی صدا آئی یہ ناگاہ　　صدقے تری جرأت کے میں، اے فاطمہ کے ماہ!
بس تیرے ستانے کی سزا پا چکے گمراہ　　پیارے مرے، اب روک لے تیغِ اسد اللہ

غصّہ نہ کرو گر تمھیں اُلفت ہے ہماری
رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ اُمّت ہے ہماری

۳۹

اے لال، تمھیں وعدۂ طفلی بھی ہے کچھ یاد　　جب دیکھ کے تم خون کا محضر ہوئے تھے شاد
بیٹا، وہ کرو کام کہ اُمّت نہ ہو برباد　　اب رکھ دو گلا جلد تہِ خنجرِ فولاد

فریاد سے ان سب کی میں گھبرایا ہوں، بیٹا!
فردوس سے لینے کو تجھے آیا ہوں، بیٹا!

۴۰

شبیرؑ نے سُن کر یہ صدا روک لی تلوار ۔ کی عرض یہ نانا سے کہ یا احمدؐ مختار!
گر حکم نہیں ہے تو نہیں لڑنے کا زنہار ۔ امت پہ فدا ہے مری جاں اور مرا گھر بار
اب کاٹ لے قاتل مرا سر آن کے تن سے
جُز شکر کوئی بات نہ نکلے گی دہن سے

۴۱

یہ کہتے تھے حضرتؑ کہ گھٹا شام کی چھائی ۔ بھاگی ہوئی سب فوج یکایک اُمنڈ آئی
کس صبر سے گردن شہِ بیکس نے جھکائی ۔ تلوار کہیں لگ گئی ، برچھی کہیں کھائی
مجروح سراپا جو تنِ زار ہوا تھا
زخموں سے بدن تختۂ گلزار ہوا تھا

۴۲

یہ حال جو دیکھا تو سکینہؑ یہ پکاری ۔ یا شاہ بس اب رن سے چلے آؤ میں واری!
کیوں لڑتے ہو پانی یہ نہیں دینے کے ناری ۔ غش پیاس سے آجائے نہ، اے عاشقِ باری!
صدقے گئی، گودی میں اٹھا لو مجھے آ کر
پانی نہ میں مانگوں گی زباں خشک دکھا کر

۴۳

تم آؤ تو کرتے سے لہو منھ کا چھڑاؤں ۔ اور پائے مبارک کو میں آنکھوں سے لگاؤں
جان آئے بدن میں تمھیں اس وقت جو پاؤں ۔ بیتاب ہوں بابا! کسے حال اپنا دکھاؤں
گر آپ نہ آئیں گے تو مرجاؤں گی، بابا!
سر پیٹتی میداں میں چلی آؤں گی، بابا!

۴۴

بیٹی کی صدا سنتے ہی منھ پھیر کے دیکھا ۔ چلائے کہ بس صبر کر، اے باپ کی شیدا!
اے جانِ پدر خیمہ کی ڈیوڑھی سے سرک جا ۔ بچپن پہ ترے رحم نہیں کرنے کے اعدا
کرتی ہو عبث نالہ و فریاد، سکینہؑ!
بھولو ہمیں، خالق کو کرو یاد، سکینہؑ!

۴۵

یہ کہتے تھے حضرتؑ کہ لگا حلق پہ اک تیر
فرزندِ یداللہ کی حالت ہوئی تغییر
دم رُک گیا ہرنے پہ جُھکے حضرتِ شبیرؑ
ہر سمت سے پڑنے لگی شمشیر پہ شمشیر
گلگوں ہوا پوشاک کا جوڑا ابھی لہو میں
سرتا بہ قدم غرق تھا گھوڑا ابھی لہو میں

۴۶

نیزہ کسی بے رحم نے پہلو پہ جو مارا
زہراؑ کی صدا آئی کہ، ہے ہے مرا پیارا
گھوڑے پہ سنبھلنے کا نہ شہ کو رہا یارا
ریتی پہ گرا عرشِ معلیٰ کا ستارا
صدمہ تھا محمدؐ کو، خوشی لشکرِ کیں کو
افلاک کو جنبش تھی تزلزل تھا زمیں کو

۴۷

ہاتف کی صدا آئی یہ ہے صبر کا ہنگام
کیوں آج تزلزل میں ہوئے عرش خوش انجام!
چلائی زمیں تب کہ مجھے خاک ہو آرام
ہے مجھ پہ طپیاں فاطمہؑ زہراؑ کا گل اندام
اب گنبدِ افلاک کے پھٹ جانے کا ڈر ہے
اب خاک کے طبقے کے اُلٹ جانے کا ڈر ہے

۴۸

یہ وہ ہے محمدؐ نے جسے گود میں پالا
تھا فاطمہؑ کی جان یہی گیسوؤں والا
کہتے تھے ملائک اسے دنیا کا اُجالا
سو چلتی ہے اوس پر کبھی برچھی، کبھی بھالا
کھولے ہوئے سر فاطمہؑ چلاتی ہے رن میں
محبوبِ خدا آج تڑپتے ہیں کفن میں

۴۹

اتنے میں پکارا عمرِ سعدِ ستم گر
[اے شمر] بدن سے سرِ سرورؑ کو جدا کر
وہ ظالمِ بے رحم بڑھا کھینچ کے خنجر
زینبؑ درِ خیمہ سے نکل آئی کھلے سر
چلاتی تھی سیدؑ پہ جفا کرتے ہو، لوگو!
گھر لٹتا ہے زہراؑ کا یہ کیا کرتے ہو، لوگو!

۵۰

ہے ہے مرے امّاں جائے کو پانی تو پلاؤ — بھائی کی ذرا شکل بہن کو تو دکھاؤ
میں آتی ہوں، خنجر مری گردن پہ پھراؤ — مظلوم ہے، سیّد ہے، نہ تلواریں لگاؤ
کچھ کہنا ہے مظلوم تلک آنے دو مجھ کو
شبّیر کی چھاتی سے لپٹ جانے دو مجھ کو

۵۱

زینب کی نہ سنتا تھا کوئی زاری و فریاد — خنجر لیے آمادہ تھے بارہ ستم ایجاد
کس منھ سے انیسؔ آگے کہوں شمر کی بیداد — آقا کا کہاں حلق، کہاں خنجرِ فولاد
مر جائیں جو ہم روتے ہی روتے تو بجا ہے
شبیرؑ سا مظلوم نہ ہو گا، نہ ہوا ہے

اس نسخے کے بارے میں

(مولانا آزاد لائبریری مخطوطہ نمبر ۵۰)

یہ دونوں مرثیے جلد پنجم ذخیرۂ مسعودی میں ایک ساتھ لکھے ہوئے ملے، ضروری تفصیل یہ ہے:

فرزندِ پیمبر شرفِ کون و مکاں ہے

یہ میر انیس کا مرثیہ ہے جس کے صرف ۳۵ بند محفوظ ہیں۔ آخری پانچ بند لگتا ہے کہ آخری ورق غائب ہوجانے سے تلف ہوگئے۔ ان بندوں کے بعد ایک سلام میر انیس کا ہے جس کا مطلع درج نہیں ہے۔ سلام اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

یہ دنداں ہیں، یا دُرِ شہوار ہیں سب
دہن ہے کہ دُرِ عقیقِ یمن ہے

مقطع ہے:

انیس اس قدر شورِ بختی کا شکوہ
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

اس کے بعد انیس کا مرثیہ شروع ہوتا ہے، مطلع ہے:

جب زخمی ہو کے رَن میں شہِ بحر و بر گرے

یہ مرثیہ بامقطع ہے۔ آخری ورق پر میر انیس کے کسی ایک اور مرثیہ کا ابتدائی بند یوں ملتا ہے۔

جب ظالموں نے خاتمۂ پنجتن کیا — یعنی قلم گلوے امامِ زمن کیا
غم سے سیاہ .... — یعنی کہ چاک شیرِ خدا کا کفن کیا

اک تیرگی سی چھاگئی سارے جہان پر
اغلب تھا آسمان گرے آسمان پر

اس مرثیہ کا کوئی اور نسخہ کسی قلمی ذخیرے میں اب تک دریافت نہیں ہوسکا۔

واقعات

"تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ امام حسینؑ کے جسم پر تیروں کے زخم کے علاوہ تینتیس زخم نیزے کے اور چونتیس زخم تلوار کے لگے تھے"۔

"کتاب الخطط والآثار مقریزی میں ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کا لباس دشمنوں نے اتار لیا۔ حتیٰ کہ زیر جامہ تک بدن پر نہ رہنے دیا"۔

"حبیب السیر میں ہے کہ عمر سعد نے دس آدمیوں کو حکم دیا کہ حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالیں"۔

"تاریخ خمیس میں ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو چکے تو عمر بن سعد کے حکم سے دشمنوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر امام حسینؑ کے جسدِ اطہر کو پامال کر ڈالا"۔

"سر الشہادتین میں ہے کہ عمر بن سعد اور شمر کے حکم سے چند نفر نے گھوڑوں پر سوار ہو کر امام حسینؑ کے جسم کو پامال کیا"۔

"تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ عمر بن سعد کے حکم سے سواروں کی ایک جماعت نے امام حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا"۔

"مورخ ابن اثیر (تاریخ کامل) میں لکھتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عمر بن سعد دو دن کربلا میں مقیم رہا بعد ازاں مخدرات اہل بیت اور امام زین العابدینؑ بیمار کو اپنے ساتھ لے کر عازم کوفہ ہوا۔ جب یہ قافلہ اُدھر سے گزرا جہاں امام حسینؑ اور اُن کے اعزا و رفقا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں تو مخدرات اہل بیت اُن لاشوں کو دیکھ کر نوحہ و بکا میں مصروف ہوئیں اور اپنے رخساروں پر طمانچے مارنے لگیں۔ حضرت زینبؑ نے چلا کر فریاد کی کہ اے نانا محمدؐ آپ پر ملائکہ سماوات نے نماز پڑھی اور یہ آپ کا حسینؑ خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے جنگل کی جلتی ریت پر پڑا ہوا ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئیں . . . ."

[تاریخ احمدی از شیخ احمد حسین
نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۴۶ء
صفحات : ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۱]

١

جب زخمی ہو کے رن میں شہِ بحر و بر گرے — سجدے کو، سر جھکائے ہوئے، خاک پر گرے
قطرے لہو کے، اُڑ کے، اِدھر اور اُدھر گرے — بیکس پہ تیغیں کھینچ کے بیداد گر گرے
تڑپا زمیں پہ گر کے نواسہ رسولؐ کا
ہلنے لگا مزار جنابِ بتولؑ کا

٢

زخموں سے چُور تھا جو تنِ شاہِ نیک خُو — غش ہو گئے، بہا یہ ہر اک زخم سے لہو
گھیرے ہوئے تھے، پیاسے کو ہر سمت سے عدو — بولا یہ شمر سے پسرِ سعدِ کینہ جُو!
ہے غیر حال فاطمہؑ کے نورِ عین کا
جلدی بدن سے کاٹ لے تُو سر حسینؑ کا

٣

سُن کر یہ حکم، شمر چلا سوئے شاہِ دیں — آنکھیں تو سرخ، تیغ بہ کف، اُلٹے آستیں
رکھا جو پاؤں سینہ پہ، ہلنے لگی زمیں — خیمے سے نکلی پیٹتی سر زینبِ حزیں
برپا تھا شور رانڈوں میں فریاد و آہ کا
وہاں کٹ رہا تھا حلق شہِ دیں پناہ کا

٤

زینبؑ نے دیکھا جبکہ یہ حالِ شہِ زماں — آنکھوں کے آگے ہو گیا اندھیر سب جہاں
چلّائی سر کو پیٹ کے اُس دم وہ خستہ جاں — اے شمر، بہرِ حق، مرے بھائی کو دے اماں
ایذا نہ دے لحد میں محمدؐ کی جائی کو
بے جرم ذبح کرتا ہے کیوں میرے بھائی کو

۵

پہونچی جو پیٹتی ہوئی نزدیکِ قتل گاہ　　پہچان کے بہن کی صدا غش سے چونکے شاہ
آنکھوں کو کھول کر رُخِ زینب پہ کی نگاہ　　قاتل نے تیغ کو نہ اُٹھایا گلے سے، آہ!
صدمہ ہوا یہ فاطمہؑ زہرا کے لال پر
روئے تڑپ کے زینبِؑ مضطر کے حال پر

۶

پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کے پکارے شہِ زمن　　خیمہ میں جاؤ بہرِ خدا جلد اے بہن!
جز شکرِ حق نہ منہ سے نکالو کوئی سخن　　اُمّت پہ صدقے ہوتا ہے زینب یہ بے وطن
در پر تڑپ رہی ہے سنبھالو سکینہؑ کو
گودی میں اپنی جا کے اُٹھالو سکینہؑ کو

۷

یہ سُن کے سوئے خیمہ چلی زینبِؑ حزیں　　چلاتی تھی کہ ہائے محمدؐ کے نازنیں!
تھیں راہ میں ابھی کہ پکارے یہ اہلِ کیں　　نوبت بجاؤ قتل ہوا بادشاہِ دیں
وہاں شادیانے بجنے لگے فوجِ شام میں
سیدانیاں تڑپنے لگیں یہاں خیام میں

۸

اک شور تھا کہ ہائے شہنشاہِ مشرقین!　　آج اٹھ گیا جہاں سے ہمارے دلوں کا چین!
فریاد ہے کہ مٹ گئے دنیا سے زیب و زین!　　صدقے تری غریبی کے اے بے کفن حسینؑ!
روتا ہے ذوالجناح برابر کھڑا ہوا
جلتی زمیں پہ ہے تنِ بے سر پڑا ہوا

۹

ناگاہ آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا　　سیدانیو! میں قبر سے نکلی ہوں بے رِدا
سر پیٹتے ہیں لاشے پہ محبوبِؐ کبریا　　تم سب تباہ ہوگئیں ہے ہے کروں میں کیا!
پُرسا دو مل کے سب مجھے اس نورِ عین کا
سر تن سے کٹ گیا میرے بیکس حسینؑ کا

۱۰

سُن کر صدائے گریۂ مخدومۂ جہاں　　پیٹیں، پچھاڑیں خاک پہ کھا کھا کے بیبیاں
فضّہ پکاری ڈیوڑھی سے آ کر بصد فغاں　　آتا ہے لوٹنے کے لیے لشکرِ گراں!
یہ سُن کے بنتِ فاطمہؑ کی چھاتی پھٹ گئی
گردن سے ماں کے بالی سکینہؑ لپٹ گئی

۱۱

تلواریں کھینچے اتنے میں آ پہونچے اشقیا　　شیرِ خدا کے گھر میں دھنسے، وامصیبتا!
دہشت کے مارے بیبیاں چھپتی تھیں جابجا　　چادر بچائے رانڈوں کی، اتنا کوئی نہ تھا
آفت کا سامنا تھا مصیبت کا وقت تھا
ناموسِ مصطفٰےؐ پہ قیامت کا وقت تھا

۱۲

فضّہ سے کوئی پوچھتا تھا بانیِ جفا　　بتلا دے ہم کو دولتِ سلطانِ کربلا
کہتی تھی اُس لعین سے فضّہ بصد بکا　　بے جا گماں یہ ہے تجھے، اے دشمنِ خدا
جُز فقر کچھ نہ تھا پسرِ مصطفٰےؐ کے پاس
رہتا ہے مال و زر کہیں اہلِ سخا کے پاس

۱۳

تھا اک طرف یہ بانوے آفاق پر ستم　　نیزے دکھا کے کہتے تھے ظالم کئی بہم
کیا رو رہی ہے شرم سے گردن کو کر کے خم　　زیور اُتار دے ہمیں جلد اے اسیرِ غم
اک بدگہر طمانچے سکینہؑ کو مار کے
بالی سمیت لے گیا گوہر اتار کے

۱۴

گہنا دولھن کا لوٹتا تھا کوئی بے حیا　　لیتا تھا کوئی زینبؑ و کلثومؑ کی ردا
تھی سر برہنہ زوجۂ عباسِ باوفا　　بچوں سے چھینتے تھے کپڑے بانیِ جفا
اسباب لُٹ چکا جوشِ مشرقین کا
غل پڑ گیا کہ پھونک دو اب گھر حسینؑ کا

۱۵

خیمہ کو آگ دی جو لعینوں نے ایک بار — باہر نکل پڑے حرمِ شیرِ کردگار
جب جل گئے خیامِ شہنشاہِ نامدار — آیا قریب رانڈوں کے شمرِ ستم شعار

ناموسِ مصطفیٰؐ کا نہ مطلق ادب کیا
رسّی میں سب کے ہاتھوں کو باندھا غضب کیا

۱۶

اونٹوں پہ پھر بٹھا کے حرم کو بہ صد جفا — مقتل کی سمت لے کے چلا شمرِ بے حیا
آیا نظر جو لاشۂ بے سر حسینؑ کا — ناموسِ مصطفیٰؐ میں قیامت ہوئی بپا

اُشتر سے بانو لاشۂ اکبرؑ پہ گر پڑی
زینبؑ حسینؑ کے تنِ بے سر پہ گر پڑی

۱۷

یوں قبلہ رُو پڑے تھے زمیں پر امامِ پاک — گردن کٹی تھی تیغوں سے تھا جسم چاک چاک
شہ رگ سے خون بہتا تھا ہر دم بروئے خاک — زینبؑ پکاری، ہائے نہ میں ہو گئی ہلاک!

ہے ہے کیا نہ دفن تنِ پاش پاش کو!
بھیّا کفن تلک نہ ملا تیری لاش کو!

۱۸

ہے ہے مرے غریب برادر ترے نثار! — واحسرتا یہ خشک گلا اور چھُری کی دھار!
یہ گرم ریت، ہائے غضب، اور یہ جسمِ زار! — بھیّا میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار!

وہ کون سا ستم ہے جو مجھ پر ہوا نہیں!
لاشے پہ کیا اوڑھاؤں کہ سر پر رِدا نہیں!!

۱۹

بانو یہ بین کرتی تھی اکبرؑ کی لاش پر — مادر نثار، چھاتی سے لگ جاؤ آن کر!
بیٹا اُٹھو کہ پھٹتا ہے مادر کا اب جگر! — کنگھی کروں میں، بال پریشاں ہیں سر بسر

ہے ہے صدا ابھی اپنی نہیں تم سُناتے ہو!
اماں کو قید سے نہیں اُٹھ کر چھڑاتے ہو!

۲۰

اصغر کی لاش پر کبھی کرتی تھی یہ بیاں! بیٹا اُٹھو کہ دودھ پلائے تمھیں یہ ماں!
پانی کی بوند بھی نہ ملی ہائے میری جاں! نیلے ہیں ہونٹ، منھ سے نکل آئی ہے زباں!

ہنستے ہو اب نہ چونک کے جنگل میں روتے ہو
کس بے کسی سے بھائی کے پہلو میں سوتے ہو

۲۱

کُرتا بدل دوں نیند سے چونکو تو ماں نثار! پیارے نہ چُپکے لیٹو کہ اماں ہے بیقرار!
واری، پڑا ہے جلتی زمیں پر یہ جسم زار! اصغرؑ تری جدائی نے دل کر دیا فگار

لاشہ پڑا ہے تنہا............
چھوٹے سے سینے............

۲۲

رو کر سکینہ کہتی تھی، ہے ہے مرے پدر! ہم سوے شام جاتے ہیں، تم کو نہیں خبر!
اعدا ہمیں پھرائیں گے شہروں میں دربدر بابا یہ بیٹی جائے تمھیں ڈھونڈنے کدھر!

کس بانیِ ستم نے جدا تن سے سر کیا
ہے ہے یہ کس لعیں نے مجھے بے پدر کیا!!

۲۳

روتی تھی لپٹی لاشِ پدر سے وہ سوگوار اتنے میں آیا چیں بہ جبیں شمرِ نابکار
کہنے لگا گھڑک کے سکینہ کو ایک بار جلدی جدا ہو لاش سے اُو لڑکی دل فگار!

ہے ہے حسینؑ کہہ کے جو اب غل مچائے گی
پائے گی وہ سزا کہ بہت بلبلائے گی

۲۴

زلفیں پکڑ کے بچی کی پھر کھینچنے لگا اس پر بھی وہ نہ لاشِ پدر سے ہوئی جدا
کس منھ سے میں کہوں کہ ستمگر نے کیا کیا اک تازیانہ پشت پہ مارا بصد جفا

تڑپی جو نام لے کے شہِ مشرقین کا
صدمے سے تھرتھرا گیا لاشہ حسینؑ کا

۲۵

خاموش اے انیسؔ! نہیں طاقتِ بیاں سیدانیوں کے غم سے ہے سینہ میں دل تپاں
بزمِ عزائے شاہ میں ہے نالہ و فغاں مانگ اب دعا یہ شہؑ سے کہ اے سرورِ زماں!
بہرِ خدا نہ یاد بھلانا غلام کی!
مولا! مدد کو قبر میں آنا غلام کی!

اس نسخے کا تعارف

سرورق کی عبارت، جس میں انیس کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ تعالیٰ" ملتا ہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ میرانیس کے حین حیات ترتیب پایا اور تحریر آیا۔ حسب تحریر پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب مرحوم تعداد بند ۵۰ ہونا چاہیے تھی لیکن حسب شمار ۴۵ ہے۔ جس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ بیچ کا کوئی ایک ورق غائب ہوگیا، اس طرح پانچ بندوں کی کمی واقع ہوگئی۔

بہرحال اب اس کی تلافی ممکن نہیں، اس لیے کہ اس کا دوسرا کوئی نسخہ ہماری موجودہ معلومات کی حد تک کہیں اور نہیں۔

ویسے یہ مرثیہ بمعہ مقطع ہے اور پڑھنے سے کہیں بے ربط نہیں ہوتا۔ سوا اس کے کہ آخری بند کے بعد مقطع کا بند اچانک آجاتا ہے

(بحوالہ: ذخیرۂ مسعودی، جلد سوم: مخطوطہ نمبر ۵۷۵)

واقعات

مورخ ابن جریر طبری لکھتا ہے کہ "ابن زیاد نے مستورات و اطفالِ حسینؑ کے لیے بھی حکم دیا۔ ان کی روانگی کا بھی سامان کیا گیا۔ علی بن حسینؑ کے لیے حکم دیا کہ پاؤں سے گلے تک زنجیریں جکڑ دیئے جائیں۔ اور محفرؔ بن ثعلبہ عائذی اور شمر کو ساتھ کر کے ان کو روانہ کیا، یہ دونوں سب کو لیے ہوئے یزید کے پاس پہنچے"۔

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ "جب امام حسینؑ شہید ہو چکے تو ان کے اور ان کے اصحاب کے سروں کو اسی دن عمرو بن سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد کے پاس روانہ کیا"۔

تاریخ طبری میں یہ بھی تحریر ہے کہ "یزید نے جلوس کیا اور بزرگانِ شام کو بلا کر اپنے گرد اگرد بٹھایا۔ پھر علی بن حسینؑ و اطفالِ حسین و مستورات کو بلا بھیجا۔ یزید کے دربار میں ان لوگوں کا داخلہ ہوا اور سب لوگ بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ علی بن حسینؑ سے یزید نے کہا: تمہارے باپ نے مجھ سے قرابت کو قطع کیا، اور میرے حق کو نہ جانا اور میری سلطنت کو مجھ سے چھیننا چاہا، دیکھو خدا نے ان سے کیا سلوک کیا۔ علی بن حسینؑ نے جواب دیا:

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ
اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا

یعنی "زروئے زمین پر نہ تم لوگوں پر کوئی ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے جو اس نوشتہ میں نہ ہو جو پیدائش عالم کے پیشتر لکھا جا چکا ہے"۔

یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا: ان کی بات کو رد کر دے"۔ خالد کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی جسے رد کر سکے۔

مورخ ابن اثیر، تاریخ کامل میں لکھتا ہے کہ: ابن زیاد نے عبداللہ بن عفیف کو قتل کر کے دار پر چڑھا دیا، اور امام حسینؑ کے سر کو کوفے کی گلیوں میں پھرایا۔ بعد ازاں ابن زیاد نے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کے سروں کو زحر بن قیس یا شمر کی معیت میں، بجانب شام یزید کے پاس بھیجا اور ان سروں کے ساتھ امام زین العابدین کو طوق و زنجیر میں جکڑ کے اور مخدراتِ اہلِ بیت کو شترانِ بے کجاوہ پر سوار کر کے روانہ کیا"۔

روضۃ الاحباب سے ملخصاً منقول ہے کہ امام زین العابدین نے یزید سے کہا کہ اے یزید میرے باپ اور اعزا کے سر مجھے دے دے تاکہ ان کے بدن سے ملحق کر کے دفن کروں اور مجھ کو مع زنانِ اہل بیت مدینے جانے دے کہ وہاں اپنے جدامجد کے روضے کی مجاورت اور اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہوں۔ نیز کل بروز جمعہ مجھے اس قدر موقع دے کہ منبر پر جاکر خدا اور رسول کی مدح و نعت ادا کروں۔ یزید نے ان باتوں کو منظور کیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو امام زین العابدینؑ نے منبر پر جاکر ایسا فصیح و بلیغ خطبۂ حمد و نعت پڑھا کہ لوگ متحیر ہو گئے اور ایسے مؤثر طریقے سے مقاصد وعظ و پند بیان فرمائے کہ سنگ دلوں کے دل بھی موم کی طرح پگھلنے لگے۔ بعد اس کے ارشاد کیا کہ اے اہل شام تم میں جو مجھے نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ میں فرزندِ رسولؐ مختار ہوں میں فرزندِ سرورِ اخیار ہوں۔ میں فرزندِ سردارِ یثرب و بطحا ہوں۔ میں فرزند شہسوار میدان ھَلْ اَتیٰ ہوں۔ میں سبطِ رسول حسنِ مجتبیٰ کا بھتیجا ہوں۔ نور دیدۂ مصطفےٰ۔ سُرور سینۂ مرتضیٰ، بتلائے کرب و بلا حسینؑ شہید کربلا کا بیٹا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ اہل مجلس چیخ مار کر رونے لگے۔ یزید نے خائف ہو کر مؤذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ مؤذن نے اُٹھ کر کہا" اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر۔ امام زین العابدین نے فرمایا کہ اَلْحَق کوئی شئ اس کی شان سے بزرگ تر نہیں ہے۔ مؤذن نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ امام زین العابدین نے فرمایا کہ: سچ ہے میرا گوشت و پوست اس کا شاہد ہے۔ پھر مؤذن نے کہا "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ" تو امام زین العابدین نے عمامہ سر سے اتار کر پھینک دیا، اور فرمایا کہ: اے معاویہ کے بیٹے سچ بتا کہ یہ محمد رسول اللہ میرے جد ہیں یا تیرے، اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے، اور اگر میرا جد کہے تو پھر تو نے میرے پدر بزرگوار کو جو بہترین آلِ رسول تھے، کیوں شہید کرایا۔ کیوں ان کی مخدراتِ عصمت و طہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بہ شہر پھرایا۔ کیوں مجھے یتیم کیا، اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا۔ یہ کہہ کر امام زین العابدین نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا، اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: تم کو خدا کی قسم، سچ بتاؤ کہ کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس کا خدا کا نبی، حبیب رہا ہو، یہ سن کر اہلِ شام اس قدر روئے کہ ان میں سے اکثر بیہوش ہو گئے۔ یزید نے ڈر کر مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔

صاحب کتاب مذکور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

بر بنائے بعض روایات مذکور ہے کہ یزید نے بشیر بن نعمان کو حکم دیا کہ تیس سواروں کی جمعیت ساتھ لے کر اہل بیت رسالت کو مدینے پہنچا آئے، اور جب بیسویں صفر کو یہ قافلہ مع سرہائے شہدا کربلا پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے امام حسین اور دیگر شہدا کے سروں کو ان کے بدن سے ملا کر وہاں دفن کر دیا۔

[تاریخ طبری: ۲۹۰، ۲۹۱؛
تاریخ احمدی: ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۷]

۱

جب طول کھنچا خانۂ زنداں میں حرم کو
صدمہ ہوا ناموسِ شہنشاہِ امم کو
کہتے تھے کہ اب چھوڑے گا، بے رحم نہ ہم کو
باہر درِ زنداں سے رکھیں گے نہ قدم کو
جیتے جی نہ اب دستِ ستمگر سے چھٹیں گے
چھوٹے بھی گر اس قید سے تو مَر کے چھٹیں گے

۲

قسمت میں ہمارے نہیں اب چھوٹ کے جانا
سب تیرِ قضا کا یہیں ہوویں گے نشانا
ہے موت، نکلنے کا نہیں کوئی ٹھکانا
مر جانا یہیں سب کا ستمگر نے ہے ٹھانا
کس سے کہیں، وارث بھی اٹھے سر سے ہمارے
تابوت ہی نکلیں گے، اب اس گھر سے ہمارے

۳

اب قید سے چھٹنے کا کوئی ذکر نہ کرنا
اب گھر یہی سمجھو، یہیں جینا، یہیں مرنا
راحت ہے یہیں، اور یہیں رنج ہے بھرنا
ہوگا اسی زنداں میں دنیا سے گذرنا
اب شہر ہے، تو یہ ہے، بیاباں ہے تو یہ ہے
گھر ہے تو یہی، خانۂ زنداں ہے تو یہ ہے

۴

جس وقت زباں پر یہ سخن یاس کا آیا
یہ سینہ و سر پیٹ کے اک شور مچایا
سجادؑ کو اُس غل سے ذرا ہوش جو آیا
آنکھیں جو کھلیں روتا ہر اک بی بی کو پایا
تھا ضعف یہ طاری دلِ صد چاک کے اوپر
دو بار گرے اور اٹھے خاک کے اوپر

۵

جب اُٹھ نہ سکا خاک سے ابنِ شہِ والا　　تب آ کے کئی بیبیوں نے اس کو سنبھالا
کہنے لگا ہر ایک سے وہ نازوں کا پالا　　کیوں کرتی ہو رو رو کے جہاں کو تہ و بالا
آنے کا نہیں رحم کبھی اہلِ ستم کو
رونے سے کوئی چھوڑ نہیں دینے کا ہم کو

۶

جیتے نہیں بابا جو ہمیں آ کے چھوڑا دیں　　اکبرؑ نہیں جیتے جو اس آفت سے بچاویں
عباسؑ نہیں ہیں، جو کمک کرنے کو آویں　　جس طرح سے چاہیں ہمیں بے رحم ستاویں
بے وارث و والی ہیں گرفتارِ بلا ہیں
مجبور ہیں، لاچار ہیں، راضی برضا ہیں

۷

کس سے کہیں ہے کون جو دے داد ہماری　　بابا تھے سو جنّت کو گئی اُن کی سواری
وارث نہیں سر پر کوئی جز خالقِ باری　　اب ہم ہیں، یہ زندان ہے، اور گریہ و زاری
رن میں نہ مَرے شاہِ مدینہ کی طرح سے
مر جائیں گے زنداں میں سکینہؑ کی طرح سے

۸

سجادؑ نے کی رانڈوں سے جس وقت یہ تقریر　　رونے لگے بس اور بھی وہ بیکس و دلگیر
عابدؑ نے کہا کرتے ہو کیوں حال کو تغیّر　　راضی رہو اس پر کہ جو ہے خواہشِ تقدیر
خوش ہووے خدا جس سے عبادت اُسے سمجھو
جو رنج ہو اس راہ میں راحت اُسے سمجھو

۹

اب مسندوں پر بیٹھنے کو دل سے بھلاؤ　　کچھ روز مزا خاک نشینی کا اٹھاؤ
کیسی ہی اذیت ہو، یہ آنسو نہ بہاؤ　　خاتونِ قیامت کا چلن بھول نہ جاؤ
کیسا ہی ستم ہو کوئی کیسا ہی ستاوے
ہاتھوں سے مگر سلسلۂ صبر نہ جاوے

۱۰

کچھ یاد ہے زہراؑ نے ستم کیسے اوٹھائے گھر لُٹ گیا پر آنکھ سے آنسو نہ بہائے
اسقاطِ حمل ہو گیا اور لب نہ ہلائے ملعون نے کوڑے مری دادی کو لگائے
کچھ بولی نہ گو رنج تھا اس کو کھ جلی کو
جب باندھ کے رسّی سے نکالا تھا علیؑ کو

۱۱

ہم بھی ہوئے گر قید تو کچھ غم نہیں اِس کا اور دھوپ میں چلنے کی بھی پروا نہیں اصلا
دیکھو کہ سہے ظلم مرے بابا نے کیا کیا بے گور ہے اب تک شہِ مظلوم کا لاشا
سایا ہے نہ کچھ جسم کے اوپر نہ گڑا ہے
میدان میں جلتی ہوئی ریتی پہ پڑا ہے

۱۲

دیکھو علی اصغر کو کہ کیا ظلم اٹھایا اس عمر میں چوبیس پہر پانی نہ پایا
جب تیرِ ستم حلق پہ ظالم نے لگایا مُنہ باپ کا دیکھا کیا اور لب نہ ہلایا
اُس دن سے مری نظروں میں تاریک جہاں ہے
وہ چھوٹی سی لاش اُس کی ہے اور لہو کا مکاں ہے

۱۳

لاچار ہوئے ایسے لعینوں کے ستم سے لاشے بھی عزیزوں کے ہوئے دفن نہ ہم سے
آفت میں پھنسے چھوٹ کے بابا کے قدم سے اب کون ہے چھوڑ دائے جو اس رنج والم سے
برباد ہوئے قافلے سے اپنے بچھڑ کر
مر جائیں گے زندان میں اب پاؤں رگڑ کر

۱۴

زینبؑ نے کہا اس کا تو کچھ ہم کو نہیں غم مرتے ہیں اگر کل تو نکل جائے ابھی دم
بے سبطِ نبیؐ خلق میں کیا جی کے کریں ہم مختار ہے چھوڑے کہ نہ چھوڑے ہمیں اظلم
مُنھ کس کو دکھاؤں گی میں بن بھائی کی ہو کر
جاؤں گی کہاں فاطمہؑ کے لال کو کھو کر

۱۵

منظور نہیں چھُٹ کے وطن میں مجھے جانا　　صغراؑ سے ندامت نہیں زینبؑ کو اٹھانا
لگ جائے کسی طرح یہیں اپنا ٹھکانا　　مرنا اِسی زندان میں زینب نے ہے ٹھانا
مُنھ خلق کو دکھلانے کے قابل نہیں زینبؑ
اب یہاں سے کہیں جانے کے قابل نہیں زینبؑ

۱۶

شبیرؑ نہ ہوں اور مدینہ میں مَیں جاؤں　　کس مُنھ سے میں مُنھ قبر کو زہراؑ کی دکھاؤں
پوچھیں جو وہ احوالِ پسر کیا میں سناؤں　　مارے گئے شبیرؑ زباں پر میں یہ لاؤں
کیا دوں گی جواب ان کو وہ جب پوچھینگی رو کر
تم جیتی پھریں رَن میں مرے لعل کو کھو کر!

۱۷

منظور رہائی ہے فقط اس لیے بیٹا　　بے گور ہے میداں میں مرے بھائی کا لاشا
میدان میں تکلیف انھیں ہووے گی کیا کیا　　ہم چھوٹتے تو گور د کفن بھائی کو ملتا
مدفون تو کر دیتی تنِ شاہِ امم کو
منظور رہائی ہے فقط اس لیے ہم کو

۱۸

شرمندہ ہوئی بھائی سے میں دُکھ کی ستائی　　قسمت میں ندامت جو لکھی تھی وہ اٹھائی
جیتے جی مرے، گورِ تنِ شہ نے نہ پائی　　جہلم کے دن آئے پہ ہوئے دفن نہ بھائی
کچھ ہو نہ سکا ہائے مجھ آوارا وطن سے
محروم رہا بھائی مرا گور د کفن سے

۱۹

زینبؑ نے جو یہ عابدِ بیکس کو سُنایا　　سب بیبیوں نے رونے کا اک شور مچایا
یہاں شور تھا رونے کا جو ملعون اک آیا　　سب ڈر گئے غصہ میں جو بے رحم کو پایا
دیکھا جو انھیں قہر کی ظالم نے نظر سے
تھرّانے لگیں بیبیاں ملعون کے ڈر سے

۲۰

بچّے تو چھپے گودوں میں سب ماؤں کی جاکر — اور بیٹھ گئیں بیبیاں سب خاک کے اوپر
جوں آئینہ حیراں تھا کوئی اور کوئی ششدر — کہنے لگا سجّادؑ سے اس طرح ستم گر
کیوں حشر بپا بادِلِ ناشاد کیا ہے
چل جلد، کہ حاکم نے تجھے یاد کیا ہے

۲۱

کہنے لگا ظالم سے تب اس طرح وہ بیمار — بلوایا ہے تو چلنے میں کیا مجکو ہے انکار
یہ کہہ کے اُٹھا خاک سے وہ بیکس و لاچار — زینبؑ نے کہا کیجیو حاکم سے نہ تکرار
بولے گا بگڑ کر وہ بہت، مجھ کو یقیں ہے
پر تم نہ بگڑنا کہ مرا کوئی نہیں ہے

۲۲

عابدؑ نے کہا اس کا کبھی دھیان نہ لانا — بیٹا ہوں میں اس کا کہ نبیؐ جس کا ہے نانا
میں صبر کروں گا، مرا صابر ہے گھرانا — زینبؑ نے کہا واری کہیں بھول نہ جانا
زینبؑ کو بڑا سب سے اسی بات کا غم ہے
تکرار نہ کرنا تمھیں بابا کی قسم ہے

۲۳

یہ سُن کے گیا رُو برُوے حاکمِ غدّار — بیٹھا ہوا تھا تخت پہ وہ ظالمِ خونخوار
اور سامنے رکھا تھا سرِ سیّدؑ ابرار — سر باپ کا دیکھا تو لگا رونے وہ بیمار
اک تیرِ الم پار ہوا اس کے جگر سے
پر خوف سے کچھ کہہ نہ سکا باپ کے سر سے

۲۴

ظالم نے کہا شور تھا یہ رونے کا کیسا — کیا کر گیا دنیا سے سفر پھر کوئی بچّا
مشتاق ہے یا کوئی سرِ سبطِ نبیؐ کا — ہو دیکھنا منظور تو دوں سر کو میں بھجوا
ترسے ہوں جو دیدارِ شہنشاہِ امم کو
موجود ہے سر جا کے دِکھا لاؤ حرم کو

۲۵

عابدؑ نے کہا مرنے کا کس کو ہے یہاں غم　بیٹھے ہیں کمر باندھے ہوئے مرنے پہ محکم
اور پوچھتا ہے رونے کا باعث جو تو اِس دم　منصف ہو کہ کس طرح سے روئیں نہ بھلا ہم
مدفوں نہ کیا ہم نے تنِ شاہِ زمن کو
ہم جیتے ہیں اور بابا ہے محتاج کفن کو

۲۶

تو نے تو ہر اک شخص کا گڑوا دیا لاشا　بے دفن ہے میدان میں اب تک مرا بابا
سب کہتے ہیں دیوے جو رہائی تمھیں اعدا　تن خاک میں گڑوائیں شہِ ہر دو سرا کا
صدمے سہے اب تک تو بیابانِ بلا کے
چہلم کو بھی ہوں دفن نہ لاشے شہدا کے!

۲۷

عابدؑ سے یہ سب سُن کے لگا کہنے وہ مغرور　تم سب کا ابھی چھوڑنا مجکو نہیں منظور
پھر اس کا خبردار نہ کیجو کبھی مذکور　اب چھوٹ کر اس قید سے جانا ہے بہت دور
چھوڑوں میں تمھیں یہ کسی تدبیر نہ ہوگا
پیوندِ زمیں لاشۂ شبیرؑ نہ ہوگا

۲۸

یہ سنتے ہی ظالم سے لگا رونے وہ غمناک　سینہ میں جگر خنجرِ غم نے کیا صد چاک
کی آہ وہ دل سے کہ لگے کانپنے افلاک　یہ آتشِ غم بھڑکی کہ دل جل کے ہوا خاک
کچھ بس نہ چلا اشک بہے دیدۂ تر سے
بابا کو لگا دیکھنے حسرت کی نظر سے

۲۹

تھا طشت میں رکھا جو سرِ سبطِ پیمبرؐ　اُونچا ہوا اُس طشت سے نیزہ کے برابر
اور ازرہِ اعجاز یہ بولا کہ ستم گر　کب تک رہے لاشہ مرا بے گور زمیں پر
تو چاہتا ہے خاک کا پیوند نہ ہوں میں
ظالم ابھی بے گور ہی جنگل میں رہوں میں

۳۰

بے رحم! ترے دل میں خدا کا بھی ہے کچھ ڈر　　آتنا نہ ستا بے کس و لاچار سمجھ کر
مظلوم تو ہوں پر یہ یقیں جان ستم گر　　چاہوں تو گرادوں ابھی گردوں کو زمیں پر
عالم تہ و بالا ہو، یہ کچھ دور نہیں ہے
شبیرؑ کسی بات کو مجبور نہیں ہے

۳۱

پیاسا رہا چوبیس پہر، پر میں نہ بولا　　مارا گیا ہمشکل پیمبرؐ، میں نہ بولا
گردن پہ پھرایا مرے خنجر، میں نہ بولا　　زینبؑ پھری بلوے میں کھلے سر، میں نہ بولا
یہ صبر تو دکھلا دیئے جرأت بھی دکھادوں!
مظلومی تو دیکھی مری، قدرت بھی دکھادوں!

۳۲

ہے شرط کہ اس ظلم کی میں تجکو سزادوں　　جوں حرف غلط شام کے تختہ کو مٹادوں
گردوں کو ابھی خاک کے اوپر میں گرادوں　　برپا ہو قیامت یہ تماشا بھی دکھادوں
عالم میں بپا شور ہو فریاد و بُکا کا
ہے شرط کہ نازل ہو ابھی قہر خدا کا

۳۳

ظاہر ہوا اعجاز سرشہ سے یہ جس دم　　جوں بید اُٹھا کانپتا کرسی سے وہ اظلم
عابدؑ سے لگا کہنے کہ اے سیدِ عالم　　جانا ہو جدھر جائیے مانع نہیں اب ہم
جو چاہو سو لو مال بھی موجود ہے زر بھی
راضی ہوں میں لے جاؤ یہ شبیرؑ کا سر بھی

۳۴

اسباب بھی سب لوٹ کا رکھا ہے مرے پاس　　اکبرؑ کی قبا ہے، علَم حضرت عباسؑ
عمامۂ شہ، پیرہنِ قاسمؑ بے آس　　لے جائیے سب کچھ مجھے اب کچھ نہیں وسواس
ہتھیار بھی سب لیجیے، حمزہؑ کی سپر بھی
گہوارۂ اصغرؑ بھی، سکینہؑ کے گہر بھی

۳۵

درکار سواری ہو جو کچھ وہ بھی ہے تیار　　دینے میں سروں کے بھی مجھے کچھ نہیں انکار
تا خیر بس اب کیجیے جانے میں نہ زنہار　　ہمراہی کو حاضر ہے بشیرِ جگر افکار
گڑوانا ہو لاشہ جو سبھی تشنہ دہن کا
اسباب بھی منگوا دوں میں سب گور و کفن کا

۳۶

یہ کہہ کے ستمگر نے سب اسباب منگایا　　اور سر بھی ہر اک کشتۂ بے دفن کا آیا
عابدؑ نے سرِ سبطِ پیمبرؐ کو اٹھایا　　رسّی کا جو تھا زخم گلے پر وہ دکھایا
کہنے لگے، ہوں جاں بلب اعدا کے ستم سے
کیا رنج سہے چھوٹ کے حضرتؑ کے قدم سے

۳۷

جس دن سے اُٹھا آپ کا سر سے مرے سایا　　کیا کیا نہ مجھے اہلِ شقاوت نے ستایا
قیدی ہوا گردن میں مرے طوق پنہایا　　اس دھوپ میں پیدل مجھے اعدا نے پھرایا
چھوڑی نہ رِدا اہلِ شقاوت نے کسی کی
بلوے میں پھری ننگے سر اولادِ علیؑ کی

۳۸

عابدؑ نے سرِ شاہ سے کی جب کہ یہ تقریر　　بھر لایا لہو آنکھوں میں اپنے سرِ شبیرؑ
اک حشر بپا ہو گیا رونے لگے بے پیر　　سوئے حرمِ شاہ چلا واں سے وہ دلگیر
زنداں کا کیا قصد جو اس زار و حزیں نے
ہمراہ کیا لوٹ کا اسباب لعیں نے

۳۹

لے کر سرِ شبیرؑ وہ بیمار جو آیا　　روتا درِ زنداں پہ ہر اک بی بی کو پایا
پھر زینبِؑ ناشاد کو پاس اپنے بلایا　　دے کر سرِ شبیرؑ پھوپھی کو یہ سنایا
اعجاز سرِ شاہ نے دکھلا دیا مجھ کو
بابا نے مرے، قید سے چھڑوا دیا مجھ کو

۴۰

تکلیف مری سبطِ نبیؑ کو نہ خوش آئی — دلوا دی ہمیں قید سے بابا نے رہائی
سب سر بھی ملے لوٹ بھی جو کچھ تھی پھر آئی — اعدا سے رضا ہیں نے وطن جانے کی پائی

ہے قصد کہ اب روضۂ شبیرؑ پہ جا کے
پیوندِ زمیں کیجیے لاشے شہدا کے

۴۱

سجادؑ نے جن خوانوں میں سر تھے وہ منگائے — زینبؑ نے کہا لاؤ جو سر اور ہو لائے
ہر ایک نے دریا کی طرح اشک بہائے — ان خوانوں کو کھولا تو کٹے سر نظر آئے

طاقت نہ رہی صبر کی ان نوحہ گروں کو
رونے لگے سب چھاتی سے لپٹا کے سروں کو

۴۲

وارث کوئی کہہ کہہ کے ہوئی جاتی تھی بے جاں! — کہتی تھی کوئی ہائے مرے اکبرؑ ذیشاں!
کوئی سرِ شبیرؑ سے کہتی تھی یہ ہر آں — کہتی تھی کوئی قاسمؑ بیکس ترے قرباں!

بھائی مرے اس زینبؑ بیکس کی خبر لو!
وارث مرے! مالک مرے! خواہر کی خبر لو!

۴۳

سر ننگے مجھے شام کی بستی میں پھرایا! — فریاد ہے بھائی مجھے اعدا نے ستایا
دنیا سے سفر کر گئی یہ رنج اٹھایا — پھر حال سکینہؑ کا بھی اس طرح سنایا

پھر آئی نہیں پاس وہ بے آس ہمارے
آئی یہ صدا سر سے وہ ہے پاس ہمارے!!

۴۴

سب بیبیوں نے رونے کا اک شور مچایا — جب یہ سرِ شبیرؑ نے زینبؑ کو سنایا
دے دے کے تسلی انھیں محمل میں بٹھایا — سجادؑ نے دروازے پہ اونٹوں کو منگایا

تھا دفن جو کرنا پسرِ شاہِ نجف کو
زنداں سے چلے پیٹتے مقتل کی طرف کو

۴۵

جب مقتلِ شہ پر گیا وہ قافلہ سارا　　رو رو کے بپا حشر کیا سب نے دوبارا
خاموش انیسؔ اب نہیں تقریر کا یارا　　اس غم سے کلیجہ ہوا سینہ میں دوپارا
یہاں دخل کسی اور کے انداز کو کیا ہے
اپنے تو گھرانے ہی کا انداز جدا ہے

تاراج جب خیامِ شہِ کربلا ہوئے

بنی اسد کی عورتوں نے بعد دہم کربلا کے شہیدوں کو دفن کیا، یہ روایت تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر اس اچھوتے موضوع سے متعلق انیس یا ان کے ہمعصروں میں سے کسی اور نے بھی ایک ہی آدھ مرثیے کہے ہیں۔ بہر حال ہمیں اس کا ایک اہم نسخہ پروفیسر مسعود ادیب کے مراثی کے ذخیرہ میں جلد سوم نمبر ۵، ۷ میں ۶۴ بندوں کا ملا۔ یہ مکمل ہے مع مطلع اور مقطع کے اور درمیان میں بھی کوئی نقص نہیں۔ پورا مرثیہ ایک ہی ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ روشنائی بھی یکساں ہے کاغذ پرانا ہے۔ انیس کے علاوہ ان کے اہلِ خاندان، مرثیہ گو حضرات یا مرزا دبیر اور مرزا تعشق کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کلام میں جہاں تک ہم تلاش کر سکے ہیں، یہ مرثیہ کہیں بھی نظر سے نہیں گذرا۔ جن جلدوں کو سامنے رکھ کر ہم نے تصدیق کی ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

مطبوعہ جلدیں

۱۔ منشی نولکشور کے مطبع سے شائع ہونے والی چاروں جلدیں
۲۔ تیج کمار کے مطبع سے شائع ہونے والی چاروں جلدیں
۳۔ مطبع جعفری ایک جلد
۴۔ مطبع شاہی کی ۳ جلدیں
۵۔ اور تاج بک ڈپو لاہور کی چار جلدیں
۶۔ نظامی پریس، مرتبہ طباطبائی کی تین جلدیں
۷۔ رزم نامۂ انیس، مرتبہ پروفیسر مسعود حسین خاں
۸۔ واقعاتِ انیس، مرتبہ منظور علی علوی
۹۔ وقارِ انیس، مرتبہ مہذب لکھنوی دو جلدیں
۱۰۔ مراثیِ انیس، مرتبہ مہذب لکھنوی جلد اول

یادگارِ انیس ، مرتبہ امیر احمد
نگارِ نفیس ، مرتبہ مہذب جلد اوّل
مرزا دبیر نمبر "کتاب نما" ماہنامہ مرتبہ عبد القوی دسنوی
جواہراتِ انیس دو جلدیں

مخطوطات

اسی طرح قلمی نسخے جو ہمیں ذخیرۂ مسعودی یا جون پور میں محفوظ ملے، یا کتب خانۂ محمود آباد لکھنؤ میں دیکھا جا سکا۔ ان میں بھی یہ مرثیہ اب تک کہیں نہیں ملا۔ مخطوطات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱	جلد اول	مراثیٔ انیس در ذخیرۂ مسعودی	جلد نمبر	۵۷۳
۲	جلد دوم		اردو مخطوطہ نمبر	۵۷۴
۳	جلد سوم		″ ″ ″	۵۷۵
۴	جلد چہارم		″ ″ ″	۵۶۷
۵	جلد پنجم		″ ″ ″	۵۷۷
۶	جلد ششم		″ ″ ″	۵۷۸
۷	جلد ہفتم		″ ″ ″	۵۷۹
۸	مجموعہ مراثی		″ ″ ″	۵۶۷
۹	″ ″		″ ″ ″	۵۶۸
۱۰	بیاض نمبر		″ ″ ″	۶۱۰
۱۱	″ ″		″ ″ ″	۶۱۱

(ب) میر انس کے قلمی نسخوں کی تفصیل

جلد	اردو مخطوطہ نمبر	۵۸۲
جلد	″ ″ ″	۵۷۹
جلد	″ ″ ″	۵۸۴
جلد	″ ″ ″	۵۶۷
جلد	″ ″ ″	۵۶۸

میر انس کی جلدوں کی تفصیل

۱ - جلد	اردو مخطوطہ نمبر	۵۷۹
۲ - جلد اول	〃 〃 〃	۵۸۰
۳ - جلد دوم	〃 〃 〃	۵۸۱
۴ - جلد	〃 〃 〃	۵۸۴
۵ - جلد	〃 〃 〃	۵۶۷

میر نفیس

۱ - جلد	اردو مخطوطہ نمبر	۵۸۵
۲ - جلد	〃 〃 〃	۵۷۹
۳ - جلد	〃 〃 〃	۵۶۷

ان مطبوعہ اور قلمی مجموعوں کے علاوہ مرثیوں کی کچھ فہرستیں بھی ہمیں دورانِ تلاش ملیں۔ ان میں زیادہ دوہی پور، ضلع بنارس کی فہرستِ مراثی ہے۔ جو سید محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی تیار کردہ ہے۔ یہ میر انیس کے شاگرد بھی تھے اور کاتب بھی۔ ان کے والد سید صادق علی صاحب حکیم سید علی صاحب کے چھوٹے بھائی، اور ان دونوں بھائیوں سے میر انیس کے ذاتی وگہرے تعلق تھے، خط وکتابت کا سلسلہ تھا۔ ہم لوگوں کو ان کے بہت سے قلمی خطوط ملے، جن کی عکسی نقلیں بھی ہم نے تیار کرالی ہیں۔ دوسری فہرست ذوالقدر صاحب بہادر سکنۂ جون پور اور تیسری علی ضامن خاں سکنہ لیری جون پور، چوتھی رشید صاحب پیر پور ہاؤس، لکھنئو —— ان سب فہرستوں پر بھی ایک نظر ڈال لی گئی ہے کوئی مطلع اس سے میل کھاتا ہوا نہیں ملا۔ ویسے ان فہرستوں میں کئی مرثیے غیر معروف چہروں کے ملے ہیں اور جب تک کہ ان کا پورا متن سامنے نہ ہو، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بہر حال حتی الوسع جہاں جہاں بھی دیکھنا چاہیے تھا، دیکھ لیا۔ ہماری موجودہ معلومات اور کوششوں کی حد تک یہ مرثیہ اب تک کہیں نہیں چھپا اور اس میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ تصنیف کردہ میر انیس ہے۔

۱

تاراج جب خیامِ شہِ کربلا ہوئے — برباد اہلِ بیتِ رسولِ خدا ہوئے
سجّاد عارضہ میں اسیرِ جفا ہوئے — بے پردگی میں آلِ عبا مبتلا ہوئے
دل جل رہے تھے آگ لگی تھی زمانے کو
چادر کسی کے پاس نہ تھی منہ چھپانے کو

۲

گاڑے گئے لعینوں کے تن، وامصیبتا — شبیرؑ کو ملا نہ کفن، وامصیبتا!
تھی سر برہنہ شہ کی بہن، وامصیبتا — بارہ گلے تھے، ایک رسن، وامصیبتا!
گھوڑوں پہ اپنے اہلِ شقاوت سوار تھے
پیدل جنابِ عابدِؑ عالی وقار تھے

۳

اونٹوں پہ جب کہ آلِ نبی کو کیا سوار — اس ناتوان و زار کے دی ہاتھ میں مہار
جب لے چلے اسیروں کو مثلِ گناہ گار — چلّاتی تھی یہ زینبِ غمگین و سوگوار
یا شاہِ دیں اسیریِ خواہر کو دیکھیے!
سر ننگے سب ہیں، آلِ پیمبر کو دیکھیے!

۴

جب دخترِ علیؑ نے یہ رو کر کیا بیاں — نیزہ پہ چشمِ شاہ سے آنسو ہوئے رواں
پھر شمر کو پکاری یہ زینب بصد فغاں — گر حکم دے تو بھائی سے مل لے یہ خستہ جاں
لاشِ امامؑ پاک پھر اک بار دیکھ لوں
سبطِ نبیؐ کا آخری دیدار دیکھ لوں

۵

جھنجھلا کے اُس شقی نے کہا یہ نہیں قبول　　لاشے پہ رونے پیٹنے سے ہو گا کیا حصول
ہمراہ ہے سناں پہ سرِ دلبرِ رسولؐ　　بس ہاتھ مَل کے رہ گئی وہ دخترِ بتولؑ
چلّائی پاس آپ کے کس طرح آؤں میں!
بھیّا تمھاری لاش کے قربان جاؤں میں!

۶

مجبور ہے یہ بیکس و مظلوم و بے وطن　　شرمندہ ہے کہ دے نہ سکی آپ کو کفن
تیجا بھی کر سکی نہ تمھارا یہ خستہ تن　　چادر بھی اب تو سر پہ نہیں کیا کرے بہن
ملتا نہیں کفن تمھیں، ایسے غریب ہو
کب دیکھیے کہ آپ کو تربت نصیب ہو

۷

اُس وقت شہ کے حلقِ بُریدہ نے دی صدا　　اللہ کی رضا سے ہے بندے کو زور کیا
غم ہے مجھے کہ سر پہ تمھارے نہیں رِدا　　سبطِ رسولِ حق تری الفت کے ہو فدا
پردے کا دھیان ہے نہ تباہی کا دھیان ہے
اس دکھ میں ابنِ شیرِ الٰہی کا دھیان ہے

۸

بھینا ہمارے لاشۂ بے سر کا غم نہ کھاؤ　　بس اب نہ پیٹ پیٹ کے بھائی کا دل کڑھاؤ
سر ننگے راہِ حق میں سوے شام و کوفہ جاؤ　　چادر اگر نہیں ہے تو بالوں سے منہ چھپاؤ
دکھ درد سہہ لو بخششِ امّت کے واسطے
مجبوس تم ہوئی ہو شفاعت کے واسطے

۹

روحِ بتولؑ کی تمھیں دیتا ہوں میں قسم　　کیجو زباں سے کچھ نہ گِلا دکھ ہوں یا ستم
لیکن رہے خیال سکینہ کا دم بہ دم　　تم جانتی ہو اس کو بہت چاہتے تھے ہم
اس کو بہن، لعیں نے طمانچے لگائے ہیں
بھینا یہ سب حسینؑ نے صدمے اٹھائے ہیں

۱۰

اس دم کیا تڑپ کے سکینہؑ نے یہ کلام — امّاں کدھر سے مجھ کو پکارے شہِ امامؑ
گرتی ہے اونٹ سے کوئی دم میں یہ تشنہ کام — دکھلا دو مجھ کو لاشۂ سلطانِ خاص و عام
گردن مری بندھی ہے خبر کیا نہیں انھیں
امّاں سحر سے بیٹی نے دیکھا نہیں انھیں

۱۱

امّاں جہاں سے جانو، بلا دو حسینؑ کو — للّٰلہ میرا حال دکھا دو حسینؑ کو
مرتی ہوں، مجھ سے جلد ملا دو حسینؑ کو — آرام میں ہوں گر تو جگا دو حسینؑ کو
امّاں تمھیں نے مجھ سے چھڑایا ہے شاہ کو
لوں گی تمھیں سے میں شہِ عالم پناہ کو

۱۲

پوچھوں گی میں پدر سے کہ، بابا یہ کیا کیا — حضرت نے مجھ کو ساتھ نہ کیوں اپنے لے لیا
جو آپ سے ملے اُسے کرتے ہیں یوں خفا — پوچھا نہ تم نے مجھ پہ یہ ظلم و ستم ہوا
کس شہر میں چلے گئے منھ مجھ سے موڑ کے
بستی بسائی کون سی بیٹی کو چھوڑ کے

۱۳

کہنے لگی سکینہ سے بانوؑ کہ میں نثار — بی بی تمھیں ملیں گے نہ اب شاہِ نامدار
صدقے میں، غل مچا کے پکارو نہ بار بار — گھُڑکے کہیں نہ پھر تمھیں شمرِ ستم شعار
کیا زور میرا، باپ جو بیٹی سے دُور ہے
قربان جاؤں میرا بھلا کیا قصور ہے

۱۴

یاں ماں میں اور بیٹی میں ہوتے تھے یہ کلام — چلّایا شمر ہوئے گا کیا اب یہیں مقام
سجّادؑ سے کہا کہ زمام اشتروں کی تھام — اب جلد ہوں رواں حرمِ شاہ سوئے شام
منزل بہت کڑی ہے اذیّت ہے راہ میں
ٹھیرے نہ اب اسیر کوئی قتل گاہ میں

۱۵

روتے ہوئے یہ سُن کے چلے عابدِ حزیں
مُجرے کو جُھک گئے طرفِ لاشِ شاہِ دیں
زینب پکاری، اے پسرِ ختمِ مرسلیں
مجبور ہے اسیر بہن، زور کچھ نہیں
ہے ہے یہ دھوپ اس جسدِ پاش پاش پر
رونا ملا بہن کو نہ بھائی کی لاش پر

۱۶

لو الوداع، اے شہِ ابرار، الوداع!
اے سروِ باغِ احمدِ مختار، الوداع!
اے اہلِ بیتِ پاک کے سردار، الوداع!
چلّائے شہ کہ خواہرِ غم خوار، الوداع!
سونپا تمھیں حمایتِ شیرِ الٰہ میں
زینب، سکینہ جان سے ہُشیار راہ میں

۱۷

راہی ہوئے اُدھر تو وہ ناشاد نوحہ گر
محتاجِ قبر رہ گئی حضرت کی لاش اِدھر
وہ ریگِ گرم، اور وہ صحرائے پُرخطر
روتے تھے طائرانِ ہوا ان کی لاش پر
ایک ایک بی بی پیٹ کے سر خاک اڑاتی تھی
چاروں طرف سے رونے کی آواز آتی تھی

۱۸

دن کو بنی اسد کا جو ہوتا تھا واں گزر
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے ہوتے تھے نوحہ گر
کہتے تھے سب، یہ سینہ و سر پیٹ پیٹ کر
کیا سانحہ ہے جس سے کہ بیتاب ہے جگر
بے سر ہر ایک غیرتِ شمشاد ہو گیا
یہ کس کا باغ دشت میں برباد ہو گیا

۱۹

اُس قوم سے جو ایک کا شب کو گزر ہوا
پاس آکے قتل گاہ میں دیکھا یہ ماجرا
ایک خیمۂ سیاہ ہے اس دشت میں بپا
شمسہ سی جس کے گرد ہے خورشید کی ضیا
روشن ہے دشتِ قتل، یہ عالم ہے نور کا
اس خیمہ پر یقین ہوا کوہِ طور کا

۲۰

دیکھا یہ سانحہ تو ہوا اُس کو اضطراب کہنے لگا میں جاگتا ہوں یا کہ ہے یہ خواب
کیا دیکھتا ہے اتنے میں پھر وہ جگر کباب دو شخص نکلے خیمے سے مانندِ آفتاب
گرد و غبار میں رُخِ انور اَٹے ہوئے
سینے کبود اور گریباں پھٹے ہوئے

۲۱

گردن میں ان کی شالِ عزا اور سیہ لباس صدموں سے رنگ چہروں کے فق اور دل اُداس
سینوں پہ ہاتھ، آنکھوں میں اشک اور ہجوم یاس آہستہ آئے روتے ہوئے ایک لاش پاس
پہلے بڑھایا ہاتھ کو تسلیم کے لیے
پھر لاش اُٹھ کھڑی ہوئی تعظیم کے لیے

۲۲

سر پیٹ پیٹ کر جو وہ روتے تھے زار زار جنباں زمیں تھی، کانپتا تھا چرخِ بے مدار
گردوں سے پھر عماریِ نور اُتری ایک بار ہیں اُس میں چند بیبیاں نالان و بے قرار
حوریں ہیں ساتھ چاک گریباں کیے ہوئے
اور ہاتھ میں گلاب کے شیشے لیے ہوئے

۲۳

نکلیں پھر اُس عماری سے گریاں وہ بیبیاں سر پر اڑاتی خاک پریشاں بصد فغاں
اک بی بی آگے آگے یہ کرتی ہوئی بیاں اے میرے نورِ عین، تری لاش ہے کہاں
کیوں کر نہ تیرے داغ سے دل بیقرار ہو
بیٹا تمھاری لاش کے مادر نثار ہو

۲۴

اے میری جان! اے مرے پیارے کدھر ہے تو! سولہ پہر کی پیاس کے مارے کدھر ہے تو!
اے عرشِ کبریا کے ستارے کدھر ہے تو! چلتے ہیں دل پہ درد کے آرے کدھر ہے تو!
کیوں کر کفن نہ چاک کرے ماں مزار میں
لاشہ اَٹا ہوا ہے تمھارا غبار میں

۲۵

ماں صدقے اے شہیدِ جفا و ستم پسر!
اے حاملِ اذیت و رنج و الم پسر!
اے میری جان، اے مرے محبوبِ غم پسر!
اے خیر خواہِ امتِ خیر الاُمم پسر!
ڈھونڈھوں کدھر میں چاند کو اس کالی رات میں
کیا لاش بھی تمھاری بہادی فرات میں

۲۶

وہ حلقِ پاک چومتے تھے جس کو مصطفا
ہے ہے کٹا چھری سے وہی چاند سا گلا
عاشق تھا باپ، بھائی تصدق تھا، ماں فدا
مجھ دل جلی کے دکھ پہ کسی کا نہ دل جلا
تم چھٹ گئے بہن سے، بہن تم سے چھٹ گئی
میری کمائی ہائے اسی بن میں لٹ گئی

۲۷

دل ماں کا بے قرار ہے بیٹا اٹھو ذرا!
ٹکڑے ہے تیغِ غم سے کلیجہ اٹھو ذرا!
بحرِ شرف کے گوہرِ یکتا اٹھو ذرا!
اے سروِ باغِ فاطمہ زہراؑ اٹھو ذرا!
اس آتما کی آنچ نے چھاتی جلائی ہے
واری یہ ماں بہشت سے رونے کو آئی ہے

۲۸

قربان ہو گئی مجھے اٹھ کر گلے لگاؤ
ماں بوسے لیوے حلقِ بریدہ تو آگے لاؤ
روتی ہوں میں بہت، مجھے پیارے نہ اب رلاؤ
میں ناتواں ہوں ہاتھ مرا تھامنے کو آؤ
تیرِ الم جو دل پہ لگے ہیں نکال دو
یہ ہاتھ خوں بھرے مری گردن میں ڈال دو

۲۹

زہراؑ نے جب یہ بین کیے تھام کر جگر
حوریں بھی پیٹنے لگیں ہاتھوں سے اپنا سر
ناگہ پکارا لاشۂ سلطانِ بحر و بر
اماں، ادھر ہے آپ کا خادم لہو میں تر
ہم تابعِ رضائے خدائے قدیر ہیں
پہلو میں برچھیاں ہیں، تو سینہ میں تیر ہیں

۳۰

چلائی وہ کہ میں تری آواز کے فدا
اے کاش، تیرے بدلے مرا کاٹتے گلا
آئی قریبِ لاش جو وہ غم کی مبتلا
تر خوں میں ماں کو بیٹے کا لاشہ نظر پڑا
دیکھا لہو میں تر جو تنِ پائمال کو
لپٹا لیا بتول نے چھاتی سے لال کو

۳۱

سینہ پہ بوسہ دے کے پکاریں بحالِ زار
قربان تیری لاش کے، اے میرے گلعذار
غش آگیا یہ کہتے ہی زہرا کو ایک بار
حیرت میں تھا یہ شخص مگر دل تھا بے قرار
کہتا تھا رو کے آہ، یہ کیا ماجرا ہوا
دنیا اُلٹ گئی ہے کہ محشر بپا ہوا

۳۲

ناگاہ نورِ صبح فلک پر ہوا عیاں
لُوٹا سپاہِ روز نے بس شب کا کارواں
دیکھا نہ وہ عماری ہے اور نہ وہ بیبیاں
جنگل وہی ہے اور وہی لاشے ہیں خونچکاں
صدمہ ہوا جو اس کے دلِ دردناک پر
بس یا علیؑ! وہ کہہ کے گرا روئے خاک پر

۳۳

ہوش آیا جب تو گھر کو گیا وہ بصد بُکا
غمگین و بے حواس و گریباں پھٹا ہوا
پوچھا ہر ایک نے کہ ہوا ہے تجھے یہ کیا
کیوں پا برہنہ آیا ہے، سر کیوں ہے پیٹتا
وہ شخص منھ ہر ایک کا رو رو کے تکتا تھا
رقت کا تھا یہ جوش کہ کچھ کہہ نہ سکتا تھا

۳۴

تھا ان میں ایک شخص مُسن اور ہوشیار
بولا وہ کچھ نہ کچھ ہوا مقتل میں آشکار
لاشے جہاں ہیں ڈر گیا شاید یہ دل فگار
یہ سُن کے اور رونے لگا وہ بحالِ زار
چلائیں بیبیاں کہ ارے کیا جفا ہوئی
تسکیں اُسے نہ رونے سے پر مطلقا ہوئی

۳۵

روتے پہ اس کے رونے لگے سب بصد الم	تب عورتوں نے مردوں سے پوچھا بہ دردو غم
جلدی کہو کہ خلق میں یہ کیا ہوا ستم	دل پر یہ رنج ہیں کہ نکلتے ہیں تن سے دم
جنگل میں روز بادِ صبا خاک اڑاتی ہے
پچھلے کو کس کے رونے کی آواز آتی ہے

۳۶

مردوں نے عورتوں سے کہا تب بہ اشک و آہ	اُترا تھا اس زمین پر اک بندۂ اِلٰہ
ذی قدر و ذی کرامت و ذی جاہ و دیں پناہ	ثابت یہ تھا کہ ہے کسی سرحد کا بادشاہ
بندوں میں حق کے بندۂ عالی مقام تھا
الحق رسول تھا وہ کوئی یا امام تھا

۳۷

ناگاہ دشتِ کیں میں ہوئی آمدِ سپاہ	لڑنے پہ مستعد ہوئے دو لاکھ رُوسیاہ
یاں تک کہ بند ہو گئی چاروں طرف سے راہ	حلقہ میں گھر گیا وہ شہنشاہِ دیں پناہ
نرغہ سپاہِ شام کا دوچند ہو گیا
تھی ساتویں کہ آبِ رواں بند ہو گیا

۳۸

وہ لُو وہ دھوپ دشت کی، وہ گرمیوں کے دن	طفل اس کے جاں بہ لب ہوئے آب و طعام بن
ضد بہرِ آب کرتے تھے بچے کہ کم تھے سن	روتا تھا سر جھکائے وہ سلطانِ انس و جن
آرام صبح کو تھا نہ راحت تھی شام کو
دو دن ملا نہ آب کسی تشنہ کام کو

۳۹

روزِ دہم جو آیا تو بجنے لگے دُہل	برپا ہوا جلاجل و قرنا کا رن میں غل
لشکر میں اس کے آہ اکاسی جواں تھے کل	کیا قصد تھے کہ ہنستا تھا اک اک بہ شکلِ گل
لیکن نہ تھا ہراس کسی رشکِ ماہ پر
سینے سپر کیے ہوئے تھے بادشاہ پر

۴۰

ناگاہ فوجِ کیں سے چلے تیر دس ہزار　　شہ سے وغا طلب ہوئے جرّارِ نامدار
ڈر ڈر کے بھاگ بھاگ گئی فوجِ نابکار　　نعرے کیے کہ گونج گیا دشتِ کارزار
غازی تھے، صف شکن تھے، جری تھے، دلیر تھے
دو دن سے تشنہ لب تھے، پہ جرأت میں شیر تھے

۴۱

لڑ لڑ کے فوجِ کیں سے جو وہ ہو گئے تمام　　نکلے وغا کو شہ کے عزیزانِ تشنہ کام
بے جاں جو رن میں ہو گئے وہ طفلِ لالہ فام　　دولھا پھر اک شہید ہوا باصد احترام
بے دست اس کے بعد علمدار ہو گیا
بے دم سناں سے فوج کا سالار ہو گیا

۴۲

حجت تمام کرنے کو وہ شاہِ بے نظیر　　خیمہ سے لایا ہاتھوں پہ شش ماہا اک صغیر
ہم صورتِ علیؑ تھا وہ بچہ مہِ منیر　　مارا اُسے بھی حرملۂ سنگدل نے تیر
تڑپا جو وہ تو باپ کا رُخ زرد ہو گیا
منھ سے اُگل اُگل کے لہو، سرد ہو گیا

۴۳

اُس شاہ نے لٹا دیا اُس کو بھی خاک پر　　اور بہرِ جنگ باندھ لی ٹوٹی ہوئی کمر
صفدرؑ نے غیظ سے جو سوئے تیغ کی نظر　　باہر ہوئی نیام سے خود تیغِ شعلہ وَر
بڑھ بڑھ کے وہ سیاہ علم کھولنے لگے
تھم تھم کے شاہ تیغ دو دم تولنے لگے

۴۴

آئی سمٹ کے فوج جو اُس خوشخصال پر　　تنہا لڑا ہزاروں سے وہ شاہِ نام وَر
شمشیرِ شعلہ ریز غضب کاٹتی تھی سر　　تھا تہلکہ یہ فوجِ عدو میں کہ الحذر
غل تھا کہ ہاتھ اے شہِ ابرار روکیے
امّت پہ رحم کیجیے، تلوار روکیے

۴۵

کیا رحم تھا کہ روک لی یہ سُن کے ذوالفقار تھمنا تھا تیغ کا کہ چلے تیر دس ہزار
سینہ تمام چھن گیا بیکس کا ایک بار کرتے تھے پاس آن کے سب برچھیوں کے وار
آخر تھما نہ زین پہ تھرّا کے گر پڑا
طاری ہوا یہ ضعف کہ غش کھا کے گر پڑا

۴۶

گھوڑے سے جب زمیں پہ گرا وہ نحیف و زار سر تن سے کاٹ لو یہ ہوئی ہر طرف پکار
خنجر کمر سے کھینچ کے تب اک ستم شعار سینہ پہ اس غریب کے آ کر ہوا سوار
خیمہ میں غل ہوا کیا فریاد و آہ کا
سر تن سے اس نے کاٹ لیا بے گناہ کا

۴۷

تا وقتِ عصر ہو چکا جس دم یہ قتلِ عام پھر ناریوں نے پھونک دیے آگ سے خیام
ناموس بھی اسیر ہوئے گھر لُٹا تمام راہی سبھوں کو لے کے ہوئی فوج سوے شام
زہراؑ برہنہ سر ہے، علیؑ دل ملول ہے
کہتے ہیں سب وہ لاشۂ سبطِ رسولؐ ہے

۴۸

جلتا ہے دن کی دھوپ میں اس شاہ کا بدن راتوں کو اُوس کھاتا ہے مظلوم بے وطن
روتے ہیں اس کی لاش پہ پیغمبرِ زمن اُس لاش کو نہ گور میسّر ہے نہ کفن
بھائی بہن ہے گود کا پالا نہیں کوئی
تربت میں اس کو گاڑنے والا نہیں کوئی

۴۹

یہ سُن کے بیبیوں کے دلوں کو رہی نہ تاب چلّائیں ہائے یثرب و بطحیٰ ہوا خراب
ہئے ہئے اسیر ہو گئی زینبؑ جگر کباب وہ تو حسینؑ ہے جگر و جانِ بو تراب
اعدا نے اُس پہ ظلم و ستم بے سبب کیا
تم نے بھی اس کی لاش نہ گاڑی، غضب کیا

۵۰

تم مرد ہو کے حاکمِ نامرد سے ڈرے اب ہم کریں گے دفن انھیں جو خدا کرے
تم اوڑھو چادریں کہ ہیں دل خوف سے بھرے ہتھیار ہم کریں گے، جیسے کوئی یا مرے
اب ہم اٹھائیں گے جسدِ پاش پاش کو
پنہاں کریں گے خاک میں سیدؑ کی لاش کو

۵۱

اُٹھیں جو بیلچے لیے ہاتھوں میں بیبیاں گر گر کے پاؤں پر کیا مردوں نے یہ بیاں
تم بیٹھ کر گھروں میں کرو نالہ و فغاں ہم دفن جا کے کرتے ہیں لاشِ شہِ زماں
حاکم اگر لڑے گا تو ہم خوں بہائیں گے
ہم تربتیں غریبوں کی جا کر بنائیں گے

۵۲

یہ کہ کے نکلے بیلچے لے کر بصد الم آئے قریبِ مقتلِ شاہنشہِ اُمم
آپس میں کہتے تھے یہی رو کر بدرد و غم کس طرح گاڑے جائیں گے یہ کشتۂ ستم
سردار کون سا ہے یہ مطلق خبر نہیں
ہم دفن کیا کریں کہ کسی تن پہ سر نہیں

۵۳

حیرت میں سب کھڑے تھے یہ لاشوں کے درمیاں اک روشنی جو پھیل گئی رَن میں ناگہاں
دیکھا جو مُڑ کے اک تتقِ گرد ہے عیاں آواز ہے بلند یہ، باصد غم و فغاں
ٹھہرو کہ دفن کرنے کو لاشوں کے آتے ہیں
سجادؑ سر حسینؑ کا ہاتھوں پہ لاتے ہیں

۵۴

یہ غل بپا تھا جو پے سلطانِ انس و جاں مقتل پہ آئے حضرت سجادؑ ناتواں
دو نہریں آنسوؤں کی ہوئیں چشم سے رواں چلایا السلام علیک، اے شہِ زماں!
زنداں میں بے قرار تھا حضرت کے واسطے
آیا ہے یہ غلام زیارت کے واسطے

۵۵

روکر پڑھی زیارتِ شاہنشہِ انام پھر فرطِ شوق میں یہ کیا شاہ سے کلام
اے سالکانِ راہِ الٰہی، مرا سلام یاں تک لیا امامِ زماں نے ہر ایک نام
پھر تھا یہ جوشِ گریہ کہ تھرّا کے گر پڑے
حضرت قریبِ لاشِ پدر آ کے گر پڑے

۵۶

روتے اُٹھے جو خاک سے سجّادِ دلفگار تیار پائے سارے شہیدوں کے واں مزار
چاہا کہ پہلے دفن کریں شہ کا جسمِ زار آئی صدا اے حضرتِ شبیرؑ نامدار
بیٹا لٹاؤ تم مرے پیاروں کو قبر میں
اے ماہ، پہلے رکھو ستاروں کو قبر میں

۵۷

دیکھا جو جسمِ پاک کو دل کانپنے لگا زخموں کی تھی نہ لاشۂ اقدس پہ انتہا
سینے سے کھینچے تیر، تو رقّت کا جوش تھا تھیں پہلوؤں میں بوڑیاں نیزوں کی جابجا
کہتے تھے دیکھ دیکھ کے ٹکڑوں کو لاش کے
اب تک کھلے ہیں زخم تنِ پاش پاش کے

۵۸

لکھا ہے حسبِ حکمِ شہِ عرش بارگاہ دفنائی کُنجِ قبر میں سب شاہ کی سپاہ
فارغ ہوئے جو دفن سے سب بااشک و آہ آئے قریبِ لاشۂ سلطانِ دین پناہ
رعشہ تھا ہاتھ میں، تو قدم لڑکھڑاتے تھے
سر اپنا پیٹ پیٹ کے آنسو بہاتے تھے

۵۹

لائے قریبِ قبر جو لاشے کو ایک بار دستِ خدا کے ہاتھ ہوئے واں سے آشکار
روتے تھے قبرِ شاہ پہ محبوبِ کردگار بولی حسنؑ سے فاطمہؑ یہ ہو کے بے قرار
صدمہ اتارنے میں نہ ہو نورِ عین کو
محسن کو تم لو گود میں میں لوں حسینؑ کو

۶۰

تھا قبرِ شاہِ دیں میں عجب نور جلوہ گر　　شفاف تھی زمیں کہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
اک نور کا حجاب تھا مرقد پہ سربسر　　تختہ بنا گلاب کا صحرائے پُرخطر
خوشبو یہ تھی کہ جان مزا اُس سے پاتی تھی
بوئے بہشت مرقدِ انور سے آتی تھی

۶۱

تربت میں رکھ کے لاش اُٹھایا سرِ حسینؑ　　چلائی فاطمہؑ کہ وہ آیا سرِ حسینؑ
عابدؑ نے جب کہ تن سے ملایا سرِ حسینؑ　　غل تھا کہ آج جسم نے پایا سرِ حسینؑ
عرشِ بریں کو خاک کا پیوند کر دیا
تختے لگا کے قبر کو پھر بند کر دیا

۶۲

مٹی گرا کے رونے لگے بادلِ حزیں　　چلائی فاطمہؑ کہ مجھے تاب اب نہیں
تربت میں ہائے چھپ گیا یہ جسمِ نازنیں　　کہتے تھے سب غروب ہوا آفتابِ دیں
تیار کر کے قبر کو عابد جو ہٹ گئے
غل تھا کہ اب زمین کے طبقے اُلٹ گئے

۶۳

قومِ اسدؑ کے رونے سے اک حشر تھا بپا　　کہتے تھے پیٹ پیٹ کے ہے ہے یہ کیا ہوا
ناگاہ آئی مرقدِ انور سے یہ صدا　　اب سوئے شام جاؤ جو ہونا تھا ہو چکا
زنداں میں سب کو تیرے لیے اضطرار ہے
اے میری جاں پھوپی کو ترا انتظار ہے

۶۴

اب کربلا سے شام میں جانا کہوں میں کیا　　دنیا میں اے انیسؔ عجب حشر تھا بپا
اب ہاتھ اٹھا کے خالقِ اکبر سے کر دعا　　اے دافعِ غم والم، اے واہب العطا!
جاؤں یہاں سے روضۂ عنبر سرشت میں
دوزخ سے پھر نکال کے ہونچا بہشت میں

اس مرثیے کا سرورق یہ ظاہر کرتا ہے کہ شیخ عنایت حسین صاحب نے یا تو اسے خود لکھا، یا لکھوایا۔ اور مُہر تاریخی ۱۲۶۵ھ علی بخش صاحب کی۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں یا اس کے بعد موصوف کی ملکیت میں آیا۔ بہرحال مرثیہ مکمل ہے۔ اور تصنیف انیس ہونے کی سند سرورق کی عبارت اور مرثیہ کے متن سے بھی۔

اس کا کوئی اور نسخہ ہمیں اپنی تلاش میں کہیں نظر نہیں آیا۔ یہ مرثیہ ذخیرۂ مسعودی جلد سوم، مخطوطہ نمبر ۵۰۷ میں محفوظ ہے۔

۱

پائی یہ خبر زعفرِ جن نے جو کسی سے ‏ — ہوتی ہے لڑائی جگر و جانِ علیؑ سے

سب پھر گئے فرزند رسولِ[۱] عربی سے ‏ — ملتی نہیں سیّد کو اماں فوجِ شقی سے

منھ دینِ محمدؐ[۲] سے لعیں پھیرے ہوئے ہیں

اک پیاسے کو دو لاکھ جواں گھیرے ہوئے ہیں

۲

کھینچے ہوئے تلواریں لعیں ایک طرف ہیں ‏ — اسوار لیے نیزۂ کیں ایک طرف ہیں

خنجر لیے خولی و حصیں ایک طرف ہیں ‏ — سب ایک طرف ہیں شہِ دیں ایک طرف ہیں

ماتم ہے بپا گھر میں رسولِ عربیؐ کے

تنہائی کا عالم ہے نواسے پہ نبیؐ کے

۳

پیاسا ہے کئی دن سے یداللہ کا جانی ‏ — کہتے ہیں کچھ اور منھ سے نکل جاتا ہے پانی

زخمی کو تو ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی ‏ — ایک بوند بھی دیتے نہیں وہ ظلم کے بانی

تنہا کو ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے

شہ مانگتے ہیں پانی وہ ہیں تیر لگاتے

۴

کہتا ہے کوئی قاسمِ بے پر کو بلاؤ ‏ — کہتا ہے کوئی اپنے برادر کو بلاؤ

ہنس کر کوئی کہتا ہے کہ اکبرؑ[۳] کو بلاؤ ‏ — پھر تیر سے ماریں علی اصغر کو بلاؤ

عرصہ ہوا ہات آپ کو کلتے نہیں دیکھا

میدان میں زینبؑ[۴] کو نکلتے نہیں دیکھا

۵

فرماتے ہیں شہ لاشۂ اکبر سے یہ چل کر بابا کی مدد کرنے کو اوٹھو تمھیں دلبر
سنتے ہو مجھے کہتے ہیں کیا کیا یہ ستم گر دیکھو ہمیں تیغوں سے لعیں کرتے ہیں بے سر

تولے ہوئے شمشیر ہر اک دشمنِ دیں ہے
اللہ تو ایک سر پہ ہے اور کوئی نہیں ہے

۶

گہ لاشِ علمدار سے فرماتے ہیں رو رو عباسِ علیؑ جلد مدد کو مری اوٹھو
تلواریں لگاتے ہیں ہمیں ظالمِ بدخُو اے راحتِ جاں بھائی کی مظلومی کو دیکھو

ہمدم کوئی اس دم ہے نہ یاور ہے ہمارا
خنجر تو ہزاروں ہیں اور ایک سر ہے ہمارا

۷

تم ہوتے تو گھر آگ سے اعدا نہ جلاتے اور بالی سکینہؑ کو طمانچہ نہ لگاتے
تم ہوتے تو زینبؑ کو اسیری سے بچاتے رانڈوں کی ردا پھر نہ لعیں چھیننے پاتے

ناموس پہ کیا گذرے گی اس وقت، یہ غم ہے
محبوس ہوئی دخترِ زہرؑا تو ستم ہے

۸

سنتا تھا یہ زعفر کہ جن ایک اور بھی آیا چلاّیا کہ گھر خاک میں اعدا نے ملایا!
زہرؑا کے جگر بند کو گھوڑے سے گرایا! اب ہوتا ہے بے پَر اسد اللہ کا جایا!

فرزندِ رسولِؐ عربی غش میں پڑا ہے
شمشیر بکف سامنے جلاّد کھڑا ہے

۹

چلاّیا یہ سنتے ہی خبر زعفر دیندار ہَے ہَے مرے آقا کو ہیں گھیرے ہوئے خونخوار!
صدقے تیری مظلومی کے اے کُل کے مددگار! پانی بھی نہیں ملتا ہے، ایسے ہو گنہگار!

حیدرؑ سے خجل ہوتا ہوں صدمہ یہ بڑا ہے
آقا مرا جلتی ہوئی ریتی پہ کھڑا ہے

١٠

یہ کہہ کے کہا ماتمی صف لا کے بچھاؤ — گھر لٹتا ہے زہرؑا کا بس اب تخت اُٹھاؤ
میں غم میں ہوں کالی کفنی مجھ کو پنہاؤ — اب شکل مری سوگ نشینوں کی بناؤ
سُنتا ہوں کہ جنبش ہے محمدؐ کی لحد کو
جاتا ہوں میں اب دلبرِ زہرؑا کی مدد کو

١١

کہہ کر یہ سخن اسلحہ زعفر نے منگایا — خدّاموں نے جلدی اُسے ملبوس پنہایا
مادر کے قریں بہرِ اجازت جو وہ آیا — رونے لگا اور سر پئے تسلیم جھکایا
گھبرا کے وہ بولی کہ ارادہ ہے کدھر کا!
اُس نے کہا گھر لٹتا ہے زہرؑا کے پسر کا

١٢

وہ بولی کہ ہے ہے ہوا کیا سانحہ بتلا! — دنیا میں سلامت تو ہے لختِ دلِ زہرؑا!
سر پیٹ کے اُس نے کہا یہ حال کہوں کیا! — بے جرم گلا کٹتا ہے فرزندِ نبیؐ کا
اکبرؑ نہیں عباسِؑ علمدار نہیں ہے
سب قتل ہوئے اب کوئی غمخوار نہیں ہے

١٣

وہ بولی کہ جا جلد، خدا کو تجھے سونپا — قربان گئی دودھ بھی میں نے تجھے بخشا
احسان ہیں حیدرؑ کے ترے باپ پہ کیا کیا — شبیرؑ پہ تو سر کو فدا کیجیو، بیٹا
اس ظلم کی اعدا کو سزا دیجیو پیارے!
زہرؑا سے نہ مادر کو خجل کیجیو پیارے!

١٤

یہ سُن کے چلا زعفر جن جانبِ میداں — اُس وقت عجب حال سے تھے سرورِ ذیشاں
پہچانا شہِؑ دیں کو نہ اُس نے کسی عنواں — پوچھا کہ ہے کس سمت کو ابنِ شہِؑ مرداں
جیتے ہیں کہ دنیا سے سفر کر گئے شبیرؑ!
حیدرؑ سے میں شرمندہ ہوا مر گئے شبیرؑ!

۱۵

افسوس ہے اس وقت میں قسمت مجھے لائی　　جب ہو چکی آقا کے سر و تن میں جدائی
کس جا پہ لٹی فاطمہ زہراؑ کی کمائی　　تربت بھی کسی نے شہؑ دیں کی نہ بنائی
مرقد ہے کہاں سبطِ رسولؐ دوسرا کا
ہے فاتحہ واجب پسرِ شیرِ خدا کا

۱۶

تب رو کے اُسے سیدؑ بیکس نے سنایا　　زعفر ہوں میں ہی حیدرؑ کرار کا جایا
لکھ لکھ کے خطِ شوق مجھے گھر سے بلایا　　یہاں آیا تو بے جُرم لعینوں نے ستایا
تلواروں سے بے سر مرے پیاروں کو کیا ہے
بھائیؑ مرے سب قافلہ کو لوٹ لیا ہے

۱۷

یہ سنتے ہی ٹکڑے ہوا زعفر کا کلیجا　　گر کر قدمِ سیدؑ ابرار پہ بولا
پہچانا نہ تھا آپ کو میں نے شہؑ والا　　عرصہ ہوا آنے میں خجل ہوتا ہوں آقا
آرام نہ تھا میرے دلِ زارِ حزیں کو
صد شکر کہ جیتا ہوا پایا شہِ دیں کو

۱۸

میں جشن میں بیٹھا تھا کہ پہنچی خبر اک بار　　اب ہوتا ہے بے جاں پسرِ احمدؐ مختار
گھبرا کے مدینہ میں جو پہنچا میں دل افگار　　دیکھا کہ ہے جنبش میں ضریحِ شہؑ ابرار
فریاد کناں روحِ رسولؐ دوسرا تھی
سنتا تھا جدھر ہائے حسیناؑ کی صدا تھی

۱۹

روضہ میں گیا میں تو عجب سانحہ دیکھا　　نزدیک تھا شق ہووے مزارِ شہؑ والا
ایک بی بی یہ چلاتی ہے سر پیٹ کے اپنا　　بچہ مرا مرتا ہے مدد کیجیے بابا
حُوروں نے خبر دی ہے یہ مجھ سوختہ جاں کو
گھوڑے سے گراتے ہیں مرے تشنہ دہاں کو

۲۰

محبوبِ خدا نے کہا، بیٹی کہوں کیا حال　　میرا بھی جگر لشکرِ غم نے کیا پامال
رو دیتا ہوں چلّاتا ہے جب مجھ کو مرا لعل　　جاتا ہوں پریشان کیے گیسوؤں کے بال
جب تک میں نہ جاؤں گا وہ قاتل نہ ہٹے گا
آغوش میں میرے سرِ شبیر کٹے گا

۲۱

یہاں آیا تو حضرتؑ کو عجب حال سے پایا　　تیغوں سے کٹا گلشن حیدرؑ نظر آیا
اے میرے نوزادے تجھے کس نے ہے ستایا!　　پانی بھی نہ احمدؐ کے نواسے کو پلایا
بے دینوں کو اب کیسی سزا دیتا ہوں مولا!
شہزادوں کے میں خوں کا عوض لیتا ہوں مولا!

۲۲

گھبرا کے یہ کہنے لگے شاہنشہِ ابرار　　برباد ہو امت یہ گوارا نہیں زنہار
ان لوگوں کو بیٹوں سے میں کرتا ہوں سوا پیار　　راضی ہوں مجھے ذبح کریں تیغ سے خونخوار
اقرار جو تھا اوس کو ادا کرتا ہوں بھائی!
سر نانا کی امت پہ فدا کرتا ہوں بھائی!

۲۳

لے دیکھ تو دو روز کے پیاسے کی لڑائی　　یہ کہ کے عنانِ اسپِ سُبک رو کی اوٹھائی
بدلی سی جو تھی فوجِ ستم دشت میں چھائی　　بجلی کی طرح تیغ چمکتی ہوئی آئی
ستھراؤ کیا دم میں شہِ جن و بشر نے
سر خاک پہ برسا دیے شمشیرِ دو سر نے

۲۴

چلّائے ستمگر کہ پیمبرؐ کی دہائی!　　اکبرؑ کی دوہائی، علی اصغرؑ کی دہائی
جاں بخشی کرو قاسمِؑ بے سر کی دہائی!　　مارو نہ، علمدارِ دلاور کی دہائی
یا سبطِ نبیؐ احمدِ مختار کا صدقا!
اب رحم کرو حیدرِؑ کرار کا صدقا!

۲۵

زہراؑ کی صدا آئی کہ تلوار کو روکو　　نیزے سے نہ پیدل کو نہ اسوار کو روکو
صدقے گئی اب اسپِ وفادار کو روکو　　غصّہ نہیں لازم ہے، دلِ زار کو روکو
وہ کام کرو جس میں رضا مندیِ حق ہے
امت کی تباہی کا ترے جد کو قلق ہے

۲۶

یہ سنتے ہی مادر کی صدا روک لی شمشیر　　پھر روکے یہ کی زعفرِ دیندار سے تقریر
جا جلد مرے قتل میں اب کچھ نہیں تاخیر　　آئی ہیں مرے لینے کو یہاں فاطمہؑ دلگیر
اللہ کو سونپا تجھے ہم جاتے ہیں بھائی!
لینے مجھے سب میرے بزرگ آتے ہیں بھائی!

۲۷

دو گام نہ زعفر ابھی مقتل سے چلا تھا　　ناگاہ پسِ پشت سے یہ غل ہوا پیدا
سر کاٹ لو فرزندِ رسولِ عربی کا　　کھاؤ نہ ترس کہ یہ کئی دن سے ہے پیاسا
پانی نہ پلائے کوئی زہراؑ کے پسر کو
شبیرؑ کا سر کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

۲۸

سُن کر یہ سخن ٹوٹ پڑی سب سپہِ شام　　ٹکڑے ہوا تیغوں سے تنِ سرورِ ناکام
نیزوں سے گرانے لگے ریتی پہ بد انجام　　زہرا کی صدا آئی کہ ہے ہے مرے گلفام!
ہے ہے ترا سر تن سے قلم کرتے ہیں ظالم
میں دیکھتی ہوں تجھ پہ ستم کرتے ہیں ظالم

۲۹

گھوڑے سے جو فرزندِ پیمبر کو گرایا　　تھرّائی زمیں، کانپ گیا عرش کا پایا
بارہ ستم ایجادوں کو ظالم نے بلایا　　نزدِ شہؑ دیں شمرِ ستمگر اُنھیں لایا
بولا کہ کرو قتل محمدؐ کے پسر کو
بھر دوں گا زر و سیم سے ہر اک کی سپر کو

۳۰

جس وقت یہ اسپِ شہؑ مظلوم نے دیکھا سمجھا کہ بس اب ہوتا ہے بے سر مرا آقا
پھرنے لگا وہ گردِ شہؑ بیکس و تنہا دہشت کے سبب پاس نہ آسکتے تھے اعدا
ہوتا تھا فدا فاطمہ زہراؑ کے پسر پر
رکھ دیتا تھا سر پائے شہِ جنّ و بشر پر

۳۱

شہ نے کہا گھوڑے سے کہ اے اسپِ وفادار! جا تو بھی کہ اب ہوتا ہے بے سر ترا اسوار!
ہمدم مرے! اب بانوئے بیکس سے خبردار! لے جائیو جس سمت چلی جائے وہ ناچار
جاں اپنی نہ تو بہرِ شہِ جن و بشر دے!
جا بانوئے بیکس کو رنڈاپے کی خبر دے!

۳۲

پوچھے مجھے گر بالی سکینہؑ یہ سُنانا بی بی، تیرا بابا ہوا جنّت کو رَوانا!
ہووے گا نہ اب سیّدِ مظلوم کا آنا! راتوں کو نہ نیند آئے، تو آنسو نہ بہانا!
ہم تو رہِ معبود میں اب مرتے ہیں بی بی!
بن پانی کے بچّے نہیں ہٹ کرتے ہیں بی بی!

۳۳

یہ سُن کے چلا خیمہ کو اسپِ شہِ خوشخو یہاں سینۂ اقدس پہ چڑھا شمرِ جفا جو
شہ چونک پڑے چھاتی پہ رکھّا جو ہیں زانو سر کاٹ کے لے آیا وہ پکڑے ہوئے گیسو
خاموش انیسؔ اب کہ بہت شور و بکا ہے
یہ مرثیہ مقبولِ امامؑ دوسرا ہے

جس دم نماز صبح ادا کی حسینؑ نے

اس کا ایک مکمل لکھا ہوا مگر چند جگہوں سے پھٹا ہوا نسخہ ذخیرۂ مسعودی کی دوسری جلد نمبر ۵۷/۴ میں پایا گیا۔ اس کی ایک یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس میں کئی مقام پر جو ردو بدل مصرعوں میں یا فقروں میں کیا گیا ہے وہ ذمہ دارانہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے کاتب محمد بشیر الدین ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ موصوف ضلع بارہ بنکی کے رئیسوں میں سے تھے۔ مذہب حنفی کے پیرو تھے۔ دوست دارِ اہلِ بیتؑ تھے، مجالسِ عزا قائم کرتے تھے۔ خود بھی مرثیہ پڑھتے تھے، انیس کے شیدائیوں میں سے تھے۔ ان کا یہ مرثیہ جیسا کہ ان کے ثبت کردہ ترقیمہ سے ظاہر ہے، صفر ۱۲۷۸ھ کی پانچویں تاریخ بروز سہ شنبہ تحریر ہوکر تمام ہوا۔ ظاہر ہے جس اشتیاق اور فرطِ احتیاط سے یہ تحریر ہوا ہے، اتنا ہی اس کے متن کی صحت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

بشیر الدین صاحب نے مرثیہ کے بعد ایک مشہور سلام میر انیس کا لکھ کر شامل کیا ہے۔ جس پر ایک عنوان بہ خطِ نستعلیق غالباً انھیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ سلام کا مطلع اور مقطع یہ ہے:

مطلع : ذکرِ خوش قامتیِ شاہ جو چل جائے ابھی
مجرئی رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی

سلام میں کُل آٹھ شعر ہیں، مقطع یہ ہے۔

مقطع : دل کو بے چین کیا جان کے کھٹکے نے انیس
پھول ہو جاؤں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

یہ سلام تمام تر بخطِ شکست ہے، مرثیہ بھی نیم خطِ شکست میں تکملہ پذیر ہوا ہے۔ آخر میں شاید بشیر الدین صاحب کی لکھی ہوئی عبارت بخطِ نستعلیق اسی نسخہ کا ایک حصہ ہے۔ یہ عبارت کسی کتاب کا حصۂ حمد ہے۔ مرثیہ سے اس کا تعلق بظاہر نہیں معلوم ہوتا۔

اس نسخے کے مجموعی بند ۱۰۸ ہیں، آخری بند مقطع کا ہے۔ ہر صفحہ پر آٹھ آٹھ بند لکھے ہوئے ہیں، بہت ہی دیدہ زیب شانِ تحریر کے ساتھ۔ ردّ و بدل کی دو ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔ مثلاً پہلے ہی بند کی بیت ہے:

آئی صدائے غیب کچھ ایسی کہ رک گئے
ہنس کر امام خاک پہ سجدے کو جھک گئے

اس میں دوسرا مصرعہ یوں بنایا گیا ہے:

ہنس کر امام شکر کے سجدے کو جھک گئے

ظاہر ہے کہ اس تبدیلی سے مصرع میں ترقی واقع ہوئی ہے، اور یہ کام کوئی ذمہ دار ہی کر سکتا تھا

اسی طرح بند نمبر ۸۲ کا ایک مصرعہ تھا کہ جناب علی اکبر نے:

لی تھام کر لجامِ فرس جلد رن کی راہ

اس کی جگہ پر یہ مصرعہ حاشیہ پر تحریر ملتا ہے:

ہمراہ لے کے گھوڑے کو لی جلد رن کی راہ

پورے بند کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ 'لجامِ فرس تھام کر چلنا' اور 'گھوڑے کو ہمراہ لے کر چلنا' اس میں جو محاکاتی فرق مضمر ہے وہ بھی کسی نوک پلک جاننے والے ہی کے سلیقے کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

اس مرثیہ میں حسب ذیل مطلع نما بند ملتے ہیں، مثلاً:

۱۔ شہ نے کیا زیارتِ احمدؐ کو جب تمام
۲۔ جس وقت در سے خیمہ کے نکلے امامؑ دیں وغیرہ وغیرہ

اس قلمی نسخے کے علاوہ اس مرثیہ کا کوئی سراغ کسی بھی خطی یا مطبوعہ مرثیوں کے مجموعے میں نہیں ملا۔ ہم نے دیکھنے کو میر انیسؔ، میر مونسؔ، میر نفیسؔ، میر انسؔ، اور مرزا دبیر کے تمام مرثیے چھپے یا بے چھپے ہوئے جو بھی ہماری دسترس میں تھے دیکھ لیے۔ مطبوعہ یا ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرستیں جو ہمیں ملیں وہ بھی دیکھ لیں۔ زمانۂ حال میں رزم نامۂ انیسؔ، نگار نفیسؔ، یادگار انیسؔ، مراثی انیسؔ، جواہراتِ انیسؔ غرض اس طرح کی جو کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں وہ بھی دیکھیں۔ اس لیے ہم یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ موجودہ معلومات کی حد تک یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ رہا اس کا میر انیسؔ کا ہونا تو اس میں کسی شک کی کوئی گنجایش ہی نہیں۔

۱

جس دم نمازِ صبح ادا کی حسینؑ نے
دل سے رجوع سُوے خدا کی حسینؑ نے
نہیوڑا کے فرقِ پاک بُکا کی حسینؑ نے
بخشش کی مومنوں کی دعا کی حسینؑ نے
آئی صدائے غیب کچھ ایسی کہ رُک گئے
ہنس کر امام خاک پہ سجدے کو جھک گئے

۲

کچھ دیر تک تو خم رہے شاہِ فلک مقام
پھر سر اٹھا کے بولے رفیقوں سے یہ امامؑ
لاؤ تبرکاتِ پیمبرؐ باحترام
حاضر جو اسلحہ کی ہوئیں کشتیاں تمام
جلدی امامؑ جنّ و بشر اُٹھ کھڑے ہوئے
مرنے پہ باندھنے کو کمر اٹھ کھڑے ہوئے

۳

اکبر نے آگے شاہ کے بڑھ کر بصد وقار
گردانا جلد مصحفِ خاتونِ روزگار
قاسم نے آگے آکے ادب سے بافتخار
تہ کرلی جا نمازِ شہنشاہِ نامدار
عباس کا جو بحرِ تعشق تھا جوش پر
ڈالا عبا کو کھول کے حضرتؑ کے دوش پر

۴

زینب کے دونوں لال بھی شہ کے قریب آئے
موزے انھوں نے پاؤں میں شبیر کے پنہائے
شہ کے قریں حبیب کھڑے تھے جو سر جھکائے
نعلینِ عرش تسمہ کو وہ ہاتھوں میں جلد لائے
آقا کے پہلے جُھک کے قدم سے لپٹ گئے
پھر آپ پچھلے پاؤں ادب سے وہ ہٹ گئے

۵

آئے مصافحہ کے لیے سب رفیقِ شاہ　　حضرت نے ایک ایک پہ حسرت سے کی نگاہ
ہاتھوں پہ آنکھیں مَل کے ہٹے جب وہ رشکِ ماہ　　سب نے پڑھی زیارتِ پیغمبرِؐ الٰہ
تھے جو عزیز و غیر وہ آنسو بہاتے تھے
فقروں کو پڑھ کے سبطِ نبی روتے جاتے تھے

۶

پڑھتے تھے شہ زیارتِ سلطانِ نامور　　آمادہ جنگ پر جو ہوئی فوجِ کیں اُدھر
اک تیر ابنِ سعد نے چلّہ میں جوڑ کر　　پھینکا سوئے خیامِ شہنشاہِ بحر و بر
سب بیبیوں کے رنگ اُڑے دل اچھل پڑے
نزدیک تھا کہ خیمہ سے فِضّہ نکل پڑے

۷

خیمہ میں تہلکہ ہوا گھبرائیں بیبیاں　　اکبر کو یوں پکاریں خواصیں بصد فغاں
شہزادے! خیر سے تو ہیں سلطانِ انس و جاں　　کہہ دو کہ حالِ بنتِ علیؑ غیر ہے یہاں
بچّے بلک رہے ہیں ہر اک کو ہراس ہے
زینب تو سارے گھر سے سوا بے حواس ہے

۸

یوں آرہے ہیں غش کہ ہوا ہے عجیب حال　　ٹکرایا ہے یہ سر کو کہ ماتھا ہے خوں سے لال
کہہ دو کہ جلد آئیے یا شاہِ خوش خصال　　ہوگی جو دیر ہوش میں آنا ہے پھر محال
تر ہے بدن پسینہ میں رخسار زرد ہیں
کچھ اب تو ہاتھ پاؤں بھی بی بی کے سرد ہیں

۹

شہؑ نے کیا زیارتِ احمدؐ کو جب تمام　　پوچھا کہ کیوں تھی خیمہ میں رونے کی دھوم دھام
عبّاس نے کہا نہیں رُکتی سپاہِ شام　　خیمہ میں تیر جاتے ہیں یا سیّدِ انام
یا شاہِ دیں یہ وقت نہیں ہے درنگ کا
اب حکم جلد دیجیے ہم سب کو جنگ کا

۱۰

یہ سُن کے شہ چلے جو سوئے خیمۂ حرم　　ڈیوڑھی تلک تھے ساتھ رفیقانِ محتشم
پردہ اٹھایا بازوئے شہ نے بچشمِ نم　　داخل حرم سرا میں ہوئے سیّدِ اُمم
جو بی بی سامنے تھی ادب سے وہ ہٹ گئی
دامن پکڑ کے شہ سے سکینہ لپٹ گئی

۱۱

اتنے میں آئے قبلۂ عالم بہن کے پاس　　دیکھا کہ غش ہے خاک پہ زینب فلک اساس
ٹھنڈا ہے جسم زرد ہے رنگت تو رُخ اُداس　　یہ دیکھ کر حسینؑ ہوئے اور بے حواس
کھینچی اک آہِ سرد دلِ چاک چاک سے
شانہ ہلا کے بولے کہ اب اُٹھیے خاک سے

۱۲

غش میں سُنی جو بھائی کی ہمشیر نے صدا　　بس یا حسینؑ کہہ کے اٹھی بنتِ مرتضیٰؑ
سر اپنا پائے سیدِ بیکس پہ رکھ دیا　　اور دونوں ہاتھ جوڑ کے یہ شاہ سے کہا
رکھے خدا ہمیں شہِ دیں کی پناہ میں
لو رَن سے تیر آتے ہیں اب خیمہ گاہ میں

۱۳

کیوں بیکسوں کے درپئے ایذا ہیں اہلِ کیں　　سنتی ہوں مستعد ہیں اُدھر جنگ پر لعیں
صورت نہ نکلی صلح کی کچھ یا امامِ دیں　　ہے ہے پناہ کیا نہ ملے گی ہمیں کہیں
خیمہ ہمارا ظلم کے لشکر میں گھر گیا
تقصیر کیا ہوئی کہ رُخ امّت کا پھر گیا

۱۴

پانی کے بند کرنے پہ مارا نہ ہم نے دم　　دعوت یہ کس طرح کی ہے یا سیّدِ اُمم
لشکر اُدھر کثیر اِدھر ہے سپاہ کم　　برباد ہوں گے کیا اسی جنگل میں آج ہم
گھر لُوٹ لیں گے قبلۂ عالم پناہ کا
مجھ سے تو کہیے کیا ہے ارادہ سپاہ کا

۱۵

شہ نے گلے لگا کے یہ ہمشیر سے کہا
یہ وقتِ صبر و شکر ہے اے بنتِ مرتضیٰ
جو حق کا حکم، بندۂ عاجز کا زور کیا
بھینا یہی تو روز ہے بھائی کے قتل کا
پیغامِ جنگ اُدھر سے یہ سب تیر لائے ہیں
خیمہ میں ہم جو آئے تو رخصت کو آئے ہیں

۱۶

کہنے لگی حسینؑ سے رو کر وہ نوحہ گر
بھیّا بہن کا ساتھ ہی اترے گا تن سے سر
کیا میری زندگی، جو لٹا فاطمہ کا گھر
اچھا مجھے بھی قتل کریں آج اہلِ شر
سر ہو بہن کا ساتھ شہِ مشرقین کے
مجھ کو فدا کریں یہ قدم پر حسینؑ کے

۱۷

بولے حسینؑ اب نہ کرو نالہ و بُکا
صدقہ نبیؐ کی روح کا بھائی کو دو رضا
اماں نے اس جہاں میں نہ کیا کیا ستم سہا
دنیا مقامِ ہجر ہے اے بنتِ مرتضیٰ
بلبل کے آگے باغ سے گل ٹوٹ جاتے ہیں
برسوں بہم جو رہتے ہیں، وہ چھوٹ جاتے ہیں

۱۸

لو الوداع، جاتا ہے شبیرؑ، الوداع
سر پر اجل ہے بھائی کے ہمشیر الوداع
بچنے کے اب نہیں کسی تدبیر الوداع
سونپا خدا کو بانوے دل گیر، الوداع
منھ آنسوؤں سے بچوں کو دھونے نہ دیجیو!
میری سکینہ جان کو رونے نہ دیجیو!

۱۹

جو کچھ کہا سنا ہو ہمارا وہ بخش دو
جاتا ہے سر کٹانے کو شبیر نیک خو
سجاد سے یہ کہہ دو کہ بستر سے اب اٹھو
گو تپ میں ہو یہ گھر سے ذرا ہوشیار ہو
تم حجّتِ خدا ہو، ذوِالاحترام ہو
جاتے ہیں اب جہان سے ہم، تم امامؑ ہو

۲۰

بولی لپٹ کے شہ سے سکینہ جگر فگار	کیوں میری سعی کرتے ہو اماں سے بار بار
دنیا سے ہے اگر سفرِ شاہِ نامدار	ہمراہ لو کنیز کو بھی تم پہ میں نثار
گرمی کے دکھ نہ پیاس کی زحمت اٹھائینگے
دادی کے پاس خلد میں اب ہم بھی جائینگے

۲۱

مجھ کو یہاں نہ چھوڑیے اچھے مرے پدر	میں بھی چلوں گی جائیں گے سبطِ نبی جدھر
دامن چھڑاؤ گے تو میں پیٹوں گی اپنا سر	پھر میں نہ بولوں گی جو سدھارو گے بیخبر
انگلی ہو آپ کی، مرا ننھا سا ہاتھ ہو
جائیں جہاں امام، یہ بیٹی بھی ساتھ ہو

۲۲

بولے حسین اب پھوپی اماں کے پاس جاؤ	یہ پیاری باتیں کرکے نہ شبیرؑ کو رلاؤ
بلوائے گا تمھیں بھی وہیں باپ غم نہ کھاؤ	لپٹا لیں پھر گلے سے تمھیں ایک بار آؤ
بی بی یہ اضطراب بھلا کیا ضرور ہے
جاتے ہیں ہم جہاں وہ جگہ یاں سے دور ہے

۲۳

فرما کے درد و یاس کے بیٹی سے یہ کلام	گودی سے لب اُتار کے باہر چلے امامؑ
ڈیوڑھی تلک تھا بیبیوں کا ساتھ اژدہام	روتے تھے اہلِ بیتِ رسولِ فلک مقام
تھا کوچ اس جہان سے زہرا کے جائے کا
جاتا تھا آسمان پہ غل ہائے ہائے کا

۲۴

ڈیوڑھی تلک گئے تھے امامِ فلک حشم	چلائی رو کے بالی سکینہ بہ دردِ غم
دل میرا مانتا نہیں طاری ہے یہ الم	لو جسم سے چلا پھوپی اماں، ہمارا دم
بیٹی کو چھوڑ کے شہِ والا چلے گئے
اماں میں کیا کروں مرے بابا چلے گئے

۲۵

جس وقت در سے خیمہ کے نکلے امامِ دیں　　جلوے سے آفتاب کے روشن ہوئی زمیں
ڈیوڑھی سے نور پھیل گیا تا بہ دشتِ کیں　　غل تھا کہ آج دشت ہوا چرخِ چارمیں
قرباں ہیں جنّ و انس و ملک شہ کی شان پر
جاتی ہے نورِ رُخ کی ضیا ر آسمان پر

۲۶

کیوں کر نہ ہو حسینؑ کو دنیا پہ برتری　　سر پر اسی دلیر کے ہے تاجِ افسری
پیدا ہے رعب و جاہ سے شانِ غضنفری　　قبضے میں ہے ہزبر کے شمشیرِ حیدری
داؤد کی زرہ شہِ عالم کے بر میں ہے
پٹکا محمدِؐ عربی کا کمر میں ہے

۲۷

چمکا جو نور شہ کے قدم کے ظہور کا　　جلوہ دکھایا ذرّوں نے بھی شمعِ طور کا
غل تھا کہ راہوار منگا دو حضور کا　　ہے قصد سُوے خلد امامِ غیور کا
گھوڑوں پہ اپنے جلد ہو اسوار غازیو
خیمہ سے آپ نکلے خبردار، غازیو

۲۸

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے جس دم امامِ دیں　　کس شان سے جلو میں چلے سب وہ مہ جبیں
مرکب پری، ملک تھے سوارانِ نازنین　　ٹاپوں سے راہوار کے ہلنے لگی زمیں
قلت پہ فوج کی علی اکبر نے رو دیا
سج دھج ہر اک کی دیکھ کے سرور نے رو دیا

۲۹

گھوڑے کو جب بڑھا کے چلے شاہِ کم سپاہ　　مولا کے اپنے ساتھ چلے سب وہ رشکِ ماہ
حقا عجیب فوجِ خدا تھی، عجیب شاہ　　پھولوں سے بھی بسی ہوئی سب دشتِ کیں کی راہ
آگے تو ان سبھوں کے یہ سب تشنہ کام تھے
اور گرد و پیش سب رفقاے امامؑ تھے

۳۰

پہلو میں ساتھ قاسم و اکبر اِدھر اُدھر   آگے تھے شہؑ کے عون و محمد لیے چنوَر
عباس بھی تھے کھولے پھریرے کو فرق پر   سایے میں یوں نشان کے تھے شاہِ نامور
غُل تھا کہ کب پھریرے کے نیچے حضور ہیں
دیکھو کلیم آج تہِ نخلِ طور ہیں

۳۱

چلاّتے تھے نقیب بڑھے جاؤ، بھائیو!   دشتِ وغا قریب ہے اب آؤ، بھائیو!
گھوڑے کی جست و خیز تو دکھلاؤ، بھائیو!   تھوڑی ہے فوج اس سے نہ گھبراؤ، بھائیو!
ہے یہ دعا کہ حشمت و دولت بڑھی رہے
ہاں برچھیاں تُلی رہیں، ہمّت بڑھی رہے

۳۲

آتے تھے اس شکوہ سے سلطانِ خاص و عام   عباسِ نامدار تھے مصروفِ اہتمام
جب سُوے فوج دیکھتے تھے شاہِ تشنہ کام   جوں غنچہ مسکراتا تھا ہر ایک لالہ فام
اک ایک مستعد نظر آتا تھا جنگ پر
سرخی تھی گُل کی طرح سعیدوں کے رنگ پر

۳۳

لشکر ہے یہ کہ بادِ بہاری ہے، غازیو!   بُوے بہشت دشت میں ساری ہے، غازیو!
زہرا نے یہ زمین بُہاری ہے، غازیو!   مولا کی آخری یہ سواری ہے، غازیو!
آنکھوں کے آگے گلشنِ جنت کی کِشت ہے
دیکھو وہ سلسبیل ہے اور وہ بہشت ہے

۳۴

جی بھر کے آج دیکھ لو صورت حسینؑ کی   ہے مغتنم جہاں میں زیارت حسینؑ کی
پہنچائے گی جناں میں محبّت حسینؑ کی   ہمراہ لے لیا یہ ریاست حسینؑ کی
طے کر کے مشکلوں کے یہ رستے چلے چلو
ہاں گلشنِ بہشت میں ہنستے چلے چلو

۳۵

اس شان سے جو وارد میداں ہوئے امام کیا رعبِ حق ہے کانپ گئی فوجِ روم و شام
نکلا پرے سے جلد بنِ سعد تیرہ فام دکھلاتا ہے امام کو اپنا بھی احتشام
غرّہ تھا اس کو تاجِ جواہر نگار پر
چترِ زری تھا سایہ فگن نابکار پر

۳۶

تیرہ تھا روئے نحس، جبیں پر پڑی تھی چیں نخوت سے بار بار چڑھاتا تھا آستیں
مصروف بند و بست میں لشکر کے تھا لعیں یہ فکر تھی کہ قتل ہوں جلدی امامِ دیں
کہتا تھا کر لو تیز حُساموں کو سنگ پر
ہاں غازیو! کسے رہو کمروں کو جنگ پر

۳۷

لشکر کو دیکھتا ہوا اپنے وہ سنگدل پہنچا رسالۂ حُرِ غازی کے متصل
دیکھا ہر اک جواں ہے پریشان و مضمحل کوئی جوان غرقِ عرق، کوئی مُنفعِل
ابتر رسالۂ حُرِ ذیشاں نظر پڑا
حُرِ دلیر سر بگریباں نظر پڑا

۳۸

جا کر قریب حُر کے یہ پوچھا کہ اے جواں رخ سے ترے غبارِ کدورت ہے کیوں عیاں
کیا سانحہ ہے مجھ سے تو کچھ حال کر بیاں کیوں کاٹتا ہے ہونٹوں کو آنسو ہیں کیوں رواں
اپنی نہ ہے خبر نہ رسالے کا ہوش ہے
یہ کیا سبب جو سر کو جھکائے خموش ہے

۳۹

رُخ ہے اُداس، زرد ہے رنگت تو منہ ہے فق روئیں کھڑے ہیں جسم کے تن ہے عرق عرق
شاید تجھے وطن کی جدائی کا ہے قلق ہوتا ہے تجھ کو دیکھ کے سینہ ہمارا شق
ہو تیرا جب یہ حال تو ہم جنگ کیا کریں
ہاں تو جو مستعد ہو تو شر سے دغا کریں

۴۰

ہتھیار حسبِ جسم تو بہرِ خدا اسنوار　　پوشاک پر سفر کی جما ہے بہت غبار
کپڑے بدل سپید، یہ رختِ کہن اتار　　کہہ دے جو تو، تو گرم ہو میدانِ کار زار
چُپ چُپ ہے کس لیے تو مرا دل دو نیم ہے
للہ کہہ دے کیوں تری حالت سقیم ہے

۴۱

بولا یہ حُر نہیں مجھے ان میں سے کچھ الم　　پر تجھ سے کیا کہوں کہ مرے دل کو جو ہے غم
رہ رہ کے مجھ کو دھیان یہ آتا ہے دمبدم　　مہمان ہو عدو، تو نہ اس پر کرے ستم
میرا ہی سب قصور ہے تیری خطا نہیں
جو رہنما ہو قتل تو اس کا روا نہیں

۴۲

یہ قاعدہ عرب کا ہے مشہور، اے امیر　　مہماں کو گھر بلا کے نہیں کرتے ہیں اسیر
اس میں غنی ہو کوئی بشر یا کہ ہو فقیر　　دعوت میں میہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر
جو آئے گھر میں، اس کے قدم چوم لیتے ہیں
مہماں کو چین دیتے ہیں، یا رنج دیتے ہیں

۴۳

لکھتے ہیں جس کو شوق کے نامے ہزارہا　　جنگل میں اس غریب سے کرتے نہیں دغا
تحفہ کھلاتے ہیں اُسے کھانے پکا پکا　　دیتے ہیں آبِ سرد بھی اس شخص کو سدا
راحت سے چین سے اسے گھر میں بٹھاتے ہیں
بینا ہیں جو، خوشی سے وہ آنکھیں بچھاتے ہیں

۴۴

اپنے پدر سے ہم نے سنا ہے یہ بارہا　　جاتا تھا میہماں جو کوئی پیشِ مصطفاؐ
شفقت سے اپنے پہلو میں دیتے تھے اس کو جا　　خود فاقہ کرتے تھے یہ اُسے دیتے تھے غذا
خادم بھی تھے پہ آپ یہ زحمت اٹھاتے تھے
مہماں کے ہاتھ خود شہِ عالم دُھلاتے تھے

۴۵

پانی وہ کافروں سے بھی کرتے نہیں عزیز　　بخشی ہے جن کو خالقِ عالم نے کچھ تمیز
ہے یہ حسینؑ احمدِؐ مختار کا عزیز　　دریا کے آگے پانی کا ساغر ہے کوئی چیز
قرآں میں دیکھ حکم خدائے غیور کا
جائز نہیں ہے خون کسی بے قصور کا

۴۶

سیّد، غریب، سبطِ رسولِ فلک وقار　　اور بے خطا ہے وہ کہ جو ہے کُل کا تاجدار
مسجد میں دوشِ خاصِ پیمبرؐ کا شہسوار　　شاہِ جلیل، بندۂ مقبولِ کردگار
نعمت بہشت کی جسے خالق عطا کرے
کیا حال ہوگا اُن سے جو کوئی دغا کرے

۴۷

راضی ہوں اس قصور کی گر دے کوئی سزا　　لایا ہوں اس کو گھیر کے تھوڑی ہے یہ خطا
رونے کا یہ مقام ہے افسوس کی ہے جا　　کیوں سدِّ راہِ سبطِ نبیؐ ہائے میں ہوا
پکڑا لجامِ اسپِ امامِ غیور کو
کاٹا نہ آج دستِ سراپا قصور کو

۴۸

بتلا تو آج کیوں ہے طرف دارِ شاہِ دیں　　جھنجھلا کے تب یہ کہنے لگا حُر سے وہ لعیں
سمجھا تھا میں تو دوست، یہ ہے مارِ آستیں　　جا، برطرف کیا کہ میں اب تجھ سے خوش نہیں
دشمن ہے اس کا، شاہ جو ہے روم و شام کا
عاشق ہے دل سے سبطِ رسولِ انام کا

۴۹

سر میں ترے سما گئی کچھ اور ہی ہوا　　میری تو یہ محبت و الفت، یہ التجا
دشمن جو ہو یزید کا پھر ہم کو اُس سے کیا　　کیا تو ہی رحم دل ہے فقط اور باخدا
بندے ہیں زر کے دوست ہیں سردارِ شام کے
پیاسے ہیں خونِ سبطِ رسولِ انام کے

۵۰

بولا یہ ہنس کے تب حُرِ غازی بصد وقار ہاں جلد کہہ کہ فوج کے روکیں مجھے سوار
جاتا ہوں سوئے شاہ خبردار ہوشیار غفلت نہ کر شقی ہیں اُڑاتا ہوں راہوار
صدقے ہے جان سرورِ عالم پناہ کے
ڈھونڈھے گی میری خاک بھی دامن کو شاہ کے

۵۱

یہ کہتے ہی اُڑایا سمندِ صبا مثال بڑھ بڑھ کے روکنے لگے غازی کو بدخصال
رُکنا جری کا فوجِ ستم گر سے تھا محال گھوڑا اُڑا کہ ہوگئی صرصر بھی پائمال
فوجِ عدو میں رات ہوئی، دن نکل گیا
کافر سقر میں رہ گئے، مومن نکل گیا

۵۲

گھوڑے اُڑائے جاتے تھے سب بر سرِ فساد اڑتی تھی گرد، دشت میں اُٹھتی تھی گرد باد
مشہور ہے بہار و خزاں ہیں جو بے عناد خنداں ہوا دلیر کا لیکن گُلِ مراد
فوجِ عدو سے حُرِ خوش آئیں نکل گیا
باغی پکارتے رہے گلچیں نکل گیا

۵۳

گھیرا کیے بہت حُرِ غازی کو اہلِ شر نکلا سپاہِ شام سے وہ صورتِ قمر
پہنچی وہاں امامِ دو عالم کو یہ خبر عفوِ خطا کو آتا ہے اب حُرِ نامور
چلّائے یہ امامِ اُمم، اپنے بھائی کو
آتا ہے میہمان چلو پیشوائی کو

۵۴

یہ کہہ کے چند گام امامِ اُمم بڑھے عبّاس بھی لیے ہوئے شہ کا عَلَم بڑھے
سب عاشقانِ سیّدِ عالی ہمم بڑھے آئی صدا علیؑ کی خبردار، ہم بڑھے
زہرا نے دی صدا کہ نبیؐ ساتھ آتے ہیں
شبّیر میہمان کے لینے کو جاتے ہیں

۵۵

ناگاہ گوشِ شہ میں یہ آئی صدائے حُر	اے بادشاہ خلق کے مشکلکشائے حُر
ہو وے جو حکمِ شاہ تو نزدیک آئے حُر	آواز فاطمہ نے یہ دی ہیں فدائے حر
بیٹا نہ ڈر، کریم شہِ مشرقین ہے
بخشے گا سب گناہ کہ رہبر حسین ہے

۵۶

یہ سن کے جلد گھوڑے سے اترا وہ باوفا	ہاتھوں کو اپنے کھینچ کے رومال سے کسا
سر کو فرو کیے شہِ دیں کی طرف چلا	آئی نبیؐ کی سیّدِ والا کو یہ صدا
اے میری جان، پاس بلاؤ غلام کو
شبیر، ہاں گلے سے لگاؤ غلام کو

۵۷

واللہ جان و جسمِ رسولِ خدا ہو تم	امّت کے اِس بلا میں بھی حاجت روا ہو تم
اے میرے لال، بادشہِ کربلا ہو تم	کھولو جری کے ہاتھ، کہ مشکلکشا ہو تم
ہے شور انبیا میں عجب باتمیز ہے
تھا پہلے غیر، اب یہ ہمارا عزیز ہے

۵۸

شہ نے سنی جو سیّدِ عالم کی یہ ندا	بس ہاتھ اٹھا کے جلد بڑھے شاہِ کربلا
دوڑا یہ دیکھ کر حُرِ غازی بالتجا	سر پائے اقدسِ شہِ عالم پہ رکھ دیا
رقّت کا جوش تھا کہ کلیجے الٹ گئے
حضرت اٹھا کے سر کو گلے سے لپٹ گئے

۵۹

آگے بڑھے یہ دیکھ کے عبّاسِ نیک نام	کھولا جری کے ہاتھ کو باشفقتِ تمام
کی میہماں نے عرض کہ یا سیّدِ انام	کاٹو یہ ہاتھ قابلِ تعذیر ہے غلام
بھولا نہیں یہ مجرم و خاطی قصور کو
روکا تھا باگ تھام کے ہیں نے حضور کو

۶۰

فرمایا ہنس کے شاہ نے یہ کہہ رہا ہے کیا کیسا قصور، کیسا گناہ اور کیا خطا
شرمندہ اب نہ کر مجھے، اے حُرِّ باوفا تیرا تو اقربا کے برابر ہے مرتبا
وہ امر میں کروں جو محبّت سے دور ہو
کرتے ہیں عفو دوست سے گر کچھ قصور ہو

۶۱

بولا یہ گر کے پاؤں پہ حضرت کے وہ جواں للّٰلہ اذن دیجیے یا شاہِ انس و جاں
یہ آرزو غلام کی ہے یا شہِ زماں دعوت میں کھاؤں میں تبر و خنجر و سناں
چرچا ہو لشکرِ عمرِ سعدِ زشت میں
پہنچا سبھوں سے پہلے ہراول بہشت میں

۶۲

غازی نے گر کے پاؤں پہ جب یہ کیے کلام روئے گلے لگا کے اُسے شاہِ تشنہ کام
بولے حبیب واہ، زہے شفقتِ امام آقا پہ ایسے ناز نہ کیوں کر کریں غلام
کی ذرّۂ حقیر پہ شفقت حضور نے
دی کس طرح وغا کی اجازت حضور نے

۶۳

پہنچی خبر یہ خیمہ میں زینبؑ کو ایک بار فضّہ سے بولی خواہرِ شاہِ فلک وقار
ڈیوڑھی پہ حُر کو جلد بُلا بہرِ کردگار چلّائی آ کے در پہ وہ نالان و بے قرار
اکبر پھوپی تمھاری بہت رنج کھاتی ہیں
ڈیوڑھی پہ حُر کو بھیج دو زینب بُلاتی ہیں

۶۴

چلّایا رو کے فضّہ کو تب حُرِّ نیک نام کیجیے قبول حضرتِ زہرا مرا سلام
تسلیم کے یہ بعد مرا دیجیو پیام جاتا ہے بہرِ جنگ ابھی آپ کا غلام
خادم خجل ہے یوں تو نہ ڈیوڑھی پہ آئے گا
در پر کوئی غلام کے لاشے کو لائے گا

۶۵

یہ عرض کر کے وہاں سے وہ صفدر رواں ہوا　　گھوڑے پہ چڑھ کے حُرِّ دلاور رواں ہوا
اس آن بان سے وہ غضنفر رواں ہوا　　غل تھا فلک پہ، مہرِ منوّر رواں ہوا
کیا نور ہے کہ شمس و قمر ماند ہو گئے
نقشِ سُمِ سمند سے سب چاند ہو گئے

۶۶

یہ شور تھا کہ آن سے پہنچا وہ شیر نر　　چلّایا بڑھ کے فوج سے ہے کس طرف عمر
کہہ دو کہ نکلے جنگ کو تلوار تول کر　　آیا ہوں میں جہاد کو، کر دو اُسے خبر
گر خود لڑے شقی، تو مزا ہے لڑائی کا
وہ بھی تو لطف دیکھے صفوں کی صفائی کا

۶۷

میں عبدِ ناتوانِ خدائے جلیل ہوں　　جس کے مسیح شاہؑ ہیں میں وہ علیل ہوں
مشتاقِ کوثر و ارم و سلسبیل ہوں　　ہے آرزو کہ راہِ خدا میں قتیل ہوں
اب عزمِ باغِ خلد ہے دل پر ٹھنا ہوا
صدقے میں شاہ کے ہوں بہشتی بنا ہوا

۶۸

سُن سُن کے یہ کلام فصاحت بیانِ حُر　　دہشت سے کانپ کانپ گئے دشمنانِ حُر
نکلے وغا کو فوج سے اعدائے جانِ حُر　　بڑھ بڑھ کے آئے سامنے ایذا رسانِ حُر
قبضہ کو حُر بھی تیغ کے بس پہ چومتا چلا
لشکر پہ شیرِ نر کی طرح جھومتا چلا

۶۹

کرنے لگے دلیر پہ جب اہلِ نار وار　　کھینچی جری نے میان سے شمشیر آبدار
نکلی عجیب شان سے وہ تیغِ شعلہ بار　　ہر سو ہوئے ہوا پہ ستارے سے آشکار
سب فوجِ شام موردِ آفات ہو گئی
خورشید تھرتھرا کے چھپا، رات ہو گئی

۷۰

تھا منتظر اشارہ کا شبدیزِ خوش جمال   ہر سُو طرارے بھرنے لگا صورتِ غزال
جب پتلیوں کو جھاڑتا تھا وہ صبا مثال   کہتے تھے سب یہ نعل ہیں توسن کے یا ہلال
کیلیں ہیں یہ کہ گوہر تاباں پچھے ہوئے
گویا پری ہے ہاتھ پہ افشاں چنے ہوئے

۷۱

حیرت میں تھے لعیں کہ چلی تیغِ آب دار   بجلی سی اک گری کہ چلا اُس پہ حُر کا وار
کٹنے لگیں جو گردنیں پسپا ہوئے سوار   غل تھا کہ تیغ ہے کہ قیامت ہے آشکار
جامہ ہر اک کے جسم کا صد چاک ہو گیا
تھا جو ہوا پہ جل کے وہ بس خاک ہو گیا

۷۲

برگِ خزاں سے لوٹتے پھرتے تھے سر کٹے   کیوں کر عدو کا ہاتھ بچے جب سپر کٹے
پھل برچھیوں کے اڑ گئے تیروں کے سر کٹے   شاخ کماں کے ساتھ قدوں کے شجر کٹے
بے جاں ہر ایک دشمنِ جاں ہو کے رہ گیا
دم بھر میں باغِ ظلم خزاں ہو کے رہ گیا

۷۳

چلاتا تھا کوئی کہ مرے تن پہ سر نہیں   کہتا تھا ہاتھ اٹھائے کوئی لو سپر نہیں
شمشیر، گرز و نیزہ، و تیر و تبر نہیں   اک حشر ہے پدر کی پسر کو خبر نہیں
کیوں کر نہ کہیے حق کا غضب اس لڑائی کو
بھائی سپر بناتا ہے مقتل میں بھائی کو

۷۴

ڈھالیں سنبھالتے تھے سیہ کار ہاتھ میں   تھمنی تھی پر نہ ڈھال نہ تلوار ہاتھ میں
گھوڑے چراغ پا ہوئے دو چار ہاتھ میں   اُلجھی لگامیں پاؤں میں، دستار ہاتھ میں
بیہوش ہو گئے تھے قضا کی خبر نہ تھی
جانوں کے خوف میں سر و پا کی خبر نہ تھی

۷۵

چمکی کہیں، نگہ سے کہیں دُور ہو گئی　　وہ تیغ گاہ نار، کبھی نُور ہو گئی
یہاں بن گئی پری تو وہاں حُور ہو گئی　　چمکی تو صاف روشنیِ طُور ہو گئی
دستِ قضا وہ تیغ پئے قبضِ روح تھی
گرنے میں برق، اُٹھنے میں طوفانِ نوح تھی

۷۶

کیا سرخ تھا لہو سے رُخِ خوں فشانِ تیغ　　جوہر نہ تھے، بہار پہ تھا بوستانِ تیغ
کٹ کٹ گئے دراز ہوئی جب زبانِ تیغ　　ہر دم تھا اوجِ موج پہ آبِ روانِ تیغ
تکتے تھے جوہروں کو جواں روم و روس کے
مالا تھا موتیوں کا گلے میں عروس کے

۷۷

اعدا کے سرتنوں سے جو کٹ کٹ کے گر پڑے　　لاشے بھی رزمگاہ میں ہٹ ہٹ کے گر پڑے
بڑھ بڑھ کے جو کہ آتے تھے گھٹ گھٹ کے گر پڑے　　بادل سیاہ ڈھالوں کے پھٹ پھٹ کے گر پڑے
بھاگے وہ لوگ جن کو غرورِ مصاف تھا
مطلع تمام تیغِ ہلالی سے صاف تھا

۷۸

لشکر پہ لے کے تیغ بڑھا جب وہ حیدری　　مارے گئے وہ لوگ جو تھے فوج میں جری
کوئی مقابلے میں نہ ٹھہرے نہ خیبری　　دکھلا رہا تھا شیر شکوہِ غضنفری
دم بھر نہ تیغ و تیر رُکے کارزار میں
سو سو کے سر اڑا دیے اک ایک وار میں

۷۹

پہلے تھے رَن میں حلقۂ جوشن کٹے ہوئے　　ٹکرا رہے تھے مغفرِ آہن کٹے ہوئے
تھے سب نشانِ لشکرِ دشمن کٹے ہوئے　　افتادہ تھے سواروں پہ توسن کٹے ہوئے
رُخ پھر گئے تھے زیست سے سفاک سیر تھے
انبار تھے تنوں کے تو لاشوں کے ڈھیر تھے

۸۰

لاکھوں سے لڑ کے تھک گیا حُرِّ دلیر جب　　مارا اُسے لعیں نے بڑھا کر سمند تب
پے کر دیا دلیر کے گھوڑے کو، ہے غضب　　کُودا فرس سے خاک پہ جلدی وہ تشنہ لب
عاجز ہوا نہ شیر ہزاروں سے جنگ میں
پیدل لڑا کیا وہ سواروں سے جنگ میں

۸۱

یہ حال دیکھتے تھے جو سلطانِ نامدار　　بس ہو گئے محبّتِ مہماں سے بیقرار
اکبر سے بولے جاؤ وہاں جلد، میں نثار　　اور ساتھ لو ہماری سواری کا راہوار
پیدل ہے وہ جواں مجھے صدمہ کمال ہے
اب بے حواس فاطمہ زہراؑ کا لال ہے

۸۲

ہمشکلِ مصطفٰےؐ نے یہ سنتے ہی حکمِ شاہ　　لی تھام کر لجامِ فرس جلد رَن کی راہ
پہنچا قریب حُر کے جو وہ آسماں پناہ　　فرمایا مضطرب ہے بہت فاطمہ کا ماہ
بخشا ہے مرتبہ یہ شہِ مشرقین نے
رہوار اپنا بھیجا ہے تجھ کو حسینؑ نے

۸۳

تب حُر نے ہاتھ جوڑ کے اکبرؑ سے یہ کہا　　کی اس قدر جناب نے تکلیف کیوں بھلا
میں اس پہ ہوں سوار یہ میری مجال کیا　　کیا بندہ پروری ہے، میں شبّیر کے فدا
اعلیٰ ہیں مرتبے شہِ والا کے واسطے
یہ لطف مجھ سے بندۂ ادنیٰ کے واسطے

۸۴

اصرار دیر تک علی اکبر نے جب کیا　　اس دم رکاب چوم کے غازی نے یہ کہا
اس میں ہے گو کہ سوءِ ادب حد سے بھی سوا　　رہوار اپنا بھیجیے لیکن مجھے عطا
اس پر سوار آپ کا یہ جاں نثار ہو
شہزادہ اسپِ شاہِ اُمم پر سوار ہو

۸۵

اُترا یہ سُن کے دلبرِ سلطانِ نامدار　　اور اپنے راہوار پہ حُر کو کیا سوار
آگے بڑھے تھے کچھ علی اکبر بصد وقار　　نکلا جو حُر سے جنگ کو صفوانِ بدشعار
ایک ہاتھ میں تھا تیغ بد اختر لیے ہوئے
ایک ہاتھ میں تھا گرزِ گراں سر لیے ہوئے

۸۶

دیکھا جو مُڑ کے یہ علی اکبر نے ماجرا　　اس دم حُرِ دلیر کو غازی نے دی صدا
اے شیر، ہوشیار، خبردار اک ذرا　　نامی ہے شامیوں میں یہ مغرور و بیحیا
بہتر ہے وار اس کا جو تو بڑھ کے رد کرے
اللہ اس جہان میں تیری مدد کرے

۸۷

ہمشکلِ مصطفےٰؐ کا یہ سنتے ہی بس کلام　　سرکش پہ مثلِ شیر بڑھا حُرِ نیک نام
غصے میں گُرز تول کے آیا وہ تیرہ فام　　رکھ لی دلیر نے تہِ راں خوں بھری حُسام
ڈالا لعیں پہ ہاتھ جو گھوڑے کو پھیر کے
آئی کلائی دیو کی پنجے میں شیر کے

۸۸

اللہ رے زورِ دستِ حُرِ آسماں وقار　　کھینچا بزور دستِ ستمگر کو ایک بار
ہر چند چاہتا تھا کہ تھم جائے نابکار　　پر پشتِ اسپ پر اُسے مشکل ہوا قرار
سمٹا، کھنچا، جھکا وہ کئی بار زین پر
جھٹکا دیا کہ مُنہ کے بَل آیا زمین پر

۸۹

گھوڑے سے گِر کے چُور ہوا جب وہ بُت پرست　　حُر نے کہا کہ دیتے ہیں دشمن کو یوں شکست
سرکش ہزار ہوں تو کروں دم میں ان کو پست　　یہ کہہ کے پھر چلا سوئے دشمن وہ تیز دست
گھوڑے نے بڑھ کے خوں سے بدن لال کر دیا
موذی کے سر کو ٹاپوں سے پامال کر دیا

۹۰

اکبر نے مرحبا کی جو غازی کو دی صدا حضرت پکارے کیا ہوا، اے میرے دلربا
ہاتھوں کو جوڑ کے علی اکبر نے یہ کہا صفواں برائے جنگ ابھی حُر سے آیا تھا
آتے ہی بس جھپٹ کے لیا اس کو شیر نے
اقبال سے حضور کے مارا دلیر نے

۹۱

اکبر یہ کر رہے تھے اُدھر شاہ سے کلام آئی سمٹ کے حُر پہ ادھر سب سپاہِ شام
کیا کیا لڑا ہزاروں سے تنہا وہ تشنہ کام برسے مگر یہ تیر کہ تن چھن گیا تمام
ناگاہ اک خدنگِ ستم دل پہ چل گیا
نیزہ جگر کو توڑ کے باہر نکل گیا

۹۲

ہاتھوں سے دل پکڑ کے پکارا، وہ باوفا وقتِ مدد ہے آئیے یا شاہِ نامدار
نیزہ لگا ہے قلب پہ سینہ بھی ہے فگار بس اب فقط ہے آپ کے آنے کا انتظار
دنیا سے میہمان کے رخصت کا وقت ہے
تشریف لائیے کہ حمایت کا وقت ہے

۹۳

آواز اتنی دے کے گرا حُرِّ خوش خصال سنتے ہی دوڑے اکبرِ غازی بصد ملال
چھٹے امامِ کون و مکاں شبیر کی مثال تھے ساتھ ساتھ حضرتِ زینب کے دونو لال
اس وقت پہنچے شاہ کہ غش وہ غیور تھا
زخموں سے خون بہتا تھا اور جسم چور تھا

۹۴

فرمایا شاہِ دیں نے کہ اللہ رے وفا افسوس جسم شیر کا تیروں سے چھن گیا
کیا کیا نہ کی لعینوں نے مہمان سے دغا تنہا پہ آکے گر پڑے لاکھوں یہ اشقیا
ہے یادگار جرأت و ہمت دلیر کی
بھولیں گے حشر تک نہ شجاعت دلیر کی

۹۵

یہ کہہ کے خوب روئے شہنشاہِ حق شناس — آہستہ آئے روتے ہوئے میہماں کے پاس
زانو پہ سر کو رکھ کے یہ بولے بہ درد و یاس — آنکھیں تو کھول، حُرِّ جری! دل ہے بےحواس
کیوں حال غیر ہو نہ شہِ مشرقین کا
مرتا ہے آہ عاشقِ صادق حسین کا

۹۶

زخمِ گلو پہ جب کہ پڑی شاہ کی نظر — دیکھا کہ خون بہتا ہے ریتی پہ سر بسر
کپڑے لہو میں جسم کے سب ہو گئے ہیں تر — رومالِ فاطمہ تھا جو حضرت کے دوش پر
اُس زخم پر اُتار کے باندھا حسین نے
بخشا جری کو رتبۂ اعلیٰ حسین نے

۹۷

تاثیر باندھنے سے ہوئی اُس کے یہ عیاں — فوّارہ کی طرح جو گلے سے تھا خوں رواں
یوں بند ہو گیا کہ نہ قطرہ گرا وہاں — بس ہو گیا وہ مرہمِ زخمِ حُرِ جواں
ہوش آگیا، دماغ میں جب بوئے گل گئی
گردن سے خون تھم گیا اور آنکھ کھل گئی

۹۸

اس وقت شاہ سے وہ یہ بولا بحالِ زار — مولا میں اس عنایت و اشفاق کے نثار
باندھا ہے کیا گلے پہ یہ، اے شاہِ نامدار — بولے یہ حُر سے رو کے شہِؑ آسماں وقار
واللہ تیغِ غم سے جگر چاک چاک ہے
یہ فاطمہؑ کے ہاتھ کا رومالِ پاک ہے

۹۹

یہ سن کے اُس جری نے کہا یا امامِ پاک — یہ حلّۂ بہشت ہے میں ایک مُشتِ خاک
کیا راحتیں اٹھاتا ہے یہ جسمِ چاک چاک — اے دلبرِ رسولِ زمن، روحنا فداک!
کوثر کی موجیں نور کا عالم دکھاتی ہیں
فردوس میں اشارے سے حوریں بلاتی ہیں

۱۰۰

یٰسین پڑھیے بہرِ حق اے کبریا کے نور　　اب اشتیاق اور ہی عالم کا ہے حضور
کیجے بحل اُنھیں کہ ہوئے ہوئیں جو قصور　　دم تن سے اب نکلتا ہے یا سرورِ غیور
ماتھا ہوا ہے تر مرا ٹھنڈے پسینے ہیں
رُک رُک کے سانس آتی ہے خادم کے سینہ میں

۱۰۱

ہچکی کے ساتھ خونِ جگر خاک پر بہا　　یہ کہہ رہا تھا حُر کہ غشی ہو گئی سوا
حسرت سے کی نظر طرفِ شاہِ کربلا　　آنکھیں پھرا دیں ہونے لگے سرد دست و پا
شانہ ہلا جہاں سے سبک دوش ہو گئے
انگلی اٹھا کے کلمے کی خاموش ہو گئے

۱۰۲

اور ہاتھ پاؤں سیدھے کیے بادلِ حزیں　　یہ دیکھ کر جیب گئے لاش کے قریں
پٹی سے ان کو باندھ کے رویا وہ مہ جبیں　　آنکھیں جو پہلے شہ کی طرف تھیں کھلی ہوئیں
سینہ امامِ جن و بشر پیٹنے لگے
چادر اُوڑھا کے لاش کو سر پیٹنے لگے

۱۰۳

روتا ہوں میہماں کو تمھارے میں دل فگار　　آئی صدا اے حضرتِ محبوبِ کردگار
آئی صدا اے فاطمہ شبیر ماں نثار!　　مضطر جو مرتضیٰؑ ہیں، تو شبرؑ ہیں بے قرار
بیٹا میں حُر کے واسطے بیتاب ہوتی ہوں
محسن کی طرح اس کو بھی اے لال روتی ہوں

۱۰۴

حضرت کو یوں پکاری کہ یا سیّدِ امم　　اتنے میں آئی ڈیوڑھی پہ فضہ بصد الم
سر پیٹ کر یہ کہتی ہیں زینب بہ دردِ غم　　خیمہ میں حُر کے واسطے روتے ہیں سب حرم
ماں اُس کی ئنے بہن ہے، تن پاش پاش پر
روئے گی یہ حضور کے مہماں کی لاش پر

۱۰۵

یہ سن کے لائے ڈیوڑھی پہ شہ میہماں کی لاش　　چلاّئے رَن سے آئی حُرِ نوجواں کی لاش
افسوس پاش پاش ہے سب ناتواں کی لاش　　عاشق کی ہے یہ لاش، یہ ہے جانفشاں کی لاش
تازہ مرا رفیق جہاں سے گذر گیا
ہاں بیٹیو، بیبیو کہ عجب دوست مر گیا

۱۰۶

یہ بات کہ کے روئے جو حضرت بچشمِ تر　　چلاّئی آکے زینبِ مضطر قریبِ در
یوں بیکسی میں خلق سے تو نے کیا سفر　　الفت تری نہ بھولیں گے اے حرِّ نامور
کیا یاس ہے ترے جسد پاش پاش پر
لے بھائی آپ روتی ہوں میں تیری لاش پر

۱۰۷

بھائی کا میرے یاور و غم خوار مر گیا　　آلِ نبی کا آہ، مددگار مر گیا
غازی، دلیر، صفدر و جرّار مر گیا　　مقبول عاشقِ شہِ ابرار مر گیا
جو غم ہوا تھا بوذر و سلماں کے واسطے
صدمہ وہی ہوا حُرِ ذیشاں کے واسطے

۱۰۸

یوں روئیں حر کے واسطے زینب بصد فغاں　　بیٹے کو جس طرح کبھی روتی ہے کوئی ماں
سر پیٹتی تھیں حُر کے لیے ساری بیبیاں　　ڈیوڑھی سے کیا میں لاش کا جانا کروں بیاں
عاشق تھے بادشاہِ غریب الدّیار کے
صدقے انیس حرِّ جری کے مزار کے

۱

افسوس اہلبیت کہاں، وہ مکاں کہاں　　اُجڑی ہوئی زمین کہاں، آسماں کہاں
کانٹے کہاں، وہ فاطمہ کا بوستاں کہاں　　وہ نحس گھر کہاں، وہ سعادت نشاں کہاں
پھولوں پہ دھوپ، چھاؤں ہو خاروں کے واسطے
وہ جائے تاز عرش کے تاروں کے واسطے

۲

کیوں چرخِ پیر ایسا ہوا بھی ہے انقلاب　　ظلمت میں نورِ صبح، سیاہی میں آفتاب
زندان و اہلبیتِ رسولِ فلک جناب　　رسّے ہیں اُن کی گردنیں جو مالک الرقاب
عابد پہ بیڑیوں کی، مرض میں جفا ہوئی
حیرت یہ ہے کہ کیوں نہ قیامت بپا ہوئی

۳

آفاق میں کبھی یہ ستم کا چلن نہ تھا　　لاشہ کسی بشر کا کبھی بے کفن نہ تھا
قابل اُجاڑنے کے علیؑ کا چمن نہ تھا　　کنبہ نبیؐ کا لائقِ طوق و رسن نہ تھا
اس طرح دکھ میں ماؤں سے بچے چھُٹے نہ تھے
آگے کسی نبی کے حرم یوں لُٹے نہ تھے

۴

کیوں گر پڑا زمیں پہ نہ تو، وامصیبتا!　　شمشیر اور شہ کا گلو، وامصیبتا!
ریتی پہ مصطفیٰؐ کا لہو، وامصیبتا!　　زنداں میں فاطمہ کی بہو، وامصیبتا!
اللہ کی پناہ یہ بدعت جہان میں
حیدر کی بیٹیوں کے گلے ریسمان میں

۵

غش میں ہیں بے خبر، یہ کسی کو نہیں خبر — تبرید کون دے کہ ذرا سرد ہو جگر
شدّت سے تپ کے سر کو پٹکتے ہیں رات بھر — صندل رگڑ کے لائے یہ کس کو ہے دردِ سر
منھ سرخ ہے یہ اپنی مصیبت کو روئے ہیں
یاں سونا کیسا جان سے ہاتھوں کو دھوئے ہیں

۶

شدّت تپِ دروں کی ہے منھ کیوں نہ تمتمائے — یہ رنگ ہے کہ سونے کو جیسے کوئی تپائے
کروٹ جو لیں تو پاؤں کی زنجیر غل مچائے — بولیں جو کچھ تو حلقۂ آہن گلا دبائے
ہمّت کو مثل جدّ و پدر ہارتے نہیں
دم بر بنی ہوئی ہے یہ دم مارتے نہیں

۷

گردوں جدا ستاتا ہے، دورِ قمر جدا — ایذا بخار کی ہے جدا، دردِ سر جدا
تلوے جدا فگار ہیں، زخمِ جگر جدا — یہ غم جدا ہے، دردِ فراقِ پدر جدا
تلوار چل رہی ہے دلِ دردناک پر
سر ہاتھ پر دھرے ہوئے لیٹے ہیں خاک پر

۸

یہ ضُعف ہے کہ سانس کا لینا محال ہے — تر ہے عرق میں گُل سا بدن بھی نڈھال ہے
ماں کا، پھوپی کا، رانڈ بہن کا خیال ہے — بیکس پدر کی بیکسی کا بھی ملال ہے
کیا کیا جفائیں قید میں ہیں ایک جان پر
ہر دُکھ کے ساتھ شکرِ خدا ہے زبان پر

۹

تصویرِ درد ہیں ہمہ تن عابدِ حزیں — غش میں پڑے ہوئے ہیں کسی کی خبر نہیں
زنداں کے گرد و پیش جو ہیں دشمنانِ دیں — کوٹھوں پہ آکے پھینکتے ہیں سنگ وہ لعیں
کوہِ الم گرے ہیں دلِ پُر ملال پر
کیا کیا ہیں سختیاں شہِ والا کے لال پر

۱۰

مضطر ہیں سب حرمِ اسدِ کردگار کے
آہیں ہیں لب پہ غم ہیں شہِ نامدار کے
سر پر رِدا نہیں ہے کسی سوگوار کے
تاکیدِ شمر ہے کہ نہ رونا پکار کے
زنداں میں شورِ آہِ غریباں بلند ہے
مشکل کشا کی آل پہ کیا قید و بند ہے

۱۱

کیا حالِ اہلبیتِ پیمبرؐ کروں رقم
خامہ بھی اشک ریز ہے کاغذ پہ دمبدم
ہو گا کبھی ازل سے ابد تک نہ یہ ستم
تکلیفِ قید، دردِ جگر، وارثوں کا غم
ایذا یہ ہو تو خاک ہے لذّت حیات کی
رانڈوں پہ دن کی دھوپ ہے اور اُوس رات کی

۱۲

وہ قید، وہ خرابۂ پُرہولِ تنگ و تار
جس گھر میں کوئی سقف سلامت ہے، نہ جدار
کڑیاں قریب سر کے کڑکتی ہیں بار بار
خاشاک کا ہے ڈھیر کسی جا کہیں ہے خار
دیوار و سقف رشک درِ تیرہ رنگ ہیں
حجرے دلِ بخیل کی مانند تنگ ہیں

۱۳

وحشت وہ اس مکاں کی صدائیں وہ ہولناک
جب آہ کی کسی نے گری سر پہ چھت کی خاک
گرمی یہ تھی کہ تر تھے پسینے میں جسمِ پاک
مائیں بھی تھیں ہراس تو بچے بھی تھے ہلاک
شب کاٹتے تھے آلِ نبیؐ کانپ کانپ کے
گھٹتا تھا دم تو روتے تھے منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

۱۴

بچوں کو اضطراب تھا سب سے زیادہ تر
سینوں میں مارے خوف کے تھراتے تھے جگر
تکتے تھے سہم سہم کے ہر دم اِدھر اُدھر
روتے تھے تا بہ شام بلکتے تھے تا سحر
چوتھے برس میں چھوٹ گئی تھی حسینؑ سے
پھٹتے تھے دل حرم کے سکینہؑ کے بین سے

۱۵

کرتے سے منہ کو ڈھانپ کے کرتی تھی یہ بیاں　　کس بن میں چھپ کے بیٹھ رہے ہائے بابا جان
سوئے ہیں در میں قفل لگا کر نگاہ باں　　ڈھونڈھوں نکل کے تم کو کہاں یا شہِ زماں
جو آپ سے ہلا ہو اُسے لے کے جاتے ہیں
جاتے ہیں گر کہیں تو بتا دے کے جاتے ہیں

۱۶

اصغر کو لے گئے نہ رکھا کچھ مرا خیال　　وہ اُلفتیں کدھر گئیں یا شاہِ خوشخصال
کیا کیا نہ ظلم ہو گئے پوچھا نہ میرا حال　　فرقت کا آپ نے مجھے صدمہ دیا کمال
بستی بسائی کون سی منہ مجھ سے موڑ کے
یثرب کو کیا چلے گئے بیٹی کو چھوڑ کے

۱۷

میں جاں بلب ہوں سیّد والا اب آئیے　　مر جائے گی یہ بیکس و تنہا اب آئیے
سر پیٹتے ہیں آپ کے شیدا اب آئیے　　بیٹی نثار ہو گئی بابا اب آئیے
کس دن غمِ فراق میں روئی نہیں ہوں میں
راتیں گزر گئی ہیں کہ سوئی نہیں ہوں میں

۱۸

اچھا سلوک مجھ سے کیا بابا جان، واہ　　کرتا ہے یوں بھی اپنا بھرا گھر کوئی تباہ
کس شہر کو سدھارے ہو، یا شاہِ دیں پناہ　　قربان جاؤں بھول گئے اپنے گھر کی راہ
آتے ہیں وہ بھی گھر، جو مسافر ہیں دور کے
کیا قید ہو گئے کہیں دشمن حضور کے

۱۹

آرام دل کو اب نہیں دم بھر میں کیا کروں　　غمگیں جگر پہ چلتے ہیں خنجر میں کیا کروں
مجھ کو تو کاٹے کھاتا ہے یہ گھر، میں کیا کروں　　نیند آئے قید خانے میں کیوں کر میں کیا کروں
ڈھونڈھوں کہاں نکل کے شہِ مشرقین کو
کس نے چھپا رکھا مرے بابا حسینؑ کو

۲۰

اکبر ہیں اب نہ حضرتِ عباسِ نامور — نہ دلبرِ حسنؑ، نہ پھوپی جان کے پسر
کیوں کر مجھے ملے شہِ مظلوم کی خبر — جاتی ہوں در پہ جب تو گھڑکتے ہیں خیرہ سر
اس ظلمِ بے سبب کا خدا انتقام لے
تاکیدِ شمر ہے کہ نہ بابا کا نام لے

۲۱

یہ کہہ کے ننھّے ہاتھوں سے پیٹا جو اس نے سر — سینوں میں اہلبیت کے ٹکڑے ہوئے جگر
زینب پکاری ہائے شہنشاہِ بحر و بر — بولی یہ ہاتھ تھام کے بانوے نوحہ گر
میّت پہ ماں کی آہ و بکا کر کے روئیو
اُٹھ جائے گی جہاں سے تو جی بھر کے روئیو

۲۲

دیکھوں کن آنکھوں سے میں ترا صدمۂ تعب — دُکھ میں اجل بھی بھول گئی مجھ کو ہے غضب
رونے میں شام سے تمھیں گذری ہے نصف شب — لو آؤ واری سو رہو گودی میں میری اب
راحت سے تم کو چھاتی پہ اپنی سلائیں گے
بی بی کے بابا جان بھی پچھلے کو آئیں گے

۲۳

سچ ہے انھیں کے ساتھ تھی سونے کی تم کو خُو — لو سونگھ لو کہ مجھ میں بھی ہے شاہِ دیں کی بُو
سوتی تھی میرے ساتھ بھی تم ان کے روبرو — لو چپ رہو سُنے نہ کہیں شمرِ کینہ جُو
ایذائیں دکھ میں دل پہ ذرا جبر چاہیے
پوتی ہو فاطمہ کی تمھیں صبر چاہیے

۲۴

وہ کہتی تھی پھڑکتا ہے دل ہائے کیا کروں — کس سے کہوں جو شہ کی خبر لائے کیا کروں
کہتی ہوں کس طرح مجھے چین آئے کیا کروں — یہ در کسی طریق سے کھل جائے کیا کروں
بابا نہ آئیں گے نہ ہمیں نیند آئے گی
امّاں یہ رات جان مری لے کے جائے گی

۲۵

بہلی کسی طرح جو نہ وہ غم کی مبتلا — بانو نے جا کے سیدِ سجادؑ سے کہا
سمجھاؤ تم اب اُٹھ کے بہن کو یہ ماں فدا — شاید تمہارے کہنے سے مانے یہ مہ لقا

ہے فرق ہم میں اور زبانِ امامؑ میں
حق نے اثر دیا ہے تمہارے کلام میں

۲۶

نابینِ مغز بینِ جو روئے تھے زار زار — چہرہ بھی سُرخ تپ سے دہکتا ہے بار بار
کیوں کر کھنچے گا پاؤں سے یہ بیڑیوں کا بار — اُٹھنے میں رنج دے نہ کہیں طوقِ خاردار

بیٹی کے غم میں صبر کا یارا نہیں مجھے
ایذا تمھیں ہو یہ بھی گوارا نہیں مجھے

۲۷

اُٹھے یہ سن کے خاک سے سجادِ ناتواں — تھاما پھوپی نے طوق تو مادر نے بیڑیاں
آئے وہاں تڑپتی تھی چھوٹی بہن جہاں — فرمایا بیٹھ کر کہ اٹھو اے سکینہ جان

یہ ضعف ہے کہ تھام کے سب ہم کو لائے ہیں
اس طرح لڑکھڑاتے ہوئے تم تک آئے ہیں

۲۸

تم آج والدہ سے ہوئیں کس لیے خفا — بی بی، خدا کے امر میں بندہ کو دخل کیا
جو مصلحت کریم کی، مالک کی جو رضا — دیکھو تو ہم ہیں کیسی مصیبت میں مبتلا

غربت میں ایک تم نہیں بچھڑیں حسین سے
ہم بھی تو چھٹ گئے ہیں شہِ مشرقین سے

۲۹

صغرا کو دیکھو وہ مرض، اور وہ اُجاڑ گھر — کیسا بلکتی ہوئے گی تنہا وہ اپنا سر
اِک بار سارے کنبہ سے چھوٹی وہ نوحہ گر — ماں ہیں تمہارے پاس جو سر پر نہیں پدر

نعمت ہے قُربِ مادرِ عالی وقار کا
رونے کے بدلے شکر کرو کردگار کا

۳۰

تم کو سلاتے گود میں ہم گو ہیں ناتواں　　پر کیا کریں کہ پاؤں میں ہیں دہری بیڑیاں
لیٹو جو ماں کی گود میں تم اے سکینہ جاں　　باتیں کریں وہاں کی جہاں ہیں شہِ زماں
چلائی وہ، کہاں پدرِ حق شناس ہیں
سجاد نے کہا کہ محمدؐ کے پاس ہیں

۳۱

بانو کے پاس آئی یہ سن کر وہ بے پدر　　ماں نے لٹایا گود میں زانو پہ رکھ کے سر
کہنے لگی یہ ہچکیاں لے کر وہ نوحہ گر　　بھیا سناؤ حالِ شہنشاہِ بحر و بر
راحت سے ہیں وہاں بھی کہ صدمے گزرتے ہیں
بابا ہمیں وہاں بھی کبھی یاد کرتے ہیں

۳۲

کیسا مکاں ہے جس میں ہیں شاہ فلک وقار　　بھیا یہ گھر تو قبر سے بھی کچھ ہے تنگ و تار
وہاں جا کے مجھ کو بھول گئے شاہِ نامدار　　ہے آج کل بہت علی اصغر کا چاہ پیار
الفت ہے اب انھیں کی شہِ خوش صفات کو
بھیا تو سوتے ہوویں گے چھاتی پہ رات کو

۳۳

کیا جانے ہم سے کون سا ایسا ہوا قصور　　اللہ، گھر سے جاتے ہی بھولے ہمیں حضور
سب سے قریب لاڈلی بیٹی سے اتنا دور　　قسمت ہماری، خیر، شکایت یہ کیا ضرور
کیوں بھائی ان کی گود کی پالی نہیں ہوں میں
آئیں بھی اب تو بولنے والی نہیں ہوں میں

۳۴

اچھا سلائیں چھاتی پہ اصغر کو، ہم کو کیا　　زنداں میں مر رہیں گے، ہمارا بھی ہے خدا
شکوہ یہ الفتوں کا ہے اور پیار کا گلا　　کیا اپنا اختیار ہے، بابا کی جو رضا
سمجھی تھی میں کہ دن کو نہیں شب کو آئیں گے
اس کا یقیں نہ تھا کہ ہمیں بھول جائیں گے

۳۵

سجاد نے کہا کہ جہاں ہیں شہِ امم — نام اُس مکانِ پاک کا ہے گلشنِ اِرم
یاقوتِ سرخ کا ہے وہ قصرِ فلک حشم — ہے جس کے آگے عرشِ بریں مرتبہ میں کم
ہے وہاں کی چاندنی میں ضیا آفتاب کی
سب مشک کی زمیں ہے تو نہریں گلاب کی

۳۶

رہ رہ کے جھومتے ہیں درختانِ میوہ دار — خواہش کے ساتھ ڈالیاں جھکتی ہیں بار بار
ہر دم نیا مزہ ہے وہاں اور نئی بہار — عنبر فشاں جو پھول تو پتے ہیں عطر بار
کرسی سے بڑھ کے صحن کو دیکھو تو عرش ہے
سبزہ نہیں، زمیں پہ زمرّد کا فرش ہے

۳۷

پھولوں کی بُو سے مست ہیں مرغانِ خوش نوا — نغمہ یہ ہے کہ صلِّ علیٰ آلِ مصطفیٰ
ہر شاخ پر یہ بلبلِ شیدا کی ہے صدا — کیا فیض ہے نثارِ گلِ باغِ مرتضیٰ
عادل کا گھر ہے باغ امامِ زماں کا ہے
کھٹکا نہ باغباں کا نہ دھڑکا خزاں کا ہے

۳۸

گرتی ہیں ایک پھول پہ جب بلبلیں ہزار — کرتے ہیں ان پہ خندۂ دنداں نما انار
غنچے بھی مسکراتے ہیں گلشن میں بار بار — پھولے نہیں سماتے ہیں اشجار بار بار
محوِ ہوائے الفتِ آلِ رسولؐ ہیں
پتّوں کو دیکھیے تو زمرّد کے پھول ہیں

۳۹

ہیں سلسبیل و چشمۂ کوثر اِدھر اُدھر — پانی میں جس کے مشک سے خوشبو زیادہ تر
برف اس کے آگے گرم ہے وہ سرد اس قدر — لذّت میں فوق ہے شکر و شہد و شیر پر
آبِ گہر سے بھی ہے صفا آب و تاب میں
حق نے اسی کا وصف لکھا ہے کتاب میں

۴۰

ہے بیچ میں مکانِ رسولِؐ فلک حشم قصرِ جنابِ شیرِ خدا[۳] اُس سے ہے بہم
اُس کے قریں ہے منزلِ زہرائے باکرمِ ہیں اس طرف حسنؑ تو ادھر قبلۂ امم
ایذا بہت اٹھائی تھی دنیائے زشت میں
پانچوں خدا کے نور بہم ہیں بہشت میں

۴۱

خدمت کے واسطے ہیں وہ حوران حُلّہ پوش اوڑ جائیں شکل دیکھ کے جنّ و پری کے ہوش
وہ غیرتِ نجوم ہیں آویزہ ہائے گوش لب پر درود حُبِّ علی کا دلوں میں جوش
حاضر ہیں اس طرح شہِ والا کے سامنے
جیسے کنیزیں ہوتی ہیں آقا کے سامنے

۴۲

وہ نعمتیں بہشت کی ہیں شہ کے روبرو بہتر ہے باغِ خلد کے پھولوں سے جن کی بُو
لبریز جام دیکھتے ہیں جب کنارِ جُو روتے ہیں سر جھکا کے شہنشاہِ نیک خو
پانی کو دیکھ کر نفسِ سرد بھرتے ہیں
ہر وقت بابا جان تمھیں یاد کرتے ہیں

۴۳

جس وقت حوریں لاتی ہیں کوثر کے بھر کے جام فرماتے ہیں کہ آہ سکینہ ہے تشنہ کام
دادی کے پاس رہتے ہیں اصغر تو صبح و شام واں دخل کیا کسی کا تمھارا ہے جو مقام
ایسا ہو جس سے عشق، اُسے بھول جائیں گے
چھاتی پہ بابا جان تمھیں کو سلائیں گے

۴۴

ہم شکلِ مصطفا ہو کہ اصغرؑ سا گلعذار ہم جانتے ہیں سب سے سوا ہے تمھارا پیار
یوں سب ہیں نورِ چشمِ رسولِ فلک وقار پر سچ کہوں کسی پہ نہیں اس طرح نثار
اس پیار سے کسی کو بھی گودی میں لیتے تھے
تم پر تو قبلۂ دو جہاں جان دیتے تھے

۴۵

بی بی بغیر چین انھیں آیا نہیں کبھی
چھاتی پہ یوں کسی کو سُلایا نہیں کبھی
تم بن خوشی سے کھانے کو کھایا نہیں کبھی
جاگے ہیں خود پہ تم کو رُلایا نہیں کبھی
پہلو میں تم ہو گر ہو کوئی پاس یا نہ ہو
ہر دم یہ دھیان تھا کہ سکینہ خفا نہ ہو

۴۶

پر کیا کریں کہ دور ہیں سلطانِ کربلا
اب تک نہ آئے ہاں یہ شکایت تو ہے بجا
بچھڑے ہوئے پدر سے ملائے گا پھر خدا
فرقت کی حد ہے رنج و مصیبت کی انتہا
بھولیں گے رنج وصلِ شہِ مشرقین سے
آرام کیجو پھر اسی چھاتی پہ چین سے

۴۷

اماں سے پوچھو شب کی مصیبت کا ماجرا
مجبور تھے امام کہ تم سے ہوئے جدا
لو اِن کے چاہ پیار سے نسبت کسی کو کیا
آنکھوں سے اشک پونچھ کے بانو نے یہ کہا
جان اُن کی اور آس ہماری یہی تو ہیں
اولاد میں حسین کی پیاری یہی تو ہیں

۴۸

جیتے تھے اِن کو دیکھ کے سلطانِ دیں پناہ
کبریٰ کا ہے یہ عشق نہ صغریٰ کی ہے یہ چاہ
یہ سب کی شاہزادی ہیں شبیر بادشاہ
اِن کے سوا کسی پہ نہ تھی پیار کی نگاہ
کس وقت ان کے منھ سے اپنا گلا نہیں
اس چاہ پیار سے کوئی بچہ پلا نہیں

۴۹

سچ ہے کہ روتے ہوویں گے بی بی کے بابا جان
زینب یہ بولیں ہوگا وہاں بھی انھیں کا دھیان
سبطِ نبی کو چین نہ آتا تھا کوئی آن
تم اِن کو لے کے جب کہیں جاتی تھیں میہمان
غم میں گزریں گے دن جو گزر کر شب آئے گی
ہر وقت پوچھتے تھے سکینہ کب آئے گی

۵۰

مانوں گی ہیں کبھی نہ کہ وہ تم کو بھول جائیں مجھ کو یقیں ہے آج کی شب فہ ضرور آئیں
جلدی خدا کرے وہ اِنھیں اور یہ اُن کو پائیں اس اپنی بھولی بھالی کو چھاتی سے پھر لگائیں
بے زار گودیوں سے ہیں سب کی، یہ حال ہے
ہم سے نہ صاحب ان کا سنبھلنا محال ہے

۵۱

کہنے لگی یہ بانوے ناشاد و نوحہ گر اِس کا عجب ہے کیا وہ اِنھیں چاہتے ہیں گر
یہ بھی سنِ صغیر سے ہیں عاشقِ پدر روتی ہیں سارے دن تو بلکتی ہیں رات بھر
بیٹی کی پھر خبر ہی نہ لی آنکھ موڑ کے
جاتے ہیں یوں بلے ہوئے بچے کو چھوڑ کے

۵۲

اِن کے مزاج داں ہیں امامِ فلک اساس رُوٹھیں یہ جب تو پھر نہیں آئیں کسی کے پاس
ہم پر یہ رنج و غم، یہ مصیبت، یہ درد و یاس پر ان کو کس پہ چھوڑ گئے شاہِ حق شناس
ہاں ہوں ہیں میرے دل کو ہے چین اس کے بَین سے
دیکھو تو کیسے کرتی ہوں شکوے حسین سے

۵۳

بہلا کے سب نے کیں ہیں یہ باتیں جو بار بار ننھے سے ہاتھ اٹھا کے یہ بولی وہ دلفگار
ہاں اپنے بابا جان کی الفت کے ہیں نثار اماں کسی بلا میں پھنسے شاہِ نامدار
غم کے محاصرے میں ہے مالک جہان کا
کڑھتا ہے دل، گِلا نہ کرو بابا جان کا

۵۴

سچ ہے یہی پھوپی نے مجھے دی تھی جو خبر کچھ دل پکارتا ہے کہ آج آئیں گے پدر
بولی بہا کے اشک یہ بانوے نوحہ گر ماں صدقے ہو گئی مری آنکھیں ہیں سوئے در
آہٹ بھی گر حسین کے آنے کی پاؤں گی
واری میں سب سے پہلی تمھیں کو جگاؤں گی

۵۵

پوچھیں گے مجھ سے آتے ہی جب شاہِ بحر و بر صاحب بتاؤ ہے وہ مری دلربا کدھر
کہہ دوں گی بیں کہ تم سے خفا ہے وہ نوحہ گر اس دکھ میں واہ خوب سکینہ کی لی خبر!
جب ڈھونڈنے لگیں گے تو ہٹ جائیو کہیں
تم آپ دوڑ کر نہ لپٹ جائیو کہیں

۵۶

اس ذکر سے ملا جو دلِ ناتواں کو چین آنکھوں کو بس جھپکنے لگی شہ کی نورِ عین
خاموش ہو گئے حرمِ شاہِ مشرقین گودی میں ماں کی سو گئی وہ عاشقِ حُسین
ڈر ڈر کے چونک پڑتی تھی ہر دم یہ حال تھا
بیکس کو خواب میں بھی پدر کا خیال تھا

۵۷

اُس چاند سے گلے میں بندھی تھی جو ریسماں گردن میں درد ہوتا تھا دُکھتے تھے دونوں کان
روتی تھی ماں کراہتی تھی جب وہ ناتواں آتی تھی ہر نفس سے صدا ہائے بابا جان
آہستہ ماں تو ہاتھوں سے شانہ دباتی تھی
تلووں سے آنکھیں مل کے پھوپی روتی جاتی تھی

۵۸

گودی میں چین پا کے جو غافل ہوئی ذرا سوتے ہی اس نے خواب میں دیکھا یہ ماجرا
اک روشنی زمیں سے ہے تا گنبدِ سما کوسوں سوادِ شام میں ہے صبح کی صبا
ہر سو ہیں اہتمام میں قدسی لگے ہوئے
قصرِ فلک کے سب ہیں دریچے کھلے ہوئے

۵۹

افلاک سے ملک چلے آتے ہیں بے شمار پیدل کوئی رکاب میں ہے اور کوئی سوار
خورشید سا ہوا ہیں ہے اک تختِ زرنگار رفعت ہے جس کی عرش کی شوکت ہے آشکار
قُدسی درود پڑھتے ہوئے ساتھ آتے ہیں
غل ہے حسین بیٹی سے ملنے کو جاتے ہیں

۶۰

زنداں میں آئے روتے ہوئے شاہِ بحر و بر　　پہنچا وہ تختِ عرش حشم جب قریب تر
شبیر نے لگا لیا چھاتی سے اُس کا سر　　بیکس پدر سے دوڑ کے لپٹی وہ نوحہ گر
نالے جگر سے آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں
جھک جھک کے منہ سے بیٹی کے منہ اپنا ملتے ہیں

۶۱

کیسا ہے درد اب ترے کانوں کا ہیں نثار　　زلفیں ہٹا کے چہرے سے کہتے تھے بار بار
رسّی سے ہائے چاند سی گردن ہوئی فگار　　بی بی کے ہاتھ باندھ کے لائے ستم شعار
رستے میں شام کے جو ستم تجھ پہ ہوتے تھے
ہم بھی تمھارے واسطے نیزے پہ روتے تھے

۶۲

تم پوچھ لو پھوپی سے کہ گذرا جو میرا حال　　اک آہِ سرد بھر کے یہ بولی وہ خورد سال
دیکھو تو نیلگوں ہیں طمانچوں سے دونوں گال　　روتی تھی جب تو مجھ کو جھڑکتے تھے بد خصال
اِک اِک کے منہ کو تکتی تھی کچھ میرا بس نہ تھا
کس کو پکارتی کوئی فریاد رس نہ تھا

۶۳

خیمہ جلا، تباہ ہوا گھر، خبر نہ لی　　جب سے سدھارے آپ نے پھر کر خبر نہ لی
کانوں سے لے لیے مرے گوہر، خبر نہ لی　　اماں کے سر سے چھن گئی چادر، خبر نہ لی
ہر سو میں دیکھتی تھی کہ بابا اب آتے ہیں
چھاتی پہ جو پلے اسے یوں بھول جاتے ہیں

۶۴

یہ ہجر کی پہاڑ سی راتیں یہ تنگ گھر　　مر مر کے میں نے قید میں کی زندگی بسر
گر بولتی تھی میں تو جھڑکتے تھے اہلِ شر　　ہوتی تھی بند آنکھ نہ کھلتا تھا قفلِ در
ہر صبح اس خرابے میں آفت کی شام تھی
آتے نہ آج آپ تو کل میں تمام تھی

۶۵

ننھا سا دل دھڑکتا ہے سینہ میں دمبدم صدقے گئی نہ جانے کی اب کھائیے قسم
ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ کے یہ بولے شہِ امم تم تھیں جو بے قرار تو ہم کو بھی تھا الم
بی بی کو ایسے وقت میں کیوں کر رولائیں گے
اب جائیں گے تو ساتھ تمھیں لے کے جائیں گے

۶۶

تم کو خبر کہاں ہے جو ہم پر ہوئی جفا گر دیکھتیں وہ دکھ تو نہ کرتیں کبھی گلا
دیکھو تو ہے حسین کے سینہ کا حال کیا بی بی خدنگِ ظلم لگے ہیں ہزار ہا
تنہا تھے کوئی پاس نہ تھا درد و یاس میں
خنجر گلے پہ چل گیا دو دن کی پیاس میں

۶۷

طاقت کہاں ہے جسم میں تیغوں سے چور تھے پھیرا نہ میں نے منہ کہ شجاع و غیور تھے
کچھ جرم کچھ گناہ نہ تھا بے قصور تھے کیوں کر تمہارے پاس ہم آتے کہ دور تھے
بچوں کو اپنے دل سے بھلاتا نہیں کوئی
ہم ہیں وہاں جہاں سے پھر آتا نہیں کوئی

۶۸

بیٹی سے اپنی شہ نے مصیبت جو کی بیاں روئی میانِ خواب تڑپ کر وہ خستہ جان
فرطِ قلق سے کھل گئی آنکھ اس کی ناگہاں دیکھا کہ تیرگی ہے وہی اور وہی مکان
وہ روشنی وہ صحبتِ عشرت فزا گئی
کانوں میں بیڑیوں کی پھر آواز آ گئی

۶۹

آنکھوں کو مل کے دیکھتی تھی وہ اِدھر اُدھر ظلمت یہ تھی کہ کام نہ کرتی تھی کچھ نظر
مادر سے جب لپٹ کے پکاری پدر پدر گھبرا کے بولی بانوے ناشاد نوحہ گر
قربان جاؤں کیا ہوا کیوں بے حواس ہو
میں تو کہیں گئی نہیں تم میرے پاس ہو

۷۰

وہ کہتی تھی کہو میرے بابا کدھر گئے — وہ روشنی کدھر گئی، آقا کدھر گئے
اماں بتاؤ سیدِ والا کدھر گئے — ہے ہے یہیں تو تھے مرے شیدا کدھر گئے
روتی تھی میں بھی، ان کے بھی آنسو نکلتے تھے
جھک کر ابھی تو منہ میرے ہونٹوں سے ملتے تھے

۷۱

کچھ جانتی نہیں ہیں، بلادو انھیں ابھی — اچھا جہاں سے جانوں، دکھادو انھیں ابھی
بچھڑی ہوئی ہوں کب سے ملادو انھیں ابھی — کس جا چھپا رکھا ہے بتادو انھیں ابھی
اٹھتی کبھی نہ میں شہِ والا کی گود سے
کیوں تم نے لے مجھے بابا کی گود سے

۷۲

شفقت سے پوچھتے تھے مرا حال بار بار — باتیں وہی تھیں اُنس کی سب اور وہی تھا پیار
سب درد رنج بھول گئی تھی میں دلفگار — کیوں کر نظر سے چھپ گئے شبیرِ نامدار
سینہ کے زخم سب ابھی مجھ کو دکھائے تھے
کہتے تھے، دور سے ترے لینے کو آئے تھے

۷۳

کھلتے ہی آنکھ سو گئی قسمت یہ کیا ہوا — پھر ہے وہی مکان، وہی ظلمت یہ کیا ہوا
بھولے گی جیتے جی نہ وہ صحبت یہ کیا ہوا — چھپ کر کہاں چلے گئے حضرت یہ کیا ہوا
کس طرح ڈھونڈھ لاؤں شہِ خوش صفات کو
کاہے کو قفلِ در کوئی کھولے گا رات کو

۷۴

میں دل میں شاد تھی کہ شہِ بحر و بر ملے — جاگے مرے نصیب، بچھڑ کر پدر ملے
ہے ہے کدھر گئے مجھے کیوں کر خبر ملے — مشکل ہے اب کہ مرہمِ زخمِ جگر ملے
قسمت میں پھر فراقِ امامِ انام تھا
یہ جاگنا ہماری اجل کا پیام تھا

۷۵

کہنے لگی یہ بانوے غمگین و سوگوار　　کیا باتیں کر رہی ہو سکینہ، یہ ماں نثار
یہ قید خانہ ہے وہی اور ہم جگر فگار　　دیکھا کہاں، کب آئے تھے شبیرِ نامدار
کیا تھا کہ خواب میں بھی کئی بار روئی تھیں
بی بی ابھی تو تم مری چھاتی پہ سوئی تھیں

۷۶

وہ کہتی تھی کہ ہائے شہنشاہِ تشنہ لب　　مانگو دعا کہ جان نکل جائے تن سے اب
آتی تھیں گرد روتی ہوئی بیبیاں بھی سب　　زینب نے تب کہا کہ نہیں غم یہ بے سبب
اٹھ کر جو ڈھونڈتی تھی شہِ مشرقین کو
دیکھا ہے اِس نے خواب میں شاید حسین کو

۷۷

سجاد نے کہا کہ مفصل کہو بہن　　صحبت تھی کس طرح کی، وہ کیسی تھی انجمن
ہم کو بھی تم سے پوچھتے تھے کچھ شہِ زمن　　کیوں کہ دیا تھا تم نے کہ گردن میں ہے رسن
طوق و رسن کا حال سنایا تھا، یا نہیں
کچھ بیڑیوں کا ذکر بھی آیا تھا، یا نہیں

۷۸

پھر بنتِ فاطمہ نے یہ پوچھا بچشمِ تر　　کس کس کو یاد کرتے تھے سلطان بحر و بر
اس کی خبر بھی ہے کہ پھرے ہم برہنہ سر　　جس گھر میں ہم کو چھوڑ گئے تھے لٹا وہ گھر
تنہا تھے آپ یا مرے دلبر بھی ساتھ تھے
کیوں صدقے ہو گئی، علی اکبر بھی ساتھ تھے

۷۹

بولی بہا کے اشک یہ بانوے تشنہ کام　　کیوں اُس کنیز کا بھی زباں سے لیا تھا نام
بی بی بلائیں گے ہمیں پاس اپنے کب امام　　کہہ دو، دیا ہو گر علی اکبر نے کچھ پیام
کروٹ میں لیتی تھی تو وہ بے چین ہوتے تھے
گودی میں شہ کی سوتے تھے بے میرے روتے تھے

۸۰

کہتی تھی بیٹی ہاتھوں کو مل کر کہ ہائے ہائے　　اب ڈھونڈ کر پدر کو یہ بیٹی کہاں سے لائے
باتیں ہوئی ہوں کچھ تو سکینہ تمھیں سنائے　　میری نہ سننے پائے، نہ کچھ اپنی کہنے پائے
لپٹائے تھے گلے سے کہ بیدار ہو گئی
یہ جاگنا نہ تھا مری تقدیر سو گئی

۸۱

بابا پھوپی کے واسطے روتے تھے زار زار　　بھرتے تھے آہِ سرد کہ عابد کو ہے بخار
اماں کے غم میں اشک ٹپکتے تھے بار بار　　نیزوں سے باباجان کا سینہ تھا سب فگار
اپنی نہ کچھ خبر تھی ہمارا ہی دھیان تھا
گورے گلے پہ خنجرِ کیں کا نشان تھا

۸۲

سب سے یہ حال کہہ کے جو تڑپی وہ خستہ جاں　　چلّا کے روئے سیّدِ سجادِ ناتواں
زینب پکاری پیٹ کے سرہانے بھائی جاں　　یہ بیکس و اسیر تمھیں پائے اب کہاں
مجھ تک نہ آئے اور نہ پتا کچھ بتا گئے
بیٹی کو آ کے خواب میں صورت دکھا گئے

۸۳

بھیّا تمھارے بعد بہن در بدر پھری　　دنیا سے آپ کیا گئے سب کی نظر پھری
بازار، شہر، شام میں یہ نوحہ گر پھری　　بازو بندھے، اسیر ہوئی، ننگے سر پھری
گذرا نہ ہوگا دُکھ یہ کسی پر جہان میں
اب تک بندھا ہوا ہے گلا ریسمان میں

۸۴

زینب کے اس بیان سے دل کو رہی نہ تاب　　تڑپی زمیں پہ گر کے سکینہ جگر کباب
سب روئے اہلِ بیتِ رسولِ فلک جناب　　غل پڑ گیا کہ ہائے دل و جانِ بُوتراب
شورِ بکا و آہ فلک سے گزر گیا
سمجھے نگاہباں کوئی زنداں میں مر گیا

۸۵

نزدیکِ قید خانہ جو تھا ہند کا محل کہتی تھی جان تن سے نہ جائے کہیں نکل
راحت میں اس کی فرق تھا آرام میں خلل لوگو، کچھ آج کل مرے دل کو نہیں ہے کل
آوازیں سن کے ٹکڑے کلیجے کے ہوتے ہیں
یہ کون ہے حسین کو سب مل کے روتے ہیں

۸۶

اپنے گھروں میں چین سے سوتے ہیں لوگ سب گزری ہے ان کو پیٹنے رونے میں نصف شب
ان قیدیوں میں کون سا ہے صدمہ و تعب فاقوں سے کوئی مر نہ گیا ہو، ہوا غضب
لڑکی یہ کون ہے کہ بہت بلبلاتی ہے
سینوں کے پیٹنے کی صدایاں تک آتی ہے

۸۷

یہ ترک و رُوم کے نہیں بندوں کا شور و شین وہ طور ہیں جو ہوتے ہیں شہزادیوں کے بین
راحت نہ دن کو ہے اِنھیں دم بھر نہ شب کو چین شاید کہ نام ان کے بھی آقا کا ہے حسین
قائم رہے سدا مرا آقا زمانے میں
یہ لے کے نام روئیں نہ اس قید خانے میں

۸۸

کہنے لگا یہ ہندِ حزیں سے وہ بد گُہر حیراں ہوں اضطراب تجھے کیوں ہے اس قدر
اس نے کہا، ملے گی مفصّل نہ گر خبر خود جاؤں گی محل سے خرابہ میں ننگے سر
وسواس کی جگہ ہے بُکا کا مقام ہے
ہے ہے یہی تو میرے بھی آقا کا نام ہے

۸۹

آخر کسی خواص سے بولا وہ نابکار ڈیوڑھی پہ جا کے کہہ، کہ خبر لائیں چوبدار
لڑکا تھا ایک انھیں میں مریض و نحیف و زار سوجے تھے جس کے پاؤں اترتا نہ تھا بخار
کھولیں رسن گلے سے جو غش سے نڈھال ہو
کٹوا دیں بیڑیاں بھی، اگر غیر حال ہو

۹۰

سُن کر یہ حکم دوڑ گیا پیکِ تیز گام — جلد آکے اس نے وہاں سے کہا ماجرا تمام
سُن کر خواص آئی قریبِ امیرِ شام — کی عرض مضطرب ہیں اسیرانِ تشنہ کام
زندہ ہے وہ بشر جو مریض و نزار ہے
لڑکی مگر ہے ایک بہت بے قرار ہے

۹۱

سوئی نہ تھی ذرا کئی دن سے وہ بے پدر — ضد ہے یہی کہ باپ کو دکھلا دو اک نظر
بیٹھی جو لے کے گود میں ماں سوختہ جگر — بس روتے روتے سو گئی دم بھر وہ نوحہ گر
غربت زدہ کو چین کہاں اضطراب میں
چونکی ابھی وہ دیکھ کے بابا کو خواب میں

۹۲

کمسن بہت ہے خواب کو کیا جانے وہ غریب — اس کو خیال ہے کہ پدر ہے کہیں قریب
ان دکھ زدوں کا اب کوئی وارث نہ ہے حبیب — باتوں پہ اس کی روتی ہیں رانڈیں بلا نصیب
اس کے پدر کو سوگ نشیں پائیں کس طرح
دنیا سے جو گیا اُسے دکھلائیں کس طرح

۹۳

وہ سنگ دل بھی رونے لگا سُن کے یہ خبر — کہنے لگا خواص سے آخر وہ (بد گہُر)
پہنچا خزانہ دار کو یہ حکم زود تر — زنداں میں بھیج دے، جو ہے طشتِ طلا میں سر
ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لے
بیٹی پدر کی شکل پھر اک بار دیکھ لے

۹۴

خازن سے بعدِ حکم یہ کہ دیجیو مگر — لے آئے سر یتیم کو دکھلا کے اک نظر
کھویا ہے جب تمام خزانہ کا اپنے زر — پایا ہے میں نے تب پسرِ فاطمہ کا سر
میت پہ بیبیوں کی (نہ زاری پہ) جائیو
گر کوئی مر بھی جائے تو سر لے کے آئیو

۹۵

پہنچا خزانہ دار کو حکمِ یزید جب ۔۔۔ صندوق آہنی سے نکالا سر اُس نے تب
وہ سر رہا جو گود میں زہرا کی روز و شب ۔۔۔ رکھا گیا خزانۂ ظالم میں ہے غضب
صندوق میں کبھی کبھی وہ سر لگن میں تھا
مدّت سے آفتابِ رسالت گہن میں تھا

۹۶

نکلا جو نصف شب کو سیاہی سے آفتاب ۔۔۔ کونین ہو گیا رُخِ روشن سے کامیاب
اللہ رے جلوۂ رُخِ فرزندِ بُوتراب ۔۔۔ پرَتو سے ہو گئی وہ زمیں آسمان جناب
اس شہر میں جو سر سے ضیا سر بسر ہوئی
گھبرا کے اہلِ شام پکارے سحر ہوئی

۹۷

برپا تھا واحسینؑ کا زنداں میں غُل ادھر ۔۔۔ پہنچا جو سر کو لے کے وہ خازن قریبِ در
کھلوا کے قفل کو یہ پکارا بچشمِ تر ۔۔۔ بھیجو کسی کو اے حرمِ سیدالبشرؐ
پہنچا ہے یاں کے رونے کا غل اس کے کان میں
حاکم نے کچھ سکینہ کو بھیجا ہے خوان میں

۹۸

فضہ قریبِ در گئی اُٹھ کر بادردِ و یاس ۔۔۔ وہ خوان لے کے رکھ دیا اہلِ حرم کے پاس
کہنے لگی یہ بنتِ رسولِ فلک اساس ۔۔۔ غم سے بھرے ہیں دل نہ ہمیں بھوک ہے نہ پیاس
گر فاقہ کرتے کرتے لبوں پر دم آئیں گے
نہ ہم چھوئیں گے اس کو نہ بچے ہی کھائیں گے

۹۹

یہ آج مہربانیِ حاکم کا کیا سبب ۔۔۔ یہ خوان کس لئے ہمیں بھیجا ہے بے طلب
کہدو کہ اُس گھرانے کی یہ بیبیاں ہیں سب ۔۔۔ جنّت کی نعمتیں جنھیں بھیجا کیا ہے رب
غیر از خدا کسی سے نہیں لے کے کھائیں گے
فاقوں میں بھی غریبوں کو ہم دے کے کھائیں گے

۱۰۰

بے سر ہو بھوک پیاس میں عالم کا بادشاہ — کھانا میں لوں حسین کے قاتل کے گھر کا آہ
مہماں کو تو ذبح کیا تم نے بے گناہ — سیّد کے بعد پھر یہ تعارف یہ رسم و راہ
ہم اور صدقہ، گردشِ پیرِ فلک یہ ہے
کھانا نہیں ہے زخمِ جگر پر نمک یہ ہے

۱۰۱

چپکے سے تب پھوپی سے یہ کہنے لگے امام — جانے دو بس غضب نہ کہیں ہو امیرِ شام
کھل جائے گا یہ سرِّ نہاں آپ پر تمام — ہرگز طعام اس میں نہیں، یا فلک مقام
بھیجے وہ کچھ، یہ ظرف کہاں اس ذلیل کا
سر خوان میں ہے وارثِ خوانِ خلیل کا

۱۰۲

ہے یہ شبِ زیارتِ سلطانِ بحر و بر — کیا جانے پھر یزید کہاں بھیج دے یہ سر
ڈر ہے کہ دیکھ لے گی جو پُرخوں سرِ پدر — مر جائے گی یہ دخترِ ناشاد نوحہ گر
گر دیر ہو تو حشر نگہباں بپا کریں
ہاتھوں سے شہ کا سر یہ نہ چھوڑے تو کیا کریں

۱۰۳

زینب قریبِ خوان گئی سُن کے یہ کلام — کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے خاک پر امام
کہنے لگی سکینۂ ناشاد و تشنہ کام — خوشبوئے زلفِ شہ سے مہکتا ہے گھر تمام
ثابت ہوا کہ سیدِ والا قریب ہیں
اماں، اٹھو کہیں مرے بابا قریب ہیں

۱۰۴

فضّہ نے بڑھ کے خوان کو کھولا بچشمِ تر — سمجھے یہ اہلِ بیت کہ طالع ہوا قمر
گھبرا کے بیبیوں نے جو کی خوان پر نظر — دیکھا لہو میں تر پسرِ فاطمہ کا سر
رانڈیں جھکیں حسین کی تسلیم کے لیے
سجاد اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے

۱۰۵

بولی بلائیں لے کے یہ زینبِ جگر فگار بھیّا تمھارے چہرۂ پرخوں کے میں نثار
چلائی گرد پھر کے یہ بانوے سوگوار صدقے کرو کنیز کو یا شاہِ نامدار
راحت گئی حیات کی دل سے ہوس گئی
صاحب کے دیکھنے کو یہ لونڈی ترس گئی

۱۰۶

سب مرد و زن تھے گردِ سرِ شاہِ بحر و بر اس حشر میں رہی نہ سکینہ کی کچھ خبر
دیکھا جو اس نے روے شہِ دیں کو جلوہ گر لپٹی سرِ پدر سے وہ معصوم دوڑ کر
چلّائی دیکھو خالقِ اکبر کی شان کو
لو امّاں جان پا گئی میں بابا جان کو

۱۰۷

روتے تھے اس کی باتوں پہ ناموسِ شاہ سب وہ مَل رہی تھی آنکھوں سے آنکھیں لبوں سے لب
ماں روکتی تھی ننھا سا بازو پکڑ کے جب کہتی تھی مجھ کو سر سے چھڑاؤ نہ ہے غضب
زنداں سے پھر کے سیّد والا چلے نہ جائیں
ڈر ہے مجھے کہ پھر کہیں بابا چلے نہ جائیں

۱۰۸

یہ کہہ کے جھک گئی سرِ شہ پر وہ خستہ جان نے وہ تڑپ تھی پھر نہ وہ زاری نہ وہ فغاں
غش ہو گئی یتیم، ہوا سب کو یہ گمان بیتاب ہو کے گود میں لینے لگی جو ماں
زینب پکاری باپ کی عاشق گذر گئی
گودی میں کس کو لو گی سکینہ تو مر گئی

۱۰۹

بازو ہلا کے بانوے ناشاد نے کہا بی بی سرِ پدر سے اٹھاؤ تو منھ ذرا
باتیں ابھی تو کرتی تھی آنسو بہا بہا ساقط ہے نبض ہائے غضب سرد دست و پا
منھ دیکھتے ہی زیست کا نقشہ بدل گیا
کس وقت سانس رک گئی کب دم نکل گیا

۱۱۰

قربان جاؤں، مرنے کی ماں کو خبر نہ کی　　واری، مری غریبی پہ تم نے نظر نہ کی
یہ رات ماں کے ساتھ تڑپ کر بسر نہ کی　　جی بھر کے پھر زیارتِ روئے پدر نہ کی
چوتھے برس میں ہائے سدھاری جہان سے
دُکھ قید کے نہ اُٹھ سکے ننھی سی جان سے

۱۱۱

ماں صدقے جائے آج تڑپتی تھی شام سے　　روٹھی ہوئی تھیں، مادرِ ناشاد کام سے
مر کر ملیں حسین علیہ السّلام سے　　بی بی کہو گلے ہوئے کیا کیا امام سے
یوں منھ کا موڑنا تو محبّت سے دُور ہے
قربان جاؤں ماں کا بھلا کیا قصور ہے

۱۱۲

لو ہاتھ جوڑتی ہے یہ ماں، اے سکینہ جان　　مجھ کو بلاؤ تم ہو جہاں، اے سکینہ جان
ڈھونڈوں نکل کے تم کو کہاں، اے سکینہ جان　　مادر کو قبر ہے یہ مکاں، اے سکینہ جان
میں جانتی ہوں موت سے بدتر حیات کو
اب کون سوئے گا مرے پہلو میں رات کو

۱۱۳

بچی، یہ ماں کدھر تجھے اب ڈھونڈنے کو جائے　　اے نور دیدہ، تو نے قیامت کے دُکھ اٹھائے
چھُٹ کر پدر سے جھڑکیاں کھائیں طمانچے کھائے　　واری، رسن بندھی ترے گردن میں، ہائے ہائے
جو سختیاں فلک نے دکھائیں وہ سہہ گئیں
بُندے جو چھن گئے میرا مُنھ تک کے رہ گئیں

۱۱۴

مُنھ ڈھانپتی تھی صبح کو جس دم میں نوحہ گر　　اُٹھ بیٹھتی تھیں ساتھ مرے تُم بچشمِ تر
اماں نہ رو، یہ کہتی تھیں منھ دیکھ دیکھ کر　　اب پیٹتی ہوں میں تمھیں مطلق نہیں خبر
مجھ سا بھی کوئی بیکس و مضطر نہ ہوئے گا
پہلو میں ماں کے بیٹھ کے اب کون روئے گا

۱۱۵

اس رانڈ ماں کو چھوڑ کے بی بی کدھر گئیں　　دنیا میں رہ کے چار برس کوچ کر گئیں
ناشاد و نامراد جہاں سے گذر گئیں　　زنداں سے چھوٹنے بھی نہ پائیں کہ مر گئیں
پیدا ہوئیں مدینۂ خیر الانام میں
اس کی خبر نہ تھی کہ لحد ہوگی شام میں

۱۱۶

قربان جاؤں قیدیِ دامِ بلا ہے ماں　　آفت میں بعدِ سبطِ نبیؐ مبتلا ہے ماں
مجبور ہے، غریب ہے، بیدست و پا ہے ماں　　بی بی کو دے کہاں سے کفن، بے رِدا ہے ماں
پہلے سے خاک میں ہے بدن سب اٹا ہوا
لے جاؤ قبر میں یہی کُرتا پھٹا ہوا

۱۱۷

بیمار ایک بھائی ہے وہ بھی اسیر ہے　　قیدی ہے پا شکستوں کا وہ دستگیر ہے
سب لُٹ گئے، عزیزوں میں جو ہے فقیر ہے　　ہاں کارساز ہے تو خدائے قدیر ہے
میت کے ساتھ روح امامِ زماں کی ہے
پہنچائے گا خدا وہیں مٹی جہاں کی ہے

۱۱۸

ایذا سے، غم سے، رنج اٹھانے سے چھُٹ گئیں　　کنبہ سے کیا، کہ سارے زمانے سے چھٹ گئیں
ہر صبح و شام اشک بہانے سے چھُٹ گئیں　　اچھا ہوا کہ گھُڑکیاں کھانے سے چھٹ گئیں
نیند اڑ گئی تھی لوگوں کی بچی کے بین سے
اب تو یزید رات کو سوئے گا چین سے

۱۱۹

میّت کے پاس زینبِ بیکس تھی نعرہ زن　　غل تھا کہ ہائے شیفتۂ سرورِ زمن
چلاتے تھے یہ سیدِ سجادِ خستہ تن　　بیمار ہم کو چھوڑ کے تم بھی چلیں بہن
ہم رہ گئے تڑپنے کو دنیائے زشت میں
کیا خوش نصیب تم تھیں کہ پہنچیں بہشت میں

۱۲۰

صدقے تری غریبی کے اے شہ کی یادگار چھوٹے سے سن میں رنج سہے تم نے بیشمار
مجبور ہے برادرِ مظلومِ دلفگار جائے کدھر سنبھالے ہوئے بیڑیوں کا بار
خاصانِ حق کو خلق میں راحت ملی نہیں
بیٹی اسی کی ہو، جسے تربت ملی نہیں

۱۲۱

لایا جو تھا وہ لے گیا؛ پچھلے کو شہ کا سر میت کے گرد حشر تھا بسمل تھے نوحہ گر
حاکم کو جا کے دی یہ خبردار نے خبر ناگاہ آسماں پہ ہویدا ہوئی سحر
بے وارثوں پہ اور مصیبت گزر گئی
لڑکی جو روز روتی تھی وہ آج مر گئی

۱۲۲

جو ہو ضروریاں سے منگا لیجے، یا امام بھیجا شقی نے عابدِ مضطر کو یہ پیام
تجویز کیجے قبر کا بہتر جو ہو مقام لوگوں کو بھیج دیتا ہوں میں بہرِ اہتمام
گھبرائیے نہ رنج و الم کے ہجوم سے
اُٹھوائیے بہن کے جنازے کو دھوم سے

۱۲۳

فرمایا احتیاج کسی چیز کی نہیں ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے عابدِ حزیں
مٹی جہاں کی ہوگی بنے گی لحد وہیں میت کو خود اٹھاؤں گا میں بیکس و حزیں
زاری برائے بیکس و مظلوم چاہیے
نہ اہتمام چاہئے نہ دھوم چاہیے

۱۲۴

گر اُس کو بھیج دے تو کفن ہو یتیم کا ٹوٹی ہوئی جو حضرتِ زینب کی ہے ردا
حُلّے بہشت کے جسے بھیجا کیا خدا اُس بے کفن پدر کی ہے بیٹی یہ مہ لقا
بے کس نہ جان دخترِ شاہِ انام کو
آئے ہیں آسماں سے ملک اہتمام کو

۱۲۵

بخشا ہے کبریا نے ہمیں رتبۂ جلیل ہم جس کے عبد ہیں وہ بہر حال ہے کفیل
بھیجے گا بہرِ غسل خدا آپ سلسبیل ہوں گے مشایعت کے لیے ساتھ جبرئیل

زنداں ہمارے واسطے دنیائے زشت ہے
جا پہنچے قبر تک تو پھر آگے بہشت ہے

۱۲۶

پہنچا جواب لے کے ملازم جب اُس کے پاس بھیجا شقی نے رانڈوں کا لوٹا ہوا لباس
مصروفِ غسل ہیں ہوئے سجادِ حق شناس آخر کفن پنہا کے پکارے بدرد و یاس

لو بیبیو وداع ہو اس نورِ عین سے
ملنے چلی ہے آج سکینہ حُسین سے

۱۲۷

ہمشیر کو اٹھانے لگے جب بچشمِ تر سب بیبیاں لپٹ گئیں میت سے دوڑ کر
زینب پکارتی تھیں کہ واری چلیں کدھر لے کر بلائیں کہتی تھی ماں سوختہ جگر

اماں کو چھوڑ جاتی ہو رونے کے واسطے
بی بی چلیں مزار میں سونے کے واسطے

۱۲۸

پھر ایک بار چاند سی صورت دکھاتی جاؤ دل ہل رہا ہے چھاتی سے چھاتی لگاتی جاؤ
صدقے گئی کفن میں نہ منھ کو چھپاتی جاؤ پھر ماں کے پاس آؤ گی کب، یہ بتاتی جاؤ

پہلو میں تم نہ ہو گی تو ماں بلبلائے گی
شب کو تمھارے بن نہ مجھے نیند آئے گی

۱۲۹

زنداں کا در تو بند ہے بی بی کدھر چلیں کپڑے سفید پہنے ہوئے کس کے گھر چلیں
واری، مرے ریاض کو برباد کر چلیں خوشبو سونگھا کے مثلِ نسیمِ سحر چلیں

اب اس چمن میں بادِ بہاری کب آئے گی
ماں صدقے جائے پھر کے سواری کب آئے گی

۱۳۰

گھُٹ گھُٹ کے یہ اندھیرے میں کہتی تھی بار بار
امّاں چراغ ہو تو ٹھہر جائے جانِ زار
اب شام میں ملے گی تمھیں قبر تنگ و تار
بی بی کو نیند آئے گی کیوں کر یہ ماں نثار
تڑپو گی تم، تو ماں کو خبر ہو گی کس طرح
پہلی یہ شب لحد میں بسر ہو گی کس طرح

۱۳۱

نکلے جو قید خانے سے سجّادِ نوحہ گر
صندوقِ چوبِ خلد تھا حوروں کے دوش پر
تھے شامیانہ حضرتِ روح الامیں کے پَر
پیچھے نواسیاں تھیں نبی کی برہنہ سر
زنداں کی خاک بیبیاں بالوں پہ ڈالے تھیں
سیدانیاں علی کی بہو کو سنبھالے تھیں

۱۳۲

بس اے انیسؔ، حال نہ لکھ دفن کا تمام
پنہاں ہوا وہ چاند میانِ سوادِ شام
آقا سے عرض کر بہ تضرّع کہ، یا امام
موقوف ہو نہ مرثیۂ نو کا التزام
جب تک جیوں یہ مجلسِ ماتم بپا رہے
ہر دم زباں پہ آپ کی مدح و ثنا رہے

۱

جب داخلِ جنّت ہوا لشکرِ شہِ دیں کا　　کوئی نہ رہا مونس و یاورِ شہِ دیں کا
خالی ہوا جنگل میں بھرا گھر شہِ دیں کا　　بے مثل مرقّع ہوا ابترِ شہِ دیں کا
اعدا تو مہیائے مبارز طلبی تھے
یہاں اکبرِ ذی جاہ تھے اور سبطِ نبیؐ تھے

۲

روتے تھے برادر کے الم میں شہِ ابرار　　تھا خیمہ میں غل، ہائے علَمدار علَمدار
فرماتے تھے شبیر کہ اب زیست ہے بیکار　　یہ حلق ہے مشتاقِ دمِ خنجرِ خونخوار
مغموم نہ کیوں ابنِ رسولِ عربی ہو
عباسِ دلاور نہ ہوں اور سبطِ نبی ہو

۳

اس بھائی کی فرقت میں جیے گا نہ یہ دلگیر　　ٹوٹی ہے کمر موت کا مشتاق ہے شبیرؑ
آنکھوں سے نہاں ہوگئی وہ چاند سی تصویر　　ہم رہ گئے رونے کو جو کچھ خواہشِ تقدیر
سمجھے تھے کہ بھائی سے نہ مُنھ موڑیں گے عباس
اس کی نہ خبر تھی کہ کمر توڑیں گے عباس

۴

بھائی مرا مارا گیا، واحسرت و دردا　　بیکس کا سہارا گیا، واحسرت و دردا
جنّت کو پیارا گیا واحسرت و دردا　　آرام ہمارا گیا، واحسرت و دردا
طاقت جو مرے جسم میں تھی، لے گئے بھائی
اک داغ تڑپنے کو مجھے، دے گئے بھائی

۵

اے شیر جواں، تجھ کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں　　اے تن کی تواں، تجھ کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں
حیدر کے نشاں، تجھ کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں　　اے راحتِ جاں، تجھ کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں
کس سمت سدھارے ہو، پتا بھی نہیں دیتے
کچھ ہم سے خفا ہو کہ صدا بھی نہیں دیتے

۶

ہم ٹھوکریں کھاتے ہیں ترے غم میں برادر　　تنہا ہوئے، طاقت نہیں اب ہم میں برادر
بینائی نہیں، دیدۂ پُرنم میں برادر　　آؤ، نہیں مرتا ہے کوئی دم میں برادر
مشتاق کو دیدار دکھاتے نہیں، بھائی
بھائی کے بچانے کو اب آتے نہیں، بھائی

۷

یہ کہہ کے تڑپتے تھے شہِ بیکس و بے پَر　　جو دستِ ادب جوڑ کے آئے علی اکبرؑ
اور عرض یہ کی آنسوؤں کو آنکھوں میں بھر کر　　اب اذنِ وغا دیجے مجھے بہرِ پیمبرؐ
حضرت کے عوض برچھیاں کھانے کی ہَوس ہے
خادم کو بھی فردوس میں جانے کی ہَوس ہے

۸

اے سبطِ نبی، ابنِ علی، ہادیِ امّت　　ایّوبِ زماں، فخرِ جہاں، مہرِ امامت
سب خورد و کلاں آج ہوئے داخلِ جنّت　　ہے صبح سے ہم کو بھی تمنائے شہادت
دیکھا نہیں جاتا ستم اب اہلِ جفا کا
مشتاق ہے دل صحبتِ محبوبِ خدا کا

۹

یہ کہہ کے گرا شہ کے قدم پر جو وہ مضطر　　لپٹا کے گلے سے اسے رونے لگے سرور
فرمایا کہ اے راحتِ جاں، اے علی اکبر　　کس طور سے رخصت تمھیں دے سبطِ پیمبر
قوت جگر و دل کی ہو، پیری کا عصا ہو
تم خلق میں ہمشکلِ رسولِ دوسرا ہو

۱۰

تم جاؤ گے مرنے کو اگر اے مرے دلدار ہو جائے گا تنہا پسرِ حیدرِ کرّار
اب تو کوئی ہمدم ہے نہ یاور نہ مددگار جیتا ہے تمھیں دیکھ کے یہ بیکس و ناچار
آفت ہے مصیبت ہے، امامِ ازلی پر
ہمشکلِ نبی رحم کرو ابنِ علیؑ پر

۱۱

جاؤ نہ ابھی بہرِ وغا جانبِ جنگاہ پہلے مجھے مر لینے دو، اے اکبرِ ذی جاہ
ہے فرقتِ فرزند پدر کو غمِ جانکاہ اندھیر ہے پھر آنکھوں میں جس وقت چھپا ماہ
اب تو جگر و قلب کی طاقت ہے تمھیں سے
اس پیر کی آنکھوں کی بصارت ہے تمھیں سے

۱۲

اکبر نے سُنے باپ سے جب یہ سخنِ درد برچھی سی کلیجہ پہ لگی، ہو گیا منھ زرد
حضرت سے بصد عجز کہا بھر کے دمِ سرد جائے گا غلام آپ سے پہلے پئے ناورد
حضرت پہ لعینوں کی جفا دیکھ سکوں گا
خنجر کے تلے میں یہ گلا دیکھ سکوں گا

۱۳

یہ کہہ کے جو رونے لگے ہمشکلِ پیمبرؐ دل تھام کے ہاتھوں سے یہ بولے شہِ بے پر
اصرار ہے پہلے تمھیں مرنے میں تو بہتر ماں اور پھوپھی سے بھی تو مل آئیے جا کر
زینب تمھیں گر اذنِ وغا دیں تو سدھارو
پالا ہے جنھوں نے، وہ رضا دیں تو سدھارو

۱۴

یہ سن کے ہوئے شاد، علی اکبرِ گلفام اور بیٹھ گئے خاک پہ شبیرِ خوش انجام
ہتھیار سجے، گھر میں جو آیا وہ دل آرام پس گردِ پسر پھرنے لگی مادرِ ناکام
راحت تھی زبس قلب کو نازوں کے پلے سے
لپٹا لیا فرزند کو خوش ہو کے گلے سے

۱۵

لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے، وہ خوشخو اللہ کہاں صبح سے تھے، اے مرے گل رُو
پنہاں تھا جو نظروں سے یہ رُخ اور یہ گیسو اندھیر تھا آنکھوں میں، جہاں بہتے تھے آنسو
دل سینہ میں مضطر تھا، چلے جانے سے بیٹا
جاں آگئی اس وقت، ترے آنے سے بیٹا

۱۶

افسردہ و مغموم ہو کیوں، اے مرے جانی لب خشک ہیں، شاید ہے بہت تشنہ دہانی
قربان گئی، کس لیے یہ اشک فشانی دل جلتا ہے سینہ میں، لہو ہوتا ہے پانی
پھر جاؤ جو بے سبطِ نبی رہ نہیں سکتے
کچھ کہنے کو آئے ہو مگر کہہ نہیں سکتے

۱۷

دیکھا نہیں میں نے کبھی مضطر تمھیں ایسا گیسو بھی پریشان ہیں اور زرد ہے چہرا
دنیا میں کوئی ماں سے بھلا کرتا ہے پردا مجھ سے کہو کس شے کی طلب ہے تمھیں، بیٹا
وہ بات کریں جس میں کہ دلبر کی خوشی ہو
تم جس میں رہو خوش، وہی مادر کی خوشی ہو

۱۸

پوچھا علی اکبر نے، پھوپی جان کہاں ہیں بانو نے کہا، خاک پہ بسمل سی طپاں ہیں
قسمت کا گلا لب پہ ہے اور اشک رواں ہیں کی عرض، وہیں آپ بھی چلیے وہ جہاں ہیں
حال اپنا میں شبیرؑ کی خواہر سے کہوں گا
جو دل میں ہے، وہ زینبِ مضطر سے کہوں گا

۱۹

گھبرا گئی سُن کر یہ سخن بانوے ذی جاہ رنگ اُڑ گیا چہرہ کا، بھری سینہ سے اک آہ
سمجھی کہ اجازت کا طلبگار ہے یہ ماہ زینبؑ کے قریں آئیں، لیے بیٹے کو ہمراہ
سر کھولے ہوئے صاحبِ تطہیر کو دیکھا
غش خاک پہ شبیرؑ کی ہمشیر کو دیکھا

۲۰

روتے ہوئے آ بیٹھے سرہانے علی اکبرؑ　　رونے لگے مُنھ کو سرِ پُرنور پہ رکھ کر
کی عرض کہ اٹھیے تو یہ کیا حال ہے مادر　　کچھ کہنے کو میدان سے آیا ہے یہ مضطر
فوجوں کی چڑھائی ہے شہِ جنّ و بشر پر
تیر آتے ہیں پیہم مرے مظلوم پدر پر

۲۱

چونکی یہ صدا سنتے ہی زینب بصد افغان　　دیکھا کہ ہیں پہلو میں علی اکبرِ ذیشاں
تھا صبح سے وہ لال نگاہوں سے جو پنہاں　　بس ہاتھوں کو پھیلا کے اٹھیں بادلِ نالاں
لے لے کے بلائیں کہا اللہ کہاں تھے
اب آئے ہو اے اکبرِ ذیجاہ کہاں تھے

۲۲

کس شغل میں تھے صبح سے کیا کرتے تھے واری　　دکھ درد میں تم نے بھی خبر لی نہ ہماری
تم باپ کے ہمراہ تھے میں کرتی تھی زاری　　کیا ہوتا جو مرجاتی پھوپھی درد کی ماری
زینب کا کوئی اور سہارا نہیں، بیٹا
ہے ہے تمھیں کچھ درد ہمارا نہیں، بیٹا

۲۳

یاد آتے ہیں وہ دن مجھے اب اکبر گلفام　　جب رات کو چھاتی پہ مری کرتے تھے آرام
دن بھر مجھے خدمت کے سوا اور تھا کیا کام　　آغازِ محبت کا یہی ہوتا ہے انجام
شمشیر و سپر ہاتھ میں ہے عزم وغا ہے
ہاں سچ ہے کہ اب آپ کو پروا مری کیا ہے

۲۴

اکبر نے یہ کی عرض کہ اے دخترِ زہرا　　تقصیر مری عفو ہو بہرِ شہِ والا
تھے فوجِ ستم میں شہِ دیں یکّہ و تنہا　　اس حال میں کیونکر انھیں چھوڑ کے آتا
سب کہتے کہ دل سخت ہوا لختِ جگر کا
بیٹے نے دیا ساتھ نہ مظلوم پدر کا

۲۵

اب آپ سے اور ماں سے، یہ کہتا ہوں بہ منّت　　للّٰلہ گوارا کریں فرزند کی فرقت
گر آپ کو ہے سبطِ پیمبر سے محبّت　　تو جلد عطا کیجیے میداں کی اجازت
یا ور نہیں اب کوئی امامِ ازلی کا
کٹتا ہے کوئی دم میں گلا سبطِ نبی کا

۲۶

یہ سنتے ہی تھرّا گئی بانوے خوش انجام　　کچھ سوچ کے فرمایا کہ اے میرے گل اندام
اس امر میں معذور ہے یہ مادرِ ناکام　　مختار تمھاری ہیں پھوپی اے میرے گلفام
زینب کی رضا بانوے مضطر کی خوشی ہے
جو اُن کی خوشی ہے، وہی سب گھر کی خوشی ہے

۲۷

حق چاہنے والی کا بھی، کچھ کم نہیں، واری　　مادر ہیں پھوپی، اور میں دائی ہوں تمھاری
قائم رہے دنیا میں ید اللہ کی پیاری　　ہر داغ سے محفوظ رکھے حضرتِ باری
کہیے یہ انھیں سے اگر اس امر میں کد ہے
جو منھ سے یہ فرمائیں، وہی بات سند ہے

۲۸

زینب نے کہا چھاتی سے اکبر کو لگا کر　　اے نور بصر، راحتِ جاں، اے مرے دلبر
مرنے کا نہ لو نام کہ مر جائے گی مادر　　کیونکر ہو گوارا ترا غم، اے علی اکبر
یہ کوہِ الم مجھ سے نہ اٹھے گا نہ ماں سے
صدقہ گئی، پتھر کا جگر لاؤں کہاں سے

۲۹

فرزند گئے خُلد کو، گھر لُٹ گیا سارا　　اب نام تمھیں سے تو ہے، اے لال ہمارا
ہم دونوں کے جینے کا یہ ہے ایک سہارا　　پھر کون ہے تم کو بھی جو بے دینوں نے مارا
بہتر ہے، ہمیں موت جب آلے، تو سدھارو
ماں اور پھوپی خلق سے جالے، تو سدھارو

۳۰

پالا ہے بڑے دکھ سے تجھے اے مرے گلفام   اٹھارہ برس کی ہے ریاضت سحر و شام
راحت تمھیں جس میں ہو، وہی کرتی تھی میں کام   خود رہتی تھی بے چین، تمھیں دیتی تھی آرام
ہئے ہئے مجھے مرنے کی خبر دیتے ہو، اکبر
کیا خوب ریاضت کا ثمر دیتے ہو، اکبر

۳۱

بولے علی اکبر، یہ سنے جب سخنِ یاس   فاقہ ہے کئی دن کا، کئی روز کی ہے پیاس
تنہا ہے پدر، رن میں کوئی ان کے نہیں پاس   نہ عون و محمد ہیں، نہ قاسم ہیں نہ عبّاس
کس طرح نہ مقتل میں شریکِ شہدا ہوں
شبّیر کا پھر کون ہے، گر میں نہ فدا ہوں

۳۲

بتلایئے مرنے جو نہ جاؤں تو کروں کیا   زندہ رہے دنیا میں پسر، قتل ہو بابا
دیکھوں شہِ دیں پر ستمِ لشکرِ اعدا   یہ امر بھلا دل کو مرے ہو گا گوارا
اس رنج سے واللہ جگر سینے میں شق ہے
فرزند پہ دنیا میں بڑا باپ کا حق ہے

۳۳

بابا ہے وہ بابا کہ جو سرتاجِ جہاں ہے   مختارِ ارم، مالکِ گلزارِ جناں ہے
خالق کا ولی، مصحفِ ناطق کی زباں ہے   احمد کا دل آرام، تنِ خلق کی جاں ہے
کچھ غم نہیں سو ہم سے جو دل گیر نہ ہوئیں
دنیا میں اندھیرا ہے جو شبّیر نہ ہوئیں

۳۴

یہ کہہ کے جھکا پاؤں پہ زینب کے وہ ذی جاہ   کی عرض کہ خادم کو نہ اب روکیے للّٰہ
دل تھام کے تھرانے لگی بنتِ یداللہ   بانوے دو عالم نے بھری سینے سے اک آہ
آفت کی، غم و رنج و مصیبت کی گھڑی تھی
رخصت تھی نہ اکبر کی، قیامت کی گھڑی تھی

۳۵

فرمانے لگی رو کے یہ تب، زینبِ مضطر تقدیر سے کیا زور ہے، جو مرضیِ داور
فریاد ہے، میداں میں اکیلے ہیں برادر لو جاؤ، خدا حافظ و ناصر مرے دلبر
دل چاہتا ہے آنکھوں سے ایک پل نہ جدا ہو
پر اب یہ مناسب ہے کہ بابا پہ فدا ہو

۳۶

یہ سنتے ہی سر قدموں سے اکبر نے اُٹھایا تسلیم کو خم ہو کے، سرِ عجز جُھکایا
بس خیمے میں سامانِ قیامت نظر آیا بے تابی میں بانو نے یہ رو رو کے سُنایا
داغ اپنی جوانی کا دیے جاتے ہو، بیٹا
اس دائی کو برباد کیے جاتے ہو، بیٹا

۳۷ (مطلع دوم)

میدان میں ہم شکلِ پیمبر کی ہے آمد یعنی شہِ ابرار کے دلبر کی ہے آمد
سب دشت تزلزل میں ہے صفدر کی ہے آمد خود کہتی ہے آمد، علی اکبر کی ہے آمد
تھرا کے ملک کہتے ہیں یہ چرخِ بریں پر
چڑھتا ہے پسر سیّدِ ابرار کا زیں پر

۳۸

روتے ہوئے جس وقت چلے اکبرِ ناشاد سر پیٹتی تھی ماں، تو پھوپی کرتی تھی فریاد
تھا شور کہ شبیّر کا گھر ہوتا ہے برباد خیمہ سے برآمد ہوا وہ غیرتِ شمشاد
چہرہ سے نمودار شجاعت تھی علی کی
تھا حسن نبیؐ کا، تو جلالت تھی علی کی

۳۹

اِستادہ ہوا خیمہ کے در پر جو وہ صفدر دیکھا کہ بصد درد کھڑے روتے ہیں سرور
آنکھوں سے لگا کر قدمِ سبطِ پیمبرؐ گھوڑے پہ ہوا جلوہ نما وہ مہِ انور
سُرعت میں فرس رشکِ نسیمِ سحری تھا
چھل بل میں جو تھا برق، تو اُڑنے میں پری تھا

۴۰

چمکا کے فرس یہاں سے چلا صفدرِ جرّار — راہی ہوا رستہ سے خبر لے کے خبردار
چلایا کہ ہاں صف شکنو، فوج سے ہشیار — آپہنچا وغا کو پسرِ سیّدِ ابرار
وہ آتا ہے زینبؓ کی جو گودی کا پلا ہے
پوتا اسد اللہ کا لڑنے کو چلا ہے

۴۱

یہ سنتے ہی لشکر کی صفیں جم گئیں ناگاہ — باجے عربی رن میں بجانے لگے گمراہ
آمادۂ پیکار ہوئے ظالمِ بدخواہ — اتنے میں قریب آگیا شہزادۂ ذیجاہ
جلوہ جو ہوا حسنِ رسولِ دوسرا کا
اک شور ہوا صلِّ علیٰ، صلِّ علیٰ کا

۴۲

غُل تھا کہ زہے حُسنِ علی اکبرِ ذی قدر — چہرہ میں ضیا ہے صفتِ آئینۂ بدر
روشن ہے کہ ہے مصدرِ انوارِ خدا صدر — سو اس کے لیے نوکِ سناں یہ ستم و غدر
یہاں حسنِ رُخِ ماہ چراغِ سحری ہے
جو شے ہے سراپا میں، وہ خوبی سے بھری ہے

۴۳

کیا وصف کریں حُسن کا یکتا ہے یہ غازی — سرتا بہ قدم نور کا پُتلا ہے یہ غازی
یوسفؑ سے بھی کچھ حسن میں اعلیٰ ہے یہ غازی — فیض و کرم و جود کا دریا ہے، یہ غازی
ہے شان ہر اک بات میں، خالق کے ولی کی
صورت ہے محمدؐ کی، شجاعت ہے علی کی

۴۴

گیسوئے دل آویز و رُخِ اقدس و اطہر — غیرتدہِ ابرِ سیہ و مہرِ منوّر
ہیں دیدۂ حق بیں گُلِ بادام سے بہتر — حقا کہ ہیں یہ نرگسِ بُستانِ پیمبر
مردم کا اشارہ ہے کہ یہ شہ کا خلف ہے
آنکھوں کی زیارت جو کریں عین شرف ہے

۴۵

خورشید سے روشن ہیں سوا عارضِ پُر نور　گر جاتا ہے نظروں سے جہاں حسنِ رُخِ حور
دکھلاتی ہے جنگل میں ضیا روشنیِ طور　اس حسن پہ یوسفؑ ہو تصدق تو ہے کیا دور
قرباں ہے دل اس رخ پہ ہر اک شاہ و گدا کا
یہ حسن ہے سب حسنِ رسولِ دوسرا کا

۴۶

غنچہ سے نزاکت میں فزوں تر یہ دہن ہے　کیا وصف کریں تنگ یہاں جائے سخن ہے
لب لعلِ یمن، دانت ہر اک درِّ عدن ہے　ہے جس پہ فدا خضرؑ یہ وہ چاہِ ذقن ہے
الفت ہے دلِ سیّدِ ذی جاہ میں اس کی
یوسف ہمہ تن غرق ہوئے چاہ میں اس کی

۴۷

شانے ہیں ید اللہ کے شانوں کی نشانی　جو دینِ محمدؐ کے ہوئے خلق میں بانی
بے دینوں نے قوت انھیں ہاتھوں کی ہے مانی　ان ہاتھوں کا دنیا میں نہیں ہے کوئی ثانی
دنیا میں جو یہ صاحبِ صمصام نہ ہوتے
کفّار کبھی تابعِ اسلام نہ ہوتے

۴۸

بے مثل ہے اِس شیر کی اک ایک کلائی　فرقت میں نہ جن کی شہِ والا کو کل آئی
دیکھی کبھی ہیرے میں بھی ایسی نہ صفائی　ہے پنجۂ خورشید کی ضَو ہاتھ نے پائی
خورشید کی آنکھیں بھی جھپک جاتی تھیں رَن میں
وہ بجلیاں ہر بار چمک جاتی تھیں رَن میں

۴۹

کیا نور و صفائی تھی کفِ دست کو حاصل　اِن ہاتھوں کی ضَو ہے سببِ روشنیِ دل
جس سے یدِ بیضا بھی کبھی ہو نہ مقابل　گھٹتا ہے جسے دیکھ کے حُسنِ مہِ کامل
سب زورِ ید اللہ دمِ تیغ زنی ہے
ان انگلیوں کو دعویِ خیبر شکنی ہے

۵۰

شفاف ہے ایسا کہ فدا آئینہ جس پر ہے سینۂ روشن سے خجل مہرِ منوّر
معدن یہ شجاعت کا ہے اور حلم کا مصدر ہے مطلعِ نورِ کرمِ خالقِ اکبر
کیوں چرخ، سناں نیزہ کی اس سینہ کی خاطر
یہ ضربِ گراں، نور کے آئینہ کی خاطر

۵۱

ہے صاف عیاں پائے محمدؐ کی جلالت وہ پاؤں ہیں جن سے کمرِ دیں کو ہے قوت
ہے خاکِ قدم بھی فلک کحل بصارت نعلین مبارک سے ہوئی عرش کو زینت
گر جلوہ نما یہ قدمِ پاک نہ ہوتے
تو خلق کبھی خلق میں افلاک نہ ہوتے

۵۲

بتلاؤ کدھر ہے پسرِ سعدِ ستم گر یہ ذکر تھا جو بڑھ کے پکارے علی اکبر
یہ سنتے ہی بس سامنے آیا وہ بداختر آئے کہ تمام اس پہ کریں حجتِ داور
کی عرض کہ ارشاد ہو، قصد آپ کا کیا ہے
کچھ صلح کا پیغام ہے، یا عزمِ وغا ہے

۵۳

ہم صلح میں بھی شاد ہیں لڑنے میں بھی مسرور اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ جو ہو تجھے منظور
جرأت جو ہماری ہے، دو عالم میں ہے مشہور بخشا ہے خدا نے ہمیں، سب طرح کا مقدور
تھی کون سی وہ جنگ کہ ہم جس میں رُکے ہیں
جب جھک گیا ہے آپ سے کوئی تو جھکے ہیں

۵۴

جبریل سے پوچھو جو شجاعت تھی علیؑ کی تھرّاتے تھے کافر وہ جلالت تھی علیؑ کی
حاتم تھا گدا جس کا، وہ ہمّت تھی علیؑ کی توڑا درِ خیبر کو وہ طاقت تھی علیؑ کی
جز فرشِ زمیں سونے کو بستر نہیں رکھا
بخشش سے سوا گھر میں کبھی زر نہیں رکھا

۵۵

بابا ہے مرا حضرتِ شبّیر سا معصوم　　فخرِ دو جہاں سبطِ نبیؐ، عاشقِ قیّوم
راضی بہ رضا ابن علیؑ، بیکس و مظلوم　　کونین کا سرتاج، امامِ عرب و روم
درگاہِ خدا میں یہ شرف کس کے لیے ہیں
پر فطرس بے بال کو اک دم میں دیے ہیں

۵۶

جانِ تنِ زہراؑ و علیؑ سیّدِ ابرار　　قربان رہے جس پہ سدا احمدِ مختار
صدقہ کیا خود اپنا پسر ان کا یہ تھا پیار　　فرماتے تھے یہ چوم کے ہر دم گلِ رخسار
یہ غنچہ دہن زینتِ آغوشِ نبیؐ ہیں
فرزندِ علیؑ جانِ رسولِ عربیؐ ہیں

۵۷

افسوس کہ جانِ رسولِ دوسرا ہے　　اس پر یہ چڑھائی ہے یہ سامانِ وغا ہے
آمادۂ شر رن میں ہر اک اہلِ جفا ہے　　ثابت نہ ہوا کچھ کہ خطا شاہ کی کیا ہے
مظلوم مسافر سے دغائیں نہیں کرتے
اک بیکس و تنہا یہ جفائیں نہیں کرتے

۵۸

سُن سُن کے یہ تقریر لگا کہنے وہ گمراہ　　ہو صلح ابھی کر لیں جو بیعت شہِ ذی جاہ
فرمایا کہ او دشمنِ دیں، ظالمِ بدخواہ　　بیعت کرے فاسق کی جگر بندِ یدُ اللہ
ظالم، تجھے کچھ خوف نہیں قہرِ خدا سے
کیا تو نہیں واقف ہے امامِ دوسرا سے

۵۹

یہ سُن کے بصد غیظ پکارا وہ ستمگار　　جو بندۂ زر ہیں انھیں کیا دیں سے سروکار
بے اس کے نہیں بچنے کی صورت کوئی زنہار　　اب حلق ہے شبّیرؑ کا اور خنجرِ خونخوار
راحت شہِ ابرار کی منظور نہیں ہے
دشمن پہ کبھی رحم کا دستور نہیں ہے

۶۰

یہ سنتے ہی غیظ آگیا اس شیرِ ژیاں کو دیکھا غضبِ قہر سے اُس قومِ گراں کو
لرزہ ہوا دہشت سے دلیرانِ جہاں کو نعرہ کیا صفدر نے کہ روک اپنی زباں کو
اس فوج کے انبوہ کو کب مانتے ہیں ہم
تم لوگوں کو روباہوں سے کم جانتے ہیں ہم

۶۱

یہ کہ کے جو بپھرا پسرِ بیشۂ حیدر تھرّائی زمیں کانپ گیا خوف سے لشکر
شمشیر کو دیکھا تو صفیں ہو گئیں ابتر روباہ صفت ہٹ گیا پیچھے وہ ستمگر
غل پڑ گیا دریا غضبِ حق کا بڑھا ہے
پوتا شہِ مرداں کا لڑائی پہ چڑھا ہے

۶۲

آواز یہ دی شمر نے بڑھ کر کہ چلیں تیر تلواریں کھنچیں رن سے بڑھا لشکرِ بے پیر
نعرہ کیا غازی نے کہ یا حضرتِ شبّیر حیدر کی طرح جھوم کے لی میان سے شمشیر
چلّائے لعیں قہر خدائے صمد آیا
لشکر میں ہوا شور کہ بھاگو اسد آیا

۶۳

ناگاہ لعینوں پہ چلی تیغِ شرر بار سر اُڑنے لگے جسم سے ناری ہوئے فی النّار
تھے شیر کے حملے غضبِ حضرت قہّار ابتر ہوا دم بھر میں وہ سب لشکرِ کفّار
لشکر کے جری خوف سے منہ موڑ رہے تھے
جرأت کا جو دم بھرتے تھے دم توڑ رہے تھے

۶۴

بڑھتا تھا جو یہ شیر تو گھبراتے تھے اعدا ہر ضرب پہ سہمے ہوئے تھراتے تھے اعدا
گوشہ نہ کہیں چھپنے کو جب پاتے تھے اعدا آپہنچی اجل سر پہ یہ چلّاتے تھے اعدا
ڈر ڈر کے وہ بھاگے تھے جو جرّار بڑے تھے
اک نیزہ کے پلّے پہ کمان دار کھڑے تھے

۶۵

کیا ڈر تھا کہ تھرّا رہا تھا دشتِ وغا بھی منھ سے نہ نکلتی تھی لعینوں کے صدا بھی
جنگاہ میں ڈرتی ہوئی آتی تھی قضا بھی بیتاب تھی کٹ جانے کی دہشت سے ہوا بھی
تھامے ہوئے تھے ہاتھوں سے جن بھی جگر اپنے
تھے ڈر سے اُٹھائے ہوئے جبریل پَر اپنے

۶۶

شمشیر تھی یا قہرِ خدائے دوجہاں تھی بیباک تھی، چالاک تھی، اور دشمنِ جاں تھی
گہ خاک پہ کچھ عالمِ بالا پہ عیاں تھی یہاں تھی جو شرر ریز، تو وہاں شعلہ فشاں تھی
تن جلتے تھے اعدا کے، نہ یارائے سخن تھا
جرّار کی تلوار میں بجلی کا چلن تھا

۶۷

ہر سمت جو تھا جلوۂ شمشیرِ دلاور تھرّا رہی تھی گاوِ زمیں رُعب سے تھر تھر
چھپ چھپ گئے تھے غار میں دہشت سے سب اژدر روباہ صفت بھی تھے یہاں خوف سے مضطر
تھی راہِ اماں بند، جو غازی کے غضب سے
سیمرغ چھپا قاف میں دہشت کے سبب سے

۶۸

اس تیغ نے ڈالی تھی دو عالم پہ تباہی بجلی کوئی کہتا تھا، کوئی قہرِ الٰہی
آفت تھی بپا قاف سے تا مسکنِ ماہی ہر ضرب میں دوزخ کو لعین ہوتے تھے راہی
جان اب نہیں بچنے کی، یہ سب جان گئے تھے
ضربت کو بہادر کی سبھی مان گئے تھے

۶۹

جس وقت در آتا تھا وہ جرّار صفوں میں مر جاتے تھے ڈر ڈر کے ستمگار صفوں میں
چلّاتے تھے ہر بار یہ کفّار صفوں میں ہیں گرمِ وغا حیدرِ کرّار صفوں میں
جانیں نہیں بچنے کی کسی طرح یقیں ہے
دستِ ملک الموت رگِ جاں سے قریں ہے

۷۰

کیا زور تھا، کیا ضرب تھی، کیا تیغ تھی، کیا دھاک　　جب بڑھتے تھے ہٹ جاتا تھا سب لشکرِ سفاک
تھی قہرِ صمد ضربِ شبیہِ شہِ لولاک　　خورشید تھا لرزاں، تہہ و بالا تھے سب افلاک
راحت کا مکاں دہر میں نایاب ہوا تھا
دہشت سے زمیں کا بھی جگر چاک ہوا تھا

۷۱

شمشیرِ جری کی تھی مہِ نو سے نمایاں　　جوہر تھے کہ معشوق کی پیشانیِ افشاں
چلتی تھی جدھر، لوٹتے تھے دشمنِ ایماں　　یہ جس کے گلے آ کے ملی ہو گیا بے جان
بدخو تھی، سرانداز تھی اور دشمنِ جاں تھی
خائف تھی اجل جس سے، وہ قتالِ جہاں تھی

۷۲

جوں برق صفت فوج پہ چلتی تھی وہ تلوار　　بے جان کیے سر سے نہ ٹلتی تھی وہ تلوار
دل کاٹ کے سینے سے نکلتی تھی وہ تلوار　　ہر بار نئے رنگ بدلتی تھی وہ تلوار
منہ زیرِ زباں اک تھی جو اس عربدہ جو کی
مطلق نہ ہوئی سیر جو پیاسی تھی لہو کی

۷۳

جاتی تھی چمک تیغ کی گردوں پہ برابر　　دہشت سے فلک کانپتے تھے چرخ بریں پر
تھرّا رہے تھے خوف سے جنّات کے لشکر　　غل تھا کہ گرا خاک پہ اب گنبدِ اخضر
کیا ڈر تھا کہ ہر بار دہل جاتے تھے جبریل
بند آنکھیں کیے چرخ پہ تھرّاتے تھے جبریل

۷۴

ہر ضرب میں گر پڑتے تھے دو چار ستمگر　　سر لوٹتے پھرتے تھے لعینوں کے سراسر
انبار تھے میدان میں لاشوں کے برابر　　تھا تیغ کی دہشت سے ہر ایک مضطر و ششدر
غل ہوتا تھا ہر صف میں کہ جانوں پہ بنی ہے
کیا چار ہوں آنکھیں یہ جری پنجتنی ہے

۷۵

یوں آتی تھی ہر بار وہ تلوار زمیں پر جس طرح گرے برق شرر بار زمیں پر
بسمل سے تڑپتے تھے ستمگار زمیں پر اسوار پہ رہوار تھے اسوار زمیں پر
باگیں تھیں جدا از زین تہ تنگ پڑے تھے
راکب کہیں گھوڑے کہیں چورنگ پڑے تھے

۷۶

غل تھا کہ یہ فرزند ہیں اس عرش نشیں کے پر کاٹے ہیں جس شیر نے جبریلِ امیں کے
مختار ہیں افلاک کے، مالک ہیں زمیں کے گر کفر کے ماحی ہیں، تو حامی ہیں یہ دیں گے
آفاق ہیں غارت گرِ اصنام یہی ہیں
اے تنگ دلو، رائج اسلام یہی ہیں

۷۷

بڑھتا کوئی نامرد اگر تول کے شمشیر جرّار جھپٹتا تھا لعیں پر صفتِ شیر
کہتی تھی اجل آتی ہوں میں اب نہیں کچھ دیر معلوم ہوا زیست سے تو اپنی ہوا سیر
آگاہ نہیں کاٹ سے اس برق اجل کے
جائے گا کہاں اب مرے پنجہ سے نکل کے

۷۸

بجلی سے بھی کچھ اسپ سبک تاز تھا چالاک تھی گشت سے اس کی تہ و بالا خس و خاشاک
یہ گرد اڑی رن میں کہ سنسان ہوئے افلاک تھا دشت میں کاوش سے زمیں کا بھی جگر چاک
تھرّاتا تھا شیر فلک اس ماہ جبیں سے
ہر ٹاپ میں پانی نکل آتا تھا زمیں سے

۷۹

وہ شوخیاں اس اسپِ صبا دم کی، وہ رفتار دیکھے تو پری عشق میں ہو جائے گرفتار
شرمائے ہرن جس سے طراروں میں وہ طرار اس اسپِ سبک خیز کو گرمائے جو اسوار
بالائے فلک ایک طرارے میں پہنچ جائے
یہ قاف سے تا قاف اشارے میں پہنچ جائے

۸۰

سُرعت کا یہ عالم تھا، ہوا آتی ہے جیسے
یا چال پری نازیں دکھلاتی ہے جیسے
یا سوئے چمن بادِ صبا جاتی ہے جیسے
بال ایسے، پری بالوں کو گندھواتی ہے جیسے
گر بدر کہیں ماتھے کو اس کے، تو بجا ہے
خم گردنِ نازک میں مہِ نو سے سوا ہے

۸۱

دکھلا رہا تھا شوخیاں یاں اسپِ وفادار
گرتی تھی لعینوں پہ اُدھر برقِ شرر بار
تھا قہر جری کا غضبِ حضرتِ قہار
ٹوٹی تھیں صفیں فوج کی، تھے مورچے بیکار
مچھلی سا طپاں خاک پہ ہر عربدہ جُو تھا
زندہ بھی کوئی تھا تو حبابِ لبِ جُو تھا

۸۲

اکبر کی لڑائی میں علیؑ کا تھا سب انداز
تھرّا رہا تھا خوف سے ہر شعبدہ پرداز
باز آئے لڑائی سے، یہ چلاتے تھے جانباز
محشر جو نہ برپا ہوا کچھ اس میں بھی تھا راز
تھم جاتے تھے بڑھ بڑھ کے یہ امّت کا سبب تھا
اکبر کو فقط روحِ محمدؐ کا ادب تھا

۸۳

میدان سے پسپا ہوئی سب فوجِ ستمگار
پیدل نظر آتے تھے بیاباں میں نہ اسوار
یا دشتِ جفا خیز تھا، یا لاشوں کا انبار
دم لینے لگا رک کے گھوڑے کو وہ جرّار
تھی خشک زباں، پیاس کی شدّت سے حلق تھا
دل جلتا تھا سینہ میں بدن غرقِ عرق تھا

۸۴

اس پیاس میں دریا پہ نظر جا پڑی ناگاہ
دیکھا کہ ہیں تر خون میں عباسِ فلک جاہ
لاشہ پہ نہ ہمدم ہے کوئی اور نہ ہوا خواہ
بے ساختہ دل تھام کے لی سینے سے اک آہ
رقّت کا ہوا جوش جو اس صدر نشیں پر
نزدیک یہ تھا گر پڑیں گھوڑے سے زمیں پر

۸۵

نیزہ غمِ عباس جو سینہ میں دَر آیا　　اس لاشۂ بے دست کو رو رو کے سنایا
افسوس کہ قسمت نے یہ کیا حال دکھایا　　یہ پھول سا تن دھوپ میں نہ سقف، نہ سایا
حضرت کے جدا ہونے سے مجروح جگر ہے
اپنا بھی بس اب عالمِ فانی سے سفر ہے

۸۶

حسرت نہیں کچھ زیست سے دل سیر ہے میرا　　اٹھارہ برس دیکھ چکے حال جہاں کا
پہنچا دے بس اب قبر تلک خالقِ یکتا　　ہاں ایک الم ہے کہ ہیں تنہا شہِ والا
ٹوٹے گی یہ سب فوج شہِ جنّ و بشر پر
ہوئے گا مرے بعد بڑا ظلم پدر پر

۸۷

روتے تھے یہ کہہ کے اِدھر اکبرِ ذی جاہ　　ناگاہ بڑھے فوج سے بھاگے ہوئے بدخواہ
واں قتل کی تدبیروں میں مصروف تھے گمراہ　　دشمن تو کئی لاکھ، اکیلا وہ حق آگاہ
یوں چھا گئی سب فوج شہِ دیں کے پسر پر
آ جاتی ہے بدلی کبھی جس طرح قمر پر

۸۸

ہونے لگی ہر سمت سے نیزوں کی جو بوچھار　　سر تا بہ قدم ڈوب گیا خوں میں وہ جرّار
پھر توں کے مانندِ علیؑ تیغ شرر بار　　جولاں کیا اس شیر نے جنگاہ میں رہوار
جب بڑھ کے کیا وار تو گھبرا گئے اعدا
گرتی ہوئی بجلی کے تلے آ گئے اعدا

۸۹

ہر چند کہ تھا ہونٹوں پہ دم پیاس کے مارے　　اور زخموں سے اعضائے بدن چُور تھے سارے
طاقت بھی ہوئی طاق پہ ہمت کو نہ ہارے　　ہر ضرب پہ اسواروں کے تن سر سے اتارے
چلتی تھی جو بد کیشوں پہ تلوار قضا کی
چلاتے تھے ہٹ ہٹ کے کمان دار خطا کی

۹۰

بدلی کی طرح سامنے سے ہٹتے تھے اظلم — وہ ماہ جھپٹتا تھا بصد غیظ جو پیہم
حملے تھے جری کے غضبِ خالقِ عالم — غل ہوتا تھا بھاگو کہ پھر آتا ہے وہ ضیغم

چلّے نہ کھنچے خوف ہیں ناوک فگنوں سے
کٹ کٹ کے جدا ہو گئیں زرہیں بدنوں سے

۹۱

جوں تیز چلا برچھیوں والوں پہ وہ جرّار — پنہاں ہوئے گوشوں میں جو ڈر ڈر کے کماندار
سینہ پہ لگا نیزہ کہیں، فرق پہ تلوار — افسوس ہے سب ٹوٹ پڑے مل کے جفاکار

سنبھلا نہ گیا گھوڑے پہ اس ماہ جبیں سے
پہلو پہ تبر کھا کے گرے خانۂ زیں سے

۹۲

مجمع میں ستمگاروں کے تنہا تھا وہ خوش خو — گرنا تھا کہ گرد آگئی سب فوج جفا جو
مجروح ہوئی گردن و پیشانی و ابرو — چلنے لگے گرز و تبر و تیر سہ پہلو

بہتا تھا لہو حال یہ تھا شہ کے پسر کا
پرزے تھا بدن چاند سا اس رشکِ قمر کا

۹۳

چلّائے کہ جلد آئیے یا حضرتِ شبّیر — جلادوں میں جس دم ہوئی سر کٹنے کی تدبیر
مرتا ہے کوئی آن میں یہ بیکس و دلگیر — خواہاں ہیں مری جان کے سب ظالمِ بے پیر

جاتا ہوں میں دربارِ محمدؐ میں طلب ہے
مرتے ہوئے حضرت کو نہ دیکھا تو غضب ہے

۹۴

ہاتھوں سے جگر تھام کے غش ہو گئے سرور — جس دم یہ سنی شہ نے صدائے علی اکبر
واحسرت و دردا یہ ستم ہو گیا تم پر — ہوش آیا تو چلّائے کہ بیٹے مرے دلبر

مظلوم کو تنہا نہ کہیں جائیو بیٹا
بابا کو بھی ہمراہ لیے جائیو بیٹا

۹۵

اے جانِ پدر، مجھ کو بھی آواز سناؤ　　یہ بیکس و ناشاد کدھر آئے، بتاؤ
مرتا ہوں، ذرا چاند سی صورت تو دکھاؤ　　اس عالمِ فانی سے منھ اپنا نہ پھراؤ
تھرّاتا ہے تن، ضُعف سے طاقت نہیں مجھ میں
اے نورِ نظر، چلنے کی قوّت نہیں مجھ میں

۹۶

ہم جیتے ہیں تم مر گئے، اے یوسفِ ثانی　　تجھ کو نہ ملا آہ دمِ نزع بھی پانی
کیوں کر نہ یہ ناشاد کرے اشک فشانی　　آنکھوں میں مرے پھر رہی ہے تیری جوانی
دشوار جدائی تھی مجھے ایک نفس کی
برباد کمائی ہوئی اٹھارہ برس کی

۹۷

یہ کہہ کے چلے خاک بسر سبطِ پیمبرؐ　　تھا لب پہ کہ ہے ہے مرے جانی مرے صفدر
تن کانپتا تھا ضعف سے اور حال تھا ابتر　　دل تھام کے گر پڑتے تھے ہر بار زمیں پر
طاری تھا یہ صدمہ کہ نہ فکرِ تن و سر تھی
کچھ دھیان عبا کا، نہ عمامہ کی خبر تھی

۹۸

کہتا جو کوئی کس لیے آپ اتنا ہیں بیتاب　　فرماتے تھے کھویا گیا میرا دُرِ نایاب
دو روز کے فاقے سے ہے، دو روز سے بے آب　　سینہ میں تڑپتا ہے دل اب صورتِ سیماب
اندھیر ہے آنکھوں کا اجالا نہیں ملتا
مرتا ہوں مرا گیسوؤں والا نہیں ملتا

۹۹

گر پوچھتا کوئی کہ بتا شکل کا کیا ہے　　فرماتے تھے ہم صورتِ محبوبِ خدا ہے
رُخساروں یہ سب نورِ الٰہی کی ضیا ہے　　اٹھارھواں ہے سال، نہ پھولا نہ پھلا ہے
قد سرو سے بالا ہے تو رُخ مہرِ مبیں ہے
سبزہ بھی ابھی خوب نمودار نہیں ہے

۱۰۰

یہ کہتے چلے جاتے تھے شہِ جانبِ میداں　　آلودہ تھا رُخ خاک سے اور چاک گریباں
پھر اتنے میں حضرت کو پکارا وہ پُرارماں　　اب نزع کا ہنگام ہے یا سرورِ ذیشاں
فردوسِ معلّیٰ کا مسافر ہے یہ فدوی
جلد آئیے، جلد آئیے آخر ہے یہ فدوی

۱۰۱

آوازِ پسر سُن کے شہِ دیں یہ پکارے　　گھبراؤ نہ آپہونچا پدر، اے مرے پیارے
سینہ میں سماتا نہیں دم ضعف کے مارے　　فرقت سے تمھاری ہے پدر گور کنارے
طاقت نہیں چلنے کی اب اس تشنہ دہن میں
آنکھوں میں نہ ہے نور، نہ قوت ہے بدن میں

۱۰۲

یہ کہتے ہوئے مقتلِ اکبر میں جو آئے　　دیکھا کہ ہیں غش خاک پہ پھل برچھی کا کھائے
سر پیٹ کے اشک آنکھوں سے حضرت نے بہائے　　فرمایا کہ ہم آئے ہیں، اے بانو کے جائے
بیتاب ہے دل، صبر کا یارا نہیں اکبر
تم جاتے ہو اب کوئی ہمارا نہیں اکبر

۱۰۳

فرما کے یہ بس بیٹھ گئے حضرتِ شبیرؑ　　زانو پہ رکھا اپنے سرِ اکبرِ دلگیر
پھر چہرے پہ منھ رکھ کے یہ کی پیار سے تقریر　　آواز سناؤ کہ ہے مضطر پدرِ پیر
کیوں آنکھ نہیں کھولتے اے لعل، یہ کیا ہے
بے رحم کی جا باپ غریب الغربا ہے

۱۰۴

ہر چند کہ فاقہ سے ہوا اور ضعف ہے طاری　　تن چور ہے سب اور ہے لہو زخموں سے جاری
بند آنکھیں ہیں اور خوں سے قبا سرخ ہے ساری　　دیکھو تو ذرا ایک نظر شکل ہماری
آگے مرے دنیا سے سفر کرتے ہو، بیٹا
افسوس کہ ہم جیتے ہیں، تم مرتے ہو بیٹا

۱۰۵

اکبر نے سنی جب یہ صدائے شہِ والا حسرت کی نظر سے رخِ شبیرؑ کو دیکھا
کی عرض کہ تکلیف ہوئی آپ کو بابا مہماں کوئی ساعت کا ہے یہ آپ کا شیدا
خوں بہتا ہے سر تا بہ قدم چور ہوں بابا
کیوں کر کروں تعظیم کہ مجبور ہوں بابا

۱۰۶

شفقت سے صدا آپ نے دی مجھ کو کئی بار بیہوشی میں کچھ مجھ سے نہ بولا گیا زنہار
اس ترکِ ادب کا ہے قلق، یا شہِ ابرار کیجے یہ خطا عفو پئے حضرتِ غفّار
غش سے لبِ گفتار کو کھولا نہیں جاتا
ہے درد کلیجہ میں کہ بولا نہیں جاتا

۱۰۷

اکبر نے یہ کی باپ سے جب عجز کی تقریر جوش آگیا اُلفت کا، تڑپنے لگے شبیر
فرمایا لگاؤ نہ کلیجہ پہ مرے تیر صدقہ تری اس عمر کے، یہ بیکس و دلگیر
کیا دخل ہے تم سے جو کبھی بے ادبی ہو
لازم ہے مجھے پاس کہ ہم شکل نبیؐ ہو

۱۰۸

جس دم یہ سُنی قبلۂ کونین کی گفتار کی عرض بصد عجز کہ یا سیّدِ ابرار
شادی کے نہ ہونے کا مجھے غم نہیں زنہار شادی ہے یہ تھوڑی کہ ارم کا ہوا مختار
کیا کیا نہ مکاں نور کے راحت کو ملیں گے
حُوروں کے پرے خُلد میں خدمت کو ملیں گے

۱۰۹

یہ ذکر تھا آگے جو ہوئی موت گلو گیر سینہ میں اُٹھا درد تو حالت ہوئی تغئیر
رُکنے لگی جب سانس تو کی رو کے یہ تقریر خادم کی مدد کیجیے، یا حضرتِ شبّیر
گھبرا کے کہا شہ نے میں قربان، یہ کیا ہے
کی عرض کہ چھاتی میں دم بس اب آکے رُکا ہے

۱۱۰

یہ کہتے تھے جو ہچکیاں آئیں کئی پیہم　　منہ زرد ہوا پھول سا، آنکھیں ہوئیں پُرنم
چلّائے شہِ دیں مرے پیارے مرے ضیغم　　خاموش ہوئے کس لیے کیا حال ہے اس دم
پھر باپ کو کچھ دے کے صدا مر گئے اکبر
یا شیرِ خدا کہہ کے سفر کر گئے اکبر

۱۱۱

فردوسِ معلّیٰ کو سدھارا وہ جری جب　　رو رو کے یہ فرمانے لگے سبطِ نبی تب
تم مر گئے پیارے، مجھے معلوم ہوا اب　　بتلاؤ کہ جنت میں بلاؤ گے مجھے کب
تازیست بس اب تم کو نہیں پاؤں گا اکبر
منہ بانو کو کس طرح سے دکھلاؤں گا اکبر

۱۱۲

اے شیرِ جواں! تیری جوانی کے تصدّق　　صورت کے فدا، سحر بیانی کے تصدّق
اے لال! تری مرتبہ دانی کے تصدّق　　ان فاقوں کے، اور تشنہ دہانی کے تصدّق
چھوڑا ہمیں، اور آپ قضا کر گئے، بیٹا
مظلوم سے غربت میں یہ کیا کر گئے، بیٹا

۱۱۳

اے احمدِ ثانی، تجھے کس طرح سے پاؤں　　نانا کی نشانی، تجھے کس طرح سے پاؤں
اے بانو کے جانی، تجھے کس طرح سے پاؤں　　بابا ہے نہ نانی، تجھے کس طرح سے پاؤں
پیاسے گئے کوثر پہ ہمیں چھوڑ گئے تم
پردیس میں بےکس کی کمر توڑ گئے تم

۱۱۴

اے نورِ نظر، تجھ کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں　　اندھیر ہے گھر، تم کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں
اے لختِ جگر، تم کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں　　ناشاد پسر، تم کو کدھر ڈھونڈنے جاؤں
بیتاب ہے دل سینہ میں، یہ دردِ پدر ہے
طاقت نہ بدن میں ہے نہ اب نورِ بصر ہے

۱۱۵

موت آگئی کیا جلد یہ مرنے کا نہ تھا سن ۔۔۔ ماں کو تیرے چین آئے گا کس طرح سے تجھ بن
ارمان کئے شادی کے مرادوں کے تھے یہ دن ۔۔۔ اٹھارہ برس گذرے تھے اس طرح سے گن گن
ہے دل کو یقیں جی سے گذر جائے گی بانو
بے جاں تجھے دیکھے گی تو مر جائے گی بانو

۱۱۶

لکھا ہے کہ روتے تھے اُدھر لاش پہ سرور ۔۔۔ واں خیمہ میں بیتاب تھے ناموسِ پیمبر
سن کر سخنِ قتلِ پسر شاہ کی خواہر ۔۔۔ مقتل کو چلی خاک اڑاتی ہوئی سر پر
تھا لب پہ کہ ہے ہے مرے دلدار کہاں ہو
اندھیر جہاں ہے کہ تم آنکھوں سے نہاں ہو

۱۱۷

اے اکبرِ مہرو، مجھے پاس اپنے بلاؤ ۔۔۔ دل سینہ میں بیتاب ہے آواز سناؤ
چھاتی سے لگو، چاند سی تصویر دکھاؤ ۔۔۔ یہ مادرِ ناشاد کدھر آئے، بتاؤ
آنکھوں سے نہیں سوجھتا، بیتاب جگر ہے
ثابت نہیں جاتی ہوں کدھر، راہ کدھر ہے

۱۱۸

اس حال سے مقتل میں جو پہنچی وہ دل افگار ۔۔۔ دیکھا کہ شہنشاہِ دو عالم ہیں دل آزار
بیتاب ہیں گودی میں لیے لاشۂ دلدار ۔۔۔ عریاں ہے سر، اشکوں سے تر ہیں گلِ رخسار
خورشید سا منھ گردِ مصیبت سے اٹا ہے
تر خوں میں عبا ہے تو گریبان پھٹا ہے

۱۱۹

لاشہ کے قریب آئی جو وہ مضطر و بیتاب ۔۔۔ صدمہ سے ہوا سینۂ اقدس میں جگر آب
آلودہ لہو میں نظر آیا گلِ شاداب ۔۔۔ تھی زیرِ عبا لاش کہ تھا ابر میں مہتاب
اسبابِ وغا پہلوے اقدس میں پڑا تھا
اک سمت جھکائے ہوئے سر اسپ کھڑا تھا

۱۲۰

یہ دیکھ کے غش ہو گئی بنتِ اسد اللہ ہوش آیا تو لاشے کو صدا دی یہ بصد آہ
کیوں خاک پہ لیٹے ہو تم اے اکبر ذیجاہ خیمہ میں چلو جلد، پھوپی جان کے ہمراہ
تم کو جو ہوئی دیر تو گھبرائی ہوں، بیٹا
گھر سے تمھیں لینے کے لیے آئی ہوں، بیٹا

۱۲۱

اکبر، پھوپی اماں ہمیں تم کہہ کے پکارو ریتی سے اُٹھو کاکلِ مشکیں کو سنوارو
زینبؑ کے کلیجہ پہ نہ اب برچھیاں مارو خیمہ میں چلو، خوں بھری پوشاک اُتارو
صدمہ میں دلیروں کے یہ انداز نہیں ہیں
رہوار کہیں، تیغ کہیں، آپ کہیں ہیں

۱۲۲

شہ بولے عبا لاشۂ اکبر سے اُٹھا کر کیوں خیمہ سے مقتل میں چلی آئیں کھُلے سر
کیا کہتی ہو دیکھو تو ذرا زینبِ مضطر دنیا سے گئے خلد کو ہمشکلِ پیمبر
طاقت جو مرے جسم میں تھی لے گئے اکبر
داغ اپنی جوانی کا ہمیں دے گئے اکبر

۱۲۳

یہ کہہ کے لگے پیٹنے سر سیدِ والا نالے جو کیے ہو گئی دنیا تہ و بالا
زینب نے کہا، ہائے مرا گیسوؤں والا اندھیر ہوا اُٹھ گیا دنیا کا اُجالا
میں سمجھی تھی جاگے ہوئے تھے سو گئے اکبر
معلوم ہوا رن میں فدا ہو گئے اکبر

۱۲۴

اے گیسوؤں والے ترے لاشے کے تصدّق اے گود کے پالے ترے لاشے کے تصدّق
سب زخم ہیں آلے ترے لاشے کے تصدّق پاس اپنے بلالے ترے لاشے کے تصدق
نوشاہ بنو، دل میں یہ ارمان بھرا تھا
شادی کے لیے خلعتِ شاہانہ دھرا تھا

۱۲۵

یہ بَین ابھی کر رہی تھی شاہ کی خواہر　　آوازِ بتول آئی کہ اے لاڈلی دختر
جا خیمہ میں بس صبر کر اے زینب مضطر　　اب اور مصیبت کی گھڑی آتی ہے سر پر
سر سے مرے پیارے کے یہ آفت نہ ٹلے گی
اب حلق پہ شبیر کے تلوار چلے گی

۱

دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد   دو غازیوں کی جنگ کے میداں میں ہے آمد
دو چاند کے ٹکڑوں کی بیاباں میں ہے آمد   دو موتیوں کی دشت کے داماں میں ہے آمد
گیسو بھی سرِ دوش پہ بل کھائے ہوئے ہیں
دو سروِ رواں جنگ پہ لہرائے ہوئے ہیں

۲

کس شان سے آتے ہیں وہ شبیرؑ کے شیدا   ہے جلوۂ نورِ احدی دشت میں پیدا
ظاہر ہے دمِ صبح کا میداں میں پیدا   زردی ہے سیہ کاروں کے چہرہ پہ ہویدا
غل اُٹھتا ہے رہ رہ کے یہی فوجِ عدو سے
ہو جائے گا اب دشتِ وغا سرخ، لہو سے

۳

جس وقت سے مسلم کے دل و جاں ہوئے بے سر   ہیں غیظ میں اس وقت سے دونوں یہ دلاور
فضہ جو بلانے گئی تھی خیمے کے اندر   سمجھایا تھا مادر نے خفا ہو کے مکرّر
کیا روحِ حسنؑ سے مجھے شرمندہ کروگے
میں دودھ نہ بخشوں گی جو بے وقت مروگے

۴

اب آتے ہیں اب آتے ہیں وہ دونوں دلاور   ڈیوڑھی پہ انھیں کے لیے یہ روتے ہیں سرور
جرار ہیں، پایا جو نہیں منصبِ جعفر   سنتے ہیں کہ بگڑے ہوئے ہیں دونوں کے تیور
بے خوں کیے ہم سب کا نہ دم لیں گے وہ دونو
اس فوج کا آتے ہی علم لیں گے وہ دونو

۵

یہ غل تھا کہ وارد ہوئے میداں میں وہ ذیجاہ — چہروں میں تجلّی تھی کہ پُرنور ہوئی راہ
سب کہتے تھے دونوں ہیں ہزبرِ صفِ جنگاہ — اسوار ہیں گھوڑوں پہ کہ ہیں چرخ پہ دو ماہ
اک برج کے یہ مہرِ جہانتاب ہیں دونو
اک بحر کے یہ گوہرِ نایاب ہیں دونو

۶

کیا ہمت و جرأت ہے زہے عزم و زہے شاں — سب حیدرِ کرّار کی آمد کے ہیں ساماں
پیاسے ہیں پہ ان شیروں سے لڑنا نہیں آساں — بھر جائے گا لاشوں سے دمِ جنگ یہ میداں
اس طرح سے تولے ہوئے شمشیر کھڑے ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ دو شیر کھڑے ہیں

۷

دو سینۂ پرنور ہیں قرآں کی طرح پاک — خود نور ہیں اور جسم میں ہے نور کی پوشاک
اس عمر میں کیا فہم ہے کیا ہمت و ادراک — دنیا کو یہ سمجھے ہوئے ہیں ایک کفِ خاک
بوٹا سے ہیں قد، چاند سے رخ چھوٹے سے سن ہیں
راتیں ابھی آرام کی ہیں کھیل کے دن ہیں

۸

چھوٹے سے عماموں کی سروں پر ہے عجب شان — تحت الحنکیں باندھے ہیں مرنے کا ہے سامان
ہیں گُل سی قبائیں تو مہِ نو سے گریباں — رُخ زلفوں میں یا چاند ہیں بدلی میں نمایاں
دولھا سے بنے مرنے پہ آمادہ کھڑے ہیں
گو چھوٹی ہیں عمریں پہ ارادے تو بڑے ہیں

۹

قربان اسی حُسن پہ حوروں کے پرے ہیں — ہے پیاس کی شدت جو لبِ سرخ ہرے ہیں
کوٹے ہوئے موتی ہیں کہ آنکھوں میں بھرے ہیں — رخ ہیں کہ سبدِ نور پہ یا پھول دھرے ہیں
ڈھالیں تو ہیں کاندھوں پہ زرہ جامہ ہیں بر میں
دو نیمچے چھوٹے سے لگائے ہیں کمر میں

۱۰

زیبندہ ہے اس عمر میں کیا جنگ کا اسباب　　چھوٹے سے یہ مغفر ہیں کہ خورشیدِ جہانتاب
جوشن جو ہیں بے مثل تو ڈھالیں بھی ہیں نایاب　　ان نیمچوں کو دیکھ کے ہوتا ہے جگر آب
سرعت نہ چکاروں میں نہ یہ جست ہرن میں
گھوڑے ہیں کہ طاؤس خراماں ہیں چمن میں

۱۱

تعریف میں مصروف تھا سب شام کا لشکر　　جو فوج سے نکلا عمرِ سعدِ ستمگر
پہنے ہوئے تھا جسم میں اک خلعتِ پُر زر　　تھا چتر کے سایہ میں وہ کج بازِ بد اختر
تلواریں لیے فوج اِدھر اور اُدھر تھی
فرزندوں پہ زینب کے ستمگر کی نظر تھی

۱۲

کہتا تھا یہ مُڑ مُڑ کے لعیں شمر سے ہر دم　　یہ حُسنِ خداداد بھی ہوتا ہے بہت کم
ہے چاند سے چہروں پہ عجب نور کا عالم　　سنتا ہوں کہ حیدر کے نواسے ہیں یہ ضیغم
چھوٹے قدِ موزوں ہیں بہت سن ابھی کیا ہے
یہ خاک میں مل جائیں تو افسوس کی جا ہے

۱۳

ہر چند نہیں رحم مرے قلب میں زنہار　　درد اُٹھتا ہے پر دل میں انھیں دیکھ کے ہر بار
ان سے تو ابھی اٹھ بھی نہیں سکنے کی تلوار　　جلتے ہی مناسب ہے جو ہو جائیں گرفتار
خود آئیں تو یہ رنج بدل جائے فرح سے
آنکھوں پہ رکھوں میں انھیں ابرو کی طرح سے

۱۴

بولا عمرِ سعد سے اُس وقت وہ اظلم　　یہ سچ ہے کہ ان دونوں کی عمریں ہیں ابھی کم
بچے اسدِ حق کے ہیں یہ فخرِ دو عالم　　آتے ہیں کوئی بازیِ روباہ میں ضیغم
اک دم میں صفیں فوج کی توڑیں گے یہ دونو
مرنے پہ بھی تیغوں کو نہ چھوڑیں گے یہ دونو

۱۵

آئیں گے نہ لالچ میں یہ گو تشنہ دہاں ہیں　　دو دن کے گرسنہ ہیں مگر شیر ژیاں ہیں
دونو یہ دل و جانِ امامِ دوجہاں ہیں　　صفدر ہیں، جری ہیں، شرفِ کون و مکاں ہیں
اولادِ علیؑ ہیں یہ نہ چھوڑیں گے وفا کو
لایا ہے کہیں دام میں صیّاد ہما کو

۱۶

جاتا تو ہوں کہنے سے ترے آپ میں لیکن　　کہنے سے چلے آئیں یہاں وہ نہیں ممکن
گو پیاس کی تکلیف میں گذرے ہیں کئی دن　　لیکن نہ جواں اور کہیں کے نہ یہ کم سن
ماموں سے یقیں ہے کہ نہ منھ موڑیں گے دونو
شبیرؑ کا دامن نہ کبھی چھوڑیں گے دونو

۱۷

یہ کہہ کے بڑھا اُن کی طرف شمرِ ستمگار　　دونو نے پکارا کدھر آتا ہے جفا کار
بولا وہ شقی تم کو طلب کرتا ہے سردار　　بہتر ہے چلے آؤ مناسب نہیں تکرار
کر دے تمھیں سردار تو کچھ دور نہیں ہے
دونو یہ پکارے ہمیں منظور نہیں ہے

۱۸

بولا وہ شقی یہ تو خفا ہونے کی ہے جا　　جن شیروں کا ہو جعفرِ طیّار سا دادا
محروم وہ رہ جائیں ملے جد کا نہ عہدا　　عباس کو بخشیں علم اپنا شہِ والا
انعام ہمیں خلعتِ پُرزر تمھیں دے گا
تو پہلے علمداری لشکر تمھیں دے گا

۱۹

عباس تو ہیں تھوڑے سے لشکر کے علمدار　　لاکھوں ہیں یہاں صف شکن و صفدر و جرّار
دیکھو تو یہ لشکر ہے کہ ہے قلزمِ قہّار　　چلتے ہی ابھی فوج کے ہو جاؤ گے مختار
شبیرؑ تو خود فاقہ کش و سوختہ جاں ہیں
اس طرح کی فوجیں تمھیں بتلاؤ کہاں ہیں

۲۰

کہنے لگے وہ دونوں جری تول کے شمشیر　　ہم خوب سمجھتے ہیں یہ سب حیلہ و تزویر
کیا بکتا ہے، کیا کہتا ہے، او دشمنِ شبّیر　　واللہ نہیں سننے کے قابل تری تقریر
دشمن ہے یہ سب مکر ترے جانتے ہیں ہم
او ثانیِ شیطاں تجھے پہچانتے ہیں ہم

۲۱

پھر کیا، نہ ملا گر علمِ سیّدِ والا　　مختار ہیں مالک ہیں شہِ یثرب و بطحا
تو کون ہے اے تفرقہ پرداز تجھے کیا!　　تھا قابلِ عبّاس ہی واللہ یہ عہدا
صفدر ہیں، بہادر ہیں، نثارِ شہِ دیں ہیں
شبّیرؑ کے بازو ہیں، کوئی اور نہیں ہیں

۲۲

کیا جانے اُسے تو کہ جو شوکت ہے ہماری　　ہم خادمِ سرور ہیں یہ حشمت ہے ہماری
عزّت انھیں قدموں کی بدولت ہے ہماری　　نعلین اُٹھاتے ہیں یہ خدمت ہے ہماری
قنبر کی طرح شاہ کے سب گھر پہ فدا ہیں
صدقہ ہیں جو اکبر کے تو اصغر پہ فدا ہیں

۲۳

یہ عالمِ فانی ہے جہانِ گذراں ہے　　عقبا کی درستی ہے یہی نام و نشاں ہے
عاجز جسے سمجھا ہے، وہ مختارِ جہاں ہے　　کوثر ہے ترے پاس کہاں، خلد کہاں ہے
سلطاں ہے وہی صاحبِ دیں جس کی طرف ہیں
بتلا تو ہی ظالم کہ نبیؐ کس کی طرف ہیں

۲۴

حاجی کبھی کعبے سے گئے ہیں طرفِ دیر　　کرتے ہیں بہشتی کبھی دوزخ کی بھلا سیر
جو شاہ کے فرزند ہیں سمجھا ہے انھیں غیر　　ترغیب ہمیں دیتا ہے تو شر کی طرف خیر
بلبل سے چمن، شمع سے پروانہ جُدا ہو
اپنا جو ہو وہ صورتِ بیگانہ جُدا ہو

۲۵

کہہ کر یہ سخن غیظ میں آئے جو وہ گلفام　　تھرّانے لگا خوف سے بے پیر کا اندام
بھاگا جو وہ روباہ تو چلّائے وہ ضرغام　　بھاگے گا تعاقب یہ شجاعوں کا نہیں کام
جب لاشوں سے میدان وغا پاٹیں گے ظالم
ہم ڈھونڈھ کے پہلے ترا سر کاٹیں گے ظالم

۲۶

فضہ جو کھڑی دیکھتی تھی پردہ سے باہر　　جا کر کہا زینب سے کہ اے شاہ کی خواہر
بہکاتا تھا بچوں کو ابھی شمرِ ستمگر　　فرمانے لگی بنتِ یدُاللہ یہ ہنس کر
اب لاشوں پہ لاشے کوئی ساعت میں گریں گے
لو میرے پسر سبطِ پیمبر سے پھریں گے

۲۷

خود بہکا ہے بہکاتا ہے بچوں کو جو نادان　　رہبر کے غلاموں کا بہکنا نہیں آسان
کھل جائے گا دم میں یہی گو ہے یہی میدان　　کمسن ہیں ابھی دو نو یہ ہوئے گا اسے دھیان
گو کہنے کو بچے ہیں پہ ہمّت میں جواں ہیں
وہ نامِ خدا عقل میں یکتائے جہاں ہیں

۲۸

گر کوئی کہے لاکھ پہ میں مانتی ہوں کب　　سُن لیجیو ہوگا وہی جو کہتی تھی زینبؑ
لاتے ہیں کوئی آن میں لاشے شہِ دیں اب　　بر آتا ہے اب فضلِ خدا سے مرا مطلب
تاثیر مرے دودھ کی دکھلاتے ہیں دونوں
اک دم میں سوئے خلدِ بریں جاتے ہیں دونوں

۲۹

ماموں کی محبت کو بُھلا دیں گے وہ سچ ہے　　یوں گوہرِ عزّت کو گنوا دیں گے وہ سچ ہے
دُکھتا ہوا دل ماں کا دکھا دیں گے وہ سچ ہے　　اک عمر کی دولت کو مٹا دیں گے وہ سچ ہے
اس عالمِ فانی میں کوئی مر کے جیا ہے
کیا کہتی ہو، دونوں نے مرا دودھ پیا ہے

۳۰

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ اُدھر غل ہوا اک بار　　لو کر دیا ان غازیوں نے فوج کو مسمار
تلواروں میں تھمتے تھے، نہ رُکتے تھے وہ جرّار　　لشکر پہ چلے جاتے تھے چھیڑے ہوئے رہوار
گو فوج نے اُن دونوں کو حلقہ میں لیا تھا
دو لاکھ کے لشکر کو تہِ تیغ کیا تھا

۳۱

وہ برق سی تیغیں وہ تڑپتے ہوئے تازی　　رولے ہوئے لشکر کو بڑھے جاتے تھے غازی
رُوباہوں کی چل سکتی نہ تھی شعبدہ بازی　　بازو تھے جدا، کرتا تھا جو دست درازی
جس صف کے قریں نیمچے آجاتے تھے دونو
پتّھر ہو کہ فولاد ہو، کھا جاتے تھے دونو

۳۲

آہو کی طرح برچھیوں ہی پھرّاتے تھے گھوڑے　　سُرعت میں ردا رو ہیں جو گرماتے تھے گھوڑے
اسواروں کو شان اپنی جو دکھلاتے تھے گھوڑے　　ان سب کے الف ہو کے الٹ جاتے تھے گھوڑے
جنگل میں غزالوں کے طرارے نظر آئے
دو کوہ کے دامن میں چکارے نظر آئے

۳۳

جب وار چلے، ہل گئے دِل فوج ستم کے　　دو نیمچے میداں میں غضب برق کے چمکے
قربان میں اِن غازیوں کے جاہ و حشم کے　　کٹتے تھے نشاں یا درق اُڑتے تھے علم کے
تلواروں سے بچ کر جو نکل جاتے تھے ناری
رہواروں کی ٹاپوں سے کچل جاتے تھے ناری

۳۴

گھوڑوں کی وہ چھل بل کہ تڑپ برق ہوا گرد　　تیغوں کے وہ دم خم کہ رخِ مہر ہوا زرد
وہ آب کہ تن ناریوں کا جس سے ہوا سرد　　وہ منھ کے جنھیں دیکھ کے تھرّاتے تھے نامرد
تھمنے کا نہ یارا تھا کسی اہلِ جفا کو
تاب ان کی دکھا دیتی تھی دریائے فنا کو

۳۵

دو بجلیاں تڑپیں تو قیامت نظر آئی　　غل چار طرف تھا عجب آفت نظر آئی
دوزخ کی لعینوں کو مسافت نظر آئی　　سب کو ملک الموت کی صورت نظر آئی
چمکیں تو مہ و مہر پہ بالا نظر آیا
دو لاکھ کا لشکر تہ و بالا نظر آیا

۳۶

وہ صرصرِ وحشت یہ جنوں خیز ہوا تھی　　وہ بحرِ ظفر تھی تو یہ اک سیلِ فنا تھی
وہ تیغِ خزاں تھی تو یہ شمشیرِ قضا تھی　　وہ آفتِ جاں تھی تو یہ اک تازہ بلا تھی
دکھلاتی تھی جیوں تیکھے چلن عشوہ گری کے
غل تھا کہ ٹپکتا ہے لہو منھ سے پری کے

۳۷

جل جاتے تھے اعدا یہ غضب تھی لپک اُن کی　　آئینۂ گردوں سے فزوں تھی چمک اُن کی
نظروں میں جو تیزی تھی چمک اور دمک اُن کی　　بھولی نہیں بجلی کو بھی یاد آج تک اُن کی
چھپ چھپ کے چمکنے کے کھلے راز انھیں سے
سیکھے ہیں تڑپنے کے سب انداز انھیں سے

۳۸

تھے خود کہیں، جسم کہیں، اور کہیں سر　　سپریں تھیں کسی جا، کہیں تیغیں کہیں خنجر
چلّہ کہیں، پیکان کہیں، سریاں کہیں، بکتر　　گھوڑے تھے کہیں، زین کہیں، اور کہیں پاکھر
نے برچھیاں لشکر میں نہ بھالے نظر آئے
بے جان رسالے کے رسالے نظر آئے

۳۹

پھل برچھیوں کے تیغوں کی ہر بار گرائے　　دو چار پرے کاٹے تو دو چار گرائے
غل پڑ گیا لو فوج کے سردار گرائے　　سو سو کے سر ان دونوں نے اک بار گرائے
جب بھاگتی تھیں ڈر کے صفیں اہلِ ستم کی
تلواریں بتاتی تھیں انھیں راہ عدم کی

۴۰

دیکھی جو یہ حالت تو پریشاں ہوا لشکر نکلے پئے شمشیر زنی دو یلِ خود سر
دونو تھے جفا پیشہ، و شہ زور، دلاور مرحب سے وہ پر زور یہ عنتر سے جری تر
اک غُل تھا کہ دونوں سے بڑے کھیت پڑے ہیں
ہر جنگ میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں

۴۱

یہ غُل تھا کہ بڑھ بڑھ کے وہ سرکش یہ پکارے ہم وہ ہیں کہ رستم سے نہیں جنگ میں ہارے
کمسن ہو تم اور شہروں میں شہرے ہیں ہمارے گھوڑوں سے اُترتے نہیں بے سر کو اُتارے
ہٹ جاؤ جو مرنا تمھیں منظور نہیں ہے
سر تن سے اُتر جائیں تو کچھ دو نہیں ہے

۴۲

عباس نے بڑھ کر یہ کہا اے مرے شیرو! اب تم بھی سمندوں کو صفِ جنگ میں پھیرو!
کاوے پہ فرس ڈال کے ان دونوں کو گھیرو! تم شیر کی بیٹی کے ہو فرزند، دلیرو!
ہاں دستِ یداللہ کی طاقت تو دکھاؤ
مردانگی و ہمت و جرأت تو دکھاؤ

۴۳

یہ سُنتے ہی سنبھلے وہ جری خانۂ زین پر اللہ رے ارادہ کہ نہ چین آئی جبیں پر
صدمہ ہوا طاری جو شہِ عرش نشین پر دل تھام کے بس گر پڑے ہاتھوں سے زمیں پر
کہتے تھے کہ یارب مرے پیاروں کو بچالے
ان ظالموں سے پیاس کے ماروں کو بچالے

۴۴

گھوڑوں کو بڑھا کر یہ رجز پڑھنے لگے شیر ہاں آگے بڑھو جلد لڑائی میں ہے کیا دیر
ہتوانس لو تیغوں کو جو ہو صاحبِ شمشیر سرکش ہیں سب اس گھر کی زبردستیوں سے زیر
ہے برقِ غضب تیغِ شرر بار ہماری
ہشیار، کہ اب چلتی ہے تلوار ہماری

۴۵

جو فاتحِ خیبر ہے وہ نانا ہے ہمارا جو جان ہے جعفؔر کی وہ بابا ہے ہمارا
طیّار لقب جس کا ہے دادا ہے ہمارا پیاسا ہے جو مظلوم وہ آقا ہے ہمارا
خورشید سے عالم میں ضیا اپنی سوا ہے
نانی وہ ہماری ہے کہ جو خیرِ نساء ہے

۴۶

سُن کر یہ سُخن غیظ میں آئے وہ ستمگر یاں سے بھی بڑھے زینبؑ ذیجاہ کے دلبر
چلنے لگی تلوار کُھلے شیروں کے جوہر حملہ پہ تو حملہ ہے تگاور پہ تگاور
بچّوں کی جلالت سے کٹے جاتے تھے دونو
بڑھتے تھے یہ صفدر وہ ہٹے جاتے تھے دونو

۴۷

کرتے تھے جو وہ دونو لعیں وار جھپٹ کر زینبؑ کے پسر دیتے تھے خالی انھیں ہٹ کر
آتے تھے وہ سفّاک جو گھوڑوں کو ڈپٹ کر پہنچیں تھی یہ ہٹ کر تو وہ رہ جاتی تھی کٹ کر
حیدر کی شجاعت انھیں دکھلاتے تھے بچّے
رولے ہوئے دونوں کو چلے جاتے تھے بچّے

۴۸

جب توں کے تلوار پرے پر کوئی آتا چھوٹا اُسے شمشیر سے بڑھ بڑھ کے ہٹاتا
چھوٹے کو اگر تان کے نیزہ وہ دکھاتا تلوار سے اظلم کو بڑا بڑھ کے ڈراتا
اس طرح سے بڑھ بڑھ کے جری لڑتے تھے رن میں
دو بلبلیں گتھ جاتی ہیں جس طرح چمن میں

۴۹

جب آکے قریں کرتے تھے وار اُن پہ وہ اظلم رد کرتے تھے کس ہمّت و جرأت سے یہ ضیغم
جا پڑتے تھے تلواروں کو چمکا کے یہ جس دم ہوتے تھے وہ کج باز کبھی راست کبھی خم
دم لینے کی مہلت نہ کبھی دیتے تھے دونو
ضیغم کی طرح ان کو دبا لیتے تھے دونو

۵۰

گھوڑے کو بڑے بھائی نے کاوے پہ لگا کر　　گھیرا اُسے آتا تھا جو بڑھ بڑھ کے ستمگر
گھوڑے کو دبا کر جوں ہی پہنچا وہ دلاور　　چلّایا یہ چھوٹا کہ یہی وقت ہے صفدر
نیزے کی یہ بوڑی تمھیں دکھلانے نہ پائے
ہاں مار لو ظالم کو لعیں جانے نہ پائے

۵۱

یہ سُنتے ہی اُس شیر نے جرات یہ دکھائی　　تلوار برابر سے جفا جو کو لگائی
اک برق سی دشمن کو چمکتی نظر آئی　　یاں ساتھ گری نیزے کے بس کٹ کے کلائی
تلوار دوبارہ جو چلی شیر کی سَن سے
سر دھڑ سے گرا کٹ کے وہیں خاک پہ تن سے

۵۲

چھوٹے کو اُدھر حال یہ جس دم نظر آیا　　دوڑا کے سپر سینہ پہ اک ہاتھ لگایا
تھا ہاتھ سپر کا جو لعیں نے وہ اڑایا　　غازی نے نیا یہ ہنرِ جنگ دکھایا
شمشیر ادھر سے جو لہو چاٹ کے اٹھی
تلوار کے بھی ہاتھ کو بس کاٹ کے اٹھی

۵۳

کچلا گیا ٹاپوں سے تن اِس کا تو سر اُس کا　　سینہ جو ملا خاک میں اِس کا جگر اُس کا
گھوڑوں نے دبایا دہن اِس کا تو بر اُس کا　　دم سینہ سے نکلا اِدھر اِس کا اُدھر اُس کا
آئے تھے وہ مغرور تو کچھ اور ہوا میں
پر غرق ہوئے موجۂ دریائے فنا میں

۵۴

زینب کے جگر بند قیامت تھے دلاور　　تھے چار مع اسپ جو دونو وہ ستمگر
کس پھرتی سے تلواروں کو یک دست بڑھا کر　　دو ٹکڑے کیا گھوڑوں کو دونوں کے برابر
تھی ضرب نئی جنگ کا بھی ڈھنگ نیا تھا
چاروں کو کیا آٹھ یہ چورنگ نیا تھا

۵۵

ان موذیوں کو دونوں دلیروں نے جو مارا　　قاسمؑ نے یہ بڑھ کر صفِ لشکر کو پکارا
کیوں کیا ہوا اے لشکرِ شوم وستم آرا　　بچوں نے نمو داروں کا سر تن سے اتارا
آخر ہے یہ انجام بہت لاف زنی کا
دیکھو کہ نمونہ تھا یہ خیبر شکنی کا

۵۶

چلّائے یہ عباسؑ کہ کیا کہنا ہے شیرو　　بڑھ کر علی اکبرؑ نے کہا واہ دلیرو
حضرت نے کہا خوب لڑے باگوں کو پھیرو　　چھاتی سے لگو آکے نہ اب فوج کو گھیرو
نانا کی بھی دادا کی بھی تصویر دکھائی
اور دودھ کی زینب کے بھی تاثیر دکھائی

۵۷

دونوں نے جو گردن پئے تسلیم جھکائی　　بس ہو گئی واں برچھیوں والوں کی چڑھائی
حائل ہوا لشکر ہوئی دونوں میں جدائی　　اور شمر نے بھی بڑھ کے یہ آواز سنائی
کھینچے ہوئے شمشیرِ دودم آتے ہیں دیکھو
لینے کو تمھیں شاہِ امم آتے ہیں دیکھو

۵۸

دیکھا جوں ہی خیمہ کی طرف چھوٹے نے مڑکر　　پہلو پہ لگا خنجرِ کیں فرق پہ خنجر
گھوڑے سے وہ گر کر کے پکارا کہ برادر　　اب جلد پہنچیے کہ نہ ہو جاؤں میں بے سر
یاں نیزے نے خادم کا جگر توڑ دیا ہے
اور آپ کے بھی ہجر نے بیتاب کیا ہے

۵۹

للّٰلہ برادر مجھے آواز سناؤ　　لو جان چلی جسم سے ملنا ہو تو آؤ
میں گرتا ہوں گھوڑے سے نہ اب دیر لگاؤ　　ریتی پہ تڑپتا ہے برادر کو اُٹھاؤ
بے رحم کی جا قابلِ اشفاق ہوں بھائی
بھائی کی قدم بوسی کا مشتاق ہوں بھائی

۶۰

جھنکاریں تیغوں کی یہ آواز جو آئی — سر پیٹ کے چلّایا وہ ہے ہے مرے بھائی
آواز کی جانب جوں ہی باگ اس نے اٹھائی — اک ظالم بے رحم نے تلوار اٹھائی
ہیہات چلے یہ بھی شہادت کے چمن سے
تلوار پڑی قطع ہوا ہاتھ بدن سے

۶۱

اک دوسرے جلّاد نے نیزہ جو لگایا — سینہ میں اُٹھا درد، تو منھ کو جگر آیا
چلّا کے یہ اس شیر نے حضرت کو سنایا — ماموںؑ مجھے بے رحموں نے گھوڑے سے گرایا
زیرِ سُمِ اسپان سے بچا جائیے مولا
مرتا ہوں میں صورت مجھے دکھلائیے مولا

۶۲

اتنے میں سُنی بھانجوں کی شہ نے جو گفتار — نزدیک یہ تھا روح کرے جسم سے پرواز
دوڑا کے جو گھوڑے کو چلے شاہِؑ سرافراز — عباسِؑ علی ساتھ تھے اور اکبرِؑ جانباز
دو چار کے سر کٹ گئے دو چار کے پہونچے
مانندِ علیؑ زور سے تلوار کے پہونچے

۶۳

میداں میں محمدؐ کو لگے ڈھونڈھنے اکبرؑ — چلّانے لگے عونؔ کو عبّاسِؑ دلاور
اور چاروں طرف تکنے لگے سبطِ پیمبر — دیکھا جو لہو دونوں کا کہنے لگے سرور
لو جسم سے اب جان مری جاتی ہے عبّاس
زینبؑ کے مجھے دودھ کی بُو آتی ہے عبّاس

۶۴

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے سیّدِ اکرم — عباسؑ بھی ہمراہ تھے اور اکبرؑ پُر غم
روتے ہوئے لاشوں کے قریں سیّدِ عالم — وارد ہوئے اس وقت کہ وہ توڑتے تھے دم
پٹکا شہِ مظلوم نے عمامہ کو سر سے
ریتی پہ گرے کھینچ کے اک آہ جگر سے

۶۵

اکبرؑ نے لیا، بر میں محمد کو بصد یاس   لپٹا کے گلے عونؑ کو رونے لگے عباسؑ
چلائے یہ سرور کہ ہوئے جینے سے بے آس   دو پھول بھی رہنے نہ دیے آہ مرے پاس
دو اور یگانہ یہ چھٹے ساتھ سے میرے
افسوس کہ دو لال گئے ہاتھ سے میرے

۶۶

یہ کہتے تھے حضرت کہ کہا عون نے روکر   یا شاہ ہوئے ہم تو نثارِ علی اکبرؑ
حسرت ہے کہ لاشہ بھی پھرے گردِ برادر   چلایا محمد بھی کہ یا سبطِ پیمبرؐ
خادم پہ ہے مشکل اسے آسان ابھی کیجے
ہمشکلِ نبیؐ پر مجھے قربان ابھی کیجے

۶۷

اماں نے یہ فرمایا تھا یا سیدِ والا   مجروح ہو تیغوں سے جو تم دونو سراپا
قربان ہو ماں صدقے مرے لال پہ ہونا   وہ حکم ادا ہو مری بر آئے تمنا
آزردہ وہ گر ہوئیں تو کچھ دور نہیں ہے
بخشیں گی نہ پھر دودھ بھی وہ ہم کو یقیں ہے

۶۸

بولے شہِ والا کہ یہ کیا کرتے ہو تقریر   یہ باتیں ہیں ماموں کے کلیجہ کے لیے تیر
لے چلنے کی خیمہ میں تمھیں کرتے ہیں تدبیر   ممکن ہے کہ اب دودھ نہ بخشیں تمھیں ہمشیر
کیا وجہ خفا ہونے کی خورسند ہوئی ہیں
وہ آج بہت تم سے رضامند ہوئی ہیں

۶۹

جو تم ہو، مجھے ہیں وہی ہمشکلِ پیمبرؐ   صدقہ کوئی کرتا ہے کلیجہ کو جگر پر
کس طرح کی یہ باتیں ہیں یہ کیا کہتے ہو دلبر   تم دونوں ہو اصغرؑ کے اور اکبرؑ کے برابر
آنکھوں کی ضیا قوتِ دل لختِ جگر ہو
ہیں فاطمہؑ کا لال ہوں تم میرے پسر ہو

۷۰

یہ ذکر تھا آواز جو فضہ کی یہ آئی　　مرجائے گی رو رو کے یداللہ کی جائی
سرچوب سے ٹکراتی ہیں دیتی ہیں دہائی　　مردوں کے اٹھانے کو وہاں کیوں گئے بھائی
لگ جائے کوئی زخم نہ ان کو کہیں لوگو
کیوں لاتے ہیں لاشہ مری مرضی نہیں لوگو

۷۱

بس سُن چکی ہیں خوب لڑے مر گئے دونو　　کیوں روؤں میں جو خون میں وہ بھر گئے دونو
کیوں بیٹوں میں بہتر جو قضا کر گئے دونو　　پیاسے تھے بہت جانبِ کوثر گئے دونو
سن لیجیو روئے گی نہ چلاّئے گی زینب
لاشیں جو یہاں آئیں تو مرجائے گی زینب

۷۲

سونے دیں جو آرام سے ریتی پہ تو اچھا　　لاشوں کے قریں جائیں نہ اب سیدِ والا
تشویش کا موقع ہے نہ وسواس کی ہے جا　　وہ جان سے دور اب تو ہے اکبرؑ مرا بیٹا
سو ان سے جو مر جائیں تو پروا مجھے کیا ہے
سب نامِ خدا گھر مرا بچوں سے بھرا ہے

۷۳

مُردوں کو اگر میں نے نہ دیکھا تو نہ دیکھا　　جلتے نہیں کچھ جن سے کہ ٹھنڈا ہو کلیجا
دونوں تھے غلامِ پسرِ حضرت زہرا　　سمجھائے کوئی روتے ہیں کیوں سیدِ والا
خوش ہونے کی جا ہے کہ نہ تکلیف سہیں گے
نانی کے قریں چین سے جنت میں رہیں گے

۷۴

عباسؑ سے کہتی ہیں کہ کیا کرتے ہو بھائی　　بس سُن چکی دنیا سے گئے شہ کے فدائی
گھر سے تو اسی دن کے لیے میں انھیں لائی　　زینب کی کمائی یہ، وہ زہرا کی کمائی
کھو کر شہِ والا کو کہاں پائے گی زینب
میلا ہوا رداں بھی تو مرجائے گی زینب

۷۵

واں غازیوں نے اتنے میں لاشوں کو اٹھایا　　تھا بر میں محمدؑ کو لیے شاہ کا بیٹا
اور گود میں عباسؑ کی تھا عونؑ کا لاشا　　ان لاشوں کے آگے تھے شہِ یثرب و بطحا
اس عرصے میں جنّت کے مسافر ہوئے دونو
خیمے میں نہ پہنچے تھے کہ آخر ہوئے دونو

۷۶

تن سرد جو دونوں کے ہوئے رونے لگے شاہ　　اشک آنکھوں سے ٹپکانے لگے اکبرؑ ذی جاہ
عبّاسؑ نے کھینچی دلِ پُر درد سے اک آہ　　فضہ نے جو دیکھا درِ خیمہ سے یہ ناگاہ
چلاّئی یہ زینب کہ نظر آتے ہیں شبیر
لو بھانجوں کی لاشوں کو اب لاتے ہیں شبیر

۷۷

یہ سنتے ہی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر　　سیدانیاں سب ساتھ چلیں کھولے ہوئے سر
پردہ سے جو ڈیوڑھی کے لگیں دیکھنے باہر　　کیا دیکھتی ہیں لاشیں لیے آتے ہیں سرور
سارا رُخِ پُر نور تو مٹّی سے اٹا ہے
عمامہ نہیں سر پہ گریبان پھٹا ہے

۷۸

لاشوں کا یہ عالم ہے بھرے خاک میں ہیں رُو　　کاندھوں پہ لٹکتے ہیں وہ گوندھے ہوئے گیسو
آنکھیں تو کھلی ہیں پہ بھرے اُن میں ہیں آنسو　　اور منھ پہ کٹے پیچ عماموں کے ہیں یکسو
کچھ قطرۂ خون سر سے ٹپکتے ہیں زمیں پر
اور خون میں تر پاؤں لٹکتے ہیں زمیں پر

۷۹

یہ دیکھ کے آنکھوں کو اندھیرا نظر آیا　　کہنے لگی اے بیبیو یہ کیا نظر آیا
پُر خون ہیں ان دونوں کا نقشا نظر آیا　　لو چہروں پہ عماموں کا سہرا نظر آیا
کس شان سے بچّے مرے پروان چڑھے ہیں
دولھا سے بنے گھوڑوں پہ ذیشان چڑھے ہیں

۸۰

میداں سے برات آئی ہے اے بیبیو جاؤ　　اور مسندیں بھی چھوٹی سی خیمے میں بچھاؤ
دو روز کے جاگوں کو ذرا اُن پہ سلاؤ　　ہلکان ہیں دولھا کوئی سہرا تو بڑھاؤ
سب شان ہیں دولھا کی بنائے ہوئے آئے
مہندی بھی لہو کی ہیں لگائے ہوئے آئے

۸۱

تعظیم سے ماموں کی ہوئے تھے جو یہ پیدل　　گھوڑے بھی اسی واسطے ساتھ آتے ہیں کوتل
غش آگئے ہیں گود میں ہیں اس لیئے اک پل　　بہنیں ہیں کہاں ڈالنے آتی نہیں آنچل
الطاف و کرم بندوں پہ فرماتے ہیں ماموں
لو بھانجوں کو بیاہے ہوئے لاتے ہیں ماموں

۸۲

سیدانیوں دیکھو تو ذرا شانِ سواری　　سب شان ہے شادی کی نہ ہے قدرتِ باری
صد شکر کہ اب ٹھنڈی ہوئی گود ہماری　　پھیرے ہیں جو منھ کھل گیا یہ وجہ ہے ساری
دو پھولوں سے رُخ دھوپ سے کمھلائے ہوئے ہیں
دولھا جو بنے ماں سے یہ شرمائے ہوئے ہیں

۸۳

یہ ذکر تھا پاس آکے جو حضرت نے پکارا　　زینب ترے بچوں کو ستمگاروں نے مارا
بولیں کہ انھیں کس لیئے گھوڑوں سے اتارا　　دولھا تھے اذیت نہ ہوئی ان کو گوارا
جو ہوئیں براتی انھیں بٹھلائیے بھائی
دولھا جو ہیں ان دونوں کو لے آئیے بھائی

۸۴

بانو نے کہا پیٹ کے سر کہتی ہو یہ کیا　　سر پیٹو موے لعل ہوئیں بیکس و تنہا
زینب نے کہا مجھ کو خبر کچھ نہیں اصلا　　گر مر گئے فرزند تو میں روتی ہوں اچھا
لو میری بصارت میں کمی ہو گئی لوگو
پُرسا دو کہ شادی میں غمی ہو گئی لوگو

۸۵

لاشیں جو لیے خیمے میں داخل ہوئے حضرت　　سکتے ہیں یہاں کہتی تھی زینب یہ بحسرت
زینب کے جگر بندوں نے گو پائی شہادت　　چلائی یہ بانو کہ قیامت ہے قیامت
روتی تھی نہ کڑھتی تھی نہ چلاتی تھی زینب
ماں جائے کے قدموں پہ جھکی جاتی تھی زینب

۸۶

عباسؑ نے ان لاشوں کو مسند پہ لٹایا　　تھرا کے جو گرنے لگی حضرتؑ نے اٹھایا
چلائیں کہ پیارو تمھیں دولھا نہ بنایا　　دیکھا جو نظر بھر کے تو رونا بہت آیا
فردوس کے حلہ تمھیں پانا ہو مبارک
دربارِ نبیؐ میں تمھیں جانا ہو مبارک

۸۷

منھ چوم کے سینہ سے ہر اک لاش لگائی　　چپ ہو گئی یہ کہہ کے ید اللہ کی جائی
صد شکر ٹھکانے لگی زینبؑ کی کمائی　　فرمایا کہ اب دودھ بھی بخشا انھیں بھائی
منھ دیکھا جو یہ کہتے ہی شاہِ شہدا کا
کہرام پڑا خیمۂ اقدس میں بُکا کا

۸۸

کیا پیچ تھے لپٹے ہوئے ان زلفوں کے واری　　پھر بین یہ کرنے لگی زہرا کی وہ پیاری
پوشاک بھی شادی کی دھری رہ گئی ساری　　تھی دل میں تمنا کہ دلھن لاؤں تمھاری
اس ماں کو بھی کیوں ساتھ نہ تم لے گئے پیارو
جنگل میں ضعیفہ کو دغا دے گئے پیارو

۸۹

تیغوں سے کٹیں فرق پہ دستاروں کے صدقے　　ہیں چاند سے ان خوں بھرے رخساروں کے صدقے
رہوار بھی زخمی ہیں میں رہواروں کے صدقے　　کیا جنگ کی ان چھوٹی سی تلواروں کے صدقے
چونکانے سے ہشیار نہیں ہوتے ہو واری
کیا سینہ پہ ہاتھوں کو دھرے سوتے ہو واری

۹۰

کٹوا دیئے میدان میں سر عونؑ و محمدؑ ٭ اماں کے تو لو دل کی خبر عونؑ و محمدؑ
بابا کے پُر ارمان پسرِ عونؑ و محمدؑ ٭ جیتے ہوئے تم پہنچے نہ گھر عونؑ و محمدؑ
پھل تیروں کے کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے
کیا گھاؤ کلیجوں کے سنبھلنے نہیں دیتے

۹۱

ماموں کی کمک کرنے کو جاتے نہیں پیارو ٭ رخصت کے لیے ماں سے پھر آتے نہیں پیارو
پھر تیغوں کو ہاتھوں میں اٹھاتے نہیں پیارو ٭ پھر شان سے نیزوں کو ہلاتے نہیں پیارو
گلبرگ سے کیوں لب یہ نہیں کھولتے بیٹا
کچھ روٹھے ہو منھ سے جو نہیں بولتے بیٹا

۹۲

ہے ہے مری گودی کے پلے عونؑ و محمدؑ ٭ ملتے نہیں اب ماں سے گلے عونؑ و محمدؑ
تم آ گئے تیغوں کے تلے عونؑ و محمدؑ ٭ جنگل میں ہمیں چھوڑ چلے عونؑ و محمدؑ
جیتے ہو، کہ جنّت کو سفر کر گئے پیارو
لو سانس بھی لیتے نہیں کیا مر گئے پیارو

۹۳

زردی ہے یہ چہرے پہ کہ مُرجھائے ہیں رخسار ٭ ہے نرم بدن، موت کے ظاہر نہیں آثار
صورت سے ہے ظاہر کہ ہنسے دیتے ہیں دلدار ٭ جنبش جو نہیں تن میں یہ ہے کچھ نہ کچھ اسرار
میں سمجھی تھی سوتے ہو تھکے خوب لڑے ہو
سو تم تو یہاں خاک پہ مُردے سے پڑے ہو

۹۴

خاموش انیسؔ اب کہ ہوا بزم میں کہرام ٭ ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کر سحر و شام
صدقہ شہِ ذی جاہ کا اے خالقِ علاّم ٭ دنیا سے اُٹھوں جب تو مرا نیک ہو انجام
برباد نہ ہو خاک کسی اور زمیں پر
دم نکلے جو تن سے تو مزارِ شہِ دیں پر

۱

عبّاس کی توصیف میں اے طبع، رواں ہو　　اے ناطقۂ سحر بیاں، صرفِ زباں ہو
اے لوحِ ضیا بخش شبستانِ جہاں ہو　　اے خامۂ اعجاز رقم، نورفشاں ہو
لکھ مدح و ثنا بازوے شاہِ شہدا کی
تصویر دکھا دے پسرِ شیرِ خدا کی

۲

اس شکل سے تحریر ہوں اوصافِ سراپا　　صورت گرِ اعجاز رقم جن پہ ہوں شیدا
آنکھوں کو نظر آئے بعینہ وہی نقشا　　آئینۂ تصویر ہو ہر مصرعۂ زیبا
غل بزم میں ہو شہ کے علمدار کو دیکھا
دیکھا جو اسے حیدرِ کرّار کو دیکھا

۳

ہر لفظ میں آئینۂ جبیں کے ہوں جو اوصاف　　بیت ابرؤں کی مطلعِ خورشید سے ہو صاف
توصیفِ مژہ سن کے کہیں صاحبِ انصاف　　باریکیِ مضموں کا ہر اک حرف ہے کشّاف
یہ عینِ فصاحت ہے کہ آنکھوں کا بیاں ہو
خوں اشک کی جا دیدۂ مردم سے رواں ہو

۴

[1]
٭　٭　٭　٭　٭　٭　٭　٭　٭　٭　٭　٭

تھی سجدوں کی کثرت سے جبیں مطلعِ انوار　　اور صورتِ محرابِ حرم ابروے خمدار
غازی کی نگہ جانبِ حق شام و سحر تھی
آنکھیں تھیں ہرن کی سی تو شیروں کی نظر تھی

---

[1] مذکورہ مرثیہ کا چوتھا بند کرم خوردہ ہے جو پڑھا نہیں جاسکا صرف دو شعر موجود تھے جو درج ہیں۔

۵

خورشید سے تھے جلوہ نما عارضِ انور　　خط گرد تھا یوں ماہ ہو جوں ہالے کے اندر
لب برگِ گلِ خلد، دہن چشمۂ کوثر　　دنداں وہ، جنھیں پہنچے نہ الماس نہ گوہر
حوروں نے بھی اس حسن کی گردن نہیں دیکھی
یوں شمع کسی بزم میں روشن نہیں دیکھی

۶

حمزہ کی طرح زور میں یکتا تھا وہ خوش خُو　　تیار تھے جعفر کی طرح ساعد و بازو
ہاشم کی طرح ذی حشم و خوش قد و خوش رُو　　ساری اسد اللہ کی شاں اور وہی خُو بُو
مانندِ حَسَن محسنِ عالم وہ سخی تھا
اور طبع میں احسانِ حسین ابن علی تھا

۷

خوبی میں ہر اک عضو کا تھا طور نرالا　　تھا ہاشمیوں کے وہ محلّے کا اُجالا
آفت میں تھا ہر دم پسرِ سیدِ والا　　بالا تھا جوانانِ جہاں سے قد و بالا
آئینہ تھا اس صاحبِ شمشیر کا سینہ
دل باپ کا، حمزہ کا جگر، شیر کا سینہ

۸

حیدرؑ کی طرح جسم میں تھا زورِ خداداد　　لاکھوں سے لڑا رن میں یہ چاہی نہیں امداد
تھا حسن میں بھی منتخبِ عالمِ ایجاد　　چہرہ گلِ شاداب، تو قد غیرتِ شمشاد
ثابت قدمی ختم تھی صفدر کے قدم پر
پڑتا تھا قدم فاتحِ خیبر کے قدم پر

۹

اس حسن پہ، اس زور پہ، تھا حلم بھی ایسا　　منھ سے نہ کبھی حرفِ تکبّر کا نکالا
گر سامنے تعریفِ شجاعت کوئی کرتا　　عبّاس جھکا لیتے تھے شرما کے سر اپنا
فرماتے تھے میں کیا ہوں یہ رتبہ مرا کب ہے
یہ سب شہِ والا کی غلامی کا سبب ہے

۱۰

تھا زُہد میں وہ فخرِ جہاں ثانیِ حیدرؑ　　پابندگیِ شاہ تھی یا طاعتِ داور
تکبیر سے تہلیل سے فرصت تھی نہ دم بھر　　گہ حمدِ خدا، نعتِ نبی گاہ زباں پر
آرائشِ دنیا کی نہ دولت کی طلب تھی
آٹھوں پہر اللہ سے رحمت کی طلب تھی

۱۱

کرتے تھے علیؑ جیسے پیمبرؐ کی اطاعت　　عباسؑ نے کی ویسی برادر کی اطاعت
چھوٹوں کی طرح کرتے تھے سب گھر کی اطاعت　　قاسمؑ کی اطاعت، علی اکبرؑ کی اطاعت
فرماتے تھے یہ فاطمہؑ کے لختِ جگر ہیں
آقا مرے یہ بھی ہیں کہ آقا کے پسر ہیں

۱۲

تشویش میں گر فاطمہؑ کے لال کو پاتے　　بے ساختہ اشک آنکھوں سے عباسؑ بہاتے
جب پیار سے سرورؑ انھیں چھاتی سے لگاتے　　آداب سے یہ قدموں پہ سر اپنا جھکاتے
رنجِ شہِ دیں مرگ کا پیغام تھا ان کو
شبیرؑ کے آرام سے آرام تھا ان کو

۱۳

تشریف کہیں گھر سے جو لے جاتے تھے سرورؑ　　ہمراہ یہ ہو لیتے تھے ہتھیار لگا کر
مسند پہ اگر بیٹھتا تھا وہ شہِ صفدر　　رومال ہلاتے تھے یہ جا کر عقبِ سر
شاہی سے غلامی کو فزوں جانتے تھے وہ
رتبے شہِ کونین کے پہچانتے تھے وہ

۱۴

تھا سبطِ نبیؐ کی بھی محبت کا یہ عالم　　بھائی کو نہ آنکھوں سے جدا کرتے تھے اک دم
جب بیٹھے تو باہم جو گئے گھر سے تو باہم　　گر خوش وہ تو یہ خوش جو انھیں غم تو انھیں غم
کیوں مرتبے اعلیٰ نہ ہوں عباسِ علی کے
عاشق بھی ہیں معشوق بھی ہیں سبطِ نبی کے

۱۵

غازی کی شجاعت کی ہر اقلیم میں تھی دھوم تھرّاتا تھا دہشت سے عراق و عرب و روم
تھا رعبِ عدالت سے ستم خلق سے معدوم ظالم کو یہ تھا خوف کہ بن جاتا تھا مظلوم
بے جان ہو وہ آزردہ کرے دل جو کسی کا
چل سکتا نہ تھا زور ضعیفوں پہ قوی کا

۱۶

مرنے پہ بھی غازی کی شجاعت ہے نمودار رہتا ہے سدا شہ کے محبّوں کا مددگار
ہوتے ہیں جو زائر کسی آفت میں گرفتار تھرّاتا ہے اس وقت مزارِ شہِ ابرار
مانندِ علی بہرِ مدد آتے ہیں عباسؑ
زائر کو مصیبت سے چھڑا جاتے ہیں عباسؑ

۱۷

ایک چھوٹی سی بستی ہے مسیّب لبِ دریا واں سے کئی فرسخ ہے مزارِ شہِ والا
مسلم کے یتیموں کے بھی روضے ہیں اسی جا اس بستی کا سردار خوارج میں کوئی تھا
ظالم کو زبس دشمنیِ آلِ عبا تھی
زوّاروں پہ بدعت تھی، محبّوں پہ جفا تھی

۱۸

منظور تھا جاوے نہ کوئی روضۂ شہ پر کہتا تھا ہر اک سے بہ خشونت وہ ستمگر
حج چھوڑ کے جاتے ہو سوئے روضۂ سرور زر دے لو جو پہلے تو چڑھو کشتی کے اندر
بے اس کے قدم یہاں سے بڑھانا نہ ملے گا
درہم جو نہ دے گا اسے جانا نہ ملے گا

۱۹

بدعت پہ کمر باندھے تھا وہ ظالم و غدّار کیا بولتے مظلوم تھے مظلوم کے زوّار
زر دے وہ دریا سے اتر جاتے تھے زردار جو ہوتے تھے محتاج، وہ رہ جاتے تھے ناچار
غربت پہ کچھ ان کی نہ ترس کھاتا تھا ظالم
خدّام سے کوڑے انھیں لگواتا تھا ظالم

۲۰

تھا ہند سے اک قافلہ زوّار کا جاتا اور اس میں تھی اک زائرۂ سیّدِ والا
محتاج تھی ایسی کہ نہ کچھ پاس تھا اصلا طے منزلیں کرتی تھی ضعیفی میں پیادہ
نعلین جو پاؤں میں نہ تھی، کانٹے گڑے تھے
چھالے کہیں تلوے میں، کہیں زخم پڑے تھے

۲۱

جُز رعشہ کوئی ہاتھ پکڑتا تھا نہ آکر جس وقت اٹھاتی تھی قدم کانپتا تھا سر
تھا طےِ منازل سے ورم قدموں کے اوپر پر شوقِ زیارت میں چلے جاتی تھی دن بھر
دل جانبِ شبیر تھا خالق پہ نظر تھی
نہ پاؤں کا تھا ہوش، نہ کچھ سر کی خبر تھی

۲۲

فرسودہ بدن، عالمِ پیری سے کمر خم دن بھر چلے جاتی تھی عصا ٹیکتی پیہم
جا بیٹھی کسی نخل تلے، چڑھ گیا گر دم پھر اُٹھ کے چلی ساتھ بڑھا قافلہ جس دم
تھکتی بھی تھی نہ لیکن، مددِ شاہِ نجف سے
شوق اس کی طرف سے تھا کشش شہ کی طرف سے

۲۳

کہتا تھا ترس کھا کے کوئی شہ کا جو زوّار ہم چلتے ہیں پیدل تو کجاوے میں ہو اسوار
طے اب نہیں ہو سکنے کی یہ وادیِ پُرخار کہتی تھی مرے واسطے راحت ہے یہ آزار
پیدل ہی چلوں گی حسنات اس میں بڑے ہیں
کانٹے مرے شہزادوں کے تلوے میں گڑے ہیں

۲۴

کہتا تھا تمازت میں کوئی آن کے گر پاس مر جائے گی اس دھوپ میں تو ہے ہمیں وسواس
پیاسی ہے تو مشکیزہ ہے موجود بجھا پیاس رو کر یہ بیاں کرتی تھی وہ بیکس و بے آس
کیا خاک میں پانی پیوں رونے کی یہ جا ہے
دو دن بھی پانی نہیں آقا کو ملا ہے

۲۵

منزل پہ مسیّب کی جو وہ قافلہ پہونچا   جا اترے تھکے ماندے مسافر لبِ دریا
بستر کیا ریتی پہ ضعیفہ نے بھی اک جا   سب رات کو سوئے اسے نیند آئی نہ اصلا
تھا شوق میں آرام کہاں دل کو حزیں کے
تڑپا کی تصوّر میں مزارِ شہِ دیں کے

۲۶

ناگاہ عیاں ہونے لگے صبح کے آثار   اور دی یہ صدا قافلہ باشی نے کہ ہشیار
پڑھ پڑھ کے نمازِ سحری شاہ کے زوّار   دریا سے اترنے کو چڑھے کشتی پہ یکبار
کس شوق سے ان کانپتے قدموں کو بڑھا کر
بیٹھی وہ ضعیفہ بھی اسی کشتی میں جا کر

۲۷

وہاں حاکمِ اظلم کے ملازم بھی تھے موجود   نہ خوفِ خدا ان کو نہ اندیشۂ معبود
زوّاروں سے جب کر چکے حاصل زرِ معہود   اس بیوہ کے پاس آکے یہ کہنے لگے مردود
کیا بیٹھی ہے تو زانو پہ گردن کو جھکا کر
جانا ہے تو جلدی زرِ محصول ادا کر

۲۸

یہ سنتے ہی وہ زائرۂ سیّدِ ابرار   گھبرا کے لگی کہنے میں ہوں بیکس و ناچار
محتاج ہوں، عاجز ہوں، نہ درہم ہیں نہ دینار   دنیا میں نہیں مجھ سے زیادہ کوئی نادار
حاضر ہے یہ لے لو مرے پاس اور تو کیا ہے
واللہ یہی ایک عصا، اور یہ ردا ہے

۲۹

آزار نہ دو، رحم کرو، حال پہ میرے   کیا دوں تمھیں خود کرتی ہوں میں فاقے پہ فاقے
اس راہ میں دینار مرے پاس جو ہوتے   جانے کی خوشی میں تمھیں دے دیتی میں پہلے
گو عالمِ غربت میں ہوں بدتر فقرا سے
پر دل ہے غنی الفتِ شاہِ شہدا سے

۳۰

بے دینوں کو جس دم یہ ضعیفہ نے سنایا نامِ شہِ دیں سنتے ہی غصہ انھیں آیا
کوڑا بہ ستم پشتِ ضعیفہ پہ لگایا اور کھینچ کے سب نے اسے کشتی سے گرایا
یہاں سب نے جو اس عاجز و بیکس پہ جفا کی
تھرا گئی وہاں قبر شہِ کرب و بلا کی

۳۱

کچھ رتبہ ضعیفہ کا نہ بے دینوں نے جانا سمجھے حَسَنہ زائرۂ شہؑ کا رولانا
ثابت ہوا ان پر جو ضعیفہ کا نہ جانا ملّاح نے کشتی کو کیا وہاں سے روانا
صدمہ بھی ہوا مومنۂ پاک کے اوپر
اک آہ کی، اور بیٹھ گئی خاک کے اوپر

۳۲

مایوس ہوئی جانے سے جب زائرۂ پاک فریادیوں کی طرح گریباں کو کیا چاک
منھ روضۂ سَروَر کی طرف کرکے وہ غمناک چلّائی کہ مولا مری محنت ہوئی سب خاک!
کشتی سے اتارا ہے مجھے، داد کو پہنچو!
اے نوحِ غریباں، مری امداد کو پہنچو!

۳۳

اے بیوؤں کے وارث، تری دیتی ہوں دہائی یہ دکھ، یہ ضعیفی، یہ مری آبلہ پائی
کس رنج و مشقت سے میں تھی یاں تلک آئی سب خاک میں محنت مری اعدا نے ملائی
دریا سے اترنے میں نہیں پاتی ہوں آقا
محروم زیارت سے رہی جاتی ہوں آقا

۳۴

گہ رو رو کے چلّاتی تھی اس طرح بصد یاس زوّاروں کا بھائی کے بہت آپ کو ہے پاس
آفت میں گرفتار ہوں میں بیکس و بے آس آؤ مری امداد کو، یا حضرتِ عبّاس
ناچار ہوں کشتی تلک اب جا نہیں سکتی
دس کوس پہ روضہ ہے، پہ میں آ نہیں سکتی

۳۵

روئی جو وہ بیکس یہ بیاں کر کے بصد درد ناگاہ اٹھا سامنے سے اک تُتُق گرد
دیکھا جو ضعیفہ نے اُدھر بھر کے دمِ سرد گھوڑے پہ نظر آیا اُسے ایک جواں مرد
اندازِ شجاعت تو سراپا سے عیاں تھا
پر زیرِ نقاب اس کا رُخِ پاک نہاں تھا

۳۶

بولا یہ ضعیفہ کے قریب آ کے وہ اسوار اے زائرہ کیا تجھ پہ مصیبت ہے کر اظہار
رو رو کے یہ کہنے لگی وہ بیکس و ناچار دریا سے اترنے نہیں دیتے ہیں جفاکار
بیتاب ہوں جوں ماہیِ بے آب زمیں پر
جانا نہیں ملتا ہے مزارِ شہِ دیں پر

۳۷

یہ رنج بڑھاپے میں کیے میں نے گوارا جز پنجتنِ پاک نہ تھا کوئی سہارا
یہاں آئی تو جلادوں نے کشتی سے اتارا آقا کا لیا نام، تو کوڑا مجھے مارا
روؤں گی میں جس دم یہ ستم یاد کروں گی
روضے پہ جو پہنچوں گی تو فریاد کروں گی

۳۸

تنہائی کی آفت میں ہوں میں ششدر و حیراں دھڑکا ہے کہ پہنچائے گا اب کون مجھے واں
دریا یہ خطرناک، یہ ریت اور یہ میداں شب کو نہیں بچنے کی درندوں سے مری جاں
ہاتھ آئی زیارت نہ شہِ جن و بشر کی
گھر سے بھی چھٹی اب نہ اِدھر کی نہ اُدھر کی

۳۹

سن کر یہ سخن زائرۂ سرورِ ذی جاہ اسوار نے کھینچی دلِ غم دیدہ سے اک آہ
فرمایا ضعیفہ سے کہ آ چل مرے ہمراہ اب یہ نہیں مقدور کہ روکیں مجھے بدخواہ
ہے امن میں طوفاں سے محب ابنِ علی کا
جس کشتی میں تو ہے وہ سفینہ ہے نبیؐ کا

۴۰

اس مژدے کو سنتے ہی نہایت وہ ہوئی شاد — کہنے لگی دنیا میں سدا تو رہے آباد
بیکس تھی میں، اللہ نے سُن لی مری فریاد — قیدِ الم و رنج سے میں ہو گئی آزاد
مایوس تھی میں آس مری ٹوٹ گئی تھی
عُسرت کے سبب قافلہ سے چھوٹ گئی تھی

۴۱

کہ کر یہ سخن خاک سے اٹھی وہ دل افگار — پیچھے تو یہ، اور آگے ہوا اس کے وہ اسوار
پانی پہ چلا اور نہ ڈوبی سُم رہوار — جب نہر سے ساتھ اس کے ضعیفہ بھی ہوئی پار
دل میں وہ لگی کہنے کہ اسرار یہ کیا ہے
الیاسؑ ہے یہ، یا خضرؑ راہ نما ہے

۴۲

کہنے لگی رہوار کے قدموں سے لپٹ کر — نام اپنا بتا دیجے مجھے بہرِ پیمبرؐ
واللہ کہ تم بحرِ کرامت ہو مقرّر — دریا سے میں اُتری تو قدم تک نہ ہوئے تر
تشریف مدد کرنے کو لائے ہو کہاں سے
بھجوایا ہے کس نے تمھیں، آئے ہو کہاں سے

۴۳

اُس مومنۂ پاک سے بولا یہ وہ اسوار — خدمت غربا کی ہے شب و روز مرا کار
پھنستا ہے مصیبت میں کوئی شہ کا جو زوّار — میں آن کے اس شخص کا ہوتا ہوں مددگار
عاشق پسرِ فاطمہ زہراؑ کا ہوں میں بھی
ادنیٰ سا غلام اک ترے آقا کا ہوں میں بھی

۴۴

جس وقت ستم کرتے تھے تجھ پر ستم ایجاد — اس روضۂ پُر نور پہ پہنچی تری فریاد
تربت سے ندا آئی کہ جا جلد کر امداد — رستے میں حبیبہ پہ مری ہوتی ہے بیداد
مرقد سے نہ ہم بہرِ مدد گر نکل آتے
خود سبطِ نبیؐ قبر سے باہر نکل آتے

۴۵

اُس نے کہا قربان میں ان قدموں میں جاؤں قسمت سے ملے ہو نہیں میں اور تمھیں پاؤں
ہاتھ آگے تو لاؤ کہ میں آنکھوں سے لگاؤں وہ کہنے لگا ہاتھ کہاں ہیں جو دکھاؤں
تلواروں سے بیدست کیا اہلِ ستم نے
ہاتھوں کو تو قربانِ سکینہؑ کیا ہم نے

۴۶

وہ مومنہ یہ سنتے ہی رو رو کے پکاری تم حضرت عباسؑ ہو کیا، تم پہ میں واری
لونڈی تو سدا حاضری کرتی ہے تمھاری دیدار کی مشتاق ہوں اے عاشقِ باری
دیکھوں تو نکل جائے تمنا مرے جی کی
حضرت کی زیارت تو زیارت ہے علیؑ کی

۴۷

کی رو کے علمدار نے تب اس سے یہ گفتار اب حشر کے دن دیکھیو عباس کا دیدار
سقائے سکینہ تو ہوں میں بیکس و ناچار پانی کے نہ ملنے کا الم کیا کروں اظہار
پیاسی جو بھتیجی رہی شرماتا ہے عباس
منھ اپنا کسی کو نہیں دکھلاتا ہے عباس

۴۸

وہ بولی کہ روضے پہ پہنچنے کی نہ تھی آس نہ راحلہ، نہ زادِ سفر کچھ ہے مرے پاس
فرمایا کہ بند آنکھیں کر اب کچھ نہیں وسواس اس وقت ضعیفہ پہ کھلا رتبۂ عباس
یا دور کہیں منزلِ مقصد سے پڑی تھی
آنکھیں جو کھلیں صحنِ مقدس میں کھڑی تھی

۴۹

کیا رحم ہے کیا لطف ہے کیا عقدہ کشائی رہبر کا پسر کیوں نہ کرے راہ نمائی
دو شخصوں کو حق نے دیے جس طرح کے بھائی دنیا میں کسی کو نہ ملے ایسے فدائی
محبوب الٰہی کو تو حیدرؑ سا برادر
شبیرؑ کو عباسؑ دلاور سا برادر

۵۰

جس طرح علیؑ عاشق محبوبِ خداؐ تھے
شبیرؑ پہ عباسؑ اسی طرح فدا تھے
شمشیرِ محمدؐ وہ اگر وقتِ وغا تھے
یہ بھی سپرِ حفظِ امامؑ دوسرا تھے
کیا عشق تھا جب تک کہ رہی جان بدن میں
آنچ آنے نہ دی فاطمہ کے لال پہ رن میں

۵۱

میدان میں جانے کے لیے بڑھتے تھے جب شاہ
یہ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو تب روکتے تھے راہ
تھی عرض کہ کیوں جاتے ہیں حضرتؑ سوئے جنگاہ
جیتا ہے ابھی تو یہ غلامؑ اے شہِ ذی جاہ
گہ اٹھتے تھے، قدموں پہ کبھی گرتے تھے عباسؑ
پروانے سے گردِ شہِ دیں پھرتے تھے عباسؑ

۵۲

تیروں کو کمانوں سے جو برساتے تھے بے پیر
حضرت کو بچا لیتے تھے اور کھاتے تھے خود تیر
تھے شیرِ الٰہی کی طرح دست بہ شمشیر
نعرہ تھا کہ قربانِ سرِ حضرتِ شبیرؑ
مارا تھا قدم مرنے پہ سردار کے آگے
حضرت کی سپر بنتے تھے تلوار کے آگے

۵۳

جس وقت جدا ہو کے چلے جانبِ میداں
فرماتے تھے حضرت، مری قالب سے چلی جان
اے عاشقِ صادق تری الفت کے میں قرباں
بس اب ہوا فرزندِ نبی بے سر و ساماں
کس وقت میں بے آس ہمیں کر گئے بھائی
تم تو ابھی جیتے ہو، یہ ہم مر گئے بھائی

۵۴

شبیر موا جاتا ہے، عباس پھر آؤ
ٹوٹی ہے کمر، خاک سے بھائی کو اٹھاؤ
پھر آن کے چھاتی مری چھاتی سے لگاؤ
جی بھر کے مجھے آخری دیدار دکھاؤ
شبیر کے جینے کا مزا کھوتے ہو بھائی
بتیس برس بعد جدا ہوتے ہو بھائی

۵۵

سن کر یہ صدا شاہ کی عباس پھر آئے آقا کے قدم رو رو کے آنکھوں سے لگائے
کس پیار سے ہاتھ اپنے شہِ دیں نے بڑھائے اور چھاتی سے لپٹا کے سخن لب پہ یہ لائے
پھر از سرِ نو تاب و تواں آ گئی بھائی
پایا جو تمھیں، جسم میں جاں آ گئی بھائی

۵۶

عبّاس نے کی عرض کہ اے قبلۂ عالم اس لطف و عنایات پہ حضرت کے فدا ہم
رونے کی سکینہ کی صدا آتی ہے پیہم سر پیٹتی رَن میں نکل آئے نہ وہ پُرغم
بہلائیے یہ کہہ کے کہ آجاتا ہے پانی
قسمت میں اگر ہے تو چچا لاتا ہے پانی

۵۷

شہ نے کہا اچھا، یہی مرضی ہے تو بہتر جاؤ کہ خدا حافظ و ناصر ہے برادر
کی آخری تسلیم علمدار نے جھک کر کس صولت و شوکت سے چلا رَن میں لاور
چلّائے عدو شیر اِدھر آتا ہے خبردار!
لڑنے کو علی کا پسر آتا ہے خبردار!

۵۸

اعدا میں یہ غل تھا کہ بڑھو، برچھے والو ہاں چلّوں سے تیر اے قدر انداز ملا لو!
آمد ہے علمدار کی نیزوں کو سنبھالو کھولو سپریں، تیغیں میانوں سے نکالو!
تیغ اس کے پدر کی سرِ مرحب پہ چلی ہے
وہ سیفِ خدا تھا، تو یہ شمشیرِ علی ہے

۵۹

جس طرح کہ خندق میں لڑے فاتحِ خیبر لاکھوں سے اُسی طرح لڑے گا یہ دلاور
سر کر دی لڑائی جو اسے کر دیا بے سر گھٹ جائے گا زورِ بدنِ سبطِ پیمبرؐ
ٹوٹے گی کمر ماتمِ سقائے حرم میں
مرجائے گا سردار علمدار کے غم میں

۶۰

یہ ذکر تھا واں پہنچی جو غازی کی سواری مقتل کی زمیں حسن سے روشن ہوئی ساری
غل ہو گیا آیا اسدِ ایزدِ باری مُجرے کو ہوئے خم، علمِ لشکرِ ناری
تھا رعبِ حق ایسا کہ ہٹے جاتے تھے اعدا
کھینچے ہوئے تلواروں کو تھراتے تھے اعدا

۶۱

جس غول پہ غصے سے نظر شیر نے ڈالی معلوم ہوا روحوں سے قالب ہوئے خالی
ابرو کی شکن ان کو ہوئی تیغِ ہلالی کیا رعب تھا، کیا دبدبہ، کیا ہمتِ عالی
شمشیر نگہ کو یہ اثر حق نے دیا تھا
بے تیغ ستم گاروں کا دم بند کیا تھا

۶۲

شانے پہ عجب شان سے لشکر کا نشاں تھا جیسا تھا علم ویسا ہی ذی رتبہ جواں تھا
پنجے سے نشاں آیۂ رحمت کا عیاں تھا اس پر شجرِ طور کا ہر اک کو گماں تھا
پُر نور تھا پنجہ کفِ موسیٰ سے ضیا میں
تھی نکہتِ فردوس پھریرے کی ہوا میں

۶۳

خودِ سرِ پُرنور تھا خورشید سے ہمسر مہتاب جبیں تھی، تو نشاں سجدے کا اختر
داؤدی زرہ یوں تھی میانِ تنِ انور جس طرح نظر آتے ہیں آئینہ میں جوہر
دستانے ید اللہ کے ہاتھوں پہ چڑھے تھے
غازی کی کلائی میں گھٹے تھے نہ بڑھے تھے

۶۴

گھوڑا تہِ راں پیکِ صبا سے بھی سُبک رَو طائر نہ جسے پا سکے ہنگامِ تگ و دو
بجلی کو خجل کرتا تھا ہر نعل کا پَرتو تھے جلوہ نما زیرِ قدم چار مہِ نو
خلاقِ دو عالم نے یہ دی تھی صفت اس کو
تھا چار قدم فاصلۂ شش جہت اس کو

۶۵

اتنے میں لعینوں کو یہ عباس پکارے	آقا کے پسر مرتے ہیں اب پیاس کے مارے
ہشیار کہ ہم جاتے ہیں دریا کے کنارے	کچھ ہو جسے دعویٰ، وہ مقابل ہو ہمارے
لاکھوں ہو تو ہم بھی پسرِ شاہِ نجف ہیں
دعویٰ ہمیں اس کا ہے کہ ہم حق کی طرف ہیں

۶۶

کچھ آج ہی تنہا نہیں لاکھوں میں کھڑے ہیں	جنگِ اُحُد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
تنہا ہی ہزاروں سے ید اللہ لڑے ہیں	یہ ہاتھ تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
خوردوں سے بزرگوں کا طریقہ نہیں چھُٹتا
مرنے پہ بھی تلوار کا قبضہ نہیں چھُٹتا

۶۷

یہ سُن کے زرہ پوشوں نے سیدھے کیے بھالے	رستے پہ جمے آکے سواروں کے رسالے
ترکش سے کمانداروں نے بھی تیر نکالے	دریا کے کنارے سے بڑھے برچھیوں والے
قربان جواں مردیِ سقائے حرم کے
تلوار جو لی بیچ میں تھے فوجِ ستم کے

۶۸

پہلے گئے اسواروں پہ جوں شیر جھپٹ کر	کچھ مر گئے، کچھ گر پڑے گھوڑوں سے الٹ کر
اک وار میں سب برچھیاں دو دو ہوئیں کٹ کر	جوں تیر کمانداروں پہ آئے جو پلٹ کر
ہونٹوں پہ خطاکاروں کے جانیں نظر آئیں
نہ تیر، نہ ترکش، نہ کمانیں نظر آئیں

۶۹

تھے ریت پہ مچھلی سے طپاں صاحبِ جوشن	تھا خود کہیں، فرق کہیں، اور کہیں تن
چار آئینہ کو سمجھے تھے جو قلعۂ آہن	وہ پس کے فنا ہو گئے زیرِ سُمِ توسن
ششدر تھے عدو ضرب پہ اور ہاتھ کے گُن پر
ڈو ہو کے ہوئے بیس جو حملہ کیا دس پر

۷۰

نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوئے دور
زیں گھوڑوں کے خالی تھے زمیں لاشوں سے معمور
گھوڑوں سے تگاور ہیں جو گر پڑتے تھے مغرور
چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
تھیں تیغ سی ڈھالیں ہی نہ پرزے کہ و مہ کی
کڑیاں بھی بکھر جاتی تھیں کٹ کٹ کے زرہ کی

۷۱

جب خود پہ بیٹھی تو گئی تا سرِ قربوس
دو کب ہوا راکب کو نہ کچھ ہوتا تھا محسوس
ملتے تھے الف ہو کے جو گھوڑے کفِ افسوس
زندے بھی تھے مردوں کی طرح اسپ سے مایوس
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

۷۲

سر پر تو کھلا تھا علمِ شہ کا پھریرا
خورشید سا تابندہ تھا پرچم وہ سنہرا
گھوڑا وہ کہ جوں برق کسی جا پہ نہ ٹھہرا
تیغ ایسی کہ پانی تھا ستمگاروں کا زہرا
اس فوج کو جب زیر و زبر کرتے تھے عبّاس
پھر پھر کے سوئے خیمہ نظر کرتے تھے عبّاس

۷۳

دل سے یہی کہتا تھا وہ حضرت کا فدائی
دریا تو ہے نزدیک مگر دور ہیں بھائی
افسوس کہ آقا نے نہ دیکھی یہ لڑائی
اتنے میں صدا سیدِ بےکس کی یہ آئی
تم لڑتے ہو ہم دور کھڑے روتے ہیں بھائی
ہر وار پہ قربان ترے ہوتے ہیں بھائی

۷۴

تم دور ہو بھائی کسے حال اپنا دکھاؤں
اے کاش مروں میں کہ نہ یہ داغ اٹھاؤں
شانوں کو میں چوموں تمھیں اس وقت جو پاؤں
پاس آؤ تو ان ہاتھوں کو آنکھوں سے لگاؤں
گر ظلم کی شمشیر سے کٹ جائیں گے بھائی
یہ ہاتھ کہاں پھر مرے ہاتھ آئیں گے بھائی

۷۵

مجھ سے شہِ مرداں یہ کہا کرتے تھے اکثر　　جرأت میں ہے عبّاس مرا، میرے برابر
یہ ہے مری شمشیر، وفا اس کے ہیں جوہر　　اللہ کرے گا ابھی ہم رتبۂ جعفر
سینہ مرے غازی کا شجاعت سے بھرا ہے
دل آلِ پیمبرؐ کی محبّت سے بھرا ہے

۷۶

افسوس ہے جیتے نہ ہوئے شاہِ ولایت　　کیا ہوتے خوشی، دیکھتے گر یہ تری جرأت
آوازِ علی آئی کہ اے حامیِ امّت　　میں دیکھ رہا ہوں ترے خادم کی شجاعت
عبّاس کے لڑنے کا جو غل چار طرف ہے
شبّیرؑ، یہ سب تیری غلامی کا شرف ہے

۷۷

عبّاس ہے کیا، مجھ کو جو خالق نہ اٹھاتا　　میں تجھ پہ فدا ہونے کو میدان میں جاتا
چھاتی پہ علی بدلے ترے برچھیاں کھاتا　　آگے ترے خنجر سے گلا اپنا کٹاتا
خوش ہوں کہ شریکِ شہدا ہوتا ہے عبّاس
بابا کے عوض تجھ پہ فدا ہوتا ہے عبّاس

۷۸

سُن سُن کے یہ حیدر کے بیاں روتے تھے سرور　　اور معرکہ آرا تھا علمدارِ دلاور
جب کر گئے دریا سے کنارا وہ ستم گر　　رہوار کو تب ڈال دیا نہر کے اندر
پانی پہ توجہ بھی نہ کی بحرِ کرم نے
سیراب کیا مشک کو سقّائے حرم نے

۷۹

تھی در پہ سکینہ جو کھڑی آس لگائے　　چلّاتی تھی کیا ہے، جو چچا پھر کے نہ آئے
مژدہ کوئی عبّاس کے آنے کا سنائے　　نزدیک ہے، اب جان مری پیاس سے جائے
بہلانے کو سب کہتے ہیں اب آئے گا پانی
مر جاؤں گی میں نہر سے تب آئے گا پانی

۸۰

پاس آن کے ڈیوڑھی پہ یہ کہنے لگے اکبر لو بھینا! پھرے نہر سے عباسِ دلاور
مشکیزہ بھی سیراب کیا فوج سے لڑ کر پیاسی تھیں بہت، رحم خدا نے کیا تم پر
اب چاند سی صورت تمھیں دکھلاتے ہیں عباس
لڑتے ہوئے اعدا سے چلے آتے ہیں عباس

۸۱

خوش ہو کے سکینہ نے کہا اُن کے میں قرباں بھیّا کہیں زخمی تو نہیں میرے چچا جاں
اکبر نے کہا خیر سے ہیں عموے ذیشاں یہ سنتے ہی دوڑی گئی خیمے میں وہ ناداں
سب سے کہا مشکیزہ بھرے لاتے ہیں گھر میں
لو صاحبو، دریا سے چچا آتے ہیں گھر میں

۸۲

کیا اُنس ہے میں اپنے چچا جان کے واری وہ روتے تھے جب کرتی تھی میں گریہ وزاری
پانی نہ کسی اور کو دیتے کبھی ناری تھا کام انھیں کا جو بھری مشک ہماری
پھیرا ہے خدا نے انھیں تلوار تلے سے
جلدی کہیں آویں تو لپٹ جاؤں گلے سے

۸۳

کہتی تھی چچی سے کہ کہاں ہو ادھر آؤ حق تم کو سہاگن رکھے، آنسو نہ بہاؤ
آتے ہیں چچا، زانو سے گردن تو اٹھاؤ چھاتی سے چچیرے مرے بھائی کو لگاؤ
پیاسوں کو تمھیں پانی پلانا ہو مبارک
دریا سے چچا جان کا آنا ہو مبارک

۸۴

بچّوں نے بھی جس وقت سُنا آتے ہیں عبّاس ہاتھوں میں لیے جام سکینہ کے گئے پاس
دکھلا کے زبانوں کو یہ کہتے تھے بصد یاس بولا نہیں جاتا تھا یہ اس دم تھی ہمیں پیاس
پیاسی ہو بہت پہلے تمھیں پیجیو پانی
جھوٹا بہن اپنا ہمیں تم دیجیو پانی

۸۵

خوش خوش گئی پھر خیمے کی ڈیوڑھی پہ وہ ناداں　　پردے سے لگی جھانکنے بچی سوے میداں
وہ پوچھتی تھی کیوں نظر آتے ہیں چچا جاں　　باقر نے کہا شور ہے کچھ نہر پہ اس آن
عبّاس تو معلوم نہیں ہوتے ہیں رَن میں
دادا وہ کمر پکڑے کھڑے روتے ہیں رَن میں

۸۶

غش ہوگئی اس بات کو سُنتے ہی وہ دلگیر　　گھبرا کے کہا، خیر کرے مالکِ تقدیر
ناگاہ ہوا شور، پکارے کئی بے پیر　　صد شکر کہ بیدست ہوا بازوے شبّیر
نوفل نے بڑے صاحبِ شمشیر کو مارا
عبّاس کو کیا قتل کیا، شیر کو مارا

۸۷

پہنچی جو سکینہ کو صداے سپہِ شام　　سر اپنا لگی پیٹنے ہاتھوں سے وہ ناکام
ناموس کے خیمے میں بھی برپا ہوا کہرام　　گھبرائے یہ معصوم کہ ہاتھوں سے گرے جام
بے آس تھے منھ چاند سا اک ایک کا فق تھا
سینوں میں جگر کانپتے تھے، دل کو قلق تھا

۸۸

منھ دیکھ کے مظلوم سکینہ کا بصد یاس　　چلّاتے تھے فریاد ہے، مارے گئے عبّاس
یا پانی کی امید تھی، یا ٹوٹ گئی آس　　اب کون ترس کھا کے بجھاوے گا مری پیاس
مشکیزہ چھدے بازو ہر اک تیغ سے کٹ جائے
وہ کیا کرے پیاسوں کی جو تقدیر الٹ جائے

۸۹

بچوں کا یہ عالم تھا یہ تھی حالتِ سرور　　چلّاتے تھے ہے ہے مرے غم خوار برادر
روتے تھے کمر باپ کی تھامے ہوئے اکبر　　شہ کہتے تھے، لاشے پہ مجھے لے چلو دلبر
آواز بھی رَن سے مرا بھائی نہیں دیتا
اکبر! مجھے آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا

۹۰

یہ کہہ کے سوئے نہر چلے سیدِ ابرار — اک ہاتھ پہ سر تھامے تھا، تھی ایک میں تلوار
جا پہنچے ترائی میں جو با دیدۂ خونبار — دیکھا کہ لبِ نہر ہے بے ہوش علمدار
بازو ہیں جدا تن سے، زرہ خوں میں بھری تھی
نیزے سے چھدی مشک کلیجہ پہ دھری تھی

۹۱

عبّاس نے پائی گُلِ زہرا کی جو خوشبو — حسرت سے نظر کی طرفِ سیدِ خوشخو
بولا نہ گیا آنکھوں سے بہنے لگے آنسو — منہ ملنے لگا پاؤں پہ حضرت کے وہ مہرو
جو حقِ غلامی تھا ادا کر گئے عباس
رکھ کر قدمِ شاہ پہ سر مر گئے عبّاس

۹۲

سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکارے شہِ عالم — ہے ہے مرے جعفرؑ مرے حمزہؑ مرے رستم
ہے ہے مرے عاشق، مرے یاور، مرے ہمدم — ہے ہے مرے صفدرؑ مرے حیدرؑ مرے ضیغم
کون اب لڑے تلوار لیے ساتھ ہمارے
تم کیا ہوئے بیدست، کٹے ہاتھ ہمارے

۹۳

دل سینوں میں مضطر ہیں، انیسِ جگر افگار — برساتے ہیں دامن پہ لہو دیدۂ خونبار
وہ شدتِ غم ہے کہ ہر اک سانس ہے تلوار — ہے کس کا جگر، اب جو سنے حالِ علمدار
حالت متغیر ہے ہر اک پیر و جواں کی
خاموش کہ مجلس کو نہیں تاب بیاں کی

۱

مفتاحِ قفلِ بابِ سخن ہے زباں مری   رُکتی نہیں، وہ بحر ہے طبعِ رواں مری
زر ریزیِ زبانِ فصاحت بیاں مری   تب قدر ہے کہ قدر کریں قدرداں مری
گوہر ہیں بے بہا پہ کوئی مشتری نہیں
یکساں ہے سنگ و لعل کوئی جوہری نہیں

۲

دکھلا رہا ہے خامۂ جادو نگار رنگ   ہر مصرعِ لطیف سے پیدا ہیں چار رنگ
گلدستۂ سخن سے عیاں ہیں ہزار رنگ   بلبل جو دیکھ لے تو اوڑے بار بار رنگ
پھولوں سے حرف حرف ہیں دامن بھرے ہوئے
گویا ہیں جا بجا سبدِ گل بھرے ہوئے

۳

ہے فکر باغِ خلد، گلِ تر کلام ہے   سیفِ زباں ہے تیر کا جوہر کلام ہے
ہے ذہن مشک سا، تو معطر کلام ہے   طبعِ رسا صدف ہے تو گوہر کلام ہے
یہ دُرِّ بے بہا کبھی ہاتھ آنے والے ہیں
غوّاصِ بحرِ فکر نے گوہر نکالے ہیں

۴

عالم کے بادشاہ گدائے حسینؑ ہیں   قدسی تمام محوِ ثنائے حسینؑ ہیں
سارے نبی نثارِ وفائے حسینؑ ہیں   جنّ و بشر فدائے عطائے حسینؑ ہیں
دنیا میں کون، ان کے شرف جانتا نہیں
اعمیٰ ہے، جو حسینؑ کو پہچانتا نہیں

۵

علمِ خدا کی فوج کا رایت حسینؑ ہے　　خورشیدِ آسمانِ ہدایت حسینؑ ہے
قرآں کی ہے جو روح وہ آیت حسینؑ ہے　　بندوں پہ کبریا کی عنایت حسینؑ ہے

آنکھوں کا نور، جسم کی جاں، دل کا چین ہے
ایماں کی طرح اُن کی وِلا فرضِ عین ہے

۶

عالم میں علمِ دیں کا مدینہ حسینؑ ہے　　دریائے نورِ حق کا سفینہ حسینؑ ہے
انگشتری جہاں ہے، نگینہ حسینؑ ہے　　اسرارِ معرفت کا خزینہ حسینؑ ہے

گھر گھر ہے فیض، سرورِ عالی مقام کا
ہر دل پہ ہے کھُدا ہوا نقش ان کے نام کا

۷

مطلع ثانی　سیراب ہے، جو تشنۂ جامِ حسینؑ ہے　　بالائے عرشِ پاک مقامِ حسینؑ ہے
قرآں کے بعد، ہے تو کلامِ حسینؑ ہے　　عقدہ ہزار حل ہوں وہ نامِ حسینؑ ہے

ذی قدر ہیں، فصیح ہیں، شیریں مقال ہیں
کیوں کر نہ ہوں کہ مصحفِ ناطق کے لال ہیں

۸

نورِ خدا ہے، خلق کے شاہوں کا شاہ ہے　　شبّیر گوشوارۂ عرشِ الٰہ ہے
شاہد نبیؐ ہے، مُہرِ نبوّت گواہ ہے　　سرتاجِ ممکنات ہے، عالم پناہ ہے

دونوں جہاں میں اُن کے شرف آشکار ہیں
فضلِ خدا سے دوشِ نبیؐ کے سوار ہیں

۹

اُن سے ہوئی دوچند تجلّیٔ طورِ حق　　عالم میں ہے اُنھیں کے سبب سے ظہورِ حق
یہ سرخرو ہیں روزِ ازل سے حضورِ حق　　باطل مٹا جہاں سے ہوا یہ ظہورِ حق

حُرمت سے ان کی کفر کا دل چاک ہو گیا
دَم میں بُتوں سے خانۂ حق پاک ہو گیا

۱۰

رحمت کا دُر ہیں بابِ سخا و عطا ہیں یہ وعدے پہ گھر لٹا دیا، وہ باوفا ہیں یہ
حَبلُ المتین و حاشیۂ مدّعا ہیں یہ شرحِ مقدّماتِ کتابِ خدا ہیں یہ
لاریبَ فیہ محرمِ اسرارِ حق یہ ہیں
ناطق ہے مصحف آپ کہ میرے ورق یہ ہیں

۱۱

ہر جسم چار چیز سے حق نے کیا بنا پانی ہے اور خاک ہے آتش ہے اور ہوا
یہ نور ہیں، عناصرِ اربع ہیں ان کے کیا کیجیے شمار، حِلم و مروّت، وفا، سخا
کیا کام اس سے نور کو جو خود کثیف ہے
مانندِ روح جسمِ مطہّر لطیف ہے

۱۲

"ح" سے حسینِ پاک کے ہے حِلم آشکار "سین" سعید سے ہے سیادت کو اعتبار
اس "ی" سے ہے یقین ہمیں فیضِ کردگار نیکی کا "نون" ہے نام، یہ ہے نکتہ میں نثار
دیکھو تو ایک نام سے کیا کیا ظہور ہے
آغاز جس کا نور ہے، انجام نور ہے

۱۳

خالق نے یہ جہان میں رتبہ کسے دیا مہتابِ نورِ حق ہیں یہ، خود نورِ کبریا
جب اسمِ پنجتن کو رقم عرش پر کیا لکھتے ہیں پانچ حصہ سوا ہوگئی ضیا
دی نوح نے صدا کہ بیاضِ جہاں ہیں یہ
گویا قلم ہوا کہ خدا کی زباں ہیں یہ

۱۴

بس یک بیک جو عرش کی رونق ہوئی سوا چلّائے تب ملائکِ درگاہِ کبریا
اے بادشاہ ارض و سما، واہب العطا یہ کون ہیں کہ جن کا یہ عالی ہے مرتبا
آئی صدا کہ باعثِ افلاک ہیں یہی
پہچان لو کہ پنجتنِ پاک ہیں یہی

۱۵

ہے ایک ان میں فخرِ رسولانِ روزگار　　جن کے قدم سے دینِ مبیں ہوگا آشکار
ایک ان میں ہے علیِ ولی شیرِ کردگار　　اک فاطمہؑ ہے بنتِ رسولِؐ فلک وقار
ایک ان میں ہے حسنؑ کہ شہِ مشرقین ہے
مظلومی جس کے چہرے پہ ہے، وہ حسینؑ ہے

۱۶

یہ ہیں ہمارے دوست، یہ ہیں رونقِ جہاں　　مطلوبِ کردگار ہیں مقصودِ کن فکاں
ان کے سبب سے خلق کیے ہم نے آسماں　　ہے ان کے دوستوں کے لیے گلشن جناں
ان کے بغیر طاعتِ خالق روا نہیں
ناری ہے، پنجتن سے جسے اقتدا نہیں

۱۷

کیوں عاشقانِ شاہ سنا رتبۂ حسینؑ　　سرتاجِ عرش عالمِ امکاں کے زیب و زین
زہرا کی جان، روحِ علی، مصطفیٰ کا چین　　مہرِ سپہرِ عزّ و شرف، شاہِ مشرقین
رونے کا ہے مقام جو ایسا سعید ہو
وہ رن میں تین روز کا پیاسا شہید ہو

۱۸

عالم پہ مصطفیٰؐ کی محبت ہے آشکار　　تھا ایک دن فراق نواسے کا ناگوار
کاندھے پہ اپنے اُن کو چڑھاتے تھے بار بار　　قرباں کبھی تھے خیر وَرَا اور کبھی نثار
آنکھوں سے اپنی ان کو نہ اک دم جُدا کیا
یاں تک کہ نورِ عین کو اُن پر فدا کیا

۱۹

لڑکوں میں کھیلتا تھا جو زہراؑ کا دلربا　　پھرتے تھے ساتھ ساتھ نواسے کے مصطفاؐ
کہتا تھا یوں ہٹا کے قدم کو وہ مہ لقا　　ہم دوڑتے ہیں، آ کے ہمیں چھوؤ تو لو بھلا
فرماتے تھے رسولؐ کہ اچھا ہم آتے ہیں
دیکھیں تو آپ بچ کے کدھر ہم سے جاتے ہیں

۲۰

پھیلا کے دونوں ہاتھ بڑھے سیّد البشرؐ ۔ ہنس ہنس کے پچھلے پاؤں لگا ہٹنے وہ قمر
ہلتے تھے مثلِ قبلہ نما کان کے گہُر ۔ جاتے تھے وہ اُدھر کو تو آتے تھے یہ اِدھر
فرماتے تھے نبیؐ کہ کدھر جائیے گا آپ
یہ ہنس کے کہتے تھے نہ ہمیں پائیے گا آپ

۲۱

آجاتے تھے قریب جو محبوبِ ذوالجلالؑ ۔ بچ جاتے تھے اُچھل کے حسینِ نکو خصال
پیغمبرِ خدا کو یہ اس دم ہوا خیال ۔ ایسا نہ ہو اُلجھ کے گرے فاطمہ کا لال
کیا ہوگا اضطراب شہِ مشرقینؑ کو
گھوڑے سے جب گراتے تھے اعدا حسینؑ کو

۲۲

دوڑے تھے کھیلنے میں جو شبّیرِ حق شناس ۔ دم چڑھ گیا تھا خشک تھے لب اور لگی تھی پیاس
گھبرائے دیکھ کر جو رسولِ فلک اساس ۔ لے آئے آپ دوڑ کے پانی حسینؑ پاس
ایک دن وہ الفتِ شہِ عالی وقار تھی
ایک دن وہ تھا کہ حلق پہ خنجر کی دھار تھی

۲۳

اللہ ری محبت محبوبِ ذوالمننؑ ۔ آرامِ روح تھا گلِ باغِ ابوالحسن
چوما کبھی گلا، کبھی ماتھا، کبھی دہن ۔ مرکب بنے تھے عید کے دن سیّدِ زمنؑ
کیا مرتبے تھے سیّدِ عالی مقام کے
گیسو دیے تھے ہاتھوں میں بدلے لگام کے

۲۴

جب پشت پر نماز میں ہوتے تھے یہ سوار ۔ سجدے میں طول دیتے تھے سلطانِ نامدار
جو چیز مانگتا تھا نبیؐ سے وہ گلعذار ۔ ہوتا تھا جبرئیل کو یہ حکم کردگار
ہم چاہتے ہیں فاطمہ کے نورِ عین کو
جو شے طلب کرے ابھی دے دو حسینؑ کو

۲۵

اُٹھ اُٹھ کے گِرد پھرتے تھے اصحابِ باوفا — باہر جو ان کو لے کے نکلتے تھے مصطفا
شیدا تھے، فاطمہؑ کی محبت کا ذکر کیا — میکال و جبرئیل و سرافیل تھے فدا

ماں باپ. بہنیں بھائی چچا سب نثار تھے
یوسف نبیؑ کا ایک تھا، عاشق ہزار تھے

۲۶

ٹوٹا جو تارِ زلفِ جگر بندِ بُوتراب — اک روز کنگھی کرتے تھے زُلفوں میں وہ جناب
صدمے سے دل اُلجھ گیا آنکھیں ہوئیں پُر آب — اس وقت فاطمہؑ کے جگر کو رہی نہ تاب

اس دن کہاں وہ بنتِ رسالت پناہ تھی
جس روز چوبِ نیزہ تھی اور زلفِ شاہ تھی

۲۷

سب کو نبیؐ کی ماندگی سے تلخ تھی حیات — لکھا ہے کچھ علیل تھے سردارِ کائنات
گھر میں گئیں نبیؐ کے بتولِ فلک جناب — ایک دن پئے عیادتِ سلطانِ نیک ذات

لختِ دلِ رسولِ زمن ساتھ ساتھ تھے
گودی میں تھے حسینؑ، حسنؑ ساتھ ساتھ تھے

۲۸

زہرا گئیں نبیؐ کے سرہانے بچشمِ تر — بے ہوش تھے. بخار میں سلطانِ بحر و بر
پیارے نواسے آن کے بیٹھے اِدھر اُدھر — دم کی دعا رسولؐ کے بازو کو تھام کر

دونوں لپٹ گئے شہِ عالی وقار سے
پھیرا بدن پہ ننھے سے ہاتھوں کو پیار سے

۲۹

ناخوش ہے طبعِ پاکِ رسولِ فلک وقار — کہتی تھی فاطمہ کہ نہ چونکاؤ میں نثار
بھائی سے پہلے ہوویں گے کاندھوں پہ ہم سوار — مُنھ رکھ کے منھ پہ کہتے تھے شبیرِ نامدار

کیا ہے عبا سے آپ جو منھ کو چھپائے ہیں
آنکھیں تو کھول دیجیے، نانا، ہم آئے ہیں

۳۰

چونکے نہ خواب سے جو رسولِ فلک جناب
زہراؑ نے دونوں بیٹوں سے اس دم کیا خطاب
بس ہو چکے رسولؐ کی خدمت سے بہرہ یاب
نانا کو تم ستاؤ نہ، گھر میں چلو شتاب
اُٹھیں گے جب رسولؐ تو پھر لے کے آئیں گے
کی عرض ان کے پاس سے ہم تو نہ جائیں گے

۳۱

زہرا گئیں مکانِ محمدؐ سے اپنے گھر
نانا کے پاس سو رہے وہ غیرتِ قمر
گزری جو آدھی رات تو چونکے وہ خوش سیر
گھبرا کے دیکھنے لگے ماں کو اِدھر اُدھر
بُرجِ شرف سے وہ مہِ انور نکل گئے
مادر کو ڈھونڈھتے ہوئے باہر نکل گئے

۳۲

چھایا تھا ابرِ تیرہ و تاریک تھی وہ شب
بجلی بھی کوندتی تھی، گرجتا تھا رعد جب
تھی یہ ہوائے تند کہ گُل تھے چراغ سب
دنیا تمام خواب میں تھی غیرِ ذاتِ رب
رستہ نہ سوجھتا تھا یہ کوچے سیاہ تھے
تھی کالی رات اور وہ زہرا کے ماہ تھے

۳۳

ناآشنا تھے راہ سے کوچوں سے نابلد
خادم کوئی نہ ساتھ، نہ مادر، نہ اَب و جَد
گھر ڈھونڈتے تھے وہ پسرِ ضیغمِ صمد
ملتی نہ تھی مگر کہیں بیت الشرف کی حد
چاروں طرف وہ فاطمہ کے مہ جبیں گئے
پایا نہ گھر بھٹک کے کہیں سے کہیں گئے

۳۴

بولے حسن سے تب یہ حسینِ نکو خصال
بھائی ہے اب تو نیند کے مارے عجیب حال
فرمایا آؤ سو رہو حافظ ہے ذوالجلال
کہہ کر یہ بات بیٹھ گئے فاطمہ کے لعل
پیدل کبھی چلے جو نہ تھے شست ہو گئے
گردن میں باہیں ڈال کے رستے میں سو گئے

۳۵

اس دم یہ جبرئیل کو حکمِ خدا ہوا رستے میں سو گئے ہیں محمدؐ کے دلربا
زہرا کے لاڈلوں کی حفاظت کو جلد جا بے چین ہوں نہ فاطمہؑ زہرا کے مہ لقا
وہ اہتمام کر کہ زمیں رشکِ عرش ہو
سایہ ہو ایک پَر کا اور اک پَر کا فرش ہو

۳۶

گرجے نہ رعد، ابر نہ برسے، نہ چمکے برق آرام میں حسین و حسن کے نہ آئے فرق
دونوں ہیں یہ نبیرۂ سلطانِ غرب و شرق گرمی نہ ہو کہ جسم ہوں اُن کے عرق میں غرق
تھم تھم کے یا نسیم چلے، یا صبا چلے
ذرّہ نہ خاک اڑے، نہ زیادہ ہوا چلے

۳۷

چونکے جو گھر میں خواب سے پیغمبرؑ خدا سلمانِ فارسی سے بصد شوق یہ کہا
لے آؤ جا کے گھر ہوں اگر میرے مہ لقا زہرا کے گھر پہ جا کے یہ سلمان نے کہا
دیکھا نہیں جو دیر سے صدمے اٹھاتے ہیں
خیرالورا نواسوں کو اپنے بلاتے ہیں

۳۸

یہ سُن کے غیر ہو گیا خیرالنسا کا حال بستر سے اٹھ کے صحن میں آئیں بصد ملال
سلمانِ فارسی سے یہ بولی وہ خوشخصال بھائی! یہاں کہاں ہیں بھلا دونوں میرے لال
لے کر گئی تو تھی، پہ نہیں ساتھ لائی ہوں
میں خود نبیؐ کے پاس انھیں چھوڑ آئی ہوں

۳۹

جاؤ خدا کے واسطے، مجھ میں نہیں حواس گر واں نہیں، تو پھر مرے بچے ہیں کس کے پاس
ہوتے تو کیوں بلاتے رسولِ فلک اساس گھر سے کہیں نکل نہ گئے ہوں وہ حق شناس
کرتے ہیں ضد، تو بات بھی وہ مانتے نہیں
ہے ہے ابھی تو راہ بھی وہ جانتے نہیں

۴۰

سلماں نے جا کے احمدِ مرسلؐ کو دی خبر　　مولا نہیں ہیں منزلِ زہرا پہ وہ قمر
یہ سُن کے بے قرار ہوئے سید البشرؐ　　اٹھے عصا کو دستِ مبارک میں تھام کر
غل تھا، رسولؐ جاتے ہیں پیاروں کو ڈھونڈنے
نکلا ہے آفتاب ستاروں کو ڈھونڈنے

۴۱

گھر سے چلے جو مضطربانہ شہِ امم　　تھا فرطِ ضُعف، کانپتے تھے جا بجا قدم
سلمانِ فارسی سے یہ کہتے تھے دمبدم　　زہرا کہیں نکل نہ پڑے گھر سے، ہے ستم
کیوں کر پتہ اُدھر کا ملے جس طرف گئے
یارب کہاں وہ اخترِ برجِ شرف گئے

۴۲

ان ننھے ننھے پاؤں کا ملتا جہاں نشاں　　جھک جھک کے آنکھیں ملتے تھے سردارِ انس و جاں
لب پر کبھی دعا تھی کہ اے خالقِ جہاں　　ہر وقت اپنے بندوں کا تو ہے نگاہباں
گو ان کے ساتھ دوست نہ کوئی رفیق ہے
تو مادر و پدر سے زیادہ شفیق ہے

۴۳

بندے ہیں تیری فاطمہ زہراؑ کے دلربا　　سچ ہے کہ ہیں یہ تیری امانت، مرا ہے کیا
حافظ ہے ان کا کون، جہاں میں ترے سوا　　مضطر جو ہوں، یہ ہے بشریت کا مقتضا
یارب گرے نہ کوہِ مصیبت بتول پر
ان کا فراق شاق ہے تیرے رسول پر

۴۴

یونس کو تو نے بطن سے ماہی کے دی نجات　　اُس آگ میں خلیل کی حافظ تھی تیری ذات
ہے سہل تجھ کو حلِ مہمات و مشکلات　　تو نے کیا ہے رات کو دن، اور دن کو رات
حافظ ہے تو ہی گھر میں بشر ہو کہ راہ میں
مجھ کو بچایا غار میں، یوسف کو چاہ میں

۴۵

واں جا کے فاطمہ کو کسی نے یہ دی خبر
ملتے نہیں ہیں کھوئے ہوئے آپ کے پسر
دیکھ آئے جا کے بوذر و سلماں اِدھر اُدھر
نکلے ہیں ڈھونڈھنے کے لیے سیّد البشرؐ
صدمہ ہے مصطفیٰؐ کے دلِ دردناک پر
گر گر پڑے ہیں ضعف سے تھرّا کے خاک پر

۴۶

سنتا تھا یہ کہ دل پہ لگا فاطمہؑ کے تیر
بے تاب ہو کے بولیں کہ ہے ہے مرے صغیر
چلّائی یا علیؑ ولی شاہِ قلعہ گیر!
دوڑو کہیں چلے گئے میرے مہِ منیر
کیا ہے جو ڈھونڈنے کو شہِ بحر و بر گئے
میں کیا کروں، اے مرے پیارے کدھر گئے

۴۷

نکلے جنابِ شیرِ خدا شاہِ ذوالفقار
آنکھیں تھیں دونوں فرطِ محبت سے اشکبار
صدمے سے فاطمہؑ کے جو دل کو نہ تھا قرار
حجرے سے در تلک گئیں اور آئیں سات بار
کہتی تھیں کیا ہوا مرے نازوں کے پالوں کو!
ہے ہے کوئی پکڑ نہ لے ان زلفوں والوں کو!

۴۸

اے فِضّہ اپنے پردے کا اِس دم نہ کر خیال
جا دیکھ تو، ملے کہ نہیں میرے دونوں لال
اس تپ میں کس طرف گئے محبوبِ ذوالجلال
تھامے رہے کوئی کہ نہیں مصطفیٰؐ بے حال
اب کوئی دم میں پھینک کے چادر نکلتی ہوں
تو جا، نہیں میں گھر سے کھُلے سر نکلتی ہوں

۴۹

واں ڈھونڈتے تھے دونوں کو پیغمبرِ الٰہ
اک نور دور سے نظر آیا میانِ راہ
سلماں نے عرض یہ کی کہ اے کُل کے بادشاہ
شاید یہیں ہیں فاطمہ زہراؑ کے مہر و ماہ
مولا وہ شاہزادۂ گردوں اساس ہیں
روح الامیں پکارے کہ خادم کے پاس ہیں

۵۰

جلدی قریب تر جو گئے سیّد البشرؐ — دیکھا زمیں پہ فرش ہیں روح الامیں کے پر
قدسی کھڑے ہیں بہرِ حفاظت اِدھر اُدھر — ہیں دو مَلک لیے ہوئے زانو پہ دونوں سَر
نہ بھیگتے ہیں مینھ سے نہ بےچین ہوتے ہیں
وہ دونوں بھائی لپٹے ہوئے ساتھ سوتے ہیں

۵۱

لاتی ہے بوے خلدِ بریں دمبدم صبا — ہے مثلِ قلبِ مومنِ کامل زمیں صفا
بیٹھا ہوا ہے متصلِ سَر، اک اژدھا — گلدستہ اس کے منھ میں ہے باغِ بہشت کا
اُٹھ اُٹھ کے بار بار نگس راں ہے اس طرح
الفت سے کوئی مروحہ جنباں ہو جس طرح

۵۲

پائے جو خاک چھان کے وہ لعلِ بے بہا — بس دوڑ کے لپٹ گئے محبوبِ کبریا
چُوما دہن حسنؑ کا، تو شبّیرؑ کا گلا — صدقے ہوئے جو اُن پہ تو اِس پر ہوئے فدا
شبّیر کو تو لے کے شہنشاہِ دیںؐ چلے
لے کر حسنؑ کو گود میں روح الامیں چلے

۵۳

فِضّہ نے دی صدا کہ مبارک ہو اے بتولؑ — پائے رسولؐ نے چمنِ مرتضیٰؑ کے پھول
حاصل ہوئی مراد، دعائیں ہوئیں قبول — بس باغ باغ ہو گئی وہ بضعۂ رسولؐ
کھولے تھے سر کے بال یہ یہ سُن کے رک گئیں
قبلہ کی سمت خاک پہ سجدے کو جھک گئیں

۵۴

سجدے سے سر اُٹھا کے کہا شکر اے خدا! — میں فاقہ کش ہوں تو نے مجھے بھیک کی عطا
یہ دونوں لال ہیں مرے جینے کا آسرا — مولا ترا کرم ہے کہ سن لی مری دعا
ملتے اگر نہ وہ تو کدھر جاتی فاطمہ
آنے میں ہوتی دیر تو مرجاتی فاطمہ

۵۵

رو ئی لپٹ کے فاطمہ بیٹوں سے زار زار　　لائے جو گھر میں دونوں کو محبوبِ کردگار
گھر سے کہاں چلے گئے تھے تم پہ میں نثار　　تلوؤں سے آنکھیں مل کے یہ کہتی تھی بار بار
آؤ تو پھر دپھر کے گلے سے لگاؤں میں
ان ننھے ننھے پاؤں کے قربان جاؤں میں

۵۶

گھیرے تھا جب حسینؑ کو وہ لشکرِ ستم　　اس دن کہاں تھے آہ رسولِ فلک حشم
نانا کو رو کے ڈھونڈھتے تھے خود شہِ امم　　تیروں کا مینہہ برستا تھا بیکس پہ دمبدم
داغِ جگر ملا تھا شہِ خوشخصال کو
کھویا تھا جب جہاد میں اکبرؑ سے لال کو

۵۷

بس دوپہر میں باغِ حسینی ہوا قلم　　عاشور کی سحر کا یہ احوال ہے رقم
نہ ساتھ تھا پسر، نہ علمدار، نہ علَم　　تنہا تھے دشمنوں میں امامِ فلک حشم
سب مستعد تھے قتلِ شہِ تشنہ کام پر
ریلے تھے فوج کے شہِ عالی مقام پر

۵۸

سینہ تمام ظلم کے تیروں سے تھا فگار　　گھوڑے پہ غش میں تھا پسرِ شیرِ کردگار
اک پھول سا تو جسم تھا اور زخم دو ہزار　　حربے تمام فوج کے اور اک نحیف و زار
غل تھا کہ دو اماں نہ شہِ مشرقین کو
نوکوں سے برچھیوں کی گرادو حسینؑ کو

۵۹

گھوڑے سے وقتِ عصر گرا فاطمہ کا لال　　بالاتفاق سب نے لکھا ہے بصد ملال
ہاں تن سے کاٹ لے سرِ سلطانِ خوشخصال　　اس وقت شمر سے یہ عمر نے کیا مقال
کس منھ سے اب کہوں کہ ستمگر نے کیا کیا
خنجر سے شاہ کا سرِ اقدس جدا کیا

۶۰

بس اے انیس آگے نہ دے مرثیے کو طول　　بہتر ہے مختصر کہ نہ ہوں سامعیں ملول
آقا سے کر یہ عرض کہ اے دلبر بتول　　اس بندۂ ذلیل کی بھی نذر ہو قبول
سب فیض آپ ہی سے ہے جناب امیرؑ کا
شاہوں نے رد کیا نہیں ہدیہ فقیر کا

۱

فرزندِ پیمبرؐ سے جدا ہوتے ہیں اکبرؑ　　ماں باپ کے جینے کا مزا کھوتے ہیں اکبرؑ
خاموش کھڑے اشکوں سے منھ دھوتے ہیں اکبرؑ　　روتے ہیں اُدھر شاہؑ اِدھر روتے ہیں اکبرؑ
ہستی کا چمن ہوتا ہے پامال خزاں سے
بِن پھولے پھلے جاتے ہیں گلزارِ جہاں سے

۲

اٹھارہ برس تک جسے سیراب کیا ہے　　وہ باغ اجڑتا ہے یہ پھل ماں کو ملا ہے
سہرا ابھی نہیں بیاہ کا ماتھے پہ بندھا ہے　　دن شادی کے جب آئے تو مرنے کو چلا ہے
حق ہے کہ خوشی بیٹے سے بہتر نہیں ہوتی
لُٹتی ہے وہ دولت جو میسّر نہیں ہوتی

۳

مادر کو ہے چھوٹی سی دلھن لانے کا ارماں　　کب نیگ ملے گا ہمیں، بہنوں کو ہے ارماں
واں اور ہے ساماں، یہاں اور ہے ساماں　　بندھتی تھی کمر آنکھ لڑی تھی سوئے میداں
منھ گرد سے آلودہ ہے، دل غم سے بھرا ہے
لب خشک ہیں اور ہاتھ کلیجہ پہ دھرا ہے

۴

ہتھیار پسر سجتا ہے گھبراتے ہیں ماں باپ　　زخم اس نے نہیں کھائے تو غم کھاتے ہیں ماں باپ
سرتا بہ قدم پیار سے تھرّاتے ہیں ماں باپ　　اکبرؑ ابھی جیتے ہیں، موئے جاتے ہیں ماں باپ
اللہ ری الفت پسرِ ماہ لقا کی
دل سینے میں ہلتا ہے دہائی ہے خدا کی

۵

سر پیٹ کے جب گردِ پسر پھرتی ہے مادر　　ہیں بال کھلے سر سے گری پڑتی ہے چادر
شہ سے یہ اشارہ ہے کریا سبطِ پیمبرؐ　　روکو انھیں، ہاتھوں سے چلے اب علی اکبر

ہیں صاحبِ الفت، انھیں رحم آئے گا ہم پر
تم بیٹے کو سمجھاؤ میں گرتی ہوں قدم پر

۶

صاحب میرے فرزند کو چھاتی سے لگاؤ　　روٹھے ہوں اگر مجھ سے تو اکبر کو مناؤ
اس داغ سے لونڈی کے کلیجہ کو بچاؤ　　ماں ان کی ہے زینب، انھیں اس وقت بلاؤ

اٹھارہ برس سامنے آنکھوں کے رہے ہیں
پالا ہے بڑے دکھ سے، بڑے رنج سہے ہیں

۷

اتنے میں کمر باندھ چکا شاہ کا دلدار　　سینے میں اُدھر ہلنے لگا ماں کا دلِ زار
فرزند کا منھ تکنے لگے سیّدِ ابرار　　ہمشکلِ پیمبر ہوئے رخصت کے طلب گار

ہاتھوں سے کلیجہ شہِ بے پر نے سنبھالا
گرنے جو لگی ماں علی اکبر نے سنبھالا

۸

فرمایا پدر صدقے ہو، اے اکبرِ ذی شان　　کیا کہتے ہو، رخصت کسے کہتے ہیں مری جان
دم کس میں ہے، دے کون تمھیں رخصتِ میدان　　دنیا سے یہ شبّیر کی رخصت کا ہے سامان

ماں باپ چراغِ سحری ہیں علی اکبرؐ
ہم تم سے بھی پہلے سفری ہیں علی اکبرؐ

۹

کس طرح بھلا داغِ جوانی ہو گوارا　　سہرا ابھی تو دیکھا نہیں بابا نے تمھارا
عبّاس سے قوّت تھی سو دنیا سے سدھارا　　اب کون رہا ہے مری پیری کا سہارا

مر جائیں اگر ہم تو بجا ہے کہ مُسِن ہیں
بیٹا علی اکبر، یہ ترے مرنے کے دن ہیں

۱۰

حضرت نے یہ فرمایا تو بانو کو ہوئی یاس — گھبرائی ہوئی حضرتِ زینب کے گئی پاس
رو رو کے کہا کرتے ہیں اکبر ہمیں بے آس — وہاں جاتے ہیں پھر آئے جہاں جا کے نہ عباس
اس داغ کی طاقت نہیں بانو کے جگر کو
قربان گئی روک لو تم اپنے پسر کو

۱۱

بی بی، میری کشتی کو تباہی سے بچاؤ — قربان تمہارے مرے کام اس گھڑی آؤ
اب آگ کلیجے کی بھڑکتی ہے، بجھاؤ — دائی سے خفا ہیں، علی اکبر کو مناؤ
رُکتے نہیں، باندھے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
بابا پہ فدا ہونے کو تیار کھڑے ہیں

۱۲

سر پیٹ کے زینب نے کہا ہائے مقدّر — اکبر بھی چلے مرنے کو برباد ہوا گھر
ہے ہے مرے بھائی کا رہا کوئی نہ یاور — کس طرح سے رخصت کیا راضی ہوئے کیوں کر
کیا خوب صلا پالنے کا ہم کو ملا ہے
شہ سے نہیں شکوہ، علی اکبر سے گلا ہے

۱۳

جن کے لیے بیٹوں کو کیا میں نے نہ پیارا — رد اِن کی بلا ہو اُنھیں اس واسطے وارا
جب دیکھا اِنھیں پیار کبھی اُن پہ نہ آیا — بہلا دیا اُن کو، اِنھیں گودی میں سُلایا
دن رات پلے بر میں مرے دل کی طرح سے
آغوش میں رہتے تھے حمائل کی طرح سے

۱۴

کہہ کر یہ سخن، منہ پہ لیا گوشۂ چادر — ہتھیار سجے، اتنے میں آئے علی اکبر
پلٹے کو چھڑا کر کہا کیوں روتی ہو مادر — رو کر کہا زینب نے تمھیں کیا، مرے دلبر
تم وہ کرو جس بات میں آرام ہے تم کو
میں کون، مرے رونے سے کیا کام ہے تم کو

۱۵

میں روؤں نہ کیوں کہ مری قسمت میں ہے رونا　　منہ پر سے چھڑا دو نہ ردا کا میرے کونا
رخصت ہوئے تم ان سے تھا رخصت تمھیں ہونا　　یاد آیا نہ راتوں کو میری چھاتی پہ سونا
اس پالنے والی کی محبت کو نہ سمجھے
اٹھارہ برس کی میری خدمت کو نہ سمجھے

۱۶

اکبر نے کہا، میں کسے حال اپنا سناؤں　　جو داغ کلیجہ پہ ہیں کس طرح دکھاؤں
بھائی میرے مارے گئے، میں جان بچاؤں　　عزت نہیں رہنے کی جو مرنے کو نہ جاؤں
انصاف سے فرماؤ تمھیں، کیا کرے اکبر
بابا پہ چلیں برچھیاں، دیکھا کرے اکبر

۱۷

نرغے میں ہے اعدا کے ید اللہ کا جانی　　کھانا تو کہاں، بند ہے دو روز سے پانی
واللہ نہیں صبر میں ان کا کوئی ثانی　　اپنی بھی مجھے بھول گئی تشنہ دہانی
تسکیں کے لیے دی جو زباں میرے دہاں میں
تھے پیاس سے کانٹے گل زہرا کی زباں میں

۱۸

رو رو کے جو اکبر نے یہ کی پیاس کی تقریر　　بیتاب ہوئی بھائی کی تنہائی پہ ہمشیر
بانو سے کہا، یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر　　اکبر سے بھی بے آس کیے دیتی ہے تقدیر
بیٹے کو جو روکو گی تو پچھتاؤ گی بانو
پردیس میں وارث سے بچھڑ جاؤ گی بانو

۱۹

گھبرا گئی، بانو سے نہ کچھ اور بن آیا　　بیتابی میں سر پاؤں پہ بیٹے کے جھکایا
چلائی کہ قسمت نے مجھے تم سے چھڑایا　　سہرا بھی نہ اس پالنے والی کو دکھایا
میں لٹتی ہوں، ویراں میرا گھر کرتے ہو بیٹا
دنیا سے پُر ارمان سفر کرتے ہو بیٹا

۲۰

یہ سُن کے چلے آنکھوں پہ رکھّے ہوئے رومال   پر مادرِ دل خستہ کا دیکھا نہ گیا حال
ماں کوکھ کو پکڑے ہوئے اور کھولے ہوئے بال   چلّاتی گئی ڈیوڑھی تلک ہائے میرے لال
تم اور بھی ایک دم نہ ٹھہرتے گئے واری
پھر آنے کا اقرار نہ کرتے گئے واری

۲۱

چاہا علی اکبر نے کہ ہو گھوڑے پہ اسوار   جو آئے نظر خاک نشیں سیّدِ ابرار
عمّامہ تو تھا ہاتھوں میں اور لب پہ یہ گفتار   اکبر سے بچھڑتا ہوں میں اے ایزدِ غفّار
تو صبر عطا کر کہ زیادہ نہ قلق ہو
نزدیک ہے اس دم کہ کلیجہ میرا شق ہو

۲۲

رو رو کے یہ کہتا تھا یداللہ کا پیارا   آداب بجا لا کے، پسر رن کو سدھارا
ایک نور جو چمکا تو خبردار پکارا   ہشیار جوانو! یہ پیمبر ہے تمہارا
یہ نور، یہ شوکت، یہ جلال، اور میں کب ہے
مجرے کو چلو، آمدِ سلطانِ عرب ہے

۲۳

اعدا نے سنی جب یہ خبردار کی تقریر   لشکر میں طلاطم ہوا گھبرا گئے بے پیر
ہاتھوں سے تھے یکدست چھٹے قبضۂ شمشیر   بھاگے قدر انداز کمانوں سے گرے تیر
وہ غرقِ تحیّر تھے قدم جن کے رُکے تھے
مُجرے کو علم فوجِ مخالف کے جُھکے تھے

۲۴

ناگاہ جمالِ علی اکبر نظر آیا   خورشید سا روشن رخِ انور نظر آیا
غل تھا کہ وہ لختِ دلِ سرور نظر آیا   اے صلِّ علیٰ، نورِ پیمبرؐ نظر آیا
آنکھوں میں سُرور آگیا دیدار سے اُس کے
روشن ہوئے دل جلوۂ رخسار سے اُس کے

۲۵

اتنے میں یہ اکبر نے کہا، تول کے شمشیر ہاں نکلے پرے سے کوئی، ہے جنگ میں کیا دیر
روباہ ہے یہ فوجِ ستم، اور ہوں میں شبیر روکے میری شمشیر وہ، ہو زیست سے جو سیر
احوال سنا ہووے گا خیبر شکنی کا
اب دیکھو تماشہ میری شمشیر زنی کا

۲۶

اکبر نے فصاحت سے ادا کی جو یہ تقریر کچھ رونے لگے اور یہ بولے کئی بے پیر
حُر کے تو مقدر میں نہ منصب تھا نہ جاگیر ان تیغوں سے کاٹیں گے مگر ہم سرِ شبیر
عباس کی تصویر ابھی خوں سے بھری ہے
بسم اللہ اگر آپ کو دردِ پدری ہے

۲۷

تھرّانے لگا غیظ سے شہزادے کا اندام افروختہ چوں مہر ہوا چہرۂ گلفام
نعرہ کیا حیدر کی طرح کھینچ کے صمصام روکو مری شمشیر کو ہاں اے سپہِ شام
میں دیتا ہوں سر، شاہِ خوش اقبال کے بدلے
اکبر سے لڑو، فاطمہ کے لال کے بدلے

۲۸

یہ سنتے ہی غازی پہ کمانوں سے چلے تیر ہر صف سے بڑھے برچھیوں کو تول کے بے پیر
لشکر میں دھنسا شیر سا لختِ دلِ شبیرؔ ہر غول میں بجلی سی چمکنے لگی شمشیر
سر تن سے قلم ہوتے تھے بیدادگروں کے
کاغذ کی طرح اڑنے لگے پرزے سروں کے

۲۹

چھایا ہوا تھا چار طرف فوج کا بادل بجلی کی طرح کوندتے تھے برچھیوں کے پھل
جب تیغ چمکتی تھی تو پڑ جاتی تھی ہلچل میداں میں نہ اسوار ٹھہرتے تھے نہ پیدل
کہتے تھے بڑی خیر ہوئی بچ گئے اب کی
شعلہ نے لیا تھا ہمیں اس برقِ غضب کی

۳۰

اس شیر نے جس صف کی طرف باگ اُٹھائی دم میں ہوئی سو سو کے تن و سر میں جدائی
یہ ایک، وہ لاکھوں تھے، پہ سنبھلی نہ لڑائی ہر غول میں غل تھا کہ محمدؐ کی دُہائی
فرزند کی جرأت پہ خوشی ہوتے تھے شبیر
پر ساتھ ہی امّت کی دعا کرتے تھے شبیر

۳۱

تنہائیِ اکبر پہ کبھی کرتے تھے فریاد ملتے تھے کبھی ہاتھ کہ اُمّت ہوئی برباد
فرماتے تھے زینب سے کبھی، با دلِ ناشاد ہر چند کہ پیاری کسے ہوتی نہیں اولاد
پر آگے مرے ہے یہ زیادہ، نہ وہ کم ہے
اکبر کے برابر مجھے اُمّت کا بھی غم ہے

۳۲

بیتاب ہوں بہنا مجھے اب غم ہے نہایت مانگوں یہ دعا بہرِ شہنشاہِ ولایت
اکبر بھی سلامت رہے، اُمّت بھی سلامت محبوبِ الٰہی سے ہو مجھ کو نہ ندامت
دونوں کے عوض سر تہِ شمشیر دھروں میں
اکبر پہ اور امّت پہ فدا جان کروں میں

۳۳

شبیر تو یہ کہتے تھے، وہ کرتی تھی نالے دروازہ پہ تھیں بی بیاں بانو کو سنبھالے
چلاتی تھی چلتے ہیں جگر پر مرے بھالے لوگو، مرے اکبر کو کوئی رَن سے بلا لے
کہ دو کہ تمھیں دیر سے چلاتی ہے بانو
اصغر کو لیے رَن میں چلی آتی ہے بانو

۳۴

جاکر کوئی سمجھائے اُسے میری زبانی مادر کا بُرا حال ہے، اے یوسفِ ثانی
آؤ مرے پیارے، مرے دلبر، مرے جانی قائم رکھے اللہ، یہ محمدؐ کی نشانی
سب روتے ہیں ماں بہنوں پہ احساں کرو بیٹا
مادر کی بھری گود نہ ویراں کرو بیٹا

۳۵

دیکھی جو سکینہ نے یہ بیتابیِ مادر　　چلّانے لگی ڈیوڑھی کے پردہ کو اٹھا کر
بھیّا علی اکبرؑ میرے بھیّا علی اکبر　　بھولے ہمیں، یہ چھوٹی بہن صدقے ہو تم پر
اب آنے میں کیا دیر ہے کب آؤ گے بھیّا
جب والدہ مر جائیں گی تب آؤ گے بھیّا

۳۶

اماں کا دم آنکھوں میں ہے، دیدار دکھاؤ　　بس لڑ چکے، صدقے گئی اب خیمہ میں آؤ
غش ہو گئے ہیں، خاک سے بابا کو اٹھاؤ　　پانی جو ملا ہووے، میرے واسطے لاؤ
عباس کے آنے سے تو اب یاس ہے بھیّا
بھینا کو تمھاری ہی بس اب آس ہے بھیّا

۳۷

خیمہ میں یہ کہرام تھا جو رن میں ہوئی دھوم　　لو برچھیوں سے قتل ہوئے اکبرِ مظلوم
گھبرا کے یہ چلّانے لگی بانوے مغموم　　یہ شور ہے کیسا ارے لوگو نہیں معلوم
کہتے ہیں کسی ماں کے زوال آ گیا گھر پر
مارا کسے، برچھی یہ لگی کس کے جگر پر

۳۸

پوچھے کوئی لگنے یہ لگی کس کی کمائی　　برچھی کی انی کس کے جگر بند نے کھائی
میداں میں لعینوں نے یہ ہے دھوم مچائی　　اب تک مرے اکبر کی خبر کچھ نہیں آئی
مضطر ہوں تسلّی میری کچھ ہو نہیں سکتی
دل روتا ہے وسواس سے میں رو نہیں سکتی

۳۹

شبیر یہ سر پیٹ کے اس وقت پکارے　　بانو، علی اکبر گئے ہاتھوں سے تمھارے
جلّادوں نے نیزے میرے فرزند کو مارے　　فردوس میں داخل ہوئے دنیا سے سدھارے
ہم روتے ہیں، یہی شام کے لشکر کی خوشی ہے
اعداء میں یہ قتلِ علی اکبر کی خوشی ہے

۴۰

جب نیزہ سے رن میں ہوئے گھائل علی اکبر مطلع مرنے پہ ہوئے ضعف سے مائل علی اکبر
بیتاب جو تھے صورتِ بسمل علی اکبر گھوڑے سے گرے تھامے ہوئے دل علی اکبر
غل تھا کہ ملی خاک میں تصویر نبیؐ کی
دولت ہوئی برباد حسینؑ ابن علیؑ کی

۴۱

میداں میں سنان ابن انس بڑھ کے پکارا اے قوم مبارک ہو کہ اکبر گیا مارا
کیا برچھی لگی ہے کہ جگر ہو گیا پارا کوئی نہ رہا شاہ کی پیری کا سہارا
سب مر چکے بھائی، نہ بھتیجا، نہ پسر ہے
اب تیغ ہے اور حلقِ شہِ جن و بشر ہے

۴۲

خوش ہوتے تھے وہ شاہ ادھر کرتے تھے زاری فرماتے تھے گھبرا کے یہ کیا کہتے ہو، واری
مجروح ہوا کون، یہ برچھی کسے ماری زخمی ہوئے اکبر تو اجل آئی ہماری
بے آس ہوئے، اب نہ رہی آس کسی کی
لوٹا ہمیں اُمت نے رسولِ عربی کی

۴۳

فریاد ہے فریاد کہ گھر ہو گیا برباد سینہ کہاں اکبر کا، کہاں نیزۂ جلّاد
مظلوم پہ سیّد پہ، مسافر پہ یہ بیداد اکبر نہ رہے جیتے، تو بانو ہوئی ناشاد
صبر آئے گا کس طرح جواں بیٹے کے غم میں
سر ننگے چلی آئے گی میدانِ ستم میں

۴۴

یہ کہہ کے چلے رن کی طرف سیّدِ خوش خُو بیتاب تھا دل، زرد تھا رُخ، بہتے تھے آنسو
پنہاں تھا نظر سے علی اکبر سا جو مہ رُو آنکھوں کو اندھیرا سا نظر آتا تھا ہر سُو
گھبرائے ہوئے چار طرف پھرتے تھے شبّیر
بسمل کی طرح اٹھتے تھے اور گرتے تھے شبّیر

۴۵

گہ اُٹھ کے چلے گاہ گئے بیٹھ کے نالے ٹیکے ہوئے تلوار کلیجے کو سنبھالے
بیٹا علی اکبرؑ مجھے پاس اپنے بلالے چلائے کبھی، ہائے مرے گیسوؤں والے

اے لال، قدم مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا
آؤ تمھیں، اب باپ سے آیا نہیں جاتا

۴۶

تیرے تو کنارے نہیں وہ چاند سی تصویر دریا پہ کبھی جا کے یہ چلاتے تھے شبّیر
تجھ میں تو نہیں غرق ہوئے اکبر دلگیر اب زیست ہے دو بھر مجھے، اور حال ہے تغیر

وہ تین شب و روز کا پیاسا نہیں ملتا
اے بحر، مرا گوہر یکتا نہیں ملتا

۴۷

مایوس پھرا، حیدر کرّار کا جایا دریا سے بھی اکبرؑ کا پتا جب کہ نہ پایا
یوں ہاتھوں سے سر پیٹ کے بھائی کو سنایا ریتی پہ جو عباس کا لاشہ نظر آیا

پنہاں مری آنکھوں سے مرا نورِ نظر ہے
بھائی، علی اکبر کی بھی کچھ تم کو خبر ہے

۴۸

گم ہو گئی ہاتھوں سے محمدؐ کی نشانی ضائع ہوئی ہے ہے مرے اکبر کی جوانی
لیکن نہیں ملتا وہ مرا یوسفِ ثانی میں نے تو بہت خاک ہے اس دشت کی چھانی

تم ہاتھ پکڑ کر مجھے رستہ پہ لگادو
بینا اب ہوں بھائی، مجھے اکبر سے ملادو

۴۹

وہاں سے بھی چلے روتے ہوئے سیّدِ ابرار بولے جو نہ کچھ حضرتِ عباسِ علمدار
کس سمت ہو، بولو مرے جانی، مرے دلدار ہر مرتبہ کرتے تھے تڑپ کر یہی گفتار

افسوس کوئی پاس تمھارے نہیں بیٹا
بے ہوش ہو شاید جو پکارے نہیں بیٹا

۵۰

رو کر کبھی یوں ہوتے تھے اعدا سے مخاطب　　یارو، مری غربت پہ تمہیں رحم ہے واجب
شبیرؑ نہ کھانے کا نہ پینے کا ہے طالب　　بتلادو کہ اکبر ہے مرا کون سی جانب
پہونچا دو مجھے لاشۂ ہمشکلِ نبی پر
احسان کرو روحِ رسولِ عربی پر

۵۱

اعدا سے جو کی سبطِ پیمبر نے یہ گفتار　　غش میں سُنی اکبر نے صدائے شہِ ابرار
گردن کو جھکائے جو کھڑا رو تا تھا رہوار　　آہستہ کہا اس سے کہ اے اسپِ وفادار
گھبرائے ہوئے ڈھونڈتے پھرتے ہیں پسر کو
تو جا کے بُلا لا مرے مظلوم پدر کو

۵۲

یہ سنتے ہی رہوار چلا جانبِ شبیر　　شہ کو نظر آیا فرسِ اکبرِ دلگیر
ماتھے پہ نمودار تھا زخمِ دمِ شمشیر　　خوں بہتا تھا پیوست تھے چھاتی میں کئی تیر
تھا زخم کا اکبر کے لہو خانۂ زیں پر
گردن تھی جھکی، باگ لٹکتی تھی زمیں پر

۵۳

گھوڑے سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار　　اسوار ترا کیا ہوا اے اسپِ وفادار
گویا ہوا یوں حکمِ الٰہی سے وہ رہوار　　اک نخل تلے لوٹتا ہے آپ کا دلدار
حضرت سے نہ ملنے کا نہایت اسے غم ہے
لب پر تو ہے نام آپ کا اور ہونٹوں پہ دم ہے

۵۴

شبیر چلے روتے ہوئے گھوڑے کے ہمراہ　　فرزند کا لاشہ نظر آیا وہیں ناگاہ
وہ وقت کسی باپ کو دکھلائے نہ اللہ　　فرزند سے جس طرح ملے سیدِ ذی جاہ
جیتا ہوا یوسف تو ملا باپ سے آکر
یہاں گم ہوئے خود کھوئے ہوئے لال کو پاکر

۵۵

بسمل سا تڑپتا تھا جو وہ گود کا پالا تھا شاہ کے سینہ میں کلیجہ تہ و بالا
لاشے کے قریں بیٹھ گئے سیّدِ والا گہ دل کو سنبھالا کبھی سینہ کو سنبھالا
دم رُکتا تھا جب ہچکیاں آتی تھیں پسر کو
ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے سینہ میں جگر کو

۵۶

حضرت نے جو زانوے مبارک پہ رکھا سر بے ہوشی میں سمجھے یہ جنابِ علی اکبر
آیا ہے پھرانے کو کوئی حلق پہ خنجر کہنے لگے سر باپ کے زانو سے اٹھا کر
میں واسطہ دیتا ہوں رسولِ دو جہاں کا
تن سے ابھی سر کاٹ نہ مجھ تشنہ دہاں کا

۵۷

یہ سُن کے نکل آئے حرم خیمہ سے باہر غل پڑ گیا ہے ہے علی اکبر، علی اکبر
فرزند کے لاشہ پہ جھکے سبطِ پیمبر خاموش انیسؔ اب ہے بیاں خاتمہ پر رک
زینب کے نکلنے کا بیاں ترکِ ادب ہے
میدان سے لاش آنے کا مضمون غضب ہے

۱

آفت میں گرفتار ہیں ناموسِ محمدؐ مجبور ہیں، ناچار ہیں ناموسِ محمدؐ
سرور کے عزادار ہیں ناموسِ محمدؐ اور جینے سے بیزار ہیں ناموسِ محمدؐ
زنداں کی صعوبت ہے، غریب الوطنی ہے
غل، ہائے حُسینا کا ہے، اور سینہ زنی ہے

۲

کھانا ہے، نہ پینا ہے، نہ راحت ہے، نہ سونا ہے خاک کا فرش اور نہ تکیہ، نہ بچھونا
یاد آتا ہے جو وارثوں کا جانوں کو کھونا چھٹتا نہیں مظلوموں سے منھ ڈھانپ کے رونا
نورانی بدن خاک سے زنداں کی اَٹے ہیں
عُریاں ہیں سر، اور گریبان پھٹے ہیں

۳

اکبر کی جوانی کا کسی رانڈ کو غم ہے اصغر کے لیے چشم کسی بی بی کی نم ہے
عبّاس کی فرقت کا کسی دل پہ الم ہے دولھا کو کوئی روتی ہے، سر زانو پہ خم ہے
کرتی ہے کوئی یاد محمدؐ کے پسر کو
دیوار سے رو کر کوئی ٹکراتی ہے سر کو

۴

کہتی ہے کوئی لُوٹا گیا باغ ہمارا ہے ہے میرے بچّوں کو ستمگاروں نے مارا
مجھ رانڈ کا پیری میں رہا کچھ نہ سہارا دنیا سے جواں ہو کے مرا لعل سدھارا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے لختِ جگر کی
میں مر نہ گئی ہائے بلالے کے پسر کی

ے یہ مرثیہ نولکشوری جلد میں کل ۴۲ بندوں میں چھپا تھا۔ حالانکہ اس میں ۵۴ بند ہیں۔ اب یہ مطبوعہ ۴۲ بندوں کے ساتھ مکمل چھپ رہا ہے غیر مطبوعہ بندوں پر (●) بنا دیا گیا ہے۔ (ع۔ ا)

۵

حیران و پریشاں ہے ہر اک بیکس و دلگیر — دیکھو جسے ماتم کے مرقع کی ہے تصویر
سر پیٹ کے فرماتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر — بے غسل و کفن دشت میں ہے لاشۂ شبیر
مُردوں پہ کوئی رحم بھی کھاتا نہیں ہے ہے
سیّد کی کوئی قبر بناتا نہیں ہے ہے

۶

کرتی تھی ہر ایک سوختہ دل نالۂ جانکاہ — اور جاتی تھی تا گنبدِ گردوں شررِ آہ
نہ تھا کوئی ہمدرد، نہ مونس، نہ ہوا خواہ — دُکھ دینے کو موجود تھے سب ظالمِ گمراہ
حاکم نے مسلط کیا تھا تیغ زنوں کو
رونا بھی نہ ملتا تھا غریب الوطنوں کو

۷

مثلِ شبِ ظلمات تھی تاریکیِ زنداں — تھی قبرِ شکستہ کی طرح صورتِ دالاں
تھا دن کو خرابہ میں گمانِ شبِ ہجراں — اس گھر نے نہ دیکھی تھی کبھی شکلِ چراغاں
کعبہ سے بزرگی میں مکاں جن کے نہ کم تھے
اِس گھر میں غضب ہے وہ غزالانِ حرم تھے

۸

کہتی تھی کوئی، حال بہت غیر ہے میرا — لوگو کبھی گھر میں نہیں دیکھا یہ اندھیرا
کہتی تھی یہ کبریٰ مجھے وحشت نے ہے گھیرا — منہ مجھ کو سکینہ، نظر آتا نہیں تیرا
میں کاہے کو واقف ہوں اسیری کے محن سے
گھُٹ گھُٹ کے بس اب جان نکل جائیگی تن سے

۹

اس گھر میں بلندی تھی کہیں اور کہیں پستی — ہر گوشۂ تاریک میں وحشت تھی برستی
تھی فاطمہ کی سب اسی ویرانے میں بستی — مرجھا گیا تھا بیبیوں کا گلشنِ ہستی
ذیشان محل جن کے مدینے میں کھڑے تھے
وہ کنگروں پہ خانۂ زنداں میں پڑے تھے

۱۰

تھے بھوک سے اور پیاس سے معصوم بلکتے　　سر کو در و دیوار سے رو رو کے پٹکتے
آنسو تھے پڑے نرگسی آنکھوں سے ٹپکتے　　دل ننھے سے تھے چھوٹے سے سینوں میں دھڑکتے

کچھ بول نہ سکتے تھے نگہبانوں کے ڈر سے
رو دیتے تھے بھر کے نفسِ سرد جگر سے

۱۱

ہر شام و سحر شور یہ تھا، ہائے حسینا　　اب تک نہ کفن تجھ کو ملا، ہائے حسینا
کاٹا ترا ظالم نے گلا، ہائے حسینا　　کنبہ ترا آفت میں پھنسا، ہائے حسینا

تم چھٹ گئے کٹوا کے گلا رنج والم سے
اب کون چھڑا دے ہمیں زندانِ ستم سے

۱۲

اس قید میں تھا بالی سکینہ کو نہ آرام　　سر پیٹتی تھی ہاتھوں سے رو کر سحر و شام
بابا کا ہی ہر دم تھا اسے وردِ زباں نام　　کہتی تھی کہ اماں نہیں جینے کی میں ناکام

کس سے کہوں جس طرح کا صدمہ ہے جگر کو
ہیں ڈھونڈتی آنکھیں مری مظلوم پدر کو

۱۳

منھ چوم کے بہلاتی تھی ماں اے مری پیاری　　آؤ کرو آرام مری گود میں واری
روداد سنی ہے شہِ والا نے تمھاری　　اب آتی ہے یہاں بی بی کے بابا کی سواری

چھاتی سے حسینؑ آکے لگا دیں گے مری جاں
عباس تمھیں پانی پلادیں گے مری جاں

۱۴

وہ کہتی تھی سوؤں میں اگر نیند بھی آوے　　ہے کون جو چھاتی پہ سکینہ کو سلا دے
حال اپنا کسے آہ یہ مظلوم سناوے　　بابا نہیں زانو پہ مجھے کون بٹھاوے

دکھ درد میں راحت کا سرانجام کہاں ہے
جب سو گئی قسمت تو پھر آرام کہاں ہے

۱۵

یاد آتا ہے بابا کا وہ چھاتی پہ سُلانا　　وہ پیار کی باتیں، وہ مرے ناز اٹھانا
وہ بیٹھ پہ شفقت سے مری ہاتھ پھرانا　　اور پیار سے ہر وقت وہ منھ چومتے جانا
تا حشر بس اب شاد نہ ہووے گی سکینہ
چین آئے گا جب قبر میں سووے گی سکینہ

۱۶

یہ نیل کسے آہ طمانچوں کے دکھاؤں　　کانوں کے میں دُکھنے کا کسے حال سناؤں
عبّاس چچا کو کہو کس طرح سے پاؤں　　اکبر ہیں کہاں جن کو حمایت کو بلاؤں
ڈر شمر کا یہ ہے کہ بیں چلا نہیں سکتی
وہ آ نہیں سکتے، میں وہاں جا نہیں سکتی

۱۷

اتنے میں نمودار ہوئی شامِ سیہ رُو　　غم میں شبِ آفت نے پریشاں کیے گیسو
تاریکی لگی پھیلنے زندان میں ہر سو　　دم گھٹنے لگے رانڈوں کے جاری ہوئے آنسو
بیوؤں پہ مصیبت تھی سکینہ پہ ستم تھا
اس گھر کا اندھیرا نہ شبِ گور سے کم تھا

۱۸

آیا جو سرِ شام وہاں شمرِ ستمگار　　دروازۂ زنداں کو مقفّل کیا یک بار
وہ ہُو کا مکاں اور وہ مصیبت وہ شبِ تار　　سر پیٹ کے کہتی تھی سکینہ یہی ہر بار
دم گھٹتا ہے بابا کو نہ گر پاؤں گی امّاں
بچنے کی نہیں آج میں مر جاؤں گی امّاں

۱۹

ماں نے کہا قربان میں، اے بیکس و بے پر　　اب رونے کی طاقت ہی نہیں چپ رہو دم بھر
سن لیوے گا رونا ترا گر شمرِ ستم گر　　بے رحم ہے، بے درد ہے، گھُڑکے گا بداختر
دشمن تری آواز کا وہ دشمنِ دیں ہے
ہم بیکس و مجبور ہیں کچھ زور نہیں ہے

۲۰

وہ کہتی تھی سینہ میں تڑپتا ہے مرا دل — راضی ہوں مجھے تیغ سے کوئی کرے بسمل
مرجاؤں تو آسان ہو اماں، مری مشکل — اس دکھ کی میں اب ہو نہیں سکتی متحمل
بابا کی جدائی نے یہ بیتاب کیا ہے
کانوں کا بھی اب درد مجھے بھول گیا ہے

۲۱

یہ کہہ کے تڑپنے لگی وہ بیکس و دلگیر — سر ٹپکا کئی بار تو حالت ہوئی تغیر
بہلاتی تھی ہر چند اسے شاہ کی ہمشیر — پر ایسی وہ مچلی کہ نہ بہلی کسی تدبیر
یہ رنج والم تھا دلِ غمناک کے اوپر
بسمل کی طرح لوٹتی تھی خاک کے اوپر

۲۲

سر پیٹ کے ماں کہتی تھی ہے ہے میں کروں کیا — مظلومی پر اس بچی کی پھٹتا ہے کلیجا
اس قید میں گذرا ہے زبس فاقہ پہ فاقا — فریاد ہے بچی کا مرے دم ہے نکلتا
بند آنکھیں ہیں منہ کھولے مری ماہ جبیں ہے
کیا منہ میں چواؤں میں کہ پانی بھی نہیں ہے

۲۳

غش کر گئی بس اتنے میں وہ بیکس و پُرغم — ہر بی بی کا تب ہو گیا سکتے کا سا عالم
بانو نے کہا ہائے میں اب کیا کروں اس دم — ہاتھوں سے چلی شیفتۂ سیدِ اکرم
جان و جگرِ شاہِ مدینہ کو غش آیا
فریاد ہے فریاد، سکینہ کو غش آیا

۲۴

پھر رکھ کے منہ اس بچی کے منہ پر یہ پکاری — اصغر کی طرح چھوڑتی ہو تم ہمیں واری
بی بی میں نہیں جینے کی فرقت میں تمہاری — مرجاؤں گی میں ہوش میں آ اے مری پیاری
مادر سے مصیبت میں نہ منہ موڑ کے جانا
اس قید میں تنہا نہ مجھے چھوڑ کے جانا

۲۵

وہاں ہائے سکینہ کا ہوا شور جو اک بار　　تب خواب سے حاکم بھی محل میں ہوا بیدار
منگوائی خبر جب تو کسی نے کیا اظہار　　اک چار برس کی ہے جو شبیر کی دلدار
یاد اس کو نہیں شہ کی فراموش ہوئی ہے
بابا کو یہ روئی ہے کہ بے ہوش ہوئی ہے

۲۶

حلقہ کیے گرد اس کے حرم روتے ہیں باہم　　کہرام ہے زنداں میں قیامت کا ہے عالم
بولا یہ خبردار سے اس وقت یہ اظلم　　لے جاؤ خرابے میں سرِ سیدِ اکرم
بیتاب ہے مل لے شہِ مظلوم کے سر سے
محروم نہ رہ جائے وہ دیدارِ پدر سے

۲۷

جس طشتِ طلائی میں رکھا تھا سرِ سرورؑ　　خدّام روانہ ہوئے جلدی اسے لے کر
جاکر درِ زنداں پہ پکارے وہ بد اختر　　لے جائے کوئی آکے سرِ سیدِ بے پر
خوشبو اسے شبیر کی زلفوں کی سنگھادو
سر باپ کا مظلوم سکینہ کو دکھادو

۲۸

روتے درِ زنداں پہ گئے سیدِ سجّاد　　سر باپ کا ہاتھوں پہ لیا با دلِ ناشاد
زنداں میں چلے کرتے ہوئے نالہ و فریاد　　جا پہنچے تو رانڈوں سے کیا رو کے یہ ارشاد
شبیر کا سر آتا ہے تعظیم کو اٹھو
زہرا کے جگر بند کی تسلیم کو اٹھو

۲۹

سر پیٹتی یہ سن کے گئیں بیبیاں باہم　　زینب نے کہا کرتی ہے تسلیم یہ پُر غم
ہاتھوں میں لیا پھر سرِ سردارِ دو عالم　　سر پیٹ کے سب بیبیاں کرنے لگی ماتم
سر بھائی کا ہاتھوں پہ بہن کے جو دھرا تھا
اک نورِ خدا چار طرف جلوہ نما تھا

۳۰

کلثوم نے چلا کے کہا، ہائے برادر اس بیکسی، مظلومی کے قرباں ہو یہ خواہر
بانو یہ پکاری مرے صاحب، مرے سرور ہم پر تو یہ دکھ ہیں کہو کیا صدمہ ہے تم پر
بے سر یہاں جنگل میں تنِ پاک پڑا ہے
گور و کفن اب تک نہیں صاحب کو ملا ہے

۳۱

زینب نے کہا پھر سرِ سرور سے یہ رو رو صدقے گئی یہ نیل مرے بازو کا دیکھو
نادان سکینہ کا کچھ احوال تو پوچھو غش ہو گئی ہے چار طرف ڈھونڈ کے تم کو
حضرت کی جدائی سے بہت زار و حزیں ہے
جینے کا سکینہ کے یقیں مجھ کو نہیں ہے

۳۲

بالیں پہ سکینہ کے سرِ شاہ وہ لائی بو گیسوئے سرور کی سکینہ کو سنگھائی
بابا کی جو بُو دخترِ مظلوم نے پائی موقوف غشی ہو گئی اور ہوش میں آئی
آہستہ کہا روح مزا پاتی ہے لوگو
بُو بابا کی زلفوں کی مجھے آتی ہے لوگو

۳۳

پھر تھام کے شانے اسے بانو نے اٹھایا زینب نے کہا، لے ترا بیکس پدر آیا
سر خاک پہ سجدے کو سکینہ نے جھکایا دیکھا جو سوئے طشت تو یہ شور مچایا
بابا کا مرے سر ہے یہ پہچان گئی میں
اس خوں بھری تصویر کے قربان گئی میں

۳۴

چھوٹے سے جو ہاتھوں سے اٹھایا سرِ سرور آنکھیں ملیں رخسار سے منھ رکھ دیا منھ پر
لکھا ہے کہ جنبش میں تب آئے لبِ اطہر حضرت نے بھی اعجاز سے چوما رخِ دختر
وا ہو گئیں بند آنکھیں شہِ جن و بشر کی
بیٹی پہ عجب یاس سے حضرت نے نظر کی

۳۵

بیٹی نے کہا صدقے میں اس پیار کے بابا یہ کس نے گلا آپ کا تلوار سے کاٹا
سر تو ہے یہاں، وہ تنِ پرنور ہے کس جا وہ بازو کہاں ہیں جو مرا ہوتے تھے تکیہ
اب منھ سے نکلتا ہے کلیجا مرا پھٹ کر
وہ چھاتی کہاں جس سے میں سوتی تھی لپٹ کر

۳۶

اس سن میں کہوں کیا جو ستم میں نے اٹھائے یا شاہ طمانچے مجھے ظالم نے لگائے
بُندے مرے چھینے مجھے نیزے بھی دکھائے باندھے ہوئے گردن میں رسن کھینچ کے لائے
نہ پاس تھے آپ اور نہ چچا جان ہمارے
فریاد ہے مجروح کیے کان ہمارے

۳۷

اب قید میں پھر مجھ کو کہیں چھوڑ نہ جانا اب ہجر کی ایذا نہ سکینہ کو دکھانا
بابا مجھے اس قید کی آفت سے بچانا تم بن نہیں دنیا میں کہیں میرا ٹھکانا
اب رنجِ جدائی نہ سہوں گی نہ سہوں گی
اصغر کی طرح آپ کے ہمراہ رہوں گی

۳۸

اتنے میں کہا شمرِ ستم گر نے یہ آکر دے جاؤ بس اب جلد سرِ سبطِ پیمبرؐ
حاکم کا مجھے حکم یہ پہونچا ہے مکرّر دم بھر سے زیادہ نہ رہے یہاں سرِ سَروَر
روتی ہو تو دکھلا دو ذرا شکلِ پدر کو
بہلی ہو سکینہ تو حوالے کرو سر کو

۳۹

ناداں نے سنی شمر کی آواز جو یک بار تن کانپ گیا سہم گئی وہ جگر افگار
بانو سے لپٹ کر کہا اے مادرِ غم خوار جان اپنی میں دوں گی پہ یہ سر دوں گی نہ زنہار
کرتے میں چھپا لیتی ہوں میں خوں بھرے سر کو
دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی شکلِ پدر کو

۴۰

سُن لو یہ وصیّت مری تم سب کے ہیں قرباں جھنجلا کے مجھے قتل کرے گر یہ بدایماں
تو بھی نہ اسے دیجو سرِ سَروَرِ ذیشاں سر بابا کا رکھ دیجو مری قبر میں اماں
ہوگا نہ قلق روح بہت شاد رہے گی
واللہ مری گور بھی آباد رہے گی

۴۱

کہہ کہہ کے یہ زینب سے لپٹتی تھی وہ بے پر عابد سے کبھی کہتی تھی صدقے ہو یہ خواہر
ڈیوڑھی سے گھُڑکتا ہے مجھے شمرِ بداختر تم چھین کے لے جانے نہ دیجو سرِ سَروَر
پھر باپ کے سر کو میں کہاں پاؤں گی بھیّا
بچھڑوں گی اگر اب کی تو مرجاؤں گی بھیّا

۴۲

ڈیوڑھی سے سنی شمرِ سیہ دل نے یہ تقریر زنداں میں گھُسا چیں بہ جبیں، دست بہ شمشیر
تھرائے حرم سہم گئی دخترِ شبّیر فرمانے لگے اُٹھ کے یہ تب عابدِ دلگیر
اس ظلم رسیدہ کو نہ آزار دے بس کر
مظلوم سکینہ کی یتیمی پہ ترس کر

۴۳

کیا کیا نہیں تو نے اسے آزار دیے ہیں بُندوں کے لیے کان تلک زخمی کیے ہیں
سُوجے ہوئے پہنچے ہیں اکڑے چھین لیے ہیں مَر مَر کے ہم اس خانۂ آفت میں جیے ہیں
روئے ہیں بہت اب نہ رُلا آلِ نبیؐ کو
مت چھین سکینہ سے سرِ ابنِ علیؑ کو

۴۴

عابد کا کہا شمرِ ستمگر نے نہ مانا منظور تھا مظلوم کا ظالم کو ستانا
زہرؑا کی ہے پوتی یہ ستم گر نے نہ جانا سمجھا نہ کہ ہے ظلم یتیموں کا رولانا
غصّہ سے وہ بے رحم چلا سوئے سکینہؑ
پکڑا ستم ایجاد نے بازوئے سکینہؑ

۴۵

زینب نے کہا ظلم نہ اس بچّی پہ کر تو　بانو تو لگی پیٹنے گھبرا کے سر و رُو
لے دیتی ہوں میں تجھ کو سرِ سیّدِ خوش خو　ننھا سا کہیں اس کا اکھڑ جائے نہ بازو
نادان ہے یہ اک لحظہ ٹھہر جا کہ بہل جائے
ڈر ہے مری بچّی کا کہیں دم نہ نکل جائے

۴۶

صدمہ کہیں ننھی سی کلائی پہ نہ پہونچے　سُوجے ہوئے ہاتھوں کو نہ دے زور کے جھٹکے
ہٹ کرتے ہیں جس دم تو سمجھتے نہیں بچے　اک آن ہیں سرِ شاہ (کا) تو لیجیو مجھ سے
یہ ظلم و ستم اس پہ سزاوار نہیں ہے
ضد اس سے بھلا کیا یہ سمجھدار نہیں ہے

۴۷

دن رات کئی دن سے یہ معصوم ہے روتی　تو اس کا ادب کر کہ یہ زہرا کی ہے پوتی
کون اس کو ستاتا جو نہ بن باپ کے ہوتی　آزار دیے، چھین چکا کان کے موتی
واں آنکھیں بچھائیں ہیں یہ جس جا پہ چلی ہے
یہ فاطمہ کے لعل کی چھاتی پہ پلی ہے

۴۸

اور کھینچتا تھا ہاتھ سکینہ کا وہ ناری　زینب تو کھڑی کرتی تھی یہ منّت وزاری
موتی کی طرح اشک تھے رخساروں پہ جاری　ہاتھوں سے نہ سر چھوڑتی تھی شاہ کی پیاری
آنکھیں جو دکھاتا تھا وہ اُس خستہ جگر کو
چھاتی تلے اپنی وہ چھپا لیتی تھی سر کو

۴۹

اور لے گیا زنداں سے سرِ شاہِ مدینہ　القصّہ بہ زور اس نے سرِ شاہ کو چھینا
اور مر گئی وہاں ہائے پدر کہہ کے سکینہ　رانڈیں تو لگیں پیٹنے اپنا سر و سینا
اک دھوم پڑی خانۂ زنداں میں بکا کی
تھا شور کہ شبیر کی عاشق نے قضا کی

۵۰

بانو نے کہا سینہ و سر پیٹ کے اپنا   نبضوں میں روانی نہیں سب جسم ہے ٹھنڈا
فریاد ہے لوگو، مری بیٹی کو ہوا کیا   میں جیتی رہی مر گئی یہ باپ کی شیدا
سب دولتِ اولاد میری لٹ گئی لوگو
زنداں میں سکینہ سے بھی میں چھٹ گئی لوگو

۵۱

ہے ہے مری بچی تری صورت کے میں صدقے   ہے ہے میری عاشق تو جدا ہو گئی مجھ سے
ماں چھوٹی سی میت تری کن آنکھوں سے دیکھے   آخر موئیں بی بی نہ اٹھائے گئے صدمے
مادر تری مظلومی کے قربان سکینہ
معصوم سکینہ، مری نادان سکینہ

۵۲

صدقے گئی اب روتی نہیں شمر کے ڈر سے   کہتی نہیں، امّاں ہمیں ملوا دو پدر سے
گھر وادی کے تم آج سدھاریں مرے گھر سے   منہ موڑ گئیں مادرِ تفتیدہ جگر سے
میں روتی ہوں بیدار نہیں ہوتی ہو بی بی
چھاتی پہ دھرے ہاتھ پڑی سوتی ہو بی بی

۵۳

ننھی سی کہاں قبر بناؤں میں تمھاری   چادر بھی نہیں جس کا کفن دوں تمہیں واری
پردیس میں کی تو نے قضا اے مری پیاری   کیا آخری خدمت کرے ماں درد کی ماری
پوشیدہ تہِ خاک جو تن ہو گا تمھارا
یہ خوں بھرا کُرتا ہی کفن ہو گا تمھارا

۵۴

اس بَین سے بانو کے ہوا شورِ قیامت   اور زینب و کلثوم بھی روتی تھیں بہ شدّت
عابد کو بھی تھی چھوٹی بہن سے بڑی الفت   خاموش انیسؔ آگے نہیں لکھنے کی طاقت
درگاہِ الٰہی میں یہ اس وقت دعا کر
زائر ہمیں شبیرؑ کا اے بارِ خدا کر

۱

جب تیغ ظلم سے سرِ سرور جدا ہوا　　فریادِ اہل بیت سے محشر بپا ہوا
بولے مَلَک، فلک پہ کہ ہے ہے یہ کیا ہوا　　پیاسا شہید فاطمہؑ کا لاڈلا ہوا
سر پیٹو، مومنو! کہ زمانا اُلٹ گیا
خنجر سے وقتِ عصر سرِ شاہ کٹ گیا

۲

پیاسا امامِ کون و مکان ذبح ہو گیا　　فریاد، سرورِ دو جہاں ذبح ہو گیا
سیّدِ غریب، تشنہ دہاں، ذبح ہو گیا　　لو فاطمہ کا راحتِ جاں ذبح ہو گیا
آیا نہ رحم لاشِ شہِ مشرقین پر
دوڑا دیے لعینوں نے گھوڑے حسینؑ پر

۳

خیمے جلائے اہلِ حرم ہو گئے تباہ　　پردیس میں وہ کشتۂ غم ہو گئے تباہ
ناموسِ بادشاہِ اُمَم ہو گئے تباہ　　چلّائے اہلِ بیت کہ ہم ہو گئے تباہ
بے پردہ بیٹیاں تھیں علی و بتول کی
فریاد تھی خدا کی، دُہائی رسول کی

۴

راحت ملی نہ روحِ رسالت پناہ کو　　لوٹا خزاں نے گلشنِ شیر الٰہ کو
پیاسا کیا شہید دو عالم کے شاہ کو　　پانی نہ مرتے دم بھی ملا بے گناہ کو
دنیا سے سوے خلد سفر کر گئے حسینؑ
زہرا کا گھر تباہ ہوا مر گئے حسینؑ

۵

اتنے میں سوئے شام وہ سب قافلہ چلا زنجیر و طوق پہنے ہوئے پیشوا چلا
یوں تپ ہیں، وہ یتیمِ شہِ کربلا چلا دو دو قدم پہ ضُعف سے بیٹھا، اُٹھا چلا
رستے میں قتل گاہ تلک شور و شین تھا
ہر رانڈ کی زبان پہ "ہئے، ہئے حسینؑ" تھا

۶

چلاتی تھی یہ زینبؑ مضطر بہ صد بُکا بھیّا میں آپ کے تنِ بے سر پہ ہوں فدا
ہئے، ہئے بھری ہے زخموں میں سب ریگِ کربلا ہئے، ہئے یہ دھوپ دشت کی اور جسم پھول سا
سنبل سی زلفیں گرد میں اس بن کی اٹ گئیں
ہئے، ہئے رگیں گلے کی یہ خنجر سے کٹ گئیں

۷

زینبؑ تمھاری بیکسی و پیاس کے نثار سوکھی ہوئی زباں کے فدا، پیاس کے نثار
اس گل سے جسمِ پاک کی بُوباس کے نثار اصغرؑ کے صدقے، اکبرؑ و عبّاسؑ کے نثار
ریتی پہ سب ہیں آپ کے پیارے پڑے ہوئے
گویا قمر کے گرد ہیں تارے پڑے ہوئے

۸

اونٹوں کی قتل گاہ سے جس دم بڑھی قطار ہاتھوں سے سر کو پیٹتی تھی وہ جگر فگار
بھائی کی بے کسی پہ جو دل کو نہ تھا قرار نو بار اونٹ پر سے گری اور ہوئی سوار
جب لے چلے بجبر تو کچھ کہہ نہ سکتی تھی
پھر پھر کے لاشِ شاہ کو حسرت سے تکتی تھی

۹

لکھوں اگر سروں کے شہیدوں کا مرتبا گر جائے آنکھ سے مہ و خورشید کی ضیا
نیزوں پہ یوں تھے وہ سرِ پُر نور جا بجا قرآں میں جس طرح سے ہوں سورے جدا جدا
نورِ خدا تھا رُخ پہ ہر اک خوشخصال کے
سیپارے تھے سب وہ مصحفِ ناطق کے لال کے

۱۰

تھے گرد و پیش یوں سرِ شہ کے وہ حق شناس | پروانے جیسے شمعِ شبستاں کے آس پاس
ظاہر تھی خشک ہونٹوں سے پُرتیں دن کی پیاس | تھا مر گئے پہ بھی انھیں مولا کا اپنے پاس

جانیں فدا تو کی ہیں، پہ آقا کے گرد ہیں
گویا کہ بلبلیں گلِ زہرا کے گرد ہیں

۱۱

تھا سب کے بیچ میں سرِ سلطانِ بحر و بر | زلفیں اَٹی تھیں گرد سے، تھے ہونٹ خوں میں تر
ثابت یہ تھا کہ لشکرِ انجم میں ہے قمر | زخمی جبیں سے نورِ الٰہی تھا جلوہ گر

غل تھا کہ پھر یہ کیا ہے جو نورِ خدا نہیں
خورشیدِ آسماں میں بھی ایسی ضیا نہیں

۱۲

اک نیزے پر جو تھا سرِ ہمشکلِ مصطفےٰ | آنکھیں تھیں مر گئے پہ سوئے شاہِ کربلا
پیدا تھا رُخ سے دبدبۂ شاہِ لافتیٰ | شرمندہ ماہتاب، یہ چہرے پہ تھی ضیا

آئینہ سا چمکتا تھا رُخ اُس جناب کا
آنکھوں سے گر گیا تھا عروج آفتاب کا

۱۳

تھا اک سناں پہ اصغرِ تشنہ جگر کا سر | جس کی ضیا سے رُخ پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
شرمندہ اس کے چہرۂ روشن سے تھا قمر | تھے گورے گورے چاند سے رخسار خوں میں تر

بچے کا سر تھا یوں شہِ والا کے سر کے پاس
جس طرح جلوہ گر ہو ستارا قمر کے پاس

۱۴

نیزے پہ اک طرف تھا گلِ گلشنِ حسنؑ | قربان جس کے رُخ کی لطافت پہ تھا چمن
روتی تھی سر جھکائے ہوئے اونٹ پر دُلھن | کنگنا کُھلا نہ تھا کہ بندھی ہاتھ میں رَسن

ماں کہہ کے "ہائے ابنِ حسنؑ" روتی جاتی تھی
دولھا کے سر کے ساتھ دُلھن روتی جاتی تھی

۱۵

پہنچا قریبِ شہرِ حلب جب وہ کارواں　　دو پیک ابنِ سعد نے آگے کیے رواں
تا ڈھونڈیں جلد جا کے کوئی امن کا مکاں　　شب باش واں ہوں خوف کی جا گہ نہ ہو جہاں
ڈر تھا کہ سر ہے ساتھ شہِ مشرقین کا
بدلہ نہ ہم سے لے کوئی خونِ حسین کا

۱۶

اتنے میں ایک پیک نے یہ آن کر کہا　　اک قلعہ کوہ پر ہے مصفّا و خوشنما
خطرہ کسی طرح کا نہیں، امن کی ہے جا　　بہتر تو ہے کہ آج ہو خیمہ وہیں بپا
سُن کر اسی طرف کو وہ بیداد گر چلے
پیچھے حرم بھی روتے ہوئے ننگے سر چلے

۱۷

پہنچی جو زیرِ قلعہ وہ سب فوج کی بِھیر　　رکھّا وہیں سرِ پسرِ شاہِ قلعہ گیر
لشکر بھی تھا تھکا ہوا سب، دن بھی تھا اخیر　　اُتری سپاہ، اور فروکش ہوا امیر
بچّے بھی مارے گرمی کے سب بے حواس تھے
حلقہ کیے ہوئے سرِ سرور کے پاس تھے

۱۸

تھا زیرِ قلعہ یاں تو یہ سیدانیوں کا حال　　شیریں کو تھا حسین کا واں روز و شب خیال
کہتی تھی آئے جلد کہیں فاطمہ کا لال　　دیدارِ بنتِ فاطمہ کا شوق ہے کمال
آنکھوں کو دیدِ دلبرِ زہرا نصیب ہو
یارب، زیارتِ شہِ والا نصیب ہو

۱۹

اس شوق میں وہ تھی کہ کسی نے یہ دی خبر　　لے شاد ہو کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
روشن جمالِ شاہ سے اب ہو گا تیرا گھر　　بستی میں غل ہے اور تجھے غفلت ہے اس قدر
پھیلی ہوئی ہے فوج بھی ساری حسینؑ کی
اُتری ہے زیرِ قلعہ سواری حسینؑ کی

۲۰

مژدہ یہ سنتے ہی اسے شادی ہوئی کمال　　شوہر سے اُٹھ کے کہنے لگی وہ شکستہ حال
لے تجھ کو سروِ باغِ علیؑ نے کیا نہال　　دیکھی صداقتِ پسرِ شیرِ ذوالجلال
وعدہ کیا تھا قبلۂ عالم پناہ نے
لونڈی کو سرفراز کیا میرے شاہ نے

۲۱

اُٹھ، بادشاہِ دیں کی غلامی میں جلد جا　　سردارِ دیں ہیں آنکھوں سے اُن کے قدم لگا
کیوں ٹھہرے زیرِ قلعہ وہ اس کا سبب ہے کیا　　میں بے قرار ہوں، مرے آقا کو جلد لا
کیا فیض ہے، نثارِ شہِ مشرقین کے
تو سات بار ہو جیو صدقے حسینؑ کے

۲۲

میری طرف سے عرض یہ کیجیو حضور سے　　تڑپائیے نہ مجھ کو قریب آکے دور سے
رتبہ میں اب یہ کوہ زیادہ ہے طُور سے　　روشن کریں کنیز کا گھر اپنے نور سے
لونڈی کی یاد اب نہ فراموش کیجیے
خاصہ حضور آکے یہیں نوش کیجیے

۲۳

سُن کر یہ ذکر کوہ سے اُترا وہ نیک نام　　پوچھا کسی سے جا کے قریبِ سپاہِ شام
لایا ہوں کچھ کنیزِ شہِ دیں کا میں پیام　　رونق فزا کہاں ہیں شہنشاہِ خاص و عام
برپا کدھر کو خیمۂ گردوں جناب ہے
کس برج میں وہ فاطمہ کا آفتاب ہے

۲۴

خادم کدھر ہیں شاہ کے، یاور ہیں کس طرف　　شائق میں جن کا ہوں، وہ دلاور ہیں کس طرف
سرورِ ریاضِ حضرتِ شبرؑ ہیں کس طرف　　عباس ہیں کہاں، علی اکبر ہیں کس طرف
ہے مدتوں سے شوقِ زیارت حقیر کو
دکھلا دو بوستانِ جنابِ امیر کو

۲۵

بولے عدو، ملے گا نہ ان کا کہیں سُراغ　　مُرجھا گئے وہ پھول، خزاں ہو گیا وہ باغ
دل فاطمہ کا ہے صفتِ لالہ، داغ داغ　　تاریک ہے مزارِ علی گُل ہوا چراغ
بیعت نہ کی حسینؑ نے، حاکم بگڑ گیا
بطحا ہوا خراب، مدینہ اُجڑ گیا

۲۶

اس ماجرے سے خلق ہیں واقف ہے ہر بشر　　زہرا کا گھر لُٹا، تجھے اب تک نہیں خبر
یہ ہے سپاہِ شام، وہ ہے خیمۂ عمر　　لائے ہیں کاٹ کر پسرِ فاطمہؑ کا سر
لُوٹا حرم کو، آگ لگا دی خیام میں
بندی نبی کی آل کی، جاتی ہے شام میں

۲۷

لُوٹا تمام آلِ محمدؐ کا مال و زر　　چادر تلک رہی نہیں، عریاں ہیں سب کے سر
قاسمؑ ہیں اب نہ اکبرؑ و عباسؑ نامور　　بیٹے عقیل کے ہیں، نہ زینبؑ کے ہیں پسر
تا عصر خاتمہ ہوا شہ کی سپاہ کا
قرآں جو پڑھ رہا ہے وہی سر ہے شاہ کا

۲۸

لب خشک ہیں، نبیؐ کے گُلِ تر کا سر یہ ہے　　گیسو ہے جس کے چہرے پہ، اکبر کا سر یہ ہے
سہرا ہے جس پہ، قاسمِ بے پر کا سر یہ ہے　　باچھوں میں جس کے دودھ ہے، اصغر کا سر یہ ہے
ہالا ہے جس کے چہرے پہ ریشِ سیاہ کا
پہچان لے، یہ سر ہے علمدارِ شاہ کا

۲۹

یہ سُن کے بے قرار ہوا وہ اسیرِ غم　　دوڑا سرِ حسینؑ کی جانب بہ چشمِ نم
کہتا تھا کاش، تن سے نکل جائے میرا دم　　یہ کیا قیامت آگئی، ہے ہے شہِ امم
اس غم کا ماجرا نہ کہوں اُس سے، یا کہوں
مولا! بتایئے کہ میں شبیرؑ سے کیا کہوں

۳۰

پہنچا جو وہ قریبِ سرِ شاہِ بحر و بر ‏ تسلیم کی حسینؑ کے سر کو جھکا کے سر
شہ نے جواب دے کے کہا یہ بچشمِ تر ‏ شیریں کہاں ہے، آئے ہیں مہمان اُس کے گھر
سبطِ نبیؐ نے حقِّ محبت ادا کیا
وعدہ جو اُس سے تھا اُسے ہم نے وفا کیا

۳۱

گویا جو معجزے سے ہوا شاہِ دیں کا سر ‏ نیزے کے آس پاس پھرا وہ بہ چشمِ تر
ماتم کیا پٹک کے عمامہ کو خاک پر ‏ کہتا تھا ایک ایک سے وہ پیٹ پیٹ کر
دنیا ہوئی تباہ، قضا کر گئے حسینؑ
شیریں کی آس ٹوٹ گئی، مر گئے حسینؑ

۳۲

کیسی قیامت آگئی یہ، وامصیبتا ‏ خنجر کہاں ستم کا، کہاں شاہِ کربلا
مصروف تھا بُکا میں کہ وہ دیکھتا ہے کیا ‏ شیریں بھی دوڑی آتی ہے گھر سے برہنہ پا
کہتی ہے یا علیؑ، مرے آقا کی خیر ہو
بچوں کی خیر، دلبرِ زہراؑ کی خیر ہو

۳۳

اک جام میں بھرے ہوئے وہ شربتِ نبات ‏ کہتی تھی یہ ہے بہرِ شہنشاہِ کائنات
تھیں ساتھ کشتیاں بھی جواہر کی پانچ سات ‏ ہمسائیوں سے کہتی تھی خوش ہو کے وہ یہ بات
آتے ہیں لال حیدرِ عالی وقار کے
پھینکوں گی موتیوں کو میں صدقے اتار کے

۳۴

لشکر کے متصل جوں ہی آئی وہ باوفا ‏ سر پیٹتے عزیز کو دیکھا بصد بکا
چلائی اے حسینؑ کے عاشق، یہ کیا، یہ کیا! ‏ شیریں سے تب عزیز نے سر پیٹ کر کہا
میں تجھ سے کیا کہوں کہ جگر غم سے پھٹ گیا
شیریں ترے حسینؑ کا سر تن سے کٹ گیا

۳۵

شہ کی نہیں سپاہ یہ ہے لشکرِ یزید　　عاشور کو حسینؑ ہوئے تشنہ لب شہید
سادات کے ہے ذبح کی ان کافروں ہیں عید　　حاکم کے پاس سر لیے جاتے ہیں یہ پلید
سجّاد اک بچے ہیں سو وہ دستگیر ہیں
سب فاطمہ کی بیٹیاں بہوئیں اسیر ہیں

۳۶

شیریں نے جس گھڑی یہ غضب کی سنی خبر　　تلوار دل پہ چل گئی ٹکڑے ہوا جگر
سر سے زمیں پہ پھینک دی چادر اتار کر　　بکھرا کے سر کے بال پکاری وہ نوحہ گر
کس نے سفر میں ہائے ستایا حسینؑ کو
میں لینے آئی تھی سو نہ پایا حسینؑ کو

۳۷

ہئے ہئے مرے امام مرے بے وطن حسینؑ　　ہئے ہئے جنابِ فاطمہ کے گلبدن حسینؑ
قربان تیری لاش کے، اے بے کفن حسینؑ　　ہئے ہئے اسیرِ رنج و بلاؤ محن حسینؑ
صدقے تری غریبی و اندوہ و یاس کے
اے میہماں نثار تری بھوک پیاس کے

۳۸

ہئے ہئے نہ زندہ آپ کو آنا ہوا نصیب　　گھر میں نہ اس کنیز کے جانا ہوا نصیب
پانی ہوا نصیب، نہ کھانا ہوا نصیب　　لونڈی کو ہاتھ بھی نہ دُھلانا ہوا نصیب
آگاہ قتلِ شاہ سے یہ نوحہ گر نہ تھی
سر میرے گھر میں آئے گا اس کی خبر نہ تھی

۳۹

اب فرش کس کے واسطے گھر میں بچھاؤں گی　　اب کس کے آگے کشتیاں میووں کی لاؤنگی
حضرت تو مر گئے، کسے کھانا کھلاؤں گی　　اے فاطمہ کے لال، کہاں تم کو پاؤں گی
آقا کنیز آپ کی بے آس ہو گئی
آنے کی تھی امید سو اب یاس ہو گئی

۴۰

شیریں نے سر کو پیٹ کے جب یہ کیا بیاں نیزے پہ چشمِ شاہ سے آنسو ہوئے رواں
بولا یہ معجزے سے سرِ سرورِ زماں شیریں یہی تھی مرضیٔ خلاقِ انس و جاں
تقدیر نے چھڑا دیا زینبؑ سے بھائی کو
پُرسا تو دے حسینؑ کا زہراؑ کی جائی کو

۴۱

نیزے کے پاس دوڑ کے آئی وہ نوحہ گر آیا سناں سے ہاتھوں پہ شیریں کے شہ کا سر
چہرے پہ آنکھیں مَل کے پکاری وہ خوش سِیَر قربان اس کرم کے میں یا شاہِ بحر و بر
ہے بعدِ مرگ بھی یہ عنایت کنیز پر
کرتا ہے جس طرح کوئی شفقت عزیز پر

۴۲

میں اپنے شاہِ صادق الاقرار کے نثار قربان معجزے کے اور اس پیار کے نثار
آنکھوں کے صدقے لعلِ گہر بار کے نثار اس خوں میں ڈوبے چاند سے رخسار کے نثار
اُڑ اُڑ کے ریت نرگسی آنکھوں میں بھر گئی
آقا شہید ہو گئے، لونڈی نہ مر گئی

۴۳

ہاتھوں پہ اپنے لے کے سرِ شاہِ نامدار بندی میں اہلِ بیت کے آئی وہ سوگوار
پھیلا کے ہاتھ بولی سکینہ جگر فگار بابا کا میرے سر مجھے دے تجھ پہ میں نثار
آنکھیں ملوں گی روئے شہِ مشرقین سے
مدت ہوئی کہ بچھڑی ہوئی ہوں حسینؑ سے

۴۴

شیریں نے جب دیا سرِ سلطانِ بحر و بر کرتے میں لے کے رکھ لیا گودی میں شہ کا سر
شیریں کو اہلِ بیت نے دیکھا جو نوحہ گر اُٹھے حرم حسینؑ کے سب بال کھول کر
باتیں سنی نہ جاتی تھیں بانو کے بین کی
جنگل میں دھوم پڑ گئی ہے ہے حسینؑ کی

۴۵

چلاتی تھی یہ زینبِ مغموم و خستہ تن — شیریں! بچھڑ گئی شہِ مظلوم سے بہن
شیریں! ہمارے ہاتھوں میں باندھی گئی رسن — شیریں! ابھی حسینؑ نے پایا نہیں کفن
چادر اُڑھانے دی نہ تنِ چاک چاک پر
چھوڑ آئی میں حسینؑ کو جنگل میں خاک پر

۴۶

ٹکڑے جگر کے ہو گئے بس، اے انیسؔ بس — نالاں ہے اب تو سینے میں دل صورتِ جرس
دنیا کو خوب دیکھ چکے، اب نہیں ہوس — خالق چھڑائے ہند کی زحمت سے اس برس
سلطانِ کربلا غُربا پروری کرے
چلتے ہیں خضرِ بخت، اگر رہبری کرے

۱

روؤ محبو، آج قیامت کا روز ہے تاریخ ہے نویں، یہ مصیبت کا روز ہے
کچھ اور دن نہیں ہے یہ آفت کا روز ہے کل شاہِ کربلا کی شہادت کا روز ہے
تنہا ہے آج رن میں دل و جانِ فاطمہ
دامن تلک ہے چاک گریبانِ فاطمہ

۲

ہر سمت آج شور ہے، ہَے ہَے حسین کا روتے کی چرخ پر سے چلی آتی ہے صدا
غل ہے کہ آج اکیلا ہے زہرا کا لاڈلا عریاں سر ہے فاطمہ، اک حشر ہے بپا
جنت میں آج سر جو کھُلا ہے بتول کا
ہے کانپتا مزار جنابِ رسول کا

۳

سب سے زیادہ تعزیہ داروں کو ہے الم کل سب امام باڑوں کی آبادی ہوگی کم
کل یہ ضریح ہوگی کہاں، اور کہاں علم مہمان ایک شب کا ہے شبیرؑ کا یہ غم
تازہ ہے یوں تو حشر تلک غم حسین کا
پر رولو آج اخیر ہے ماتم حسین کا

۴

کیا آج بیکسی ہے برستی ضریح پر سینے میں آج ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر
آنسو ہی نکلے پڑتے ہیں منبر کو دیکھ کر کاہے کو کل یہ لوگ یہاں ہوں گے نوحہ گر
آوے گا کون آنسو بہانے کے واسطے
کل جی یہاں نہ چاہے گا آنے کے واسطے

۵

روتی ہے روحِ فاطمہ یہاں آج زار زار آنسو تمہارے پونچھتی ہے ہو کے بے قرار
کہتی ہے سب یہ ہیں مرے پیارے کے دوستدار سر پیٹتی ہے ساتھ تمہارے وہ دل فگار
دکھ ان کو ہیں عزیز میرے نورِ عین نے
قربان ان پہ سر کیا میرے حسینؑ نے

۶

یہاں روتے آج آئے ہیں محبوبِ کبریا آنسو ہیں بہتے اور ہے گریباں پھٹا ہوا
ہے ہے حسینؑ کہہ کے جو تم کرتے ہو بُکا وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کے تمہیں دیتے ہیں دعا
کہتے ہیں غم میں شاہ کے جو اشک بار ہے
میں اس سے راضی ہوں وہ میرا دوستدار ہے

۷

یہ منصفی کی جا ہے، ذرا سوچو مومنو اس وقت غور تو کرو تم اپنے رتبے کو
فرماتے ہیں نبیؐ تمہیں تم میرے دوست ہو جا گہ غضب کی ہے جو نہ تم روؤ دوستو
اتنا تو ہو کہ آنکھوں سے آنسو بہاؤ تم
آنسو بہا کے، خاک سروں پر اڑاؤ تم

۸

کہتا نہیں یہ تم سے کوئی، پانی مت پیو پر پانی پی کے یادِ شہِ تشنہ کو کرو
یہ تو روا نہیں ہے کہ تم جان اپنی دو پر یہ تو ہے ضرور کہ تم اشک بار ہو
رونے سے آج غل ہے بپا لامکان پر
کیا خاک اُڑ رہی ہے زمین آسمان پر

۹

کچھ رونے سے تمہارے نہیں شہ کو فائدہ ان پر فرشتے روتے ہیں آنسو بہا بہا
تاکیدِ گریہ کرتے جو ہیں شاہِ انبیا منظور ہے کہ حشر میں تم سب کا ہو بھلا
کہتے ہیں آج کل جسے غمگین پاؤں گا
میں اپنا دوست کہہ کے اسے بخشواؤں گا

۱۰

آنسو تمہارے مومنو، ضائع نہ جائیں گے　　واللہ ایک دن یہ بڑے کام آئیں گے
یہ تو عذاب قبر سے تم کو بچائیں گے　　دوزخ کی آگ کو یہی آنسو بجھائیں گے
غم میں حسینؑ امام کے جو دل ملول ہے
کل اس کے سر پہ سایۂ دستِ رسولؐ ہے

۱۱

اب مومنو، سنو اسی بیکس کا ماجرا　　کوئی رفیق شاہ کا باقی نہیں رہا
فاقے سے تین دن کے ہے زہرؑا کا لاڈلا　　کھانا کہاں کا، پانی تلک بھی نہیں ملا
اک بیکسی برستی ہے اس تشنہ کام پر
چلتے ہیں آج تیر تمہارے امام پر

۱۲

تنہا کھڑا ہے رَن میں پیمبرؐ کا یادگار　　نہ پاس کوئی یار ہے، نہ کوئی غمگسار
بازو کٹا کے مر گئے عباسِ نامدار　　اکبرؑ کے آج سینہ سے برچھی ہوئی ہے پار
قاسمؑ بھی قتل ہو چکا دلبر حسینؑ کا
ویران آج ہو گیا سب گھر حسینؑ کا

۱۳

دشمن ہیں لاکھوں، دوست کوئی شاہ کا نہیں　　زخمی ہے تیغ و تیر سے سب جسمِ نازنیں
کہتا ہے ظالموں سے وہ حیدرؑ کا جانشیں　　تھوڑا سا پانی دو مجھے، اے فرقۂ لعیں
زہرؑا کی جان، ساقیِ کوثرؑ کا لال ہوں
پانی پلاؤ، پیاس کے مارے نڈھال ہوں

۱۴

ہر چند پانی مانگتے تھے شاہِ نامدار　　دیتے نہ تھے جواب ہی کچھ شہ کو نابکار
سب حال دیکھتی تھی یہ زینبؑ جگرفگار　　بولی کہاں ہو آج تم اے شیرِ کردگار
ملتا نہیں حسینؑ کو پانی کا جام ہے
یا مرتضیٰ علیؑ، یہ مدد کا مقام ہے

۱۵

کس جا ہو بیٹھے، آؤ پیمبرؐ کے واسطے بیٹے کو اب بچاؤ پیمبرؐ کے واسطے
پیاسے پہ رحم کھاؤ پیمبرؐ کے واسطے پانی اسے پلاؤ پیمبرؐ کے واسطے
دیکھو تو حال آ کے ذرا میرے بھائی کا
قربان میں یہ وقت ہے مشکل کشائی کا

۱۶

زہراؑ کو پھر پکاری یہ رو رو وہ دل حزیں اماں، تمھیں خبر میرے بھائی کی کچھ نہیں
پانی تمھارے لعل کو دیتے نہیں لعیں مرتا ہے مارے پیاس کے حیدرؑ کا جانشیں
جس طرح ہووے ہم تلک آ نیکی کد کرو
ہم بیکسوں کی آن کے اس دم مدد کرو

۱۷

زینب نے اپنی ماں سے جو رو رو کے یہ کہا رونے کا اہلِ بیت میں اُس وقت غُل ہوا
آئی جنابِ فاطمہ زہراؑ کی تب صدا بیٹی، تیری غریبی پہ مادر ہوئی فدا
سب حال سے حسینؑ کے ماہر ہے فاطمہؑ
بی بی، یہاں تو رات سے حاضر ہے فاطمہؑ

۱۸

کہتی ہے تو خبر تمھیں بیٹے کی کچھ نہیں میں تجھ سے کیا بیاں کروں، اے زینبِ حزیں
جس جا پہ قتل ہووے گا یہ میرا نازنیں میں جھاڑ رکھی ہوں بالوں سے وہ رات بھر زمیں
اب قبر میں نہ چین سے سووے گی فاطمہؑ
چالیس دن تلک یہیں رووے گی فاطمہؑ

۱۹

بی بی، تمھارے نانا ہیں آئے برہنہ سر شیرِ خدا یہ کہتے ہیں، ہے ہے مرے پسر
اک سمت تیرا بھائی حسنؑ بھی ہے نوحہ گر سر پیٹتی ہوں اپنا میں بیکس بہ چشمِ تر
اب کون سا سبب ہے مرے دل کے چین کا
چہرا تمام خون سے تر ہے حسینؑ کا

۲۰

زینبؑ نے فاطمہؑ کی جو یہ بیکسی سُنی ‎ ‎ سر اپنا پیٹ پیٹ کے روئی وہ دل جلی
پھر شہ کو وہ پکاری، بہن صدقے ہو گئی ‎ ‎ بھینا کو شکل آکے دکھا جاؤ اک ذری
کچھ میرا بس نہیں ہے کھڑی ہاتھ ملتی ہوں
آؤ تو آؤ ورنہ میں باہر نکلتی ہوں

۲۱

یہ بات کہہ کے رونے لگیں دھاڑیں مار کر ‎ ‎ مٹی پہ سر سے پھینک دی چادر اُتار کر
پھر شاہ سے یہ کہنے لگی وہ پکار کر ‎ ‎ زینب کو مار ڈالے کوئی تم پہ وار کر
اس بیکسی غریبی کے قربان جاؤں میں
کچھ بس نہیں مرا تمھیں کیونکر بچاؤں میں

۲۲

کیوں فاطمہ کی بیٹی کی آنکھیں ہوئیں نہ کور ‎ ‎ جو دیکھتی نہ آنکھوں سے میں ظالموں کا زور
جنبش میں ہوگی آج کے دن فاطمہ کی گور ‎ ‎ ہوگا نبی کی قبر میں سینہ زنی کا شور
چھٹتا ہے بھائی، بیٹی سے شیر الٰہ کی
لٹتی ہوں میں، دہائی رسالت پناہ کی

۲۳

جس دم بہن کے رونے کی شہ نے سنی صدا ‎ ‎ سمجھے کہ مجھ پہ نرغا جو اعدا نے ہے کیا
غل اس لیے ہے خیمہ میں فریاد و آہ کا ‎ ‎ اعدا کو زورِ بیکسی اس وقت دو دکھا
تنہا سے سامنا جو ہو ساری خدائی کا
جبر چار ہے جہاں میں ہماری لڑائی کا

۲۴

یہ کہہ کے سوچنے لگا پھر دل میں وہ امام ‎ ‎ حجت بھی اس گروہ پہ کر لیجیے تمام
آخر ستم گروں سے یہ کرنے لگے کلام ‎ ‎ کرتے ہو مجھ پہ کیوں ستم اے ساکنانِ شام
میرے ستانے سے تمہیں کچھ بھی حصول ہے
خیر النساء ہے ماں مری نانا رسولؐ ہے

۲۵

بیٹی کا میں تمھارے پیمبرؐ کا ہوں پسر　　سبطِ نبیؐ ہوں، شیرِ خدا ہے میرا پدر
محبوبِ حق نے مجھ کو چڑھایا ہے دوش پر　　نامنصفو، خیال تمھارا گیا کدھر
پیراہنِ رسول کو کیوں خوں میں بھرتے ہو
تقصیر مجھ سے کیا ہوئی کیوں قتل کرتے ہو

۲۶

ماں میری فاطمہؑ نہیں، نانا نبی نہیں　　بابا میرا رسولِ خدا کا وصی نہیں
امت ہو جس کی تم میں اب اس کا کوئی نہیں　　یہ بات میرے حق میں نبی نے کہی نہیں
واجب ہے اعتقاد میرے نورِ عین سے
یعنی حسینؑ مجھ سے ہے، اور میں حسینؑ سے

۲۷

اصحاب سے یہ کہتے تھے اکثر سُنا سُنا　　جو دوست ہے حسینؑ کا وہ دوست ہے میرا
دشمن جو ہے مرا وہ ہے دشمن حسینؑ کا　　دشمن نبی کی آل کا، ہے دشمنِ خدا
ہو دوست تم میں جو کوئی خیر الانام کا
پوچھو اسی سے مرتبہ مجھ تشنہ کام کا

۲۸

اعدا نے تب کہا تمھیں پہچانتے ہیں ہم　　خیرالنساءؑ کے بیٹے ہو تم جانتے ہیں ہم
پر قتل دل پہ آپ کا اب ٹھانتے ہیں ہم　　اس وقت تو کسی کو نہیں مانتے ہیں ہم
گر ہو رسولِ حق کے نواسے تو کیا کریں
دو دن کے ہو جو بھوکے پیاسے تو کیا کریں

۲۹

ہم تو تمھارے خون کی ندی بہائیں گے　　جتنا ستایا جائے گا تم کو ستائیں گے
احمدؐ کی بوسہ گاہ پہ خنجر چلائیں گے　　سر کو تمھارے نیزے کے اوپر چڑھائیں گے
شہ بولے، خیر، میں نے تو حجت تمام کی
جراٴت بھی آج دیکھ لو، بیکس امام کی

۳۰

یہ کہہ کے ذوالفقار نکالی نیام سے　　گھوڑا بڑھا بڑھا کے لڑے فوجِ شام سے
دم میں ہٹا دیا انھیں اُن کے مقام سے　　بَر آ سکے ہزاروں نہ اس تشنہ کام سے
بہتوں کو شہ سے جنگ کی حسرت ہی رہ گئی
ندی لہو کی عرصۂ میداں میں بہہ گئی

۳۱

جب آبِ تیغِ شاہ سروں سے گذر گئی　　سب دیکھتے رہے کدھر آئی کدھر گئی
جس جس کو چھو گئی اسے بس خون میں بھر گئی　　ایک دو ہوا، جو دو تھے انھیں چار کر گئی
کرتی تھی کام جوشِ مظلوم لیتے تھے
قبضہ ہر ایک وار پہ شہ چوم لیتے تھے

۳۲

بہرِ مدد فرشتے بھی آئے تھے بے شمار　　اور قومِ جن بھی حرب کی تھی واں امیدوار
سب کہتے تھے کہ اے خلفِ شیرِ کردگار　　تم مت لڑو ابھی ہمیں ہو لینے دو نثار
شہ کہتے تھے کہ گو میرا تن زخم دار ہے
فرزندِ فاطمہ کو مدد ناگوار ہے

۳۳

میری مدد کو کافی ہے سر پر میرے خدا　　اس آسرے سوا نہیں درکار آسرا
حلّالِ مشکلات پدر جس کا ہو بھلا　　پھر غیر کی مدد کا وہ محتاج کب رہا
کٹوا کے اقربا کو نہ خاطر ملول کی
اولاد سے عزیز کی اُمّت رسولؐ کی

۳۴

اور اس گھڑی جو فوجِ مخالف سے میں لڑا　　فریادِ اہلِ بیتؑ نے تھا مضطرب کیا
لیکن فقط یہ تھا بشریت کا مقتضا　　اب دیکھو کیا ہی صبر سے کٹواتا ہوں گلا
یہ بات کہہ کے روک لیا راہوار کو
اور پونچھ کر میاں میں کیا ذوالفقار کو

۳۵

سب اسلحہ اتار کے گھوڑے پہ رکھ دیا ماتھے پہ ہاتھ پھیر کے گھوڑے سے یہ کہا
بس تو میری سواری کا حق کر چکا ادا تیرا سوار آج سے تجھ سے ہوا جدا
یہ بات کہہ کے شاہِ حجازی نے رو دیا
حضرت کے منھ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

۳۶

گھوڑا بڑھا کے شمر پکارا ہر ایک کو کیا دیکھتے ہو سبطِ پیمبر کو مار لو
نزغے کا وقت ہے یہی، فرصت اسے نہ دو لوٹے امامِ دیں پہ محمدؐ کے کلمہ گو
زخموں کا کچھ نہ شاہ کے تن پر شمار تھا
تن سروِ باغِ فاطمہ کا لالہ زار تھا

۳۷

راوی یہ تشنہ کے زخموں کا لکھتا ہے ماجرا کب دو ہزار زخم کی ہوتی ہے تن میں جا
تفصیل اس کی سن کے کلیجہ ہے کانپتا یعنی جو زخمِ تیغ تنِ شاہ پر لگا
اس زخم ہی میں سینکڑوں نیزوں کے وار تھے
ہر زخمِ نیزہ میں کئی سو تیر بار تھے

۳۸

ہر گز، ہجومِ زخم سے تن میں رہی نہ تاب بیٹھا زمیں پہ جھومتا تھا ابنِ بوتراب
ہونٹوں پہ پھیرتا تھا زباں کو بغیرِ آب چلاتی تھی یہ ڈیوڑھی سے زینب جگر کباب
ہے ہے ترس حسینؑ پہ کھاتا نہیں کوئی
مرتا ہے میرا بھائی بچاتا نہیں کوئی

۳۹

ظالم کھڑے تھے گرد، وہ بیٹھا تھا خاک پر پوشاک ہو گئی تھی بدن کی لہو میں تر
آنے لگا جو غش تو جھکایا زمیں پہ سر سجدہ میں عرض کی یہ خدا سے بچشمِ تر
اب اے کریم، دل کا میری مدعا ملے
امت کی مغفرت ہو، یہی خوں بہا ملے

۴۰

شبیرؑ تو خدا سے یہ کرتے تھے التجا وہ زخمی شہ کو کرتے تھے نیزے لگا لگا
حضرت کے چڑھ کے چھاتی پہ سر کاٹنے لگا آگے نہ پوچھو شہ کی شہادت کا ماجرا
دل اے انیسؔ آتشِ غم سے کباب ہے
کس کو غم حسینؑ کے سننے کی تاب ہے

۱

جب مر چکے انصار دلاور شہِ دیں کے ‏ باقی نہ رہے خویش و برادر شہِ دیں کے
بکھرے ہوئے تھے رن میں گلِ تر شہِ دیں کے ‏ سَو داغ تھے سوزِ غم تھے دل پر شہِ دیں کے
صدمہ تھا عجب روحِ رسولِ عربی پر
فوجوں کی چڑھائی تھی حسین ابنِ علی پر

۲

نیزوں کو چپ و راست سے چمکاتے تھے اظلم ‏ جوڑے ہوئے تیروں کو کماندار ہیں سب خم
تلواروں کے وار اہلِ ستم کرتے ہیں ہر دم ‏ لیکن نہیں دم مارتے ہیں سیّدِ عالم
جب دیکھتے ہیں تیغِ دو پیکر کو کمر میں
امت کے لیے درد سا اُٹھتا ہے جگر میں

۳

ایک سر کے لیے سیکڑوں تلواریں عَلَم ہیں ‏ ہیں داغ جگر پر کئی، دل پر کئی غم ہیں
حلقے میں کمانداروں کے سلطانِ اُمم ہیں ‏ سینہ تو ہے ایک اور کئی سو تیرِ ستم ہیں
سنتے ہیں کھڑے زینبِ ناشاد کی آواز
کانوں میں چلی آتی ہے فریاد کی آواز

۴

فرماتے ہیں، نادان ہیں دانا نہیں یہ لوگ ‏ آگاہ بزرگوں سے مرے کیا نہیں یہ لوگ
ہیں مائلِ زر، طالبِ عقبیٰ نہیں یہ لوگ ‏ بے درد ہیں سب، رحم دل اصلا نہیں یہ لوگ
انصاف کریں صاحبِ انصاف کہاں ہیں
کیا میں نے بگاڑا جو مرے دشمنِ جاں ہیں

۵

اس گرمی میں پانی مرے بچوں پہ کیا بند　　کیا کیا مرے محبوب ہوئے خاک کا پیوند
کمتی نہیں کی ظلم و ستم میں کوئی ہر چند　　پر اب بھی میں واللہ نہیں ان سے گلا مند
شرم آتی ہے امّت کو سزا ظلم کی کیا دوں
اب بھی جو اماں قتل سے دیں ان کو دعا دوں

۶

لیکن یہ مرے قتل سے آنے کے نہیں باز　　تنہائی میں دکھلاؤں انھیں جنگ کے انداز
عاجز میں نہیں گو مرے مارے گئے دمساز　　ان پر بھی تو کھل جائے کہ یوں لڑتے ہیں جانباز
میں نے تو بہت تیغ شرر بار کو روکا
اب دیکھوں تو کس کس نے مرے وار کو روکا

۷

یہ کہہ کے درِ خیمہ پہ شبّیر پکارے　　ملنا ہے جسے سینے سے لگ جائے ہمارے
قدموں پہ گرے اہلِ حرم دوڑ کے سارے　　زینب نے کہا اے اسداللہ کے پیارے
قربان بہن ہو گئی اس آنے کے بھائی
کیا خیمہ میں تشریف نہیں لانے کے بھائی

۸

حضرت نے کہا اب ہمیں فرصت ہے بہت کم　　وہ آگیا خیمہ کی طرف لشکرِ اظلم
مہمان ہے شبّیر کوئی آن کا اِس دم　　منظور ہے رخصت کہ نہ رہ جائے تمھیں غم
جو کہنا ہے وہ کہہ لو کہ پھر بات نہ ہوگی
شبّیر سے جُز حشر ملاقات نہ ہوگی

۹

سر پیٹ کے بولیں وہ کہ مر جائے گی زینب　　دنیا سے سفر ساتھ ہی کر جائے گی زینب
گریہ نہ کرے گی تو کدھر جائے گی زینب　　کھو کر تمھیں ممکن نہیں پھر پائے گی زینب
دریائے مصیبت میں ڈبوتے ہو بہن کو
صدقے گئی کیوں ہاتھ سے کھوتے ہو بہن کو

۱۰

چلنے دو مجھے ساتھ نہ چھوڑوں گی یہ دامن　　تلوار سے کاٹے کوئی بھائی مری گردن
زخموں سے مگر آپ کا محفوظ رہے تن　　مظلوم ہو جیتا تمھیں چھوڑیں گے نہ دشمن
مرجانے سے دکھ درد تو ماںجائی کا گھٹ جائے
خنجر سے گلا ساتھ بہن بھائی کا کٹ جائے

۱۱

رو رو کے کہا شہ نے بھلا سمجھو تو بھینا　　بیدرد کہیں گے مجھے کیا سمجھو تو بھینا
ہو جس کا پدر شیرِ خدا سمجھو تو بھینا　　دیکھیں اُسے سب اہلِ جفا سمجھو تو بھینا
بے پردہ ہوں ناموس رسولِ عربی کے
مرجانے کی جا ہے کہ نہیں سبطِ نبی کے

۱۲

کیا کیا ہوئے زہرا پہ ستم، دم نہیں مارا　　دروازہ گرا، ہو گئیں خم، دم نہیں مارا
زخمی ہوا پہلو و شکم، دم نہیں مارا　　محسن کا سہا درد و الم دم نہیں مارا
صابر ہی رہو لاکھ اگر رنج و محن ہوں
لازم ہے کہ دختر ہیں بھی مادر کے چلن ہوں

۱۳

دیکھو ہمیں، کھو بیٹھے ہیں اکبر سے پسر کو　　اس طرح گنواتا ہے کوئی نورِ نظر کو
فرزند کی ہوتی ہے بڑی آس پدر کو　　بھائی تھے، سو وہ توڑ گئے میری کمر کو
اس زیست پہ ہم خونِ جگر پیتے ہیں زینب
ایسے غمِ جانکاہ ہیں اور جیتے ہیں زینب

۱۴

رو رو کے بہن بولی ہیں قائل ہوئی بھائی　　پر زندگی اپنی مجھے مشکل ہوئی بھائی
جو دل میں تمنا تھی، نہ حاصل ہوئی بھائی　　فدیہ بھی نہ میں ہونے کے قابل ہوئی بھائی
کچھ آپ کے، یہ تشنہ دہن کام نہ آئی
بھائی تو ہوا قتل، بہن کام نہ آئی

۱۵

چلتے ہوئے صدقے مجھے سر پر سے اتارو قربان مجھے ہونے دو تب رن کو سدھارو
فرزندوں کو تب رو کے پکاری مرے پیارو جلد آؤ کہاں ہو مجھے شمشیر پہ وارو
موت آتی ہے خواہر کو نہ لے جاتے ہیں بھائی
رونے کو مجھے چھوڑے چلے جاتے ہیں بھائی

۱۶

رویا یہ سخن سن کے ید اللہ کا جایا پھر پیار سے گودی میں سکینہ کو اُٹھایا
اس پیاس میں رو رو کے سکینہ نے سنایا اللہ کسی نے ہمیں پانی نہ پلایا
دشمن بھی نہ اس طرح کبھی پانی کو ترسے
اس عمر میں ہم پیاسے ہیں چوبیس پہر سے

۱۷

میں دوڑ کے آئی تھی اس امید میں تم پاس دریا سے جو آئے ہو، بجھاؤ گے مری پیاس
خالی پھری، حضرت سے مری ٹوٹ گئی آس اب موت سکینہ کی ہے جینے سے ہوئی یاس
کس طرح سے رونا مجھے ہر آن نہ آئے
خالی بھی مرے پاس پچا جان نہ آئے

۱۸

خیر اب مجھے پانی بھی منگانے سے نہیں کام خالی مگر اب نہر پہ جانے سے نہیں کام
دل بجھ گیا اب پیاس بجھانے سے نہیں کام پانی سے علاقہ نہیں کھانے سے نہیں کام
شرمندگی ہے رخصتِ عباس کی مجھ کو
اب فکر نہیں بھوک کی اور پیاس کی مجھ کو

۱۹

گھر جاؤ نہ تم بھی کہیں، صدقے گئی، بابا پھٹ جائے گا غم سے مرا ننھا سا کلیجا
مارے گئے سب خویش و پسر تم ہوئے تنہا گھر میں چلے آئیں گے نہیں ڈرنے کے اعدا
واں خوف ہے یاں امن ہے وسواس نہیں ہے
کچھ روحِ محمد کا انھیں پاس نہیں ہے

۲۰

اس خیمہ کو سب جانتے ہیں کعبۂ ایماں　　ہم لوگ تو ہیں مثلِ غزالانِ ختن یہاں
اب یہ نہ کریں تیغ زنی یہ نہیں امکاں　　جانے دو بس اب رُخ نہ کرو جانبِ میداں
لٹ جائیں گے سب، وقت تو پہچانیے بابا
صدقے گئی، کہنے کو مرے مانیے بابا

۲۱

شہ بولے کہ صدقے پدر اے دخترِ دلگیر　　قربان ہو اس پیار سے سمجھانے کے شبّیر
پر روزِ ازل سے تو میں ہوں کشتۂ شمشیر　　جُز مرگ بن آتی نہیں بی بی کوئی تدبیر
کیوں کر رہوں میں گھر میں الم مجھ کو بڑے ہیں
فرزند مرے خاک پہ سب رن میں پڑے ہیں

۲۲

بیٹی سے یہ فرماتا تھا زہرا کا وہ جایا　　جو سر قدمِ شاہ پہ بانو نے جھکایا
کی عرض کہ حق سر پہ رکھے آپ کا سایا　　سب دیکھ چکی مجھ کو جو قسمت نے دکھایا
افسوس، کہ اقبال مرا جاتا ہے صاحب
طور اپنی تباہی کا نظر آتا ہے صاحب

۲۳

حضرت کی بہن جو ہیں نبی ان کے ہیں نانا　　ماں فاطمہ سی ان کی ہیں خاتونِ زمانا
امّت کو ہے واجب انھیں پردے میں بٹھانا　　میں قوم کی ہوں غیر، کہاں میرا ٹھکانا
ہوئے گا یہی حکمِ عمر فوجِ ستم کو
ہاں قید کرو دخترِ سلطانِ عجم کو

۲۴

اُٹھ جائے گا جب سر سے مرے آپ سا والی　　چھن جائے گی چادر بھی مری اے شہِ عالی
برباد ہو بانو، یہ بنا چرخ نے ڈالی　　گھر حیدرِ کرّار کا ہو جائے گا خالی
شمشیر سے خوں میرا بہاتے ہوئے جاؤ
اب خاک کے پردے میں چھپاتے ہوئے جاؤ

۲۵

روئے بہت ان باتوں کو سن کر شہِ والا　　پھر کوئی سخن بانو نے مُنہ سے نہ نکالا
مرنے کو چلے شاہ، ہوا گھر تہ و بالا　　فردوس کے رستے پہ قیام آپنے ڈالا
بڑھ کر جو ستمگر صفِ میدان سے آئے
شہ تیغ علم کر کے عجب شان سے آئے

۲۶

لشکر میں ہوا غل کہ علی کا پسر آیا　　یا چرخ سے خورشید زمیں پر اُتر آیا
بے خوف ہزاروں میں کٹانے کو سر آیا　　آمد کی یداللہ کا نقشہ نظر آیا
خیبر میں جو تھا جنگ کا ساماں، وہی ہے
چتون ہے وہی، رعب وہی، شان وہی ہے

۲۷

یہ کہتے تھے اعدا کہ چلی شاہ کی شمشیر　　تھرائی زمیں، خوف سے کانپا فلکِ پیر
جس صف پہ گری خوف سے بیجان ہوئے پیر　　نیزے گرے ہاتھوں سے، کمانوں سے چھُٹے تیر
ہر وار میں دم بند کیا تیغ زنوں کا
کوسوں نظر آنے لگا انبار سروں کا

۲۸

دینے لگے جب اہلِ ستم حق کی دوہائی　　میداں سے صدا شیرِ الٰہی کی یہ آئی
کیوں اے پسرِ سعد، یہ نیکوں سے برائی　　دیکھی مرے فرزند کے ہاتھوں کی صفائی
لشکر سے نکل، دیکھ تو کیا کھیت پڑا ہے
ایسا کوئی پیاسا کہیں لاکھوں سے لڑا ہے

۲۹

کیا تو نہیں فرزندِ پیمبر کا شناسا　　ہے والدہ کون اس کی، یہ کس کا ہے نواسا
گرمی کے یہ دن اور یہ کئی روز کا پیاسا　　کیا ہوتا جو تو پانی اسے دیتا ذرا سا
او گبر، عداوت یہ مرے نورِ نظر سے
جو مالکِ کوثر ہے، وہی پانی کو ترسے

۳۰

یہ سن کے ہوا اور بھی لشکر میں تلاطم　　تھرّا گئے اعدا کے جگر، ہوش ہوئے گُم
پہچان کے آوازِ علی ڈر گئے مردم　　بس آگیا شبیر کو امت پہ ترحّم
سمجھایا علیؑ نے یہ شہِ تشنہ دہاں کو
رکھ لو مری جاں، میان میں تیغِ دو زباں کو

۳۱

سر پیٹتے فردوس سے آتے ہیں پیمبر　　زہرا کو لیے بیچ میں حوریں ہیں کھلے سر
عاشور ہے اب ہو چکا وعدہ بھی برابر　　قاتل کو پکارو کہ رکھے حلق پہ خنجر
سر تن سے جدا ہونے کا ہنگام یہی ہے
امت کی شفاعت کا سرانجام یہی ہے

۳۲

سن کر یہ صدا روک لی شبیر نے تلوار　　فرصت جو ملی ٹوٹ پڑی فوج ستمگار
سینے سے یکایک ہوئے سو تیر ستم پار　　تھیں جتنی اَنی برچھیاں ان سب کے چلے وار
نیزہ جو لگا پشتِ شہِ عرش نشیں پر
گھوڑے سے گرا فاطمہ کا لال زمیں پر

۳۳

افتادہ رہے خاک پہ غش میں کئی ساعت　　نکلی تھی زباں خشک، یہ تھی پیاس کی شدت
اس وقت بھی پاس آ نہ سکے اہلِ شقاوت　　ہوش آیا تو اٹھ کر چلے، اور گر پڑے حضرت
زخموں سے لہو بہہ گیا زہراؑ کے پسر کا
پھر ہوش رہا شہ کو نہ اپنے تن و سر کا

۳۴

پوشاکِ تنِ پاک کی سب خوں سے بھری تھی　　لب خشک تھے اور چشم میں اشکوں کی تری تھی
مجروح جبیں خاک پہ سجدے میں دھری تھی　　عالم سے بجز یادِ خدا بے خبری تھی
فرزند کی غربت پہ فدا ہوتی تھیں زہراؑ
ہر بار لپٹ جاتی تھیں اور روتی تھیں زہراؑ

۳۵

جب شمر کو حضرت کا یہ عالم نظر آیا	رہوار سے کھینچے ہوئے خنجر اُتر آیا
ڈرتا ہوا نزدیکِ شہِ بحر و بر آیا	کہتا ہوا یہ سعدِ لعیں کا پسر آیا
بے ہوش نواسا ہے رسولِ عربی کا
کیا دیکھتا ہے کاٹ لے سر سبطِ نبی کا

۳۶

ظالم نے رکھا چاند سی گردن پہ جو خنجر	کیا کرتا ہے کیا کرتا ہے چلائے پیمبر
زہرا بھی بلکتی رہیں، رویا کیے حیدر	یاں کاٹ لیا شمر نے تن سے سرِ سرور
راکب کے نہ پہلو سے جدا ہوتا تھا گھوڑا
بو سونگھتا تھا حلق کی، اور روتا تھا گھوڑا

۳۷

بجنے جو لگے فتح کے باجے، تو ہوا غل	لو شمعِ مزارِ شہِ لولاک ہوئی گل
حیواں تھا، پہ اس دم نہ ہوئی تابِ تحمل	ماتھے کو بھرے خوں سے چلا خیمہ کو دلدل
لٹکی تھی عناں، ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
صرصر کی طرح خاک اُڑاتا ہوا آیا

۳۸

ڈیوڑھی پہ حرم جمع تھے سب کھولے ہوئے بال	دیکھا شہِ مظلوم کے مرکب کا عجب حال
تسمہ ہے کٹا، زیں ہے ڈھلا خوں سے منہ لال	بانو نے کہا لٹ گیا لوگو، مرا اقبال
روتا ہوا رن سے جو ادھر آیا ہے گھوڑا
مرجانے کی راکب کے خبر لایا ہے گھوڑا

۳۹

وارث کے ہیں اس خوں بھرے رہوار کے واری	سر تا بہ قدم زخم نظر آتے ہیں کاری
تب نوچ کے بالوں کو سکینہ یہ پکاری	چھوڑو ہمیں اماں کہ چلی جان ہماری
خالی ہے جو گھوڑا تو سفر کر گئے بابا
ہے ہے مجھے سر پیٹنے دو، مر گئے بابا

۴۰

نزدیک وہ آیا تو حرم دوڑے کھلے سر　　زینب نے کہا گھوڑے کی گردن سے لپٹ کر
چھوڑا مرے بھائی کو کہاں کیا ہوئے سرور؟　　گھوڑے نے کہا ذبح ہوئے سبطِ پیمبر
سر کاٹ کے نیزہ پہ ابھی لاتے ہیں اعدا
ہشیار رہو لوٹنے اب آتے ہیں اعدا

۴۱

راکب کو مرے لاکھ ستمگاروں نے مارا　　پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
فرمایا تھا زینب سے یہ کہ دیجیو خدارا　　صابر رہو تقدیر سے خواہر نہیں چارا
قربان کیا راہ میں جس کے تن و سر کو
ہم نے اسی حاکم کے حوالہ کیا گھر کو

۴۲

گھوڑے سے یہ سنتے ہی قیامت ہوئی برپا　　غش ہوگئی، بانو نے یہ سر ہاتھوں سے پیٹا
چلاتی تھیں کلثوم کہ واحسرت و دردا　　تھا زینب مضطر کا جو عالم وہ کہوں کیا
چلاتی تھی میں جیتی ہوں تم مرگئے بھائی
پردیس میں زینب سے یہ کیا کر گئے بھائی

۴۳

لپٹی ہوئی رہوار کے قدموں سے سکینہ　　کہتی تھی، بلالو، مجھے یا شاہِ مدینہ
بے آپ کے ہے موت سے بدتر مرا جینا　　جو تھامتا تھا کہتی تھی وہ کوٹ کے سینا
گودی میں نہ لو جان چلی جاتی ہے، لوگو!
گھوڑے سے مرے باپ کی بو آتی ہے، لوگو!

۴۴

سن کر یہ بیاں بیبیاں کرتی تھیں یہ ماتم　　سر خاک پہ گھوڑا ابھی پٹکتا تھا بصد غم
آپہنچے ادھر چھاتیاں تانے ہوئے اظلم　　خاموش انیس طول مناسب نہیں اس دم
احوال ہے جانکاہ خیامِ شہِ دیں کا
سر کھل گیا بلوے میں ہر اک پردہ نشیں کا

۱

جب بادِ خزاں چل گئی احمد کے چمن پر — اک یاس کا عالم تھا شہِ تشنہ دہن پر
صدمہ تھا عجب روحِ شہنشاہِ زمن پر — خاتونِ قیامت پہ الم غم تھا حسنؑ پر
سب ارض و سما شاہ کو کالا نظر آیا
عالم کا مرقع تہ و بالا نظر آیا

۲

اس طرح سے ہے راویِ صادق کا مقولا — اصغرؔ کو بھی جب رو چکے رَن میں شہِ والا
ناگہ تتقِ گرد اُٹھا اور یہ دیکھا — اک شخص ہے ناقہ کو اڑاتا ہوا آتا
بُو آگئی شہ کو جو مدینہ کے چمن کی
سمجھے کہ خبر کچھ نہ کچھ آئی ہے وطن کی

۳

نزدیک جو پہنچا تو شہِ دیں سے یہ پوچھا — اُترا ہے کہاں لختِ دلِ فاطمہؑ زہرا
لشکر ہے کہاں خیمۂ پُر نور ہے کس جا — پھر رونیو اُس لاش پہ اتنا مجھے بتلا
ہم شکلِ نبیؐ فوج کا سالار کہاں ہے
آیا تھا مدینہ سے وہ دلدار کہاں ہے

۴

فرمانے لگے رو کے پھر اس شخص سے حضرت — کیوں دلبرِ زہراؑ سے تجھے کیا ہے ضرورت
آبھائی میں ہی ہوں خلفِ شاہِ ولایت — تبدیل ہے افراطِ الم سے مری صورت
زخمی ہوں بدن تیروں سے غربال ہوا ہے
امت کے ستم سے یہ مرا حال ہوا ہے

۵

یوں کہنے لگا جلد وہ ناقہ سے اُتر کر مانوں گا نہ میں، آپ نہیں سبطِ پیمبرؐ
پاس آکے جو پھر غور سے دیکھا رُخِ انور چلّایا میں صدقے، مرے سیدؑ مرے سرور

لختِ جگرِ حیدرِ کرّار ہو مولا
ہے ہے یہ کس آفت میں گرفتار ہو مولا

۶

کہنے لگے یہ سنتے ہی سلطانِ دوعالم مجھ پر جو یہاں ٹوٹے ہیں کوہِ الم و غم
صدمہ پہ جو صدمہ ہے تو ماتم پہ ہے ماتم طولانی ہے قصّہ مرا، اے مونس و ہمدم

جو ہمدم و یاور تھے، سفر کر گئے بھائی
بس، مختصر اتنا ہے کہ سب مر گئے بھائی

۷

خط لے کے لفافے کو جو شبیرؑ نے دیکھا لکھا تھا لفافے پہ ادھر "عرضیِ صغرا"
جو کانپتے ہاتھوں سے وہ خط شاہ نے کھولا القاب یہ تھا حضرتِ شبیرؑ کو لکھا

تم قبلہ و کعبہ، پسرِ شاہِ نجف ہو
زہراؑ کے دل و جاں ہو محمدؐ کے خلف ہو

۸

اے خسروِ عالم! شہِ اقلیمِ امامت! شمشادِ گلستانِ شہنشاہِ رسالت!
مصباحِ کرم، نورِ خدا، شمعِ ہدایت! اے عیسیِ دوراں، سببِ بخششِ امّت!

ماں فخرِ دو عالم ہے، پدر عقدہ کشا ہے
حضرت پہ سدا سایۂ الطافِ خدا ہے

۹

آداب کے من بعد، یہ لکھا تھا کہ حضرت بیمار لبِ گور ہے اے وائے مقدّر
بھائی ہے کوئی پاس، نہ بہنیں ہیں نہ مادر اُس خانۂ ویراں میں اکیلی ہے یہ دُختر

حالِ دلِ پُر درد سُنایا نہیں جاتا
تکیہ سے بھی اب سر کو اُٹھایا نہیں جاتا

۱۰

حُجرے میں پڑی رہتی ہوں اے قبلۂ حاجات　　روتے ہیں بسر ہوتے ہیں بیمار کے اوقات
کھانے پہ نہ رغبت ہے نہ بھاتی ہے کوئی بات　　دن روتے ہیں، آہوں میں گذر جاتی ہے ہر رات
اس گھر سے کوئی دن میں عدم کی سفری ہوں
لیجے خبر، اب بھی کہ چراغ سحری ہوں

۱۱

جس روز سے چھوڑا شہِ دیں نے وطن اپنا　　جلتا ہے تپِ ہجر سے، ہر آن تن اپنا
اب کوچ ہے یا شاہِ زمین و زمن اپنا　　ہر وقت میں رکھتی ہوں سرہانے کفن اپنا
تدبیر اٹھانے کی مرے کون کرے گا
حیرت ہے کہ تربت میں مجھے کون رکھے گا

۱۲

مرنا بھی مرا ہوگا وطن والوں پہ بھاری　　تلقین پڑھے گا نہ کوئی آہ ہماری
عُسرت کے تو ماہر ہو تم، اے خاصۂ باری　　دھڑکا یہی صغرؑا کو ہے میں آپ کے واری
مٹّی مجھے دینے کو کوئی آہ نہ ہوگا
کوئی مری میّت کے بھی ہمراہ نہ ہوگا

۱۳

یاد آتا ہے جب آپ کی صغرؑا کو بھرا گھر　　مُنھ ڈھانپ کے دالان میں روتی ہوں میں دن بھر
شفقت پھوپی اماں کی وہ اور الفتِ اکبر　　حجرہ وہ سکینہ کا، وہ گہوارۂ اصغر
یوں رنگ زمانے کا بگڑتے نہیں دیکھا
اس طرح کبھی گھر کو اُجڑتے نہیں دیکھا

۱۴

اب مجھ کو بلا بھیجے اچھے مرے بابا　　بس ہجر کی بھی حد ہوئی اے سیّدِ والا
للہ کرم کیجیے، مرتی ہے یہ دُکھیا　　دم تنگ نہیں بیمار کے سینے میں سماتا
جیتی ہوں نہ مرتی ہوں پریشان و حزیں ہوں
ہیں آپ کی یا شاہ، کوئی ہوں کہ نہیں ہوں

۱۵

اصغر کو یہ لکھا تھا کہ، اے میرے برادر! کچھ یاد بھی ہے تم کو لیے پھرتی تھی خواہر
بیمار کو یوں بھول گئے تم، علی اصغر اب گود میں آتے نہیں قرباں میں تم پر
کچھ سیّد والا سے گزارش نہیں کرتے
بھیّا! مری بابا سے سفارش نہیں کرتے

۱۶

اے لختِ جگر! نورِ نظر! مرتی ہے صغراؑ دن رات تمھیں یاد کیا کرتی ہے صغراؑ
تکیہ ترا، پہلو میں سدا رکھتی ہے صغراؑ قمری کی طرح آپ کا دم بھرتی ہے صغراؑ
بیمار کو دیدار سے ترساتے ہو بھیّا!
نہ موت ہی آتی ہے، نہ تم آتے ہو بھیّا!

۱۷

اکبر کو یہ لکھا تھا کہ اے یوسفِ ثانی! بھینا کو دکھاتے نہیں اب شانِ جوانی
لونڈی ہوں میں، اے ابنِ یداللہ کے جانی صغرا کو سنا جایئے اعجاز بیانی
اب آپ کی بیمار مصیبت میں پڑی ہے
صدقے گئی، یہ وعدہ وفائی کی گھڑی ہے

۱۸

جب پڑھ چکے خط کو تو یہ بولے شہِ والا اور ہاتھ سے جا، لاشۂ اکبر کو بلایا
سر پیٹ کے فرمایا کہ کیا سوتے ہو بیٹا! لو اٹھ کے پڑھو، اے علی اکبر! خطِ صغرا
ہمشیر وہاں مرتی ہے جاتے نہیں واری
کیوں فاطمہ بیمار کو لاتے نہیں واری

۱۹

فرما کے یہ غش ہو گیا وہ فاطمہ کا لال قاصد کا بھی صدمہ سے عجب ہو گیا احوال
ہوش آیا تو حضرت سے یہ بولا وہ خوش افعال کیا لاشۂ اکبر ہے یہ، اے شاہِ خوش اقبال
شہ نے کہا سوتے ہیں نہ تھکے، خوب لڑے ہیں
ہاں بھائی! یہ اکبر ہیں، سناں کھائے پڑے ہیں

۲۰

برباد اسی دشتِ بلا میں ہوا سب گھر　　قاسم ہے نہ ہے عون، نہ جعفر ہے، نہ اکبر
مسلم کے نہ بیٹے ہیں، نہ عباسِ دلاور　　یہ پہلوئے اکبر میں ہے قبرِ علی اصغر
برچھی سے مرے اکبرِ دلگیر کو مارا
اور ناوکِ بیداد سے شبیر کو مارا

۲۱

قاصد نے یہ رو رو کے کہا، اے شہِ ذیجاہ　　لکھ دیجے جوابِ خطِ صغرا مجھے للّٰلہ
قاصد سے یہ حضرت نے کہا کھینچ کے اک آہ　　فرصت نہیں خط لکھنے کی حق اس سے ہے آگاہ
واللہ اگر ہم پہ یہ بیداد نہ ہوتی
صغرا کی فراموش کبھی یاد نہ ہوتی

۲۲

کہہ دیجیو سمجھا کے، کہ اے دخترِ بیمار!　　معبود کی مرضی میں ہر اک عبد ہے ناچار
اکبر کے کلیجے سے نہ ہوتی جو سناں پار　　وعدہ نہ کبھی بھولتا وہ صادق الاقرار
راحت کوئی ساعت نہ ملی گھر سے نکل کے
آتے ہی یہاں پھنس گئے پنجے میں اجل کے

۲۳

یہ کہہ کے کیا قاصدِ رنجور کو رخصت　　اور واں سے قریبِ صفِ دشمن گئے حضرت
چاہا کہ کریں فوجِ ضلالت کو نصیحت　　برسانے لگے تیرِ ستم، اہلِ شقاوت
تیغیں وہیں پڑتی تھیں جہاں تیر پڑے تھے
شہ شیر سے، تیروں کے نیستاں میں کھڑے تھے

۲۴

بیکس پہ لگے چھوڑنے تلوار پہ تلوار　　خم ہو گئے مثلِ مہِ نو ضعف سے اک بار
جب پہلوئے انور پہ لگا نیزۂ خونخوار　　غش کھا کے گرے خاک پہ تب سیدِ ابرار
دیکھا جو تڑپتا ہوا اس رشکِ قمر کو
گھبرا کے لیا گود میں زہرا نے پسر کو

۲۵

قاتل نے اُدھر خنجر کیں حلق پر رکھا   حسرت کی نظر سے شہِ ابرار نے دیکھا
فرمایا کہ ہے جمعہ کا یہ روز، ٹھہر جا   کر لینے دے ظالم، مجھے معبود کا سجدا
ہر مسجد و معبد میں یہ ہے وقت اذاں کا
تو کاٹتا ہے حلق امامِ دو جہاں کا

۲۶

یہ کہہ کے جُھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار   شورِ دُہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعدِ جفا کار   اے خولی و شیث و بن ذی الجوشن خونخوار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علی کا

۲۷

لکھا ہے یہ راوی نے بپا ہو گیا محشر   بارہ ستم ایجاد بڑھے، کھینچ کے خنجر
اک سیّدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر   مقنع تھا نہ برقع تھا، نہ موزے تھے نہ چادر
چلّایا لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو فاطمہؑ آتی ہیں بچانے کو پسر کے

۲۸

خاموش، انیسؔ! اب سماعت کی نہیں بس   مقبولِ امامِ دو جہاں ہے یہ مسدّس
یا رب، مجھے دکھلا دے مزارِ شہِ بیکس   مر کر مرا مدفن ہو وہی ارضِ مقدّس
پاکیزہ و طاہر لحدِ پاک سے اُٹھوں
پہنے کفن اُٹھوں تو اسی خاک سے اُٹھوں

۱

تلف ہوئی جو شہِ خوشخصال کی دولت　　　عدو نے لوٹ لی اٹھارہ سال کی دولت
تباہ ہو گئی سب ذوالجلال کی دولت　　　ملا دی خاک میں زہراؑ کے لال کی دولت
نہ جان تن میں، نہ بینائی چشمِ تر میں رہی
کہ اب رسول کی تصویر بھی نہ گھر میں رہی

۲

مرقّعِ نبوی موت نے مٹایا ہے　　　فلک نے خاک میں دُرِّ نجف ملایا ہے
چراغ شہ کا بجھایا ہے، دل جلایا ہے　　　قضا نے خاک میں خورشید کو چھپایا ہے
پسر کی چاہ میں ماں کا ہر ایک سال کٹا
ثمر کی فصل جب آئی تو یہ نہال کٹا

۳

جُدا ہوئے ہیں عجب وقت دونوں عرش جناب　　　پدر کا عہدِ ضعیفی، پسر کا عین شباب
یہ دردِ دل سے، وہ زخمِ جگر سے ہیں بیتاب　　　حسین تشنۂ دیدار ہیں، یہ تشنۂ آب
وہ راہوار پہ تھامے جگر تڑپتے ہیں
یہ دل کو پکڑے ہوئے خاک پر تڑپتے ہیں

۴

وہ شمع گُل ہوئی جس سے کہ نام روشن تھا　　　علیؑ کے لال کا گھر صبح و شام روشن تھا
دلِ حسین علیہ السلام روشن تھا　　　مدینہ کیسا زمانہ تمام روشن تھا
نصیب بانو کے دل کو جگر کا داغ ہوا
پکارتی تھی کہ ٹھنڈا مرا چراغ ہوا

۵

خدا کے واسطے اکبر کو ڈھونڈ لائے کوئی　　جگر میں آگ لگی ہے ارے بجھائے کوئی
مرے جواں کی جوانی پہ رحم کھائے کوئی　　نجف سے حیدرِ کرّار کو بلائے کوئی
تڑپ کے منھ سے نکلتا ہے اب جگر میرا
چھٹا ہے پہلے پہل نوجواں پسر میرا

۶

یہ میری آنکھوں کے آگے ہے کیا سیاہ سیاہ　　یہ کیا کھٹکتا ہے میرے کہ دل ہے میرا تباہ
حسین امام کہاں ہیں پکار لو للّٰلہ　　کدھر گئے علی اکبر، انھیں خدا کی پناہ
پسینہ آتا ہے اور جی نڈھال ہوتا ہے
پسر کے غم سے یہی سب کا حال ہوتا ہے

۷

کسی کی بن کے نہ اک بار یوں بگڑ جائے　　بسی بسائی نہ بستی کوئی اُجڑ جائے
کسی کی کوکھ پہ آفت نہ ایسی پڑ جائے　　غضب ہے شیر جواں باپ سے بچھڑ جائے
قضا نے میرے کلیجے پہ ہاتھ ڈالا ہے
جگر کو کاٹ کے لختِ جگر نکالا ہے

۸

کہو امام سے مقتل کچھ ایسی دور نہیں　　پسر کو ڈھونڈتے اب کیوں شہِ غیور نہیں
حسین کہتے تھے آنکھوں میں میری نور نہیں　　خدا گواہ ہے بانو، مرا قصور نہیں
جو دل کا حال ہے اس دم سنا نہیں سکتا
پسر بلاتا ہے اور باپ جا نہیں سکتا

۹

یہ کہہ کے پاؤں جو بے ساختہ بڑھانے لگے　　گرے زمین پہ تھرّا کے اور غش آنے لگے
حضور فوجِ ستم جا کے یہ سنانے لگے　　بتاؤ جیتے ہیں اکبر کہ یا ٹھکانے لگے
جگر پہ مارے ہیں نیزے کہ دل پہ مالے ہیں
تمام ہو گئے یا منتظر ہمارے ہیں

۱۰

جگر کو ہاتھوں سے رہ رہ کے کوئی ملتا ہے　　سنبھالتا ہوں بہت دل نہیں سنبھلتا ہے
کہ اب تو منھ سے کلیجہ مرے نکلتا ہے　　بتاؤ جلد، کدھر وہ لہو اُگلتا ہے

جگر کی چوٹ سے بیدم ہوں بیقرار ہوں میں
لعینو! رحم کا تم سے اُمیدوار ہوں میں

۱۱

ترس کرو مرے رونے پہ کبریا کے لیے　　خدا کے واسطے، پیغمبرِ خدا کے لیے
تڑپ رہی ہے مری روح، دلربا کے لیے　　پھرو نہ دین سے دنیائے بے وفا کے لیے

یہ وقت وہ ہے کہ کافر بھی رحم کرتا ہے
حسین مرتا ہے، یارو! حسین مرتا ہے

۱۲

وہ دُور ہیں کہ قریں، نہر کے کنارے سے　　زباں سے مانگتے ہیں پانی یا اشارے سے
ملا دو مجھ کو، مرے نوجوان پیارے سے　　ابھی خود اٹھتے ہیں یا غیر کے سہارے سے

بتاؤ زخم جگر کا رفو کے قابل ہے
سُنا ہے میں نے کہ نیزے کی نوک میں دل ہے

۱۳

یہ دل میں سنگ دلوں کے اثر نہ پاتے تھے　　ہزاروں درد کی باتیں زباں پہ لاتے تھے
ہر ایک سمت سراسیمہ ہو کے جاتے تھے　　مدد کے واسطے عبّاس کو بلاتے تھے

پکارتے تھے کدھر ہو، جواب دو اکبر!
تباہ ہوتا ہے بابا، پکار لو اکبر!

۱۴

وہی فرات ہے یہ، اور وہی ہوں میں پیاسا　　وہی زمیں ہے، وہی آسماں، وہی دنیا
ہر ایک شے ہے وہی، اور تم نہیں بیٹا　　وہی ہے دھوپ، وہی چھاؤں اور وہی صحرا

ملے گا چین نہ ہم کو کہیں، علی اکبر
جو تم نہیں تو پدر بھی نہیں، علی اکبر

١٥

مرے دلیر، مرے صف شکن، علی اکبر — مرے غیور، مرے کم سخن، علی اکبر
مرے غریب، مرے بے وطن، علی اکبر — مرے حسین، مرے نازک بدن، علی اکبر
بڑے سعید ہوئے اور بڑے رشید ہوئے
پدر کے بدلے، جوانی میں تم شہید ہوئے

١٦

ہمیں کو تم نے پسر مردہ آج کہلایا — خطاب بے پدری کا نہ تم کو راس آیا
نہ اپنے ہاتھ سے بیکس پدر کو کفنایا — لہو میں بھر گئے، مردہ نہ میرا نہلایا
جگر پہ نیزے کا پھل کھا کے دل کو شاد کیا
مجھے برائے تصدّق نہ تم نے شاد کیا

١٧

نثار ہوتے بلا سے، تمھیں بچا لیتے — یہ جاں نثار تو حاضر تھا، تم بلا لیتے
غش آتا پیارے تو گودی میں تم اٹھا لیتے — تمھارے بدلے سناں ہم جگر پہ کھا لیتے
نبیؐ کی آل پہ خنجر گذر گیا، اکبر
یہ تم مرے نہیں، سب کنبہ مر گیا اکبر

١٨

کہاں ہو، اے مرے یاور، مرے علی اکبر — کہاں ہو، میرے دلاور، مرے علی اکبر
مدینے کے شہِ خاور، مرے علی اکبر — کہاں ہو، فدیۂ داور، مرے علی اکبر
دکھا کے شکل، حرم کو سدھاریو، بیٹا
بُلا کے لاشے پہ مجھ کو، سدھاریو، بیٹا

١٩

ہماری آنکھوں کے تارے، کدھر گئے بولو — جواب دو، مرے پیارے، کدھر گئے بولو
کہاں حسینؑ پکارے، کدھر گئے بولو — نہیں ہیں ہوش ہمارے، کدھر گئے بولو
کمر کا درد علمدار لے گئے بیٹا
رہا سہا مرا چینؑ آپ لے گئے بیٹا

۲۰

لکھا ہے فوج سے نکلے تھے دو شقی باہر لہو میں نیزہ و تیر ان کے غرق تھے یکسر
پکارتے تھے، سنو! اس جواں کی ہم سے خبر یہ برچھی دل پہ لگی ہے، یہ تیر مارا تھے پر
وہ دیکھو چاند تمہارا زمیں پہ گرتا ہے
عقاب پیٹھ پہ لاشہ لیے وہ پھرتا ہے

۲۱

یہ سُن کے شاہ چلے اس طرف بحالِ تباہ عقاب لاش لیے آیا رو بروے نگاہ
حسین بیٹے سے لپٹے تو بولا وہ ذی جاہ غلام صدقے ہو، خیمہ میں لے چلو، یا شاہ
پھوپھی کو دیکھ لیں، قدموں پہ سر کو ہم ڈالیں
جناب والدہ صاحب سے دودھ بخشالیں

۲۲

حسینؑ بولے چلو، میری جان بسم اللہ پھوپھی بھی، ماں بھی، بہن بھی تڑپتی ہے سرِ راہ
درِ خیام پہ لاشہ لیے جو پہنچے شاہ پکاری بانو کہ رستہ دو، بیبیو! لِلّٰہ
بتول بال کھُلے ساتھ ساتھ آتی ہے
علی کے لال کی رَن سے برات آتی ہے

۲۳

بچھاؤ مسندِ محبوبِ کبریا لوگو! بٹھاؤ دولھا کو آرام سے ذرا لوگو!
میں ہاتھ جوڑتی ہوں، اوڑھ لو رِدا لوگو! کہیں گھر آنے پر اکبر نہ ہو خفا لوگو!
امامِ جنّ و ملک ان کو جا کے لائے ہیں
یہ مجھ سے رُوٹھے ہیں حضرت منا کے لائے ہیں

۲۴

سنبھالا بیبیوں نے لاشۂ علی اکبر کسی نے ہاتھ، کسی نے قدم، کسی نے سر
لٹایا مسندِ خیر الانام پر لا کر یہ حال دیکھ کے پہلو میں گر پڑی مادر
نہ غیرتِ پسرِ مہ لقا کا ہوش رہا
نہ سر کا ہوش رہا، نہ ردا کا ہوش رہا

۲۵

ہلا کے ہونٹوں کو اکبر نے کچھ پھوپھی سے کہا پھرا کے منھ کو بہت روئی دخترِ زہرا
کہا یہ بانو سے روکر کہ بھابی تم نے سنا یہ جان بوجھ کے بھابی! تمھیں نہیں زیبا
یہ کیا غضب ہے اٹھاؤ اٹھاؤ چادر کو
اشارہ کرتا ہے اکبر کہ ڈھانپ لو سر کو

۲۶

تمھیں کو ان کی محبت ہے کیا پھوپی کو نہیں ہے ایک وقت میں موقع بڑا ملول و حزیں
ردا کے گرنے سے تھرّاتا ہے یہ ماہ جبیں جگر کے زخم میں ہونے لگے نہ درد کہیں
اگرچہ یاد ہیں دل سے مری بھلائے ہوئے
یہ کیسی بیٹھی ہیں چپکی جگر چھپائے ہوئے

۲۷

یہ کہہ رہی تھی کہ دم توڑنے لگے اکبر کہا یہ بانو نے زینب سے دیکھتی ہیں ادھر
یہ سانس لیتے ہیں کیوں جلد جلد گھبرا کر یہ آنسو آنکھ سے کیسے بہے ہیں عارض پر
سر ان کا تکیہ سے کیوں کر سرک گیا ہے ہئے
مجھے گمان ہے منکا بھی ڈھل گیا ہے ہئے

۲۸

رگوں کے کھنچنے سے لونڈی کا دل دھڑکتا ہے پھرائے پتلیاں قبلہ کو کیوں یہ تکتا ہے
یہ کیا غضب ہے کہ تالو بہت سسکتا ہے اب ایک بال پلک کا نہیں جھپکتا ہے
جگر سے ہاتھ اٹھا کر جبیں پہ دھرتے ہیں
گذر ہوا ہے علی کا، سلام کرتے ہیں

۲۹

یہ کہہ رہی تھی کہ جو رہ گیا گلو ہل کر پھوپی پکاری کہ لو جاں بحق ہوئے اکبر
لپٹ کے لاش سے چلائی بانوے مضطر تمام ہو گئے تم ہائے اپنے بستر پر
ابھی تو کنبے کا اپنے نظارہ کرتے تھے
ردا اترنے کا ماں سے اشارہ کرتے تھے

۳۰

میں اوڑھے لیتی ہوں چادر، خفا نہ ہو واری ۔ کبھی نہ بھولوں گی، اب پھر خفا نہ ہو واری
لو عذر کرتی ہے مادر، خفا نہ ہو واری ۔ میں صدقے ہو گئی اکبر، خفا نہ ہو واری
ردا کا کونا مرے سر سے ہائے دور ہوا
میں پاؤں پڑتی ہوں بخشو مرا قصور ہوا

۳۱

ردا کے گرنے پہ اللہ یہ عتاب کیا ۔ کہ مرتے مرتے نہ اس ماں سے کچھ خطاب کیا
اب آنکھ پھیر کے بانو سے تم نے خواب کیا ۔ مرے جوان! بڑھاپا مرا خراب کیا
قصور وار تھی مادر کو ساتھ لے نہ گئے
پھوپی کے ہاتھ میں تم ہاتھ میرا دے نہ گئے

۳۲

انیس، بس، کہ مناسب نہیں ہے طولِ کلام ۔ درود پڑھنے کا موقع ہے اور بکا کا مقام
یہ قصد تھا کہ بس اب کیجے مرثیے کو تمام ۔ مگر سعادتِ دنیا و دیں، ہے مدحِ امام
ہزار طرح کے گل اس چمن میں پھولیں گے
ترے بھی رنگ کو اہلِ سخن نہ بھولیں گے

۱

چلا جو گھر سے علمدارِ شاہ، دریا پر　　محیط دیکھی عدو کی سپاہ، دریا پر
ملی نہ پیاسے کو جانے کی راہ، دریا پر　　علَم تھی ہاتھ میں تیغ اور نگاہ دریا پر
جدھر سے چاہتا تھا جاؤں، جا نہ سکتا تھا
خیامِ شاہ کو منھ پھیر پھیر تکتا تھا

۲

خیال تھا کہ کہیں دیکھتے نہ ہوں حضرت　　چلا تھا جب ہیں تو ان کو کمال تھی رقت
نظر جو آئی لبِ نہر فوج کی کثرت　　مدد کو میری چلے آئیں گے بصد الفت
لڑیں گے سب سے محمدؐ کے وہ نواسے ہیں
مجھے یہ غم ہے کہ دو دن کے بھوکے پیاسے ہیں

۳

خدانخواستہ زخمی ہوں، تو قیامت ہو　　نبی سے اور علی سے مجھے خجالت ہو
بتول سے مری اماں کو بھی ندامت ہو　　تمام عمر کی ضائع یہ میری خدمت ہو
اجل کا اپنی اب امیدوار ہوں، یارب
جیے وہ شاہ، میں اس پر نثار ہوں، یارب

۴

کہا یہ دل سے پر اب دیکھتے ہو کیا عباس　　اُٹھاؤ گھوڑے کو مہمیز کر کے بے وسواس
خلافِ وضع ہے پھر جانا یاں سے پیاسوں کے پاس　　غضب ہے گر نہ بجھائی سکینہ جان کی پیاس
تم ان سے دور ہو جب تک تو ٹوک سکتے ہیں
یہ بُزدلے کہیں شیروں کو روک سکتے ہیں

۵

یہ بات کہہ کے بہ منت کہا یہ اعدا سے لعینوں تم تو ہو سیراب اور ہم پیاسے
کرو نہ تم مجھے محجوب شاہِ والا سے غلام وعدہ کر آیا ہے اپنے آقا سے
کہ نیزے کھاؤں گا، تیر و تبر بھی کھاؤں گا
و لے فرات سے اک مشکِ آب لاؤں گا

۶

خدا سے شرم کرو تم کدھر گیا ہے شعور دلوں میں تشنگیِ حشر کا بھی کچھ ہے خطور
پییں یہ پانی بچرند و پرند و وحش و طیور بتاؤ سبطِ پیمبر نے کیا کیا ہے قصور
کنارِ نہر تمہاری تو خوش گزرتی ہے
بغیر آب، پیمبر کی آل مرتی ہے

۷

یہ آفتاب کی حدت یہ موسمِ گرما یہ جلتی ریت اور اوپر سے خیموں کا جلنا
برسنا آگ کا گردوں سے اور یہ گرم ہوا بتاؤ تم ہی کہ پیاسوں کا حال کیا ہوگا
زبانیں خشک ہیں، بچے پڑے بلکتے ہیں
نگاہِ یاس سے خالی گھڑوں کو تکتے ہیں

۸

بغیر پانی شہِ دیں کی غش کی حالت ہے لب ان کے سوکھ گئے ہیں، زباں کو لکنت ہے
سکینہ جان کی یہ تشنگی سے صورت ہے نہ بیٹھنے کی، نہ اٹھنے کی اس میں طاقت ہے
زبان خشک ہے اکبر کی، پیاس کے مارے
لبوں پہ جان ہے اصغر کی پیاس کے مارے

۹

سنی لعینوں نے عباس کی یہ جب تقریر لگے وہ کھینے کمانوں کو جوڑ جوڑ کے تیر
بغیر پانی کے ایسا ہی حال ہے تغییر ہوئے ہیں کس لیے بیعت سے منحرف شبیر
اگر اس امر کو شاہِ اُمم نہ مانیں گے
ہزار عذر کرو گے تو ہم نہ مانیں گے

۱۰

بڑھائے گھوڑے کو آگے نہ بس چلے آؤ　　اسی میں خیر ہے خیمہ کو جلد پھر جاؤ
فرات کو نہ بہت دیکھ دیکھ لہراؤ　　یہ دخل کیا ہے کہ اک بوند پانی کی پاؤ
یہ سُوکھی مشک جو دریا پہ لائے ہو عبّاس
لہو میں اپنے نہانے کو آئے ہو عبّاس

۱۱

تمھیں تو بھائی کی اُلفت کا تھا بڑا دعوا　　جہاں تھی جان کی جو کھو، وہیں تمھیں بھیجا
نہ سمجھے تم کہ ہے قابو میں غیر کے دریا　　کہاں ہزاروں، کہاں ایک تم تنِ تنہا
تمھیں جو شمر سے بھی اک طرح کا ناتا ہے
ہمیں تمھاری جوانی پہ رحم آتا ہے

۱۲

یہ بات سنتے ہی ان سے ہوا وہ چیں بجبیں　　کہا عدوے خدا و رسول ہے وہ لعیں
غلط ہو کہتے، قرابت کچھ اس سے مجھ کو نہیں　　عزیز اُسے نہیں ہم جانتے جو ہو بے دیں
امام کا جو ہے دشمن، وہ کب مسلماں ہے
ہمیں عزیز ہے وہ، جس کو پاسِ ایماں ہے

۱۳

یہ بات کہتے ہی گھوڑے کو اس نے چمکایا　　مثالِ شیرِ نیستاں صفوں میں در آیا
مبینہ اس پہ نیزوں کا اہلِ ستم نے برسایا　　ہٹا نہ پیچھے وہ شیر الٰہ کا جایا
جب آ کے نیزوں سے ظالم انھیں ڈراتے تھے
منھ اُن کا دیکھ کے عبّاس مسکراتے تھے

۱۴

پدر سے گرچہ نہ سیکھا تھا نیزہ بازی کا فن　　بہ طعن نیزے سے سو سو گرا دیے دشمن
کسی کا سینہ کیا زخمی توڑ کر جوشن　　کسی کی نوک سے نیزے کی چھید لی گردن
جو جی جلا کے کوئی ادبچی دوچار ہوا
تو نیزہ توڑ کے چار آئینہ کو پار ہوا

۱۵

بہ زورِ تیغ در آیا وہ نہر میں صفدر　　بھری تو مشک، ولے لب کیے نہ اپنے تر

یہ دھیان تھا کہ چلو جلد مشک کو لے کر　　سکینہ پیاسی کھڑی ہو گی خیمہ کے در پر

پیا جو پانی تو تم کو نہ ہوگا گھر جانا

پھر ایسے جینے سے بہتر ہے پیاسا مر جانا

۱۶

یہ کہ کے چھوڑ دی رہوارِ تشنہ لب کی عناں　　کہ پانی پی لئے ہیں انساں ہوں اور تو حیواں

رہوں گا پیاسا میں جب تک ہیں شاہ تشنہ دہاں　　یہ بولا اسپ وفادار ہو کے تب گریاں

جو ہیں فرات سے سیراب ہو کے جاؤں گا

تو اسپِ شاہ کو کیا جا کے منہ دکھاؤں گا

۱۷

یہ عرض گھوڑے سے سن کر ٹپک پڑے آنسو　　نکالا نہر سے ٹھکرا کے اسپِ تشنہ گلو

پکڑ کے تیغوں کو چاروں طرف سے ٹوٹے عدو　　مگر تھا ابنِ یداللہ کا قوتِ بازو

وہ شیر جانا بھلا کس جوان سے مارا

ہر ایک حملے میں سو سو کو جان سے مارا

۱۸

ہوا جو شور لبِ نہر اس لڑائی کا　　کُمک کو فوج لیے شمرِ رُوسیہ دوڑا

جب اس نے دیکھا بہادر کے جنگ کا نقشا　　تب ایک ایک سے اس نے پکار کر یہ کہا

شکست فاش، تمہیں صاف دے چلا عباس

ہوا نہ تم سے کچھ، اور پانی لے چلا عباس

۱۹

یہ شمر کہتا تھا اور کر رہا تھا جنگ وہ شیر　　جو اس کے بازو پہ اک ظلم کی چلی شمشیر

جدا تو ہو گیا بازو، ہٹا نہ پر وہ دلیر　　سنبھالا دوسرے شانے سے اس نے مشک کو پھیر

وفا کا عہد نہ غازی نے کوئی دم چھوڑا

نہ مشک دانتوں سے گرنے دی نہ علم چھوڑا

۲۰

عَلَم جو ہاتھ سے چُھوٹا اُسے نہ گرنے دیا   دبایا پاؤں سے، گردن سے بھی اسے روکا
جُھکا ہوا تھا عَلَم اور پھریرا خوں سے بھرا   بچانا مشک بھی تھی اور عَلَم برادر کا
وہ دستِ چپ بھی گرا جس گھڑی قلم ہوکر
اٹھا لی غازی نے دانتوں سے مشک خم ہوکر

۲۱

جو ہاتھ ہوتے تو کرتا وہ اہلِ ظلم سے جنگ   ہٹاتا تھا وہ رکابوں سے ان کو ہوکر تنگ
فرس کو ایڑ لگانے سے تھی یہی اک اُمنگ   کہ پہنچے خیمۂ لب تشنگاں ہیں، ہو نہ درنگ
بلا سے خوں تنِ بے دست سے جو بہ جاوے
پلاؤں پیاسوں کو پانی تو نام رہ جاوے

۲۲

ستم گروں کو نہ رحم آیا اس بہشتی پر   سب اس کو مارتے تھے مل کے نیزہ و خنجر
لہو جو شانوں سے بہتا تھا دونوں رانیں تھیں تر   گھرا سواروں کے حلقے میں تھا وہ تشنہ جگر
اشارہ گھوڑے کو کرتا تھا گھر کے چلنے کا
کسی طرح سے اسے ڈھب نہ تھا نکلنے کا

۲۳

جب اُچھلا چاہتا تھا تھرتھرا کے وہ رہوار   تب اس کو نیزوں کی نوکوں سے روکتے تھے سوار
ہزاروں مارتے تھے تیر اُسے وہ ناہنجار   قضائے کار ہوا ایک تیر مشک کے پار
اگرچہ سینہ بھی اس تیر کیں سے پھوٹ گیا
بہا جو مشک کا پانی کلیجہ ٹوٹ گیا

۲۴

پکارا گھوڑے سے گرتے ہوئے کہ یا حضرت   پہونچیے جلد کہ عبّاس ہوتا ہے رخصت
رہے نہ آپ کے دیدار کی مجھے حسرت   نصیب اُلٹ گئے ضائع ہوئی مری خدمت
چلائے تیر بھی، کی مجھ پہ تیغ رانی بھی
بہایا خوں بھی مرا، اور بہایا پانی بھی

۲۵

یہ کہہ کے گھوڑے سے نیچے وہ تشنہ کام گرا　　سنی امام نے عباسِ تشنہ لب کی صدا
کلیجہ تھام کے فرمایا، ہائے بھائی مرا　　یقیں ہوا مجھے، بچپن کا ساتھ آج چھٹا
قلق میں کیا کرے اب، اور کوئی کیا نہ کرے
کسی سے بھائی کسی کا خدا جدا نہ کرے

۲۶

ہمارے جینے کا تھا لطف اس کے جینے سے　　چھڑایا بھائی کو اعدا نے مجھ سے کینے سے
لگائیے اُسے اب چل کے اپنے سینے سے　　اسی الم کا تھا دھڑکا کئی مہینے سے
جہاں سے حیف ہمارا وہ خیر خواہ گیا
برادری کا جو حق تھا اسے تباہ کیا

۲۷

یہ کہہ کے آئے جو ریتی میں ڈھونڈتے سرور　　تو دیکھا ہاتھ کٹائے پڑا ہے وہ صفدر
عَلَم ہے دہنی طرف، بائیں مشک خون میں تر　　جو غش میں ہوتی بھی آہٹ ذرا تو گھبرا کر
اٹھائے سر کو سوئے خیمہ گاہ تکتا ہے
کسی کے آنے کی جو کوئی راہ تکتا ہے

۲۸

کھڑا ہے زخمی کے نزدیک شمرِ خانہ خراب　　کہے ہے ہاتھوں پہ اُس کو دکھا کے ساغرِ آب
یہ پانی پی لے تو، ہووے گا دل بہت بیتاب　　ہلا کے ہونٹوں کو عباس دیتا ہے یہ جواب
سکینہ پیاسی ہے شرم و حجاب ہے مجھ کو
یہ پانی اس گھڑی خنجر کا آب ہے مجھ کو

۲۹

جہاں میں پانی سے اب لب نہیں ہیں کرنے کا تر　　فقط ہوں تشنۂ دیدارِ سبطِ پیغمبر
ملے جو بھائی سے، اپنے امامِ تشنہ جگر　　پکارے رو رو کے، عباس میں فدا تم پر
چلے تم اور ہمیں چھوڑا، یہ کیا کیا تم نے
کمر کو بھائی کی توڑا، یہ کیا کیا تم نے

۳۰

یہ کہہ کے ہاتھوں کو پھیلا کے لپٹے بھائی سے
جبیں پہ رکھی جبیں، منھ سے منھ کو ملتے تھے
لبوں سے سوکھے ہوئے ہونٹوں کے لیے بوسے
تب آنکھیں کھول کے عباس اس طرح بولے
غلام اپنے شہِ دیں وقار کے صدقے
ہزار جاں مری حضرت کے پیار کے صدقے

۳۱

کہاں ہیں، اور کہاں آپ کا یہ لطف و کرم
لہو میں غرق ہوں اپنے میں سر سے تا بقدم
بھرے نہ آپ کی پوشاک، یا امامِ اُمم
کہا یہ شاہ نے بھائی سے تب بدیدۂ نم
تمھارا تیغوں سے تن چاک چاک ہے عباس
تمھارے بعد یہ پوشاک خاک ہے عباس

۳۲

کہا تب اس نے کہ بندے سے کچھ ہوئے راضی
یہ سُن کے پہلے تو شہ نے اک آہ کی ایسی
فلک بھی ہل گئے جس سے زمین بھی کانپی
گلے لگا کے پھر اس کو، یہ رو کے بات کہی
بنائے تجھ کو رضامندی اپنی کیا شبّیر
اخی، ترے تنِ بے دست کے فدا شبّیر

۳۳

کہو، سکینہ کو دینا ہے کیا کوئی پیغام
وہ بولا آہ، ہے ناحق بدل سکینہ کا نام
ہزار حیف کہ ہم کچھ نہ آئے اس کے کام
تمام یہاں ہوئے ہم، پیاس سے ہوئی وہ تمام
دلاسا دینے کو خیمہ میں جب کہ جایئے گا
مری طرف سے بہت سا گلے لگایئے گا

۳۴

ہیں اس کی پیاس کے قرباں ہیں اسکے منھ کے نثار
ہیں اس کا عاشق و شیدا وہ میری عاشقِ زار
ہیں اس سے پانی کے لانے کا کرچکا تھا قرار
لبوں پہ پھیرتی ہوگی زباں وہ سو سو بار
کھڑی تھی در پہ، قدم تھرتھراتے ہودیں گے
خیال ہوگا کہ عمّو اب آتے ہودیں گے

۳۵

خبر ہے کیا اسے میں نے نہ کی تھی کوتاہی جو بات چاہی تھی، تقدیر نے وہ نہ چاہی
ہوئی ہو کس کے مقدر سے کس کو آگاہی وہ پیاسی رہ گئی، جنت کو ہم ہوئے راہی
ہزار جاں مری اُس بے قرار کے صدقے
ہے منتظر مری، اُس انتظار کے صدقے

۳۶

یہ کہہ کے رونے لگا اور کیا یہ شہ سے بیاں مری جو زوجہ ہے اس سے یہ کہیو بھائی جاں
سکینہ نام مرا لے کے ہووے جب گریاں مری طرف سے بھتیجی پہ ہو جیو قرباں
اسی حجاب و خجالت سے گھر نہ آیا میں
بھتیجی پیاسی رہی پانی کیوں نہ لایا میں

۳۷

یہ شہ سے کہہ کے جو رو بادہ شیرِ دشتِ نبرد ہوا سکینہ کی اُلفت سے دل کے زخم میں درد
قدم پہ شاہ کے مَل مَل کے چہرۂ پُر گرد سدھارا خُلد کو سینہ سے کھینچ کر دمِ سرد
اب آگے کیا کہوں عبّاس کی وفات کا حال
انیسؔ غیر ہوا شاہِ کائنات کا حال

۱

زیورِ کعبۂ تسلیم و رضا ہے شبیرؑ گوہرِ تاجِ سرِ عرشِ خدا ہے شبیرؑ
زیبِ آغوشِ رسولِ دوسرا ہے شبیرؑ آفتابِ فلکِ لطف و عطا ہے شبیرؑ

ایسے مقبول زمانے میں کہاں ہوتے ہیں
آج تک جن کے لیے اہلِ جہاں روتے ہیں

۲

جدِّ امجد کو جو پوچھو، تو ہے محبوبِ خدا باپ وہ سارے زمانے کا ہے جو عقدہ کشا
حضرتِ جعفرِ طیار سا ہے جس کا چچا فاطمہؑ والدہ، بھائی حسنِؑ سبز قبا

اے خوشا مرتبہ، ماں کیسی پدر کیسا ہے
کون دنیا میں نجیب الطّرفین ایسا ہے

۳

واہ ری عزت و توقیر زہے حشمت و جاہ کیا شرافت ہے زہے شان ہے اللہ اللہ
کوئی شبیرؑ سا آقا نہیں خالق ہے گواہ جان دی اور نہ ہونے دیا اُمّت کو تباہ

باندھی مرنے پہ کمر، بابِ اجابت کھولا
بند دوزخ کیا، دروازۂ جنّت کھولا

۴

گر زمانے میں نہ ہوتا وہ شہنشاہِ حجاز یہ تلاطم تھا کہ ڈوبا ہی تھا اُمت کا جہاز
بحرِ عالم کا جو دیکھا یہ نشیب اور فراز ناخدا خود ہوئے قربانِ شہِ بندہ نواز

آ کے اس نوحِ غریباں نے بچایا ہم کو
آبِ کوثر کے کنارے سے لگایا ہم کو

۵

تھا نہ امت کا ٹھکانا کہیں جز نارِ جہیم — لے گئے جانبِ فردوس، زہے لطفِ عمیم
کس نے دیکھے ہیں زمانے میں بھلا ایسے رحیم — صادق الوعد، وفادار، کریم ابنِ کریم
اپنا سر دے کے گنہ گاروں کی حرمت رکھ لی
بات شیعوں کی رکھی، دین کی عزت رکھ لی

۶

صدقے بے گانوں پہ کرتا ہے کوئی اپنا پسر — کھو سکے دیدہ و دانستہ کوئی نورِ نظر
قتل فرزند ہو اور کچھ نہ کہے منھ سے پدر — غیرِ دل بندِ علی اور یہ کس کا ہے جگر
گھر کے لٹ جانے کی کچھ آپ نے پرواہ نہ کی
علی اکبر سا جواں مر گیا اور آہ نہ کی

۷

کیا عنایت ہے، جگر بندِ پیمبرؐ کے نثار — راہِ حق میں جسے قرباں کیا اُس سر کے نثار
پانی بِن سوکھ گئے تھے لبِ اطہر کے نثار — زخمی بازو کے فدا، سینۂ انور کے نثار
واہ کس صبر سے وعدے کو وفا کرتے تھے
زخم جب لگتا تھا، اُمت کی دعا کرتے تھے

۸

صدقے ہوں ایسے نواسے پہ نہ کیوں کر نانا — ان کی امت پہ لڑکپن سے رہے پروانا
حیف اُمت نے نہ شبیرؑ کا رتبہ جانا — تین دن پانی نہ پینے دیا، کیسا کھانا
باڑھیں رکھوائی تھیں تلواروں پہ پیاسے کیلیے
ہائے یہ ظلم محمدؐ کے نواسے کے لیے

۹

لاکھ ملعونوں میں تھے یکہ و تنہا شبیر — برچھیاں پہلوؤں پر لگتی تھیں اور چھاتی پہ تیر
خوں میں ڈوبا ہوا تھا فاطمہ کا ماہِ منیر — دم بدم کہتی تھی یہ تیغِ شہِ خیبر گیر
پانی پانی ہوں میں اے سبطِ پیمبرؐ دیکھو
آبرو جاتی ہے مولاؑ مرے جوہر دیکھو

۱۰

جب سے مارا گیا ہم شکلِ پیمبر سا جواں　　ہوں میں اس وقت سے جوں ماہیِ بے آب طپاں
ایک دم میں تو فنا ہوتے ہیں یہ بے ایماں　　تاکجا رحم، ہیں اس لطف و کرم کے قرباں
تم ہو فرزندِ علیؑ، لاشوں سے جنگل بھر دو
قاتلوں کو علی اکبرؑ کے تو بے سر کر دو

۱۱

کاٹے ان لوگوں نے عباسِ علیؑ کے بازو　　مار ڈالا علی اکبر سا جوانِ مہ رُو
ہائے وہ چاند سے رخسار، گھنیلے گیسو　　دشمنوں سے یہ مروّت نہیں دیکھی ہے کبھو
نہ برادر کا، نہ بیٹے کا عوض لیتے ہیں
زخمی وہ کرتے ہیں، اور آپ دعا دیتے ہیں

۱۲

ذوالفقارِ اسد اللہ سے فرماتے تھے شاہ　　یں تو ان لوگوں کا دشمن نہیں خالق ہے گواہ
رحم لازم ہے کہ ہیں امتِ محبوبِ الٰہ　　جن کو نانا کرے آباد، کروں اُن کو تباہ
سر کٹانے سے رہِ حق میں مجھے شادی ہے
ان کی بربادی تو شبیرؑ کی بربادی ہے

۱۳

گو کہ عباسؑ کے مرنے سے کمر ہو گئی خم　　یا غمِ اکبرِ مہ رُو میں بصارت ہوئی کم
راہِ معبود میں سب سہل ہے یہ رنج و الم　　جد کی اُمّت پہ کبھی ہاتھ اٹھائیں گے نہ ہم
پیارے میرے بھی ہیں، نانا کے بھی پیارے ہیں یہ
غیر تو ان کو سمجھیو نہ، ہمارے ہیں یہ

۱۴

مار ڈالا مرا اکبر سا برابر کا پسر　　میں یہ کہتا رہا جو مرضیِ ربِّ اکبر
لوں عوض یہ مرے شایاں نہیں اے تیغِ دو سر　　چاہتا ہوں کہ نہ ہو امتِ عاصی کو ضرر
عذر کو آئیں تو چھاتی سے لگا لوں ان کو
اب بھی گر سمجھیں، تو دوزخ سے بچا لوں انکو

۱۵

شاہ یہ کہتے تھے، جو آئی محمد کی صدا
اے مرے لعل، یہ نانا تری ہمت پہ فدا
ہائے، سہتے ہو یہ سختی، یہ صعوبت، یہ جفا
تجھ سے اس اُمّت بد نے مجھے شرمندہ کیا
قتل کرنے کو لعیں تجھ کو نہیں گھیرتے ہیں
احمد و حیدر و زہرا پہ چھری پھیرتے ہیں

۱۶

جیتے جی مجھ کو ستاتے رہے یہ بدکردار
ان کے ہاتھوں سے نہ پائی کبھی راحت زنہار
بعد میرے مری بیٹی کو دیے کیا آزار
اپنے حصّے سے بھی محروم رہی وہ حق دار
دین و دنیا کے شہنشاہ کی گردن باندھی
ریسماں سے اسد اللہ کی گردن باندھی

۱۷

گھر سے بیٹی مری بازار میں نکلی دن کو
اُن پہ یہ ظلم، کیا پاک خدا نے جن کو
میرے احسان بھی کچھ یاد نہ آئے ان کو
شکمِ فاطمہ میں قتل کیا محسن کو
کر دیا زہرِ دغا سے دلِ شبرؑ ٹکڑے
ہو گئے میرے کلیجے کے بہتّر ٹکڑے

۱۸

ایک تنہا پنجتنِ پاک میں باقی ترا دم
قتل کرتے ہیں تجھے بھی یہ لعیں، ہائے ستم
میرا اور تیرا لہو ایک ہے خالق کی قسم
تو جو زخمی ہے تو میں زخمی ہوں سر تا بقدم
زخم اس چاند سی چھاتی پہ جو تو سہتا ہے
دیکھ لے میرے بھی سینے سے لہو بہتا ہے

۱۹

روتے تھے سرورِ دیں سن کے یہ نانا کے کلام
ابر کی طرح سے اُمڈا ہوا تھا لشکر شام
بجلیاں کوندتی تیغوں کی تھا بلوۂ عام
خون میں بھیگتے تھے تیروں کی بارش سے امام
ڈگمگا کر کبھی گھوڑے پہ سنبھل جاتے تھے
اور کبھی پاؤں رکابوں سے نکل جاتے تھے

۲۰

ایک مظلوم کو گھیرے ہوئے تھے لاکھ سوار شور تھا گھوڑے سے گرتا ہے علی کا دلدار
مارتا تھا کوئی نیزہ کوئی ظالم تلوار تھے کماندار فقط ایک طرف تیس ہزار
بجلیاں گرتی تھیں ہر سمت سے شمشیروں کی
سینہ غربال تھا، بوچھار یہ تھی تیروں کی

۲۱

پیچ عمّامے کے کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے تیر ہر مرتبہ پیغامِ قضا لاتے تھے
وار سے نیزوں کی فرصت نہ ذرا پاتے تھے برچھیاں لگتی تھیں جب، شکر ہی فرماتے تھے
رشکِ ایّوب تھا وہ عقدہ کشائے اُمّت
دل میں تھی یادِ خدا لب پہ دعائے اُمّت

۲۲

کبھی فرماتے تھے گردوں کی طرف کر کے نگاہ بندۂ بیکس و مجبور ہوں اے بارِ الٰہ
نہ مددگار نہ انصار، نہ لشکر نہ سپاہ میری مظلومی و تنہائی کا تو رہیو گواہ
رحم کر رحم، کہ سر کٹنے کا ساماں ہو جائے
مشکلِ ذبح بھی شبیر پہ آساں ہو جائے

۲۳

ذکر یہ تھا کہ لگا چھاتی پہ اک نیزۂ کیں گر پڑے خاک پہ غش کھا کے شہِ عرش نشیں
آسماں ہل گئے تھرّا گئی مقتل کی زمیں دوڑی چلاتی ہوئی زینبِ ناشاد و حزیں
بسرِ خاک گرا عرش کا تارا ہے ہے
ان لعینوں نے مرے بھائی کو مارا ہے ہے

۲۴

خاک سے سبطِ پیمبرؐ کو اٹھاؤ لوگو! منھ میں پانی کی کوئی بوند چواؤ لوگو!
رحم اس بیکس و مظلوم پہ کھاؤ لوگو! مجھ تلک کوئی مرے بھائی کو لاؤ لوگو!
بیٹی حیدر کی ہوں اور فاطمہ کی جائی ہوں
اپنے بھائی کے لئے گھر سے نکل آئی ہوں

۲۵

چونک کر غش سے یہ زینب کو پکارے سرورؔ کیا غضب تم نے کیا، کیوں نکل آئیں باہر
ابھی جیتا ہوں میں، تم خیمے میں جاؤ خواہر خاک اڑا لیجیو جب تیغ سے کٹ لے مرا سر
جمع ہیں حلق پہ تلواریں پھرانے والے
مر گئے سب مرے لاشے کے اٹھانے والے

۲۶

بھانجے مر گئے دونوں، انھیں کیونکر پاویں نے قاسم نہیں جو مجھ کو بچانے آویں
بھائی عباس نہیں ہیں، جو سپر بن جاویں علی اکبر نہیں، جو برچھیاں تن پر کھاویں
سب سے بے یاس، کسی کی ہمیں اب آس نہیں
ذبح کا وقت ہے اور کوئی مرے پاس نہیں

۲۷

آئی پہلو سے یہ خاتونِ قیامت کی صدا فاطمہ اس تری مظلومی و غربت کے فدا
میں تو حاضر ہوں، بڑی دیر سے اے ماہ لقا کبھی میں تھامتی ہوں تم کو، کبھی شیرِ خدا
آج احمدؐ کا گریبان پھٹے گا، بیٹا!
سر تمھارا مرے زانو پہ کٹے گا، بیٹا!

۲۸

روتی تھی میں، جو کبھی ٹوٹتا تھا زلف کا بال تم نہ بے چین ہو، ہر دم یہی رہتا تھا خیال
خاک پر آج پڑے لوٹتے ہو اے مرے لعل ہو گئی تیغوں سے یہ چاند سی چھاتی غربال
کون سے دکھ تمھیں اے یوسفِ ثانی نہ ملے
دودھ میں جس کو پلاؤں اُسے پانی نہ ملے

۲۹

گرد حضرت کے ہوا اتنے میں اعدا کا ہجوم کاٹ لو شاہ کا سر، تھی یہی اُس فوج میں دھوم
سیکڑوں ظالمِ بے رحم تھے، اور اک مظلوم راوی لکھتا ہے کہ اک خیمہ سے نکلا معصوم
برقِ شمشیر سے ڈر کر جو جھجک جاتا تھا
گوہرِ گوش ستارا سا چمک جاتا تھا

۳۰

نرگسی آنکھیں تھیں، منھ چاند سا، لمبے گیسو　　تھا بھرا حُسن سے لبریز صراحی سا گلو
نرگسی آنکھوں میں صدمے سے بھرے تھے آنسو　　تکتا تھا چار طرف گھر سے نہ نکلا تھا کبھو
واری پھر آؤ! پھوپی رو رو کے چلاتی تھی
پیچھے اس بچے کی ماں دوڑی چلی آتی تھی

۳۱

بولی ماں پیچھے سے کُرتے کا پکڑ کر دامن　　اے یتیمِ حسن، اے بیکس و آوارہ وطن
رحم کر مجھ پہ، میں بیوہ ہوں گرفتارِ محن　　گھر میں چل، مار نہ ڈالے تجھے کوئی دشمن
نہ جُدا ہو کہ مری آنکھوں کا تارا ہے تُو
رانڈ ہوں میں، مری پیری کا سہارا ہے تُو

۳۲

مر چکا ہے ابھی قاسم سا مرا لختِ جگر　　اب سوا تیرے، کوئی اور نہیں میرا پسر
مر گیا تو بھی، تو واری میں جیوں گی کیونکر　　کون ڈیوڑھی رانڈوں کی پردیس میں لیویگا خبر
قابلِ جنگ نہیں، رن میں نہ جاؤ بیٹا!
چل کے رنڈ سالہ تو بھاوج کو پنھاؤ بیٹا!

۳۳

ماں سے دامن کو چھڑا کر وہ یہ کرتا تھا بیاں　　قتل ہوتے ہیں چچا مجھ کو نہ روکو امّاں
پرورش رانڈوں کی کرتا ہے خدائے دو جہاں　　بیکسی میں مجھے ہونے دو چچا پر قرباں
کم نہیں آج جوانوں سے ارادہ میرا
علی اصغر سے تو سِن ہوگا زیادہ میرا

۳۴

ماں نے بیتابی بہت کی، نہ رُکا پر وہ صغیر　　پہونچا اس وقت کہ جب شاہ پہ تھی بارشِ تیر
لپٹا چھاتی سے تو گھبرا کے یہ بولے شبیر　　موت لے آئی تجھے خیمہ سے، اے ماہِ منیر
مجھ پہ تیغوں میں سپر ہونے کو آئے بیٹا
ہائے، عمّو تمھیں کس طرح بچائے بیٹا

۳۵

اتنے میں شاہ پہ اک شامی نے ماری تلوار　　اپنے ہاتھوں پہ لیا بچّے نے اس تیغ کا وار
ہاتھ دونوں جو قلم ہوگئے اُس کے اک بار　　گر پڑا شاہ کی گودی میں حسنؑ کا دلدار
خاک پر صدمے سے شاہِ شہدا لوٹتے تھے
وہ جُدا لوٹتا تھا، ہاتھ جُدا لوٹتے تھے

۳۶

پانی حضرت سے لگا مانگنے وہ طفلِ صغیر　　یک بیک ننھی سی گردن پہ لگا ظلم کا تیر
دم گلے میں جو رُکا، مر گیا وہ ماہِ مُنیر　　آسماں ہل گیا اس درد سے روئے شبیّر
دیکھ کر چرخ کو، فریاد و بکا کرتے تھے
اس کے لاشے کو نہ چھاتی سے جدا کرتے تھے

۳۷

جب غش آیا تو رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں　　کھینچے خنجر کو بڑھے فوج سے بارہ بے دیں
کیا انیسؔ آگے کہوں اب ستمِ شمرِ لعیں　　ذبح سجدے میں ہوا فاطمہ کا ماہِ مُبیں
نازنیں حلق کہاں، خنجرِ بے پیر کہاں
زانوے شمر کہاں، سینۂ شبیّر کہاں

۱

حضرت سے کربلائے معلیٰ قریب ہے ۔ مشتاق جس زمیں کے ہیں وہ جا قریب ہے
پیاسے رہیں گے جس پہ، وہ دریا قریب ہے ۔ تربت جہاں بنے گی وہ صحرا قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آتی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

۲

کہتا تھا حلق، یا شہِ دیں مجھ کو پیاس ہے ۔ کہتے تھے شہ کہ چشمۂ کوثر بھی پاس ہے
سینہ تو چاک چاک ہے اور دل اُداس ہے ۔ جینے سے سیر ہو چکے، مرنے کی آس ہے
کہتا ہے سر کہ مجھ پہ یہ احسان کیجیے
راہِ خدا میں اب مجھے قربان کیجیے

۳

یارو، خیالِ بیکسیِ شہ کرو ذرا ۔ وہ دھوپ دوپہر کی، وہ صحرائے کربلا
وہ لُو، وہ خاک دشت کی وہ گرمیِ ہوا ۔ بے سایہ نازپرورِ زہراؑ ہے چُپ کھڑا
زخموں کا ہے ہجوم تنِ پاش پاش پر
عمامہ ہے پڑا ہوا اکبرؑ کی لاش پر

۴

اک سمت دوپہر ہے بیاباں میں ڈھل چکی ۔ اک سمت ہیں حسینؑ پہ تیغیں کھنچی ہوئی
سوکھی زباں دہن سے ہے باہر نکل پڑی ۔ سب مر چکے حسینؑ رہے یا اجل رہی
مشتاقِ تیغ سر کو جھکائے امام ہیں
باقی رہے گا روز مگر شہ تمام ہیں

۵

آفت نصیب کوئی نہ ہوگا حسین سا تنہا غریب، بے کس و بے یار و آشنا
ہر ایک سمت دیکھ کے دیتا ہے یہ صدا گذرا ہیں ایسے جینے سے اے موت جلد آ
اے ساعتِ قتال ترا ہجر شاق ہے
اے تیغ شمر سر کو ترا اشتیاق ہے

۶

کیا یہ روا تھا ہم پہ جو تم نے ستم کیا پھولا پھلا جو باغِ پیمبر قلم کیا
آبادیِ زمانہ کو واللہ کم کیا اکبرؑ کو مار کے مجھے مجبوسِ غم کیا
بیشک مری سپاہ خدا کی سپاہ تھی
کہہ دو گناہ گار تھی یا بے گناہ تھی

۷

قدرت خدا کی نہر سے سیراب ہوں شتر اور آلِ مصطفےٰ کے لبِ خشک ہوں نہ تر
پانی پییں چرند و پرند آن آن کر ہم دور سے بھی نہر کو دیکھیں نہ بھر نظر
تم کیا کرو یہ گردشِ لیل و نہار ہے
ایسا ہی ابنِ فاطمہ تقصیر وار ہے

۸

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ بحر و بر جنگل میں جس طرح سے برستا ہے ابرِ تر
فضہؑ نے جا کے زینبِ بیکس کو دی خبر کیا بیکسی ہے آج محمدؐ کے لال پر
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے جاں اپنی کھوتے ہیں
تنہائی میں کھڑے ہوئے غربت کو روتے ہیں

۹

سر پیٹنے کی جا ہے محبانِ مرتضا زہراؑ کا نازنین تو بے ہوش ہے پڑا
لازم تھا اس کے منہ پہ چھڑکنا گلاب کا اس کے عوض میں شمرِ لعیں سینے پر چڑھا
زانوے شمر و سینۂ شبیرؑ دیکھیے
یارو، ذرا نوشتۂ تقدیر دیکھیے

۱۰

غل ا قتلو الحسین کا میداں میں جب ہوا　　بولا کوئی وہ غش میں ہے اب کاٹیے گلا
بولا کوئی، کہ لیجیے دستارِ مصطفا　　بولا کوئی، کہ تیغ کرو ہاتھ سے جُدا
بولا کوئی جُدا سرِ شاہِ زمن کرو
اب دیر کیا ہے خاتمۂ پنجتن کرو

۱۱

جلاّد کے پھر یہ شمرِ ستمگار نے کہا　　زینب، میں کاٹتا ہوں ترے بھائی کا گلا
تو دیکھ باڑھ خنجرِ خونخوار کی ذرا　　کے ضرب میں، میں ذبح کروں شہ کو سچ بتا
بے چین زیرِ تیغ پیمبر کا لال ہے
تو دیکھ آج کیا ترے بھائی کا حال ہے

۱۲

جلاّد سے یہ کہتے تھے رو کر شہِ ہُدا　　زینب کو در سے خیمہ کے ہٹ جانے دے ذرا
خواہر کے آگے کاٹ نہ شبّیر کا گلا　　کہنے لگا لعیں کہ مجھے اس سے کام کیا
ہے دل میں بنتِ فاطمہ کو رنج دیجیے
اُس کو دکھا دکھا کے تمھیں ذبح کیجیے

۱۳

یہ سُن کے سینہ زینبِ بیکس کا پھٹ گیا　　سوے مدینہ دیکھ کے بولی بصد بُکا
اے اماں جان، آؤ خدا کے لیے ذرا　　خنجر تلے حسینؑ ہے اس دم تڑپ رہا
کس کس طرح سے شمرِ ستم گر رُلاتا ہے
بھائی کو ذبح کرتا ہے، مجھ کو دکھاتا ہے

۱۴

تب آئی قتل گاہ سے زہراؑ کی یہ صدا　　کیا تجھ پہ فاطمہؑ سے بھی اندوہ ہے سوا
تو دیکھتی ہے دُور سے یہ حال بھائی کا　　کٹتا ہے میری گود میں شبّیر کا گلا
میں چومتی ہوں حلق شہِ مشرقین کا
میں دیکھتی ہوں پاؤں رگڑنا حسینؑ کا

۱۵

زینب ہے تیرے بھائی کا منکا ڈھلا ہوا　　ساقط ہے نبض چہرے پہ چھائی ہے اب قضا
اٹکی ہے سانس سینے میں، ہیں سرد دست و پا　　آساں مرے حسینؑ کی مشکل کرے خدا
آنکھوں میں جاں سمٹ کے مسافر کی آئی ہے
زہراؑ تباہ ہوتی ہے، حق کی دہائی ہے

۱۶

یہ کہہ کے خواہرِ شہِ دیں سے بصد بُکا　　چشمِ حسینؑ کرنے لگیں بند فاطمہؑ
طاقت تو بولنے کی نہ سَرورؑ میں تھی ذرا　　پر چشمِ نیم وا سے اشارہ یہی کیا
آنکھوں کا بند کرنا مرے دل کو شاق ہے
اصغرؑ کے دیکھنے کا مجھے اشتیاق ہے

۱۷

شبیرؑ کے کلام سے غش ہو گئیں بتولؑ　　اور ذبح پیاسا ہو گیا لختِ دلِ رسولؐ
خالق نے کی شہادتِ سبطِ نبیؐ قبول　　پانی ہوا نہ تھا جو دمِ ذبح بھی حصول
نکلی دہن سے ہونٹوں پہ سوکھی زبان تھی
بیچین روحِ بادشہِ دو جہان تھی

۱۸

دیکھا جو سوئے دشت سکینہؑ نے یہ کہا　　زخمی یہ کون بیچ میں لاشوں کے ہے پڑا
کیا اس کا گھر نہیں جو ہے جنگل میں سو رہا　　زینبؑ نے تب کہا تو نہیں جانتی ہے کیا
تیرا پدر ہے، فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
یہ بے کس و غریب مسافر حسینؑ ہے

۱۹

دیکھی پدر کی لاش تو بولی وہ مہ لقا　　بابا تم آن کر مجھے گودی میں لو ذرا
عمّو سے بھی کہو یہیں خیمہ کریں بپا　　ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے
تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

۲۰

خاموش، اے انیسؔ، یہ اب حق سے کر دعا　　ہر روز مومنوں کی ترقی کرے عطا
محتاجوں کو فراغ مریضوں کو دے شفا　　ہر ایک کے مطالبِ دل جلد ہوں عطا
کر التجا قبول کہ دل شاد ہو میرا
آزاد قید و رنج سے استاد ہو میرا

۱

دشتِ بلا میں گُم علی اکبر کی لاش ہے　　فرزندِ فاطمہ کو پسر کی تلاش ہے
داغِ جگر پہ ناخنِ غم کی خراش ہے　　سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
بانو کو غم ہے اہلِ حرم دردمند ہیں
ہے ہے پسر کی گھر میں صدائیں بلند ہیں

۲

پوشیدہ چشم سے جو وہ نورِ نگاہ ہے　　سبطِ نبی کی آنکھوں میں عالم سیاہ ہے
تھرا رہے ہیں ضعف سے حالت تباہ ہے　　نعلین پاؤں میں ہے نہ سر پر کلاہ ہے
زردی ہے رُوئے پاک پہ زلفوں پہ خاک ہے
دامن تلک قبا کا گریبان چاک ہے

۳

اللہ رے جوشِ ماتمِ فرزندِ گلعذار　　غم سے سفید ہو گئی ریشِ خضاب دار
مثلِ کماں خمیدہ ہیں شاہِ فلک وقار　　کھوئے ہوئے پسر کے الم سے ہیں بے قرار
گھوڑے کی باگ ہاتھ سے ہر بار گرتی ہے
صورت جوان بیٹے کی آنکھوں میں پھرتی ہے

۴

چلاتے ہیں کہ باپ کے پیارے کدھر گئے　　اے نورِ چشم آنکھوں کے تارے کدھر گئے
اے میرے زندگی کے سہارے کدھر گئے　　پہنچا کے مجھ کو گور کنارے کدھر گئے
اندھیر ہے جہاں نہ تمھیں پائے گا پدر
آواز دو گے تم تو چلا آئے گا پدر

۵

رُوٹھے ہو کس لیے علی اکبرؔ، جواب دو　　صدقے ہو باپ، اے مرے دلبر، جواب دو
اے میرے ہم شبیہِ پیمبرؐ، جواب دو　　تم سے بچھڑ کے زیست ہو کیوں کر، جواب دو

جو راہ ہے تمھاری، وہی اپنی راہ ہے
لازم ہے رحم، باپ کی حالت تباہ ہے

۶

کس جا پہ تم پڑے ہو بتاؤ، پدر نثار　　آواز اپنی ہم کو سناؤ، پدر نثار
ہم گر پڑے ہیں آ کے اُٹھاؤ، پدر نثار　　چھاتی سے پھر پدر کو لگاؤ، پدر نثار

رخصت ہے اپنے گھر کو ذرا دیکھ بھال لو
لغزش ہے ہاتھ پاؤں میں، آ کر سنبھال لو

۷

کس سے میں پوچھوں، کون تمھاری خبر بتائے　　یہ بیکس و غریب، مسافر کدھر کو جائے
قسمت میں میری ٹھوکریں لکھیں تھیں، ہائے ہائے　　اس جینے سے تو کاش خدا مجھ کو بھی اٹھائے

کیا قہر ہے کہ گود کے پالوں سے چُھٹ گئے
منزل پہ آ کے قافلہ والوں سے چُھٹ گئے

۸

اب ہاتھ کو پکڑ کے اٹھاتا نہیں کوئی　　رونے پہ میرے رحم بھی کھاتا نہیں کوئی
یوسف کی میرے شکل دکھاتا نہیں کوئی　　بیٹا، تمھاری لاش بتاتا نہیں کوئی

حالت ہماری کا ہے کو دیکھی ہے آپ نے
تم کو خیال ہو گا، خبر لی نہ باپ نے

۹

آئی صدا نہ کچھ، تو زمیں سے کیا سوال　　اے خاک، تجھ میں تو نہیں پنہاں ہمارا لال
آغاز ہیں مسیں، ابھی اٹھارواں ہے سال　　اور حُسن میں ہے صورتِ محبوبِ ذوالجلال

مہتاب اس کے چہرے کی پرتو سے ماند ہے
روشن یہ رُخ سے ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

۱۰

اے ارضِ کربلا، میرا دلبر کدھر گیا　　اے نینوا، مرا مہِ انور کدھر گیا
مقتل سے، ہم شبیہہِ پیمبرؐ کدھر گیا　　اے نہرِ علقمہ، علی اکبر کدھر گیا
نکلا ہوں میں شہید پسر کی تلاش کو
بتلا مجھے مرے دُرِ یکتا کی لاش کو

۱۱

تم نے تو طائرو، نہیں دیکھا میرا پسر　　اے آہوو، بتاؤ مرے شبیر کی خبر
ہے کس طرف کو وہ میرا پیاسا لہو میں تر　　اے آسماں، بتا کہ میرا چاند ہے کدھر
چھایا اندھیرا، رونقِ باغِ جہاں، گئی
اے آفتاب، روشنی تیری کہاں گئی

۱۲

اے فوجِ ظلم، بانو کے دلبر کو کیا کیا　　بیکس کو تشنہ کام کو، دلبر کو، کیا کیا
اے ظالمو، شبیہہِ پیمبرؐ کو کیا کیا　　ملتا نہیں، مرے علی اکبر کو، کیا کیا
للہ دو بتا کہ بھٹکتے ہیں راہ میں
شاید گرا دیا، مرے یوسف کو چاہ میں

۱۳

تم نے بُلا کے گھر سے، نہ میرا ادب کیا　　مہماں پہ، بے وطن پہ، ستم بے سبب کیا
بے جاں بھتیجے بھانجوں کو تشنہ لب کیا　　فرزند نوجواں کو بھی مارا، غضب کیا
اب دشمنی کرو نہ شہِ مشرقین سے
بچھڑے ہوئے پسر کو ملا دو حسینؑ سے

۱۴

یہ کہہ کے، ہر طرف گئے باچشمِ اشک بار　　لیکن ملا نہ شاہ کو فرزندِ نامدار
خیمہ کی سمت آئے، جو روتے بحالِ زار　　چلائی سر کو پیٹ کے فضہ جگر فگار
یا شاہ، میں بھی آنے کو تھی فوجِ شام میں
ملتی نہیں ہیں زینبِؑ بیکس خیام میں

۱۵

سب بیبیاں ہیں خیموں میں، یاشاہِ بحر و بر کیا جانیے کدھر گئیں زینب برہنہ سر
ڈھونڈ آئی ہوں میں خیمۂ عباسِ نامور غش تھی ابھی تو فرطِ قلق سے وہ نوحہ گر
پیارا ہے کس طرف، یہی لب پر کلام تھا
جاری زباںؑ پر علی اکبر کا نام تھا

۱۶

اب گھر سے ڈھونڈنے کو نکلتی ہیں بیبیاں بکھرے ہیں بال چہرے پہ اور اشک ہیں رواں
پکڑے ہیں کوکھ ہاتھوں سے بانوئے خستہ جاں لاشہ بتایئے علی اکبر کا ہے کہاں
اک حشر ہو گا رن میں تنِ پاش پاش پر
زینب کہیں گئیں نہ ہوں اکبر کی لاش پر

۱۷

یہ سُن کے خاک اُڑاتے چلے سرورِ زماں جا پہونچے لاشۂ علی اکبر پہ ناگہاں
دیکھا کہ بنتِ فاطمہ باچشمِ خوں فشاں کرتی ہیں لاشِ اکبرِ مظلوم پر فغاں
نہ دوش پر ردا ہے، نہ رُخ پر نقاب ہے
کانوں کے بُندے ہلتے ہیں، یہ اضطراب ہے

۱۸

چلاتی ہیں کہ گود کا پالا کہاں گیا آنکھوں کا نور، گھر کا اُجالا کہاں گیا
چشم و چراغ سیّد والا کہاں گیا وہ میرا لمبے گیسوؤں والا کہاں گیا
دو دائیوں نے پالا ہے اُس نونہال کو
برچھی سے کس نے قتل کیا میرے لال کو

۱۹

زینب کا حال دیکھ کے روئے شہِ انام خواہر کے پاس آکے کیا اس طرح کلام
دل کو سنبھالو اب کہ یہ ہے صبر کا مقام زندہ ہے اے بہن ابھی شبیرِ تشنہ کام
تم جاؤ بیں اُٹھاتا ہوں دلبر کی لاش کو
خیمہ میں لے کے آتا ہوں اکبر کی لاش کو

۲۰

یہ سُن کے خیمہ میں گئیں زینب بچشمِ نم — پہنچے پسر کی لاش پہ یاں سرورِ اُمم
پُشتِ فرس پہ لاش کو رکھ کر بصد الم — روتے ہوئے چلے طرفِ خیمۂ حرم
گردن میں باپ کی علی اکبر کے ہاتھ تھے
اور آپ باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

۲۱

ضربت سے تیغ کی سرِ انور فگار تھا — نیزہ ستم کا پشتِ مبارک سے پار تھا
آنکھوں میں ریت، زلفوں میں رَن کا غبار تھا — بے ہوش جانِ فاطمہؑ کا گلعذار تھا
سوکھے تھے ہونٹ، چاند سی گردن نڈھال تھی
زخموں کے خوں سے جسم کی پوشاک لال تھی

۲۲

پردہ جو اُلٹا خیمہ کا فضّہ نے ایک بار — لائے پسر کو گھر میں شہنشاہِ نامدار
زیرِ علم کھڑا ہوا اکبر کا راہوار — اور گرد پیٹنے لگیں رانڈیں جگر فگار
اک حشر تھا کسی کو نہ اس وقت ہوش تھا
گھوڑا بھی رُو رہا تھا یہ رقّت کا جوش تھا

۲۳

بانو یہ کہتی تھی، ارے لوگو، ٹھہر تو جاؤ — وسواس مجھ کو آتا ہے، سر پر نہ خاک اوڑاؤ
رَن سے برات آئی ہے مسند کوئی بچھاؤ — دولھا کو جا کے گھوڑے سے جلدی اتار لاؤ
بتلا تو دو مجھے کہ دُلھن کیسی پائی ہے
دولھا نے کیوں یہ خون کی مہندی لگائی ہے

۲۴

زینب پکاری، تم نے کہا کیا یہ منھ سے آہ — شادی کہاں کی، کیسی دلھن، اور کیسا بیاہ
لاشہ پسر کا لائے ہیں گھوڑے پہ رَن سے شاہ — سر پیٹو، دشتِ ظلم میں گھر ہو گیا تباہ
شبیرؑ کو سنبھالے ہوئے رَن سے لائی ہوں
لاشے کے ساتھ ساتھ میں سر ننگے آئی ہوں

۲۵

چھاتی پہ دونوں ہاتھ جو رکھے ہیں خوں میں تر برچھی سے ہے چھدا ہوا بی بی دل و جگر
مادر نہ زخم دیکھے کہیں ، ہے یہ ان کو ڈر ہر لحظہ سانس اٹکتی ہے صدمہ ہے جان پر
فرزندِ نوجواں کو پھر ایک بار دیکھ لو
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

۲۶

دوڑی یہ بات سنتے ہی بانوے خستہ جاں لپٹی پسر کے گھوڑے سے با چشمِ خوں فشاں
زخمی کو پشتِ زیں سے اُتارا بصد فغاں مسند تلک سنبھالے ہوئے لائیں بیبیاں
رو کر کوئی لپٹ گئی، کوئی فدا ہوئی
لاشا لٹا دیا تو قیامت بپا ہوئی

۲۷

لپٹی جو ماں تو کھول دی اکبر نے چشمِ نم آہستہ یہ کہا کہ بچھڑتے ہیں تم سے ، ہم
دیکھا تمھیں، بس اب کوئی باقی رہا نہ غم دودھ اپنا بخش دیجے کہ وقفہ بہت ہے کم
امّاں بلائیں لے کے نہ ہر دم خجل کرو
تقصیر جو ہوئی ہو، اسے اب بحل کرو

۲۸

یہ سُن کے بولی کُوٹ کے چھاتی وہ دل فگار قربان جاؤں میں بھی، مرا دودھ بھی نثار
تقصیر تم سے کیا ہوئی اے میرے گلعذار میں بلکہ خود قصور پہ ہوں اپنے شرم سار
تیغوں میں آن کر نہ تمھاری سپر ہوئی
جب لاش گھر میں آئی تو ماں کو خبر ہوئی

۲۹

بانو کچھ اور کہنے نہ پائی ، بصد ملال ناگاہ غیر ہو گیا اس نوجواں کا حال
جُھک جُھک کے ماں پکاری کہ مرتے ہو میرے لال آغوش میں کیا علی اکبر نے انتقال
دل تشنہ نے تھام کر سوے زینب نگاہ کی
منھ رکھ کے منھ پہ بیٹے کے مادر نے آہ کی

۳۰

اُس دم پسر کی لاش پہ ماں نے کیے جو بین　　کس منھ سے اے انیسؔ بیاں ہو وہ شور و شین
لاشے کو لے گئے سوے دشتِ ستم حسینؑ　　بعد اس کے قتل ہو گیا اصغرؑ سا نورِ عین[1]
روحِ نبیؐ کو قبر میں رنج و محن ہوا
ہنگامِ عصر خاتمۂ پنجتن ہوا

---

[1] میر انیسؔ کے بعض قلمی نسخوں میں اصغر سا نورِ عین کے بجائے زہرا کا نورِ عین بھی پایا جاتا ہے۔

واقعات

تاریخ طبری میں ہے کہ اسی سال (۶۰ھ) معاویہ کی وفات ہوئی۔" یہ واقعہ رجب کی پندرھویں یا بائیسویں کا ہے، بعض غرۂ رجب لکھتے ہیں۔"..... "مدینہ کا امیر عتبہ بن ابی سفیان"... "یزید جب والیٔ ملک ہوا تو اس کو اس کے سوا کوئی فکر نہ تھی کہ معاویہ نے جب اپنے بعد اس کو ولی عہد کر کے لوگوں سے بیعت طلب کی ہے تو جن لوگوں نے معاویہ کے کہنے پر بیعت نہیں کی، ان سے بیعت لی جائے۔ اس بنا پر اس نے ولید بن عتبہ کو خط لکھا...."
خط میں ایک اور رقعہ رکھا تھا، اس میں لکھا تھا کہ حسینؑ اور عبد اللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لینے میں بہت تشدد کرو، اور جب تک بیعت نہ کرلیں انھیں ذرا بھی مہلت نہ دو..." "چنانچہ ولید نے عبد اللہ بن عمرو بن عثمان ایک نوجوان کو صرف حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر کو بلانے کے لیے بھیجا..." "امام حسین علیہ السلام اس وقت مسجد میں بیٹھے تھے۔ ولید کا پیغام پہنچا تو اٹھ کر چلے، طبری آگے چل کر لکھتا ہے۔" یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے خادموں اور اقربا کو ساتھ لے کر چلے، ولید کے دروازے پر پہنچے تو ساتھ کے لوگوں سے کہا کہ میں اندر جاتا ہوں، اگر میں تم کو پکاروں یا تم سنو کہ ولید نے آواز بلند کی، تو تم سب کے سب اندر چلے آنا۔ نہیں تو جب تک میں باہر نہ آؤں اپنی جگہ پر موجود رہنا۔ یہ کہہ کر داخل ہوئے..." "ولید نے خط پڑھ کر سنایا، معاویہ کے مرنے کی خبر دی اور بیعت کا طالب ہوا، حسینؑ نے کہا کہ بیعت کا جو تم نے سوال کیا تو پوشیدہ طور پر میں بیعت کرنے والا نہیں اور

میں سمجھتا ہوں کہ تم کو بھی مجھ سے پوشیدہ طور پر بیعت لینے کی جرأت نہ کرنا چاہیے۔ مجھ سے سب لوگوں کے سامنے علانیہ بیعت طلب کرنا، ولید نے کہا اچھا، بسم اللہ آپ تشریف لے جائیے۔۔۔" مروان بول اٹھا: اگر اس وقت یہ تمہارے پاس سے بغیر بیعت کیے ہوئے چلے گئے تو واللہ پھر تمہارے قابو میں نہ آئیں گے۔" یہ سن کر حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: اے ابن الزرقاء کیا تو مجھے قتل کریگا یا یہ مجھے قتل کرینگے، واللہ تو نے جھوٹ بکا، جھک مارا یہ کہ کر نکلے ہوئے چلے گئے۔۔۔ الخ مروان نے ولید سے کہا: تو نے میرا کہنا نہ مانا، حسینؑ کے لیے اب ایسا موقع تجھے پھر کبھی نہ ملیگا۔ ولید نے کہا:

"سنا مروان کسی اور ہی کو ملامت کرنا، تم مجھے ایسا مشورہ دیتے ہو جس میں میرے دین کی تباہی تھی، واللہ حسینؑ کو قتل کر کے ساری دنیا کا مال و ملک جہاں تک آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے مجھ کو مل جائے تو بھی مجھے منظور نہیں سبحان اللہ حسینؑ کو ایک بیعت نہ کرنے میں قتل کرونگا، واللہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس شخص سے خونِ حسینؑ کی باز پرس ہوگی وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے خفیف المیزان ٹھہریگا۔"

آگے چل کر مورخ جریر طبری لکھتا ہے: حسینؑ اسی رات یعنی رجب ۶۰ھ کی ۲۸ ویں اتوار کی شب کو مدینہ سے نکل گئے۔۔۔ امام حسینؑ اپنے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں کو اور محمد بن حنفیہ کے سوا، تمام اہلِ بیت (علیہم السلام) کو لے کر نکلے تھے۔ حسینؑ جب مکہ کی طرف بڑھے تو یہ آیت پڑھی:

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔"
یعنی (موسیٰ) بیم و امید کی حالت میں شہر سے نکلے، کہا پروردگار! ظالم قوم کے ہاتھ سے مجھے نجات دے۔"

اور جب مکہ میں حسینؑ داخل ہوئے تو یہ آیت پڑھی:

"فَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ، قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ۔"
یعنی جب موسیٰ مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا کہ مجھے میرا مالک سیدھے راستے پر لگا دے۔"

عمر بن عبد الرحمن مخزومی کا بیان ہے کہ اہلِ عراق کے خط جب حسینؑ کے پاس آئے ہیں

اور انھوں نے عراق کی طرف روانہ ہونے کا تہیا کرلیا تو میں اُن کے پاس گیا، ابھی وہ مکہ ہی میں تھے... میں نے کہا "سُنتا ہوں آپ عراق جانا چاہتے ہیں۔ اس سفر میں آپ کے لیے مجھے اندیشہ ہے، آپ اُس شہر میں جاتے ہیں جس میں عہدہ دار اور امراء ہیں جن کے پاس خزانہ ہے، لوگ درہم دینار کے غلام ہیں..."

تاریخ جریر طبری (۱۶۰-۶۱-۶۲-۶۶-۲۱)

۱

در پیش ہوا جبکہ سفر سبطِ نبیؐ کو تشویش تھی فرزندِ رسولِ عربیؐ کو
بُلوا کے الگ حضرتِ عباسِؑ علیؑ کو فرمایا کہ کچھ کہنا ہے حیدر کے وصی کو
بہتر نہیں تم سے کوئی، غم خوار ہو میرے
عاشق ہو، برادر ہو، وفادار ہو میرے

۲

تم میرے ہر اک امر کے ہو مالک و مختار تم جاں کی مری جان ہو عباسِؑ وفادار
لکھا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے بہ تکرار مشتاق ہیں ہم آپ کے یا سیّدِ ابرار
بُلواتے ہیں ہم آپ کو آپ آتے نہیں ہیں
مُشتاق جو ہو وے اُسے ترساتے نہیں ہیں

۳

اور بلکہ سوا اس کے یہ ارقام کیا ہے القصّہ بلانے ہی کا مضمون لکھا ہے
بھائی کہو، کیا کہتے ہو اب مشورہ کیا ہے؟ جانا مجھے ہر طرح مناسب ہے روا ہے
کچھ اپنی مصیبت کا نہیں مجھ کو الم ہے
پر نانا کے روضے سے جُدا ہونے کا غم ہے

۴

عباسؑ نے کی عرض، کہ یا شاہ بجا ہے بندہ ہوں میں حضرت نے سرافراز کیا ہے
آقا مرے، ہیں دخل دوں مقدور مرا ہے پر آپ کے فرمانے سے کہتا ہوں "دغا" ہے
دشمن ہیں، ستمگر ہیں، جفا کار ہیں، کوفی
آقا مرے، مولا مرے، ! مکّار ہیں کوفی

۵

اور اس کے سوا دن یہ سفر کے نہیں حضرت بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کی ہے شدت
کس درجہ ہے خورشید کی ان روزوں تمازت کیا محملوں میں بیبیوں کی ہووے گی حالت
سایہ نہیں، جنگل میں کدھر جائیں گے بچے
گرمی جو بہت ہوگی تو مر جائیں گے بچے

۶

عباسؑ سے یہ سنتے ہی رونے لگے سرور فرمایا کہ جو کہتے ہو سچ ہے یہ برادر
پر کیا کروں اب یہاں میرا رہنا نہیں بہتر اس شہر سے اب کوچ کرونگا میں مقرر
بیعت کے مُقِر ہیں وہ، مجھے جانا روا ہے
اور ہوگا وہی جو میری قسمت میں لکھا ہے

۷

پھر رو رو کے عباسؑ سے بولے شہِ والا عباسِ علیؑ ہے کہو کیا قصد تمھارا
ہے رہنے کی مرضی، کہ ہے چلنے کا ارادہ تب دستِ ادب جوڑ کے حضرت سے وہ بولا
میں ساتھ ہی جاؤنگا جدھر جاتے ہو آقا
کیا حق میں یہ عباسؑ کے فرماتے ہو آقا

۸

پھر شہ سے یہ رو رو کے لگا کرنے وہ تقریر آزردہ ہو کیوں بھائی سے، یا حضرتِ شبیرؑ!
فرمایئے بندے سے ہوئی کون سی تقصیر فدوی تو غلام آپ کا ہے اے شہِ دلگیر!
ہے آرزو مجھ کو کہ نثار آپ پہ ہوں میں
آقا میرے اس شہر میں کیا رہ کے کروں میں

۹

یا شاہ جہاں جاؤگے میں ساتھ چلونگا کچھ دکھ بھی کوئی تم پہ پڑیگا وہ سہونگا
جنگل میں رہوگے تو میں جنگل میں رہونگا گر آگ میں کہیے گا تو میں کود پڑونگا
ایک عمر سے یہ نقش ہے سینہ پہ ہمارے
ہم خون بہا دینگے پسینہ پہ تمھارے

۱۰

پھر جوڑ کے ہاتھوں کو گرا شہ کے قدم پر — اور عرض کی تقصیر مری بخش دیں سرور!
شبیرؑ نے تب جلدی سے سر اُس کا اُٹھا کر — فرمایا کہ کیا کہتے ہو قربان برادر!
میں تجھ سے خفا ہونگا تیرا دھیان کدھر ہے
عباسؑ، تیرے دل کی مرے دل کو خبر ہے

۱۱

عباسؑ کو تب شاہ نے چھاتی سے لگایا — بوسے لیے ہاتھوں کے، بہت پیار جو آیا
پھر بھائی کو رو رو کے یہ شفقت سے سُنایا — اِس شہر میں رہنے کا نہیں زہراؑ کا جایا
اس بات سے لوگوں کو خبر دار کرو تم
اسباب مرے کوچ کا تیار کرو تم

۱۲

عباسؑ تو باہر گئے حضرت سے یہ سن کر — یوں دل میں لگا سوچنے تب نائبِ حیدر
عباسؑ کہیں مجھ سے ہوا ہو نہ مکدّر — خلعت اُسے کیا دیجیے کہ خوش ہووے برادر
باقی نہیں کچھ پر ہے علمداری کا عہدہ
خلعت سے بھی بہتر ہے علمداری کا عہدہ

۱۳

پھر سوچ کے زینبؑ سے کہا آؤ میرے پاس — وہ آئی تو بھائی سے کہا حال بصد یاس
فرمایا، وہ آزردہ نہ ہو ہے یہی وسواس — دیتا علم اُس کو، یہ تمھارا ہے مجھے پاس
راضی نہ ہو گر تم تو علم اُس کو نہ دوں میں
تم جس کو کہو اُس کو علمدار کروں میں

۱۴

سن کر کہا زینب نے کہ یا سیدِ ابرار — میرے بھی، علم کے بھی، ہو بھائی تمھیں مختار
اس بات میں ہرگز میں نہیں کرنے کی تکرار — راضی ہوں میں عباسِ علیؑ ہووے علمدار
ذی حق تھے، علمدار جو ہوتے مرے بیٹے
تھے جعفرِ طیّار کے پوتے مرے بیٹے

۱۵

لیکن تمھیں ہر طرح سے اب ہے یہی بہتر　　عباسؑ کو دیجے عَلم، اے سبطِ پیمبر
وہ غیر نہیں ہے خلفِ ساقیِ کوثر　　ذی بندہ علمداری ہے عباسؑ علی پر
دنیا میں مرے بھائی کا ثانی کوئی کب ہے
عباسِؑ علی فخرِ شجاعانِ عرب ہے

۱۶

زینب سے یہ سنتے ہی علم اپنا منگایا　　اور حضرتِ عباس کو باہر سے بُلایا
وہ آیا تو روکر اُسے چھاتی سے لگایا　　بھر دے کے علم اُس کو یہ حضرت نے سُنایا
لو تم کو مبارک ہو، علمدار ہوئے تم
عباسِؑ علی جعفرؑ طیّار ہوئے تم

۱۷

خوش ہو کے وہ آنکھوں کو لگا ملنے عَلم پر　　پھیوڑا دیا سر گوشۂ بیکس کے قدم پر
کی عرض، کہ حضرتؑ نے عنایات کی ہم پر　　قربان علمدار ہوا اُس لطف و کرم پر
بندے کو جو حضرتؑ نے عَلم اپنا دیا ہے
اُس ذرّۂ نا چیز کو خورسند کیا ہے

۱۸

پھر عرض کی، جو آپ نے فرمایا تھا یا شاہ　　سب لوگوں کو اس بات سے میں کرچکا آگاہ
حاضر درِ دولت پہ ہیں سب چلنے کو ہمراہ　　یہ سُن کے لگا کہنے وہ ابنِ اسد اللہ
آمد ہوئی اب دل پہ میرے رنج و الم کی
لو محملیں منگواؤ سواری کو حرم کی

۱۹

پھر گھر میں گئے روتے ہوئے سیدِ ابرار　　دیکھ اُس کے تئیں، بیبیاں گھبرا گئیں ایکبار
اور پوچھا یہ کیا ہے خلفِ حیدرِ کرار!　　شہ بولے کہ صغرا کے لیے ہوں میں دل افگار
جاتا ہوں میں، گر یہاں نہ مجھے پائیگی صغرا
سر پیٹتے ہی پیٹتے مرجائیگی صغرا

۲۰

جلدی چلو، ہے کوچ کا تیار سرانجام　　صغراؑ کو یہیں چھوڑ دو بیمار ہے ناکام
جب اس نے سُنا غش میں لیا شہؑ نے میرا نام　　گھبرا کے وہ بستر سے اُٹھی جلد عصا تھام
صغراؑ کی نظر جونہی پڑی شاہِ اُمم پر
بس رو[illegible] وہ [illegible]ر پڑی حضرتؑ کے قدم پر

۲۱

پھر بولی میں قربان ہوں کیوں روتے ہو بابا　　میں اچھی ہوں کیوں رو کے میرا نام لیا تھا
کیوں کہتے تھے تم گھر میں رہے فاطمہ صغراؑ　　صدقے گئی، بتلاؤ کہاں کا ہے ارادا؟
جہاں جہاں جاؤ گے وہاں میں بھی چلونگی
بابا! میں اکیلی نہ رہونگی نہ رہونگی

۲۲

کیوں روتی ہیں سب بیبیاں، سامان یہ کیا ہے　　اور ڈیوڑھی پہ بھی سُنتی ہوں ایک شور مچا ہے
بیماری سے اے بابا میرا حال بُرا ہے　　کل سے تو بخار آج نہیں مجھ کو چڑھا ہے
جلدی کہو بیمار موئی جاتی ہے بابا!
اس حول سے تپ مجھ کو چڑھی آتی ہے بابا!

۲۳

صغراؑ سے یہ سُن بیبیاں رونے لگیں ساری　　شبیرؑ نے فرمایا نہ رو، اے مری پیاری!
قربان یہ بابا ہوا، غربت پہ تمھاری　　جانے دو ہمیں، گر تمھیں خاطر ہے ہماری
پھوپھیوں سے بھی، بہنوں سے بھی مادر سے بھی مل لو
اکبرؑ سے بھی عباسِؑ دلاور سے بھی مل لو

۲۴

یہ شہ نے جو فرمایا تو صغراؑ ہوئی لاچار　　اور بولی کہ بابا! میں نہیں کرنے کی تکرار
اب نام نہیں لینے کی جانے کا یہ بیمار　　رخصت بھی کیجے جائیے یا سیدِ ابرار
دل لشکرِ غم نے کیا پامال ہمارا
سُن لیجیے گا ہوئے گا جو حال ہمارا

۲۵

اب یہاں سے ہے یہ راویِ جاں سوز نے لکھا — داخل ہوئے جب دشتِ بلا میں شہِ والا
اور چاہا کہ استادہ ہوں خیمے لبِ دریا — کیا دیکھا کہ دریا پہ ہیں یہ کہہ رہے اعدا
ہم پانی یہاں سبطِ پیمبرؐ کو نہ دیں گے
پانی خلفِ ساقیِ کوثرؑ کو نہ دیں گے

۲۶

جس دم یہ سُنی حضرتِ عباسؑ نے تقریر — تب چیں بہ جبیں ہو کے، پکڑ ہات میں شمشیر
بولا کہ یہ کیا کہتے ہو اے فرقۂ بے پیر! — ہم کہتے ہیں واللہ یہیں اُتریںگے شبیرؑ
اس نہر پہ خیمہ ہمیں تم کرنے نہ دوگے!
دیکھیں گے کہ تم پانی ہمیں بھرنے نہ دوگے!

۲۷

حضرت نے سُنی جبکہ علمدار کی گُفتار — اور دیکھا کہ غصّہ میں ہے عباسِ علمدار
تب ہاتھ پکڑ بھائی کا، بولے شہِ ابرار — عباسؑ! مرے سر کی قسم مت کرو تکرار
بس صبر کرو، راضی خدا ہوئے گا بھائی
دریا پہ نہ اُتریںگے تو کیا ہوئے گا بھائی

۲۸

پانی نہیں دیتے، تو پیاسے ہی مریںگے — واللہ کہ اب پانی کا ہم نام نہ لیں گے
اب آئے یہاں، ظلم جو ہو وے گا سہیںگے — بھائی چلو ریتی ہی پہ ہم خیمہ کریں گے
کچھ بولنا لازم نہیں تکرار نہیں ہے
واللہ کہ پانی مجھے درکار نہیں ہے

۲۹

اعدا سے پھر اس طرح سے کہنے لگے حضرت — ایک رات کی میں تم سے طلب کرتا ہوں مہلت
ہے اس سے یہ مطلب کہ کروں حق کی عبادت — موجود ہوں میں صبح کو اے قومِ شقاوت
یہ سُن کے عدو کہنے لگے ابنِ علیؑ سے
اک رات کی مہلت تمھیں دی ہم نے خوشی سے

۳۰

اعدا سے یہ سنتے ہی چلے سبطِ پیمبرؐ   ہمراہ ہوئے بھائی کے عباسِؑ دلاور
اور ریتی پہ استادہ کیا خیمہ کو جاکر   اُس رات کو مشغولِ عبادت رہے سرورؑ
مشتاق جو تھے سیدِ ابرار سحر کے
جو اتنے میں ظاہر ہوئے آثار سحر کے

۳۱

رکھ ہاتھ سے تسبیح، اُٹھا زہراؑ کا پیارا   اکبرؑ نے کہا فوج اُدھر اب ہے صف آرا
یہ سُن کے تب عباسؑ کو حضرتؑ نے پکارا   جلدی کہو لشکر مرا تیار ہو سارا
گو فوج مری کم ہے بہت، پر میں لڑونگا
واللہ، کہ بے دین کی بیعت نہ کرونگا

۳۲

عباسؑ نے کی عرض، کہ سب ہوگئے تیار   حضرتؑ نے کہا لاؤ میرے جنگ کے ہتھیار
ہتھیار لگا جنگ کے، روئے شہِؑ ابرار   ایک ایک سے رخصت ہوا ایک ایک کا دلدار
رخصت ہوئی زینبؑ بھی جو دلبندِ علیؑ سے
ایک غُل سا اُٹھا خیمۂ ناموسِ نبیؐ سے

۳۳

روتے ہوئے خیمہ سے برآمد ہوئے سرورؑ   صف باندھ کے سب لوگوں نے تسلیم کی جُھک کر
گھوڑے پہ چڑھا تب، خلفِ ساقیِ کوثر   کھولے علمؑ آگے چلے عباسِؑ دلاور
ہر چند کہ کم تھا شہِ ابرار کا لشکر
پر دیکھ اُنھیں تھرّا گیا کُفّار کا لشکر

۳۴

دہشت سے جو گھبرا گیا وہ فرقۂ بے پیر   کچھ بن نہ پڑی، چلنے لگے نیزہ و شمشیر
مارے گئے آخر، رفقائے شہِ دلگیر   پھر شہ کے عزیزوں نے بھی کی جنگ کی تدبیر
زینبؑ کے پسر لے کے رضا ایسے لڑے تھے
میدان میں کشتوں ہی کے ستھراؤ پڑے تھے

۳۵

زینبؑ کے کبھی بیٹوں کا غم کھاتے تھے سرور — گہہ لاش سے قاسمؑ کی لپٹ جاتے تھے سرور
بیتاب کبھی ہو کے یہ فرماتے تھے سرور — اور آنسو کبھی آنکھوں میں بھر لاتے تھے سرور

غم مرنے کا اِن کے کوئی پوچھے مرے دل سے
افسوس جُدا ہو گئے سب، ابنِ علیؑ سے

۳۶

عباسؑ نے یہ حال جو شبیرؑ کا دیکھا — دل میں کہا سر اپنا بھی اب دیجیے کٹوا
نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ سا بھتیجا — سب ساتھی گئے، زلیست کا اب لُطف رہا کیا

عباسِؑ علی وقت تو مر جانے کا اب ہے
اکبرؑ کو رضا مل گئی رن کی، تو غضب ہے

۳۷

یہ سوچ کے روتے ہوئے حضرتؑ کے گئے پاس — اور ہاتھوں کو یہ جوڑ کے کی عرض بصد یاس
رخصت کو یہ آئے ہیں، ہوا شاہ کو وسواس — گھبرا کے لگے کہنے کہ کیوں آئے ہو عباسؑ؟

رخصت کے علاوہ جو کہو گے میں کرونگا
عباسؑ، مگر رن کی رضا تم کو نہ دونگا

۳۸

عباسؑ نے کی عرض، کہ اے سبطِ پیمبرؐ — ایک دم بھی ٹھہرنا یہاں دشوار ہے ہم پر
منھ دیکھے علمدار کھڑا، قتل ہو لشکر — شرمندگی اب ہوتی ہے اے نائبِ حیدرؑ

رخصت سے سرافراز بھی اب کیجیے مجھ کو
آقا مرے اب رن کی رضا دیجیے مجھ کو

۳۹

شہ نے کہا بھائی، یہ نہیں ہونے کا زنہار — واللہ، کہ ہو جاؤنگا میں بیکس و ناچار
یہ سُنتے ہی چُپ ہو گئے عباسِ علمدار — اور روتے ہوئے واں سے چلے خیمہ کو ایکبار

کہتے تھے کہ کس سے کہوں، اس وقت جو غم ہے
واللہ کہ رخصت کے نہ ملنے کا الم ہے

۴۰

یہ کہتا ہوا وہ درِ خیمہ پہ جو پہنچا ڈیوڑھی پہ کھڑی روتی تھی عباسؑ کی زوجا
گھبرا کے لگی پوچھنے کیوں روتے ہو شاہا جلدی کہو صاحب کہ دھڑکتا ہے کلیجا
وہ بولے کسی طور سے رخصت نہیں ملتی
صاحب مجھے مرنے کی اجازت نہیں ملتی

۴۱

یہ سنتے ہی بس رونے لگی زوجۂ عباسؑ عباسؑ نے تب رو کے کہا اس سے بصد یاس
میداں کی اجازت سے تو اب ہو گئے بے آس جو مانگوں میں وہ دو جو ہمارا ہے تمھیں پاس
وہ بولی کہ جو کچھ تمھیں درکار ہے صاحب
جو چیز ہے اس کے تمھیں مختار ہو صاحب

۴۲

یہ سنتے ہی رونے لگے عباسؑ علم دار بی بی سے لگے کہنے کہ اے بیکس و غم خوار
دے دیجو مجھے ہے جو محمدؐ ترا دلدار شاید اُسے میدان کی رضا دیں شہِ ابرار
ہوگا جو پسر شاہ یہ قربان تمھارا
زہرا پہ بڑا ہووے گا احسان تمھارا

۴۳

شوہر سے یہ سنتے ہی وہ بی بی گئی گھبرا اور دل میں لگی کہنے کہ ہے ہے میں کروں کیا
پر کچھ نہ کہا بولی کہ صدقے گئی اچھا لاتی ہوں میں اب دیر نہیں کرنے کی اصلا
ہر چند بڑا ہووےگا صدمہ مرے جی پر
صدقے کیا اس کو بھی حسینؑ ابنِ علیؑ پر

۴۴

یہ کہہ کے گئی روتی ہوئی خیمے کے اندر تھا کھیل رہا ساتھ سکینہؑ کے وہ دلبر
لے لے کے بلائیں کہا صدقے گئی مادر یہاں آؤ تمھیں باپ نے بلوایا ہے باہر
صدقے گئی اب کھیل میں مشغول نہ ہو تم
عباسؑ بلاتے ہیں میرے ساتھ چلو تم

۵۰

یہ کہہ کے چڑھایا اسے گھوڑے پہ پکڑ ہات   خدمت میں گئے شاہ جو بیٹے کو لیے سات
اور دستِ ادب جوڑ کے شہ سے کہی یہ بات   مجھ کو تو اجازت نہ ملی قبلۂ حاجات
رخصت اسے دیجیے یہ کمر باندھے کھڑا ہے
اب چھوٹا غلام آپ کا رخصت کو اڑا ہے

۵۱

گھبرا کے لگے بھائی سے کہنے شہ والا   کیوں لائے محمد کو یہاں تم، یہ کیا کیا
عباسؑ علی کہنے لگے اے میرے آقا   مجھ کو نہ رضا رن کی ملی، اس کو ہوں لایا
رخصت نہ اسے دوگے تو غم کھا ئیگا عباسؑ
واللہ خجالت سے ہی مرجائے گا عباسؑ

۵۲

روتے ہوئے تب خیمے میں لائے اُسے حضرت   پہنایا محمدؐ کو سرافرازی کا خلعت
رو رو کے وہ بچہ ہوا اک ایک سے رخصت   آخر کو چلا وہ سوئے میدانِ شہادت
کہتے چلے عباسؑ مری جانِ محمدؐ
ہوجائیو تم شاہ پہ قربان محمدؐ

۵۳

روتے رہے عباسؑ وہ میدان میں آیا   اک بار اُسے دیکھ کے کہنے لگے اعدا
یہ کون سا لڑکا ہے جو ہے لڑنے کو آیا   تلوار عَلَم کرکے وہ اس طرح سے بولا
ملعونوں بھتیجا شہِ ابرار کا ہوں میں
بیٹا خلفِ حیدرِ کرّار کا ہوں میں

۵۴

میرا ہی پدر ہے شہِ بیکس کا عَلَم دار   لڑنا ہو جسے ان سے وہ مجھ سے کرے تلوار
کہنے لگا تب شمرِ لعیں فوج سے اک بار   فرزند ہے عباسؑ کا اس سے رہو ہشیار
ہے شیرِ الٰہی کے یہی شیر کا بیٹا
عباسؑ سے ہے صاحبِ شمشیر کا بیٹا

۴۵

یہ سُن کے لگی کہنے سکینہ، کہ چچی جان کیا پانی چچا لائے ہیں، میں تم پہ ہوں قربان
بھائی کو کھڑی ڈیوڑھی پہ بلواتی ہیں اس آن دیں تھوڑا سا مجھ کو بھی کہ ہوں پیاس سے ہلکان
پیاسی ہوں یہ اس دم کہ قلق ہوتا ہے مجھ کو
کیا فکر مری کچھ نہیں، عباسِ علیؑ کو

۴۶

وہ بولی کہ عباسؑ اگر پانی بھی پاتے میں صدقے گئی، پانی کو وہ تم سے چھپاتے
بیٹے سے بھی پہلے وہ تمھیں لا کے پلاتے ہے کام ضروری جو محمدؐ کو بلاتے
جانے دو انھیں تم وہ اگر پائیں گے پانی
سب بچوں سے پہلے تمھیں بلوائیں گے پانی

۴۷

یہ کہہ کے اسے روبرو عباسؑ کے لائی بیٹے کی محبت سے مگر چھاتی بھر آئی
رو رو کے علم دار کو یہ بات سنائی والی مرے، موجود ہے یہ میری کمائی
غم کھانے کا اب میرے نہ کچھ دھیان کرو تم
زہراؑ کے پسر پر اسے قربان کرو تم

۴۸

بی بی سے یہ کہہ رونے لگا شہ کا علم دار فرمایا محمدؐ سے ادھر آ میرے دلدار
وہ آیا، تو بندھوائے اُسے جنگ کے ہتھیار تھی ہاتھ میں چھوٹی سی سپر چھوٹی سی تلوار
پھر پیار سے بولے مرا منھ دیکھتے کیا ہو
چھوڑو مری اُلفت، میرے آقا پہ فدا ہو

۴۹

پھر بولیں کہ جو میں کہوں سُن لو اُسے بیٹا میدان کی رخصت تمھیں گر دیں شہِ والا
اُس فوج سے تم لڑیو کہ ہو نام تمھارا کس شیر کے پوتے ہو نہ گھبرائیو اصلا
اعدا سے کیے جائیو تکرار مری جان
مت دیکھیو پانی کو خبردار مری جان

۵۵

جس طرح بنے مارو اسے، مت کرو تاخیر　　یہ سنتے ہی بچے پہ لگے مارنے سب تیر
اس شیر نے بھی کھینچ لی تب برق سی شمشیر　　کس طرح بھلا اس کی شجاعت کروں تحریر
اس فوج میں جس نے کہ اُسے تیر سے مارا
اس نے بھی اسے دوڑ کے شمشیر سے مارا

۵۶

آخر کہاں وہ ایک، کہاں لاکھ ستم گار　　اک شور اُٹھا تھا وہاں، لو جلد اسے مار
تنہا پہ سمٹ آئے ہزاروں ہی کماندار　　ہر سمت سے پڑنے لگی پھر تیروں کی بوچھار
یہ زخم لگے اس کے تنِ پاک کے اوپر
غش آ گیا گھوڑے سے گرا خاک کے اوپر

۵۷

غش ہو کے وہ بچہ جو گرا گھوڑے سے ہیہات　　تیغیں تنِ نازک پہ لگے مارنے بدذات
جب ہو گئے شانوں سے جدا چھوٹے سے وہ ہات　　عباسؑ کو چلایا کہ اے قبلۂ حاجات
طاقت نہیں اب لڑنے کی گھوڑے سے گرا میں
جلد آئیے، صدقے شہِ والا پہ ہوا میں

۵۸

گھبرا گئے عباسؑ صدا بیٹے کی سُن کر　　شہ سے کہا مارا گیا حضرت مرا دلبر
کیا حکم ہے اب، اے خلفِ ساقیِ کوثر　　فرمائیے تو اس کو اُٹھا لاؤں میں جا کر
شہ بولے ہوا قتل ترا ماہ جبیں ہے
اب تم بھی نہیں جینے کے یہ دل کو یقیں ہے

۵۹

کیوں کر تمھیں روکوں خلفِ حیدرِ کرار　　مارا گیا میداں میں محمدؐ ترا دلدار
لو آؤ گلے سے لگ، کر لوں میں تمھیں پیار　　چھاتی سے لگا بولے یہ پھر، اے مرے غم خوار
رونے لگے شبیرؑ، تو یہاں سر کو جھکا کر
میدان میں جا پہنچا وہ گھوڑے کو اُڑا کر

۶۰

اور دیکھا کہ ہیں لاشں کو گھیرے ہوئے اعدا　　لے نام علی شیر نے تلوار کو کھینچا
ایسا بے لڑا وہ اسد اللہ کا جایا　　دریا کے کنارے پہ بہا خون کا دریا
کیا لڑتا کوئی اس خلف شیر خدا سے
پھر ہاتھ قلم کر دیے اعدا نے دغا سے

۶۱

اس غازی کے جب ہاتھ گرے شانوں سے کٹ کر　　لاچار ہوا گر پڑا تب لاشِ پسر پر
کہنے لگا آیا میں محمد میرے دلبر　　سو جان سے فدا تجھ پہ ہو عباسؑ دلاور
راضی ہوا میں، تو نے مرا نام کیا ہے
گو چھوٹا تھا، پر واہ بڑا کام کیا ہے

۶۲

عباس کو اس حال سے اعدا نے جو دیکھا　　اُن دونوں پہ تلواریں لگے مارنے اعدا
تب شہ کو علم دار نے اس طرح پکارا　　میں صدقے ہوا آپ پہ، اب آیئے آقا
صدمہ ہوا یہ سُن کے شہنشاہِ زمن کو
ہاتھوں سے کمر تھام کے روتے چلے رَن کو

۶۳

جب روتے ہوئے لاشۂ عباسؑ پہ پہنچے　　لاشے سے لپٹ بولے کہ بھائی ترے صدقے
پھر بولے محمد کو بھی چھاتی سے لگا کے　　افسوس مرے واسطے تم بھی گئے مارے
کیوں پہلے ہی دنیا سے سفر کر نہ گیا میں
بھائی مرا مارا گیا اور مر نہ گیا میں

۶۴

عباسؑ نے سُن کر یہ صدا آنکھوں کو کھولا　　اور اک نگہِ یاس سے شبیرؑ کو دیکھا
بولا نہ مجھے خیمے میں لے جایئے آقا　　شرمندہ بہت ماں سے محمدؑ کی میں ہوں گا
وہ روئے گی بیٹے کو تو غم کھائے گا عباسؑ
اور پیاسی سکینہ سے بھی شرمائے گا عباسؑ

۶۵

بس اتنا زباں سے کہا اور خُلد کی لی راہ　　اس وقت عجب حال سے روئے شہِ ذی جاہ
اب تاب نہیں کہنے کی اس حال کی واللہ　　خاموش کہ یہ مرثیہ کیا خوب ہوا واہ
واللہ انیس ایسا بھلا کس نے کہا ہے
بندش نئی مضمون نیا انداز نیا ہے

اس مرثیے کا ایک ہی نسخہ مل پایا، ذخیرۂ مسعودی کی جلد چہارم (مخطوطہ نمبر ۶، ۵ آزاد لائبریری) میں، یہ چوں کہ بمعہ ترقیمہ ہے اور مقطع بھی ہے اس لیے اِسے مکمّل فرض کیا جاسکتا ہے۔ اس کا کوئی اور نسخہ نہ کہیں ملا، نہ کسی فہرست میں نظر آیا۔

ترقیمہ میں حال آنکہ تاریخ اور مہینہ حتّٰی کہ دن اور وقت تک درج ہے، مگر سال درج نہیں۔ ویسے یہ مرثیہ میر انیس کے ابتدائی دور کا معلوم ہوتا ہے۔ اور تحریر بھی اسی زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔

۱

جب ناخدائے کشتیِ ایماں ہوا شہید — اک شور تھا کہ نوحِ غریباں ہوا شہید
سجدے میں حق کے دین کا سلطاں ہوا شہید — فاقے میں تین روز کے مہماں ہوا شہید
جو رونقِ جہاں تھا وہ گھر خاک ہو گیا
تاراج باغِ سیّدِ لولاک ہو گیا

۲

انبوہِ فوج تھا درِ دولت پہ جا بجا — عصمت سرائے شاہ میں رونے کی تھی صدا
نیزے لیے دھنسے جو قناتوں میں اشقیا — نکلے حرم خیام سے باہر برہنہ پا
شبیرؑ کی بہن کا جو منھ بے نقاب تھا
روحِ جنابِ فاطمہؑ کو اضطراب تھا

۳

جب خیمۂ حسینؑ کو ناری جلا چکے — اور شمعِ دودمانِ علیؑ کو بجھا چکے
جو دُکھ سُنے نہ تھے وہ حرم کو دکھا چکے — سب قافلے کو لوٹ کے مقتل میں لا چکے
مغرب کے وقت تیغ و سپر کھولنے لگے
خیموں میں اپنے آکے کمر کھولنے لگے

۴

ظالم تو شاد شاد تھے سب، کھول کر کمر — مظلوم فرشِ خاک پہ بیٹھے تھے نوحہ گر
زینبؑ کے زخمِ دل پہ نمک پاش تھا غم — پیغام بھیجتا تھا یہ ہر دم وہ بد گہر
بے پردگی سے تھا جنھیں وسواس کیا ہوئے
شبیرؑ کس طرف گئے عباس کیا ہوئے

۵

یہ سُن کے ڈھاڑیں مار کے روئے وہ جو حزیں   کانپا سپہر خوف سے تھرّا گئی زمیں
سرکردہ ہائے فوجِ ستم سے کئی لعیں   چیں بر جبیں گئے عُمرِ سعد کے قریں
کہنے لگے بگڑ کے یہ اُس رُو سیاہ سے
گرتی ہے برق دُخترِ زہرؑا کی آہ سے

۶

بی بی جو رو رہی ہے یہ بنتِ امیرؑ ہے   بے آب و دانہ ہے ترے بس میں اسیر ہے
مرنے سے ابنِ فاطمہؑ کے، گو فقیر ہے   تو قیر اُس کی پیشِ خدائے قدیر ہے
ٹکڑے جگر کے کر دیے ہیں اِس کے بین نے
کی تھی اسی کی تجھ سے سفارش حسینؑ نے

۷

جب پشتِ ذوالجناح سے نیچے گرے تھے شاہ   اور پھیرتا تھا تیغِ ستم، شمرِ رُو سیاہ
نکلی تھی خیمہ گاہ سے زینبؑ بہ اشک و آہ   حضرت کی یاد ہے، وہ مجھے پیار کی نگاہ
کہتے تھے، قتل گاہ میں خواہر نہ آئیو
جب تک جیوں میں پردے سے باہر نہ آئیو

۸

دیکھا جو انحرافِ رئیسانِ فوجِ شام   خجلت سے سر جُھکا کے یہ اُس نے کیا کلام
البتہ عورتوں پہ ہے یہ رحم کا مقام   شرمندہ ہوں کہ قتل ہوئے بے گنہ امام
ثابت نہ کوئی جُرم تھا اُس سرفراز کا
ناحق گلا کٹا ہے امامِ حجاز کا

۹

لشکر کی عورتوں سے پھر اُس نے کیا خطاب   تم جاؤ لے کے اہلِ حرم میں طعام و آب
ہر اک نے یہ دیا عمرِ سعد کو جواب   آتا ہے ہم کو زینبؑ و کلثومؑ سے حجاب
سیدانیوں نے کونسی آفت سہی نہیں
ہم کو تو منھ دکھانے کی جاگہ رہی نہیں

۱۰

میداں میں تین روز سے تھے شاہِ تشنہ کام	پانی کا یہاں سے ایک کسی نے دیا نہ جام
بیجرم مارے تیر و سناں خنجر و حسام	دَر پر دُہائی دیتی رہی خواہرِ امام
شرمندگی ہے بانوے والا صفات سے
بیوہ ہوئیں ہمارے ہی مردوں کے ہاتھ سے

۱۱

کیا فاطمہؑ کی بیٹیوں کو منھ دکھائیں ہم	تم اُن پہ سب جفا کرو، پرسے کو جائیں ہم
کیونکر انھیں کلامِ تسلّی سنائیں ہم	کیا کہہ کے اُن غریبوں کو کھانا کھلائیں ہم
زینبؑ کبھی نہ منھ سے یہ پانی لگائے گی
بھائی تو بیکفن ہے، وہ کھانے کو کھائے گی؟

۱۲

کس کس کا پرسا دیویں نبیؐ زادیوں کو ہم	قاسمؑ سا دولھا ٹکڑے ہوا رن میں ہے ستم
عباسِ نوجواں کے بھی شانے ہوئے قلم	ہم شکلِ مصطفےٰ کا ہے سب سے سوا الم
چھوٹا پسر جو تھا شہِ کون و مکان کا
بے جُرم خون ہوا چھ مہینے کی جان کا

۱۳

سمجھا کے عورتوں سے یہ تب شمر نے کہا	حُکمِ امیر میں نہیں دم مارنے کی جا
جاؤ حرم سرا میں تمھارا ضرر ہے کیا	دو زینبؑ غریب کو پرسا حسینؑ کا
مجبور ہیں تو ہم ہیں، تمھیں کیا حجاب ہے
پانی انھیں پلاؤ، یہ کارِ ثواب ہے

۱۴

کچھ عورتیں یہ سُن کے چلیں تب بہ چشمِ تر	تھیں آگے آگے مشعلیں روشن اِدھر اُدھر
چادر کسی کے سر پہ، کوئی تھی برہنہ سر	غمناک کوئی اُن میں تھی، اور کوئی نوحہ گر
سر پر کئی کنیزوں کے خوانِ طعام تھے
اور بیبیوں کے ہاتھوں میں پانی کے جام تھے

۱۵

پہنچیں حرم سرائے شہِ دیں کے جب وہ پاس ویراں تھی بارگاہِ شہنشاہِ حق شناس
خاک اُڑتی تھی تمام، جلو خانہ تھا اُداس ڈیوڑھی پہ حاجبوں کی جگہ تھا ہجومِ یاس
لاشا جو بیکفن تھا شہِ مشرقین کا
غل تھا جلی قناتوں میں ہے ہے حسینؑ کا

۱۶

وہ بادِ تُند دشت کی، وہ ہولناک شب رانڈوں کو تھا یقین نہ جانیں بچینگی اب
فاقہ وہ تین روز کا اور پیاس کا تعب بکھرائے بال خاک پہ بیٹھی تھیں سب کی سب
آواز سے درندوں کی، بچے دہلتے تھے
ننھی سی چھاتیوں میں دل اُن کے اُچھلتے تھے

۱۷

اُس شب کی تیرگی کا کہوں کس زباں سے حال ماتم میں رات نے بھی پریشاں کیے تھے بال
اک دوسرے کی شکل کو دیکھے، نہ تھی مجال تارے بھی چرخ پر نظر آتے تھے خال خال
مہتاب بھی چھپا تھا حرم کی نگاہ سے
چھایا ہوا تھا ابرِ سینہ دودِ آہ سے

۱۸

ڈیوڑھی سے روشنی جو ہوئی یک بیک عیاں گھبرا کے اُٹھ کھڑی ہوئیں دُکھیاری بیبیاں
ماں سے کہا سکینہؑ نے خوش ہو کے یہ بیاں لو اماں جان، خیر سے آ پہنچے بابا جاں
اُس نے کہا حسینؑ تو مقتل میں سوتے ہیں
آتی ہے فوجِ شام، ہم اب قتل ہوتے ہیں

۱۹

کوثر پہ سب گئے، نہ وہ لشکر ہے اور نہ شاہ خیمہ کے اُس طرف ہے شہِ دیں کی قتل گاہ
اور مال و زر کہاں، جسے لوٹے گی پھر سپاہ درپے ہمارا ہے عمرِ سعدِ رُوسیاہ
دن کو کیا شہید شہِ خوش صفات کو
رانڈوں کے قتل کرنے کو آئے ہیں رات کو

۲۰

یہ ذکر تھا کہ عورتیں پہنچیں قریب تر — رانڈیں زمیں پہ بیٹھ گئیں سب جھکا کے سر
خوانِ طعام و کوزۂ آب آئے جب نظر — سمجھی یہ دل میں خواہرِ سلطانِ بحر و بر
آنکھیں جو سب کی آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہیں
یہ بیبیاں حسینؑ کے پُرسے کو آئی ہیں

۲۱

ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپ کے روئیں وہ سوگوار — رانڈوں میں واحسینؑ کی ہونے لگی پکار
غل پڑ گیا کہ ہائے محمدؐ کی یادگار — اے بےکفن حسینؑ، تری لاش کے نثار!!!
یہ حادثے جہاں میں کسی پر پڑے نہیں
بے بس یہ ہو کہ قبر میں اب تک گڑے نہیں

۲۲

فاقے سے تین روز کے تھے، جب گلا کٹا — پانی کے بدلے خنجرِ کیں حلق پر چلا
قربان تیری لاش کے اے شاہِ کربلا! — لب پر یہی دعا تھی کہ اُمت کا ہو بھلا
زخمی بدن پہ تیر کے اولے سے پڑتے تھے
قبلہ کی سمت خاک پہ ماتھا رگڑتے تھے

۲۳

رو رو کے جب پھراتی تھیں پلّا زنانِ شام — اور کہتی تھیں کہ بس کرو، ہے صبر کا مقام
زینبؑ بکا کے جوش میں کرتی تھیں یہ کلام — رونے دو مجھ سے بچھڑا ہے بھائی مرا امام
قاسمؑ کو روؤں گی، علیؑ اکبر کو روؤں گی
جب تک جیوں گی سبطِ پیمبرؐ کو روؤں گی

۲۴

منہ پیٹ پیٹ جانبِ مقتل یہ دی صدا — بھیا! تمھارے لاشۂ بے سر کے میں فدا!
اب تک کفن کا طور ہے، نے غسل ہی ملا — جنگل میں تم ہو، اور بہن آفت میں مبتلا
رانڈوں نے سر کے بالوں سے شکلیں چھپائی ہیں
اعدا کی عورتیں تمھیں رونے کو آئی ہیں

۲۵

جب رو کے چُپ ہوئے حرمِ سیّدِ انام زینبؑ سے عورتوں نے تب اُس دم کیا کلام
اے دخترِ امامِ عرب، خواہرِ امام بھیجا ہے ابنِ سعد نے یہ آب اور طعام
دم بھر خدا کے واسطے رونے کو چھوڑیے
کھانے سے تین روز کے فاقے کو توڑیے

۲۶

یہ کہہ کے خوان سامنے رکھّے طعام کے کی عرض عورتوں نے یہ رقّت کو تھام کے
ہر چند بھوک کب ہے الم میں امام کے اور پیاس کیسی غم میں شہِ تشنہ کام کے
کب تک صغیر پیاس کی شدّت اٹھائیں گے
کچھ کھائیے گا آپ، تو بچّے بھی کھائیں گے

۲۷

کھانے کے خوان دیکھ کے زینبؑ نے یہ کہا غم کھانے والیوں کو ہے کھانے سے کام کیا
بھائی تو بھوک پیاس میں کٹوا چکے گلا کھانے میں اب ہے لطف، نہ پانی میں ہے مزا
ہے غم سے یاں بنی ہوئی ہر ایک جان پر
اس کھانے کو کوئی نہ رکھے گا زبان پر

۲۸

کھانے کو کھائیں اب، کہ عزیزوں کا غم کریں پانی لگائیں منھ سے کہ چشموں کو نم کریں
اکبرؑ کو روئیں یا غمِ شاہِ اُمم کریں بتلاؤ کس شہید کے ماتم کو کم کریں
پانی کو کیا کریں کہ موئے تشنہ لب حسینؑ
تب بھیجتے یہ خوان کہ جیتے تھے جب حسینؑ

۲۹

عباسؑ اشتیاق میں پانی کے مر گئے قاسم جہانِ فانی سے تشنہ جگر گئے
اکبرؑ تلاشِ آب میں جی سے گزر گئے کوثر پہ تشنہ کام شہِ بحر و بر گئے
پیاسوں کے غم میں سب کے جگر چاک چاک ہیں
اب لاکھ جامِ آب، گر آئیں، تو خاک ہیں

۳۰

یہ کہ کے روئے سینہ و سر پیٹ کر حرم زینبؑ نے عورتوں سے کہا تب بچشم نم
جب تک رہیں گے خوان تو رونا نہ ہوگا کم لے جاؤ پھیر کر، نہ کریں گے قبول ہم

رانڈوں پہ فوج کین ستم ایجاد بھیج دیں
کھانے کے بدلے قتل کو جلاد بھیج دیں

۳۱

میت کو دفن کر کے پھر آتے ہیں لوگ جب یہ رسم ہے کہ بھیجتے ہیں حاضری کو تب
بے دفن و بے کفن ابھی لاشے پڑے ہیں سب اس رنج و غم میں کھانے کو ہم کھائیں، ہے غضب

ہر چند مارے پیاس کے بچوں میں جی نہیں
پیاسوں کی فاتحہ ابھی شربت پہ دی نہیں

۳۲

آخر یہ مجلس پھیر کے سب لے گئے وہ خواں آثارِ صبح رونے میں یاں ہو گئے عیاں
نقارہ کوچ کا ہوا لشکر میں ناگہاں اونٹوں پہ قیدی جانبِ مقتل ہوئے رواں

جب نہر علقمہ کی ترائی نظر پڑی
خوں میں ہر اک کی لاش نہائی نظر پڑی

۳۳

اُشتر سے نیچے گر پڑی زینبؑ برہنہ سر بے دست اک جوان جو دیکھا لہو میں تر
کہتی تھی لپٹی لاش سے وہ سوختہ جگر ہے ہے بہن نہ مر گئی، عباسِؑ نامور!

فریادی پاس آئی ہوں میں تجھ سے بھائی کے
بازو بندھے ہیں رسی میں، زہرا کی جائی کے

۳۴

بھیا بہن کو قیدِ ستم سے چھڑائے کون! سب کام آئے رن میں، مرے کام آئے کون!
بالوں سے منھ چھپائے ہوں، چادر اڑھائے کون! پردے میں بنتِ شیرِ خدا کو بٹھائے کون!

تم دل سے پیار کرتے تھے زہرا کی پیاری کو
عریاں ملا ہے اونٹ بہن کی سواری کو

۳۵

ہودج میں مجھ کو ہاتھ پکڑ کر کرو سوار　　میں صدقے تیری لاش کے اے میرے پردہ دار
کہتے ہیں دیکھ دیکھ کے مجھ کو ستم شعار　　نامحرموں کے نرغے میں ہوں میں جگر فگار

دیکھو کہ دخترِ شہِ خیبر شکن ہے یہ
عباسِؑ نامدار کی پیاری بہن ہے یہ

۳۶

زینبؑ کو پر کہیں نہ ملا لاش کا پتا　　یہ کہہ کے ڈھونڈا لاشۂ ہمشکل مصطفیٰؐ
آواز دے کے، پالنے والی کو لو بلا　　رو کر پکارتی تھی کہ اے میرے مہ لقا

میں بیقرار پھرتی ہوں پروا نہیں تمھیں
اللہ، کل کی صبح سے دیکھا نہیں تمھیں

۳۷

لاشے کی جستجو میں پریشاں تھیں بیبیاں　　زینبؑ نے کی جو رَن میں یہ فریاد اور فغاں
ساتھ اُن کے سوئے لاشۂ اکبرؑ ہوا رواں　　آخر صدیف، عبدِ علی اکبرؑ جواں

پہچان کر پھوپھی نے تنِ پاش پاش کو
چھاتی لگا لیا علیؑ اکبر کی لاش کو

۳۸

ان گیسوؤں کے صدقے میں ان آنکھوں کے فدا　　لے کر بلائیں خوں بھرے چہرے کی، پھر کہا
اٹھارویں ہی سال میں آئی تری قضا　　کس کی نظر لگی تجھے ہمشکل مصطفیٰؐ

ندی لہو کی چاند سے سینہ سے بہہ گئی
زینبؑ کو آرزو ترے سہرے کی رہ گئی

۳۹

بے جرم مجھ کو فوج ستمگر ستاتی ہے　　واری پھوپھی اسیر یہ کوفے کو جاتی ہے
کہتا ہے شمر کس کو مدد کو بلاتی ہے　　فریاد کرنے کو جو کبھی ہاتھ اٹھاتی ہے

کرتے تھے جو مدام حمایت، وہ مر گئے
فریاد سننے والے جہاں سے گزر گئے

۴۰

یہ بَین کرکے روئی جو وہ غم کی مبتلا　　اُس لاش سے چھڑانے لگے اُس کو اشقیا
کہتی تھی ظالموں سے وہ آنسو بہا بہا　　اکبرؑ کی لاش سے مجھے کرتے ہو کیوں جدا
دم جب تلک ہے رشتۂ الفت نہ توڑوں گی
بچّے کو اپنے رن میں اکیلا نہ چھوڑوں گی

۴۱

آخر بہ جبر لے چلے جب اُن کو اہلِ کیں　　رانڈیں بلک کے سینہ و سر پیٹنے لگیں
جس دم صدیف کو بھی اٹھانے لگے لعیں　　کہتا تھا یاں سے اب نہیں جانے کا میں کہیں
رغبت نہیں کہیں کی مجھے بود و باش پر
رہنے دو اس غلام کو آقا کی لاش پر

۴۲

جب اس کو اہلِ ظلم اٹھانے لگے بہ زور　　برپا تھا اہلِ بیتِ محمدؐ میں ایک شور
ایسا منہ اُس نے پیٹا، ہوئیں دونوں آنکھیں کور　　تھا روح پر بلالؓ کے صدمہ میانِ گور
لاشے کے پاس سے نہ کسی طرح ٹلتا تھا
جھک جھک کے منھ کو پاؤں سے آقا کے ملتا تھا

۴۳

پھرتا تھا گرد لاش کے باچشمِ تر کبھی　　چھاتی کو پیٹتا تھا، پٹکتا تھا سر کبھی
ریتی پہ لوٹتا تھا اِدھر اور اُدھر کبھی　　ماتم میں نالہ کش تھا کبھی نوحہ گر کبھی
کہتا تھا، کاش، سر ہو بدن سے قلم مرا
آقا کا ساتھ دوں جو نکل جائے دم مرا

۴۴

سمجھا کے اُس کو حضرتِ زینبؑ نے یہ کہا　　خدمت گزار تجھ سا نہ ہووے گا دوسرا
سجّاد کے تو رتبہ کو تو بھی ہے جانتا　　ساتھ اُس کے چاہتی ہوں رہے تجھ سا باوفا
تجھ سے گر اس مریض کی امداد ہوئے گی
اکبرؑ کی روح تجھ سے بہت شاد ہوئے گی

۴۵

ہمشکلِ مصطفےٰ کے برادر کا ساتھ دے　　بہتر یہی ہے اب سرِ اکبرؑ کا ساتھ دے
ناموسِ مصطفےٰؐ و پیمبر کا ساتھ دے　　آقا کی اس لٹی ہوئی مادر کا ساتھ دے
بھاتی بہت تھی گیسوے اکبرؑ لی۔ تُو مجھے
نیزے کے ساتھ رکھیو تو، اے نیک خو مجھے

۴۶

روتا ہوا یہ سُن کے اُٹھا خاک سے غلام　　سجادؑ سے یہ کہتا تھا رقّت کو تھام تھام
اُس عبد کا ہے فخر، جو ہو خادمِ امام　　آقا کی بھی یہی وہ نوازش تھی صبح و شام
اُن الفتوں نے اور بھی مارا غلام کو
بھائی سوا نہ کہہ کے پکارا غلام کو

۴۷

لاحق تھی ایک دن مجھے تب اور دردِ سر　　کھولی نہ آنکھ ضعف سے میں نے کئی پہر
کیا دیکھتا ہوں پچھلے پہر آنکھ کھول کر　　سر دابتے ہیں بندے کا آقائے خوش سیر
دم کرتے ہیں دعائیں بھی اور روتے جاتے ہیں
شانے دباتے ہیں، کبھی تلوے دباتے ہیں

۴۸

تھوڑا ستم زمانے میں مجھ پر گزر گیا　　ایسا شفیق اُٹھ گیا اور میں نہ مر گیا
آقا تو کوچ گلشنِ ہستی سے کر گیا　　تن خاک پر پڑا رہا، نیزے پہ سر گیا
رہنے کی لاش پر کوئی صورت نہ ہو سکی
لاشے کی بھی غلام سے خدمت نہ ہو سکی

۴۹

عابد یہ سُن کے رونے لگے تب باشکِ داہ　　زینبؑ کی جوشِ گریہ سے حالت ہوئی تباہ
تھی وارثوں کی لاش پہ ہر بی بی کی نگاہ　　کوفے کو، اُن کو، لے کے چلی شام کی سپاہ
بے پردگی کے ظلم فلک نے دکھائے تھے
آلِ رسولؐ بالوں سے منھ کو چھپائے تھے

۵۰

اب آگے کیا لکھوں وہ حکایاتِ پُر الم　　ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر قلم
خلقت کہے جو چاہے، انیسؔ، اب نہیں ہے غم　　کھُلتا ہے عنقریب وہ جس فکر میں ہیں ہم
اب ہم تو دیکھو مرقدِ مولا پہ جاتے ہیں
دیکھیں جو دوکھتی ہیں ہمیں کب بُلاتے ہیں

ے　اصل میں ”دوکھتی ہیں“ (کذالک) ملتا ہے؛ جسے ویسے تیسرے مصرعے کے ”خلقت کہے جو چاہے انیسؔ“ سے متعلق و مطابق کیا جا سکتا ہے۔ اودھ کی ٹھیٹھ زبان میں دوکھنا اعتراض کرنا، عیب لگانا، عیب نکالنا کے معنوں میں ہمیشہ سے بولا جاتا رہا ہے ہو سکتا ہے انیسؔ اس عوامی بلکہ عامی محاورے کو پڑھنا ضروری ہو مگر ”ہمیں کب بلاتے ہیں“ سے اس کا مفہوم میل نہیں کھاتا اس لیے اسے کسی اور طرح پڑھنا ضروری ہونا چاہیے۔ مثلاً ”دوکھتی“ کو روکتی / روکتے یا پھر دوستی پڑھا جائے، دولتی مشرف بہ دولتِ دیدار کو اب بھی بولتے ہیں۔ راقم الحروف کبھی اُسے کربلائے معلّٰی میں لوگوں کی زبانی سُنا ہے۔ واللہ اعلم (ش)

تعارف

اس نسخے کے سرِ ورق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی سید حسین ولد سید کرم حسین صاحب کے بستے میں تھا۔ اس پر ان کی مُہر بھی ہے، تاریخی سنہ ۱۳۱۶ھ اور نسخے کے آخر میں جو ترقیمہ ہے اس میں سالِ کتابت سنہ ۱۸۹۹ء ہے جو مطابق ہے، سنِ ہجری ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مُہر بھی اسی سال کی ہے جس سال یہ نسخہ تیار ہوا۔ یعنی میر انیسؔ کی وفات کے قریب پچیس (۲۵) سال بعد۔

اس مرثیے کے مجموعی بند مقطع کو لے کر ۸۵ ہیں۔ اب تک اس کا کوئی دوسرا نسخہ نہیں ملا۔ البتہ اس کے ایک ناقص نسخے کا سراغ لگا وہ اس طرح کہ ذوالقدر صاحب مرحوم جون پور کے مجموعۂ مراثی کی فہرست میں ایک مطلع درج ہے۔

پہنچی یہ خبر خیمہ میں جب شہ کی بہن کو

اس نسخے کے کل بند ۷۵ ہیں۔ یعنی زیرِ نظر نسخۂ مسعودی سے دس (۱۰) بند کم۔ ان دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تو شاید کچھ مفید باتیں معلوم ہو سکتیں، سرِ دست تو اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ نامکمل نسخے میں جو ابتدا کا بند ہے وہ نسخۂ [ذخیرۂ مسعودی جلد اوّل مخطوطہ نمبر ۳، ۵] اول الذکر کا پندرھواں بند ہے۔

واقعات

سرالشہادتین و مقتل ابی مخنف میں ہے کہ پھر امام حسینؑ نے اتمامِ حجت کے لیے استغاثہ فرمایا:

"وقال اما من مغیث یغیثنا، اما من ذاب یذب عن حرمِ رسول اللہ صلعم، اما من معین یعیننا، اما من ناصر ینصرنا ا ما من محامٍ عن حرمِ رسول اللہ صلعم۔"

آیا کوئی ایسا ہے جو ہماری فریاد کو پہنچے، آیا کوئی ہے جو حرم رسول کی حفاظت اور ہماری اعانت کرے، اور آیا کوئی ایسا ہے جو حرم رسول اللہ کو بچائے۔"

حبیب السیر میں ہے کہ پھر ایک شقی نے ایسا پتھر مارا کہ امام حسینؑ کی پیشانی مجروح ہوگئی، اور خون بہنے لگا۔ حضرت اس کو صاف کرنا چاہتے تھے کہ دفعتاً اسی مقام پر کسی بدبخت نے تیر مارا۔ امام حسینؑ نے جب اس تیر کو کھینچ لیا تو زخم سر سے اس طرح خون جاری ہوا جس طرح پرنالے سے پانی بہتا ہے۔ امام حسینؑ نے وہ خون اپنے منھ پر مل کر فرمایا کہ اسی ہیئت سے اپنے جدِ امجد محمد مصطفےٰؐ سے ملاقات کروں گا۔"

"تاریخ کامل میں ہے کہ اسی حالت میں سنان ابن انس نخعی نے حملہ کر کے ایسا نیزہ مارا کہ امام حسینؑ گر پڑے۔ سنان نے گھوڑے سے اتر کر سرِ مبارک کو جسدِ اطہر سے جدا کیا اور خولی کو دے دیا..."

"تاریخ کامل میں ہے کہ یزیدیوں نے امام حسینؑ کا مال و متاع لوٹ لیا حتیٰ کہ مخدرات کے سروں سے چادریں بھی چھین لیں۔"

(تاریخ احمدی)

(صفحات: ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶)

جب سبطِ نبیؐ گِھر گئے میدانِ ستم میں　　اک شور پڑا گریہ و زاری کا حرم میں
زینبؑ کا عجب حال تھا شبیرؑ کے غم میں　　کہتی تھی کہ اب آئی قیامت کوئی دم میں
بھائی کو چھڑاتے ہیں ستمگار بہن سے
نکلے گا نہ اب فاطمہ کا چاند گہن سے

۲

عباس نہیں ہیں جو برادر کو بچائیں　　انصار نہیں ہیں، جو مدد کرنے کو آئیں
اکبر نہیں جو شہ کے عوض برچھیاں کھائیں　　قاسمؑ بھی نہیں آہ جو سر دینے کو جائیں
بُلوا کے لعینوں نے شہِ دیں سے دغا کی
فریاد محمدؐ کی، دوہائی ہے خدا کی!!

۳

یہاں روتی تھی بھائی کے لیے زینبؑ پُرغم　　وہاں شاہؑ کو گھیرے ہوئے تھا لشکرِ ظالم
اُس قبلۂ عالم کا یہ تھا پیاس سے عالم　　خشکیدہ زباں پھیرتے تھے ہونٹوں پہ ہر دم
اُس بھوک میں جب تیرِ ستم کھاتے تھے حضرت
بس سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے تھے حضرت

۴

ناگاہ لگا حلق پہ اک تیر سہ پہلو　　دم رُک گیا اور آنکھوں سے بہنے لگے آنسو
تھرانے لگے گھوڑے پہ شاہنشہِ خوشخو　　عباسِ علمدار کو تکنے لگے ہر سو
چلائے کہ اے شیر، برادر کی خبر لو!
مظلوم کی، ناشاد کی، بے پر کی خبر لو!

۵

تھا تیغِ ستم سے جو سرِ پاک دوپارا عمامۂ احمدؐ تھا بھرا خون میں سارا
اس حال پہ بھالا کسی بیدین نے مارا سب ڈوب گیا خوں میں یداللہ کا پیارا
سنبھلا نہ گیا دوشِ محمدؐ کے مکیں سے
یا شیرِ خدا کہہ کے گرے خانۂ زیں سے

۶

گرتے ہی تڑپنے جو لگے خاک پہ سرورؑ وہ جلتی ہوئی ریت بھری زخموں کے اندر
اس وقت پکارا عمرِ سعدِ ستمگر ہاں پھیر دو اب حلق پہ شبیرؑ کے خنجر
مہلت بھی تڑپنے کی نہ دو شاہِ زمن کو
سر کاٹ کے مظلوم کا دکھلا دو بہن کو

۷

خنجر لیے خولی جو قرین شاہ کے آیا دیکھا کہ ہے غش میں اسداللہ کا جایا
گردن کے برابر جو وہ شمشیر کو لایا سر ننگے محمدؐ کو قرین شاہ کے پایا
حوریں کئی بے مقنع و چادر نظر آئیں
مخدومۂ کونین کھلے سر نظر آئیں

۸

تھرّا گیا خولی ستم گار کا اندام بھاگا طرفِ فوجِ لعیں پھینک کے صمصام
بولا کوئی ظالم، کہ یہ کیا تو نے کیا کام چلّایا کہ آئے ہیں رسولِؐ ذوالاکرام
غش میں تو وہ آغوشِ محمدؐ کا پلا ہے
اور گردنِ شبیرؑ پہ زہراؑ کا گلا ہے

۹

تب شمر سے بولا عمرِ سعدِ ستمگار ہاں کاٹ لے تو جا کے گلوئے شہِ ابرار!
یہ سن کے بڑھا شمر لیے خنجرِ خونخوار اور آیا قریب شہِ والا وہ جفا کار
سینے پہ رکھا پاؤں شقیِ ازلی نے
سر پیٹ لیا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ نے

۱۰

بیہوشی سے چونکا جو وہ خالق کا شناسا   فرمایا، کہ ظالم ہوں میں احمدؐ کا نواسا
کر رحم کہ ہوں تین شب و روز کا پیاسا   ہے خشک گلا، پانی مجھے دے تو ذرا سا
زہراؑ و محمدؐ کا جگر بند ہوں ظالم!
اور حیدرِ کرار کا فرزند ہوں ظالم!

۱۱

کہنے لگا بے رحم کسی سے نہ ڈروں گا   دو روز کا پیاسا ہی تمھیں ذبح کروں گا
اس خشک گلے پر دمِ شمشیر دھروں گا   تصویرِ رسولِؐ عربی خوں میں بھروں گا
نا خوفِ پیمبرؐ ہے، نہ کچھ خوفِ خدا ہے
یہ خنجرِ خونخوار ہے، اب اور یہ گلا ہے

۱۲

شہ نے کہا، میں کون ہوں، تو کون ہے بتلا   اس نے کہا، میں شمر ہوں، تو دلبرِ زہراؑ
فرمایا، اگر قتل ہی منظور ہے میرا   پانی تو پلا دے کہ میں دو دن کا ہوں پیاسا
وہ کہنے لگا یہ مجھے منظور نہیں ہے
پانی کے عیوض آبِ دمِ خنجرِ کیں ہے

۱۳

سُن کر یہ سخن، شمر سے بولے شہِ عادل   دن جمعہ کا ہے، عصر کا ہنگام ہے قاتل
چھاتی سے اُتر جا، کہ ہے بے چین مرا دل   سجدہ مجھے کر لینے دے، پھر کیجیو بسمل
قاتل نے کہا، ذبح میں کچھ طول نہ ہو گا
اس وقت کا سجدہ ترا مقبول نہ ہو گا

۱۴

یہ کہہ کے، لگا کاٹنے حلقِ شہِ صفدر   اُمّت کی دُعا شاہ نے کی ہاتھ اُٹھا کر
بے رحم نے مطلق نہ کیا خوفِ پیمبرؐ   بیدین نے کئی ضرب میں کاٹا سرِ سرورؑ
لب ہلتے رہے سبطِ رسولِ دوسرا کے
پیاسا ہی گلا کٹ گیا سجدے میں خدا کے

۱۵

پہنچی یہ خبر خیمہ میں جب شہ کی بہن کو اعدا نے کیا قتل شہنشاہِ زمن کو
مارا بہ ستم، بیکس و آوارہ وطن کو اک قطرہ نہ پانی کا ملا تشنہ دہن کو
نیزے پہ رکھا کاٹ کے سر سبطِ نبیؐ کا
فوج آتی ہے اب لوٹنے گھر سبطِ نبیؐ کا

۱۶

زینبؑ کو جو ڈیوڑھی سے نظر آیا یہ نقشا سجاد کے خیمہ میں گری جا کے، وہ دکھیا
چلائی، کہ کیا غش میں پڑے سوتے ہو بیٹا! صدقے گئی، اٹھو کہ قیامت ہوئی برپا!
شمشیرِ خزاں چل گئی زہراؑ کے چمن میں
فرزندِ پیمبر کا گلا کٹ گیا رن میں

۱۷

خیمہ پہ ہے اب لشکرِ اعدا کی چڑھائی میں لٹ گئی اس بن میں، محمدؐ کی دوہائی!
بے سر ہوا سجدے میں خدا کے مرا بھائی ہے ہے ہوئی شبیرؑ سے زینبؑ کی جدائی
مظلوم کا سر نوک پہ نیزے کے چڑھا ہے
تن گور و کفن کے لیے محتاج پڑا ہے

۱۸

سن کر یہ صدا غش سے وہ بیمار جو چونکا چلایا کہ ہے ہے پھوپھی صاحب یہ ہوا کیا!
بستر سے اٹھاؤ کہ مرا دم ہے نکلتا میں جیتا رہا ہائے غضب مر گئے بابا!
کچھ سبطِ پیمبرؐ کی نہ خدمت ہوئی ہم سے
قسمت نے چھڑایا مجھے بابا کے قدم سے

۱۹

بتلاؤ کہ اب کیا کروں میں بیکس و ناچار! بستر سے تو اٹھنے نہیں دیتا مجھے آزار
ہے ایک قدم یہاں سے ہے اٹھانا مجھے دشوار اور لوٹنے کو آئے ہیں لاکھوں ہی ستمگار
پہلے شہِ مظلوم سے کیوں مر نہ گیا میں
مر جانے سے بابا کے مصیبت میں پھنسا میں

۲۰

بے جان ہوا سبطِ پیمبرؐ سا شہنشاہ سب قافلے کے لوگ گئے بابا کے ہمراہ
ہم جیتے رہے ٹھوکریں کھانے کے لیے آہ شہزادیوں کو لوٹینگے اب آن کے گمراہ
وہ بیبیاں باہر جو کبھی نکلیں نہ گھر سے
اب چادریں چھن جائیں گی ان لوگوں کے سر سے

۲۱

ناموسِ محمدؐ کو کہاں جا کے چھپاؤں اس وقت مدد کے لیے میں کس کو بلاؤں
بازو مرا پکڑو، کہ میں دروازے پہ جاؤں اعدا سے لڑوں، اپنا گلا میں بھی کٹاؤں
مرجانے کا ہے وقت، یہ ذلّت نہ سہونگا
ماں بہنوں کو بے پردہ نہ میں دیکھ سکونگا

۲۲

قدموں پہ گری آن کے سجاد کے کبرا چلائی کہ بن باپ کے ہم ہو گئے بھیّا
قسمت میں یتیمی تھی، رنڈاپا بھی لکھا تھا اعدا میں نہ جاؤ، ہمیں تم چھوڑ کے تنہا
تم رانڈوں کے سر پر شہِ والا کی جگہ ہو
بابا نہیں اب، تم ہمیں بابا کی جگہ ہو

۲۳

زینبؑ نے یہ فرمایا بصد گریہ وزاری در پر تمھیں جانے نہیں دینے کی میں واری
تم بھی جو نہ ہوگے تو خرابی ہے ہماری قاتل ہیں، جفاکار ہیں، دشمن ہیں، وہ ناری
ہم لوگوں کے اب قافلہ سالار تمھیں ہو
وارث تمھیں، مالک تمھیں، مختار تمھیں ہو

۲۴

پھر بیبیوں سے پیٹ کے سر بولی وہ رورو اے صاحبو، گرد آن کے سجاد کے بیٹھو
باقر کو، سکینہ کو رقیہ کو بلا لو! زیور ہو جو کچھ ہاتھ گلے میں اسے پھینکو
اسباب کا اس وقت نہ کچھ دھیان کرو تم
اب خاک سے ان چاند سے چہروں کو بھرو تم

۲۵

بے وارثوں کے لوٹنے کو آئے ہیں سفاک　　کبرا کی یہ تبدیل کرو بیاہ کی پوشاک
کرتے کا سکینہ کے گریبان کرو چاک　　اور زوجۂ عباسؑ کے چہرے پہ ملو خاک
پوشیدہ کرو صورتیں میلی سی ردا سے
عزت کو بچائے، یہ دعا مانگو خدا سے

۲۶

یہ ذکر تھا جو آن ہی پہنچے وہ ستمگر　　دراّنا دھنسا شمرِ لعیں ڈیوڑھی کے اندر
فضّہ نے کہا، خیمہ کے پردے کو پکڑ کر　　یہ گھر ہے محمدؐ کا، یہ ہے فاطمہؑ کا گھر
درباں اسی دروازے کا جبریلِ امیں ہے
کچھ پاس بھی ہے روحِ امیں کا کہ نہیں ہے

۲۷

اس خیمہ میں سیدانیاں ہیں صاحبِ توقیر　　اللہ نے بھیجی ہے جنھیں چادرِ تطہیر
بے پردہ جو ہوگی شہِ مظلوم کی ہمشیر　　نازل ابھی ہوگا غضبِ مالکِ تقدیر
یہاں ہے کوئی بیٹی کوئی پوتی ہے علیؑ کی
زینب تو نواسی ہے رسولِ عربی کی

۲۸

اُن میں سے نہ فضّہ کی سُنی ایک نے فریاد　　منظور اُنھیں آلِ پیمبرؐ پہ تھی بیداد
تیغوں سے قناتوں کو لگے کاٹنے جلاّد　　ناموس کے خیمہ میں در آئے ستم ایجاد
عابد نے پکارا کہ یہ کیا بے ادبی ہے
اے ظالمو! یہ خیمۂ ناموسِ نبیؐ ہے

۲۹

اک بار جھکے لوٹ کے وہ سارے ستمگر　　کھینچا کسی نے سیدِ سجاّد کا بستر
لوٹا کسی بے رحم نے، گہوارۂ اصغر　　کانوں سے سکینہ کے کوئی لے گیا گوہر
چھینی کسی نے چادرِ کلثوم ستم سے
پازیب کوئی لے گیا کبرا کے قدم سے

۳۰

مسند کسی نے سبطِ پیمبرؐ کی اُٹھائی　　تکیے لیے جاتا تھا کوئی کوئی نہالی
باقرؑ پہ کسی شامی نے تلوار نکالی　　لی گوشِ رقیہؑ سے کسی شخص نے بالی
ننّھا سا شلوکا لیا، اصغرؑ کا کسی نے
شملہ لیا، ہمشکلِ پیمبرؐ کا کسی نے

۳۱

کبرؑا کو جو اک دشمنِ دیں لوٹنے آیا　　فضّہ نے اُسے دوڑ کے چادر میں چھپایا
تلوار سے ظالم نے ضعیفہ کو ڈرایا　　سر پیٹ کے فضّہ نے اسے تب یہ سنایا
مظلوم ہے بیکس ہے گرفتارِ محن ہے
بے پردہ نہ کر اسکو یہ اک شب کی دولہن ہے

۳۲

کب سُنتا تھا فضّہ کی یہ زاری وہ بد افعال　　نتھ ناک سے لی، سر سے ردا، پاؤں سے خلخال
تھا شرم سے اک رات کی بیاہی کا عجب حال　　بکھرائے تھی چہرے کے چھپانے کے لیے بال
سائے پہ نہ جس کے نظرِ مہر پڑی تھی
نامحرموں میں ہائے وہ سر ننگے کھڑی تھی

۳۳

بانوؑ کے قریں آیا جو خولیِ ستمگر　　اور لینے لگا اس کے سرِ پاک سے چادر
رو رو کے یہ کہنے لگی وہ بیکس و مضطر　　زہرؑا کی بہو ہوں میں نہ بے پردا مجھے کر
یہ سُنتے ہی بس کھینچ کے خنجر کو کمر سے
ظالم نے ردا چھین لی مظلوم کے سر سے

۳۴

اک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی دُخترِ زہرا　　اور چار یہ تھی ایک ردا کا کیے پردا
ناگاہ اُسے شمرِ ستمگار نے دیکھا　　وہ دشمنِ دیں خنجرِ پُرخون لیے دوڑا
زینبؑ کو نظر آئی جو ہیں شکل شقی کی
چلّائی میں لٹتی ہوں دہائی ہے نبیؐ کی

۳۵

اُس بی بی سے کہنے لگا وہ قاتلِ شبیرؑ　　یہ سر کی ردا دے مجھے، اے شاہ کی ہمشیر
زینبؑ نے کہا، شمر میں ہوں صاحبِ تطہیر　　بے پردہ نہ کر تو مجھے، اے ظالمِ بے پیر
چادر ہے مرے سر پہ بتولِؑ عذرا کی
ظالم میں نواسی ہوں رسولِؐ دوسرا کی

۳۶

تب اُس نے کہا کھینچ کے یوں گوشۂ چادر　　نا خوفِ خدا ہے نہ محمدؐ کا ہے اب ڈر
بابا ہے ترا شیرِ خدا فاتحِ خیبر　　اِس وقت بچاتا نہیں کوئی تجھے آکر
حیدرؑ کو طلب کر، کہ ردا تیری بچائے
بھائی ہے کہاں؟ اُس کو حمایت کو بلائے

۳۷

زینبؑ نے کہا اس سے، کہ اے ظالمِ مردود　　اس وقت نہیں مصلحتِ حضرتِ معبود
نانا یہیں موجود ہیں بابا بھی ہیں موجود　　پر کرتے ہیں وہ صبر، کہ اللہ ہو خوشنود
یہ رنج گنہگاروں کی راحت کے لیے ہے
یہ ظلم سب امّت کی شفاعت کے لیے ہے

۳۸

ہاں آج ترا دَور ہے اے اہلِ شقاوت　　محشر میں بزرگوں کی مرے دیکھیو طاقت
منظور ہے تجھ کو کہ ہو ضائع مری حُرمت　　خالق کے تو نزدیک ہوں میں صاحبِ عصمت
حافظ ہے، جو ہے مالک و مختار ہمارا
موجود ہے اللہ، مددگار ہمارا

۳۹

کرتی تھی یہ رو رو کے بیاں دخترِ زہراؑ　　جو سامنے سے ایک تُتُق گرد کا اُٹھا
القصّہ ہوا ایک سوار اُس سے ہویدا　　چہرہ پہ نقاب، اور لیے ہاتھ میں نیزا
ایسا تھا مشابہ وہ حسینؑ ابنِ علی سے
جو فرق نہ مطلق کیا جاتا تھا کسی سے

۴۰

خیمہ کے قریں آن کے چلّایا وہ یک بار ہاں اے ستم ایجاد، میں آ پہنچا خبردار
زینبؑ کی نہ چادر کی طرف دیکھیو زنہار ورنہ ابھی کر ڈالوں گا اس فوج کو مسمار
ملعونو! نبیؐ کا تمھیں کچھ پاس نہیں ہے!
یہ کس کی ہے بیٹی، تمھیں وسواس نہیں ہے!

۴۱

گھبرا گئے ملعون، یہ آواز جب آئی زینبؑ نے کہا آئے مدد کو مرے بھائی
کی فاطمہؑ کے لال نے اعجاز نمائی چادر مری آکر مرے بھائی نے بچائی
چلّائی کہ بھیّا، تری آواز کے صدقے
اس آنے کے قربان، اس آواز کے صدقے

۴۲

رانڈوں نے سنا جبکہ یہ آئے شہِ ابرار سر کھولے ہوئے دوڑیں سبھی بیبیاں ایکبار
اٹھ کر پئے تسلیم جھکے عابدِ بیمار جالپٹی رکابوں سے سکینہ جگر افگار
چلّائی کہ کیوں بیٹی سے منھ موڑ گئے تھے
یہ ظلم اٹھانے کو مجھے چھوڑ گئے تھے

۴۳

فریاد ہے ظالم نے طمانچہ مجھے مارا نیلا ہوا رخسار وہ نازک مرا سارا
دُر کے لیے مجروح کیا کان ہمارا چلّا کے کئی بار تمھیں میں نے پکارا
میں تم سے نہ بولوں گی بچانے کو نہ آئے
حضرت ہمیں پردے میں بٹھانے کو نہ آئے

۴۴

پھر باگ پکڑ گھوڑے کی بانوؑ یہ پکاری لونڈی کی بھی صورت کی طرف دیکھو میں واری
چادر بھی مرے سر کی لعینوں نے اتاری افسوس، کہ صاحب کو نہیں فکر ہماری
پوچھی نہ خبر آپ نے اس سوختہ تن کی
صدقے گئی آئے ہو حمایت کو بہن کی

۴۵

تب رو رو کے زینب سے وہ اسوار یہ بولا   میں سبطِ محمدؐ نہیں اے دخترِ زہراؑ
وہ خاصۂ حق ہے مرا آقا مرا مولا   محمود مرا نام ہے اور میں ہوں فرشتا
تم پر جو کیے ہیں یہ ستم اہلِ جفا نے
بھیجا ہے تسلی کے لیے مجھ کو خدا نے

۴۶

فرمایا ہے خالق نے بصد لطف و عنایت   اے اہلِ حرم تم سے میں راضی ہوں نہایت
تم سب جو مری راہ میں سہتے ہو اذیت   دیکھوگے عوض اس کے، جو کچھ ہوویگی راحت
چھینے کا ردائوں کے تمھیں کس لیے غم ہے
تم سب کے سروں پر تو مرا دستِ کرم ہے

۴۷

بے پردہ نہیں کرتی ہے افواجِ ستمگر   تم رتبے میں ہو مریمؑ و حواؑ سے بھی بہتر
ہے سایہ فگن چادرِ تطہیر سروں پر   اور پردۂ عصمت میں ہو مشہور سراسر
اس بلوے میں جب تم ہوئیں محتاج ردا کے
تب جرم ڈھپے امتِ محبوب خدا کے

۴۸

اے فاطمہؑ کی لاڈلی، گر ہو تجھے منظور   غارت ابھی ایک دم میں ہو یہ لشکرِ مقہور
چھینے تری چادر، یہ کسی کا نہیں مقدور   دریائے غضب جوش میں آوے یہ نہیں دور
احمدؐ کے لیے خلق کیا تھا دو جہان کو
کہ دوں کہ الٹ دیں ورقِ کون و مکاں کو

۴۹

زینبؑ نے سنی اس کی جو تقریر یہ ساری   سجدے کو جھکی خاک پہ، وہ درد کی ماری
رو رو کے یہ کی عرض، کہ اے ایزدِ باری   اس تیری کریمی و رحیمی کے میں واری
یارب، ابھی نازل نہ ترا قہر ہو ان پر
لونڈی نے یہ انصاف رکھا حشر کے دن پر

۵۰

امّت کے لیے بھائی نے سر اپنا کٹایا   سب تجھ پہ ہویدا ہے جو کچھ رنج اُٹھایا
اک قطرہ بھی پانی کا دم مرگ نہ پایا   پر حرف شکایت کا زباں پر نہیں لایا
جو ظلم و ستم ہووے گا مجھ پر میں سہونگی
امّت کا بھلا ہوئے میں سر ننگے پھرونگی

۵۱

یہ سُن کے نظر سے ہوا غائب وہ فرشتا   زینبؑ نے کہا شمر سے اُرتبہ مرا دیکھا
راضی ہوں میں اب سر کی ردا تو مری لے جا   تا حشر میں رہ جائے گنہگاروں کا پردا
خوشنودی ہے منظور رسولؐ عربی کی
امّت پہ تصدّق ہے یہ ردا بنتِ علیؑ کی

۵۲

تب شمر لعیں سے پسرِ سعد یہ بولا   یہ سحر ہے اولادِ پیمبرؐ کا نہ گھبرا
جلدی سرِ زینبؑ کی ردا کھینچ کے لے آ   تا بلوے میں سر ننگے پھرے دخترِ زہرا
یہ سُن کے جو لی اُس نے ردا بنتِ علی کی
تھرّانے لگی لاشِ دل و جانِ نبیؐ کی

۵۳

سر کھل گیا جب بانوئے تفتیدہ جگر کا   تب بالوں کو بکھرا کے کیا چہرے کا پردا
پھر ظالموں نے سیّدِ سجّاد کو گھیرا   مظلوم کی گردن میں پڑا طوق کا حلقا
بیمار پہ اُس دم عجب آفت کی گھڑی تھی
اُن سوجے ہوئے پاؤں میں زنجیر پڑی تھی

۵۴

پھر ظالموں نے خیمۂ شبیرؑ جلایا   اونٹوں پہ ہر اک رانڈ کو سر ننگے بٹھایا
سجّاد کو صد حیف شتربان بنایا   کیا کیا نہ ستم راہ میں اعدا نے دکھایا
اب تابِ انیسِ جگر افگار نہیں ہے
پایانِ غم سیّد ابرار نہیں ہے

۱

اے مومنو ! ہلالِ محرّم عیاں ہوا جس کا دلوں کو شوق تھا وہ غم عیاں ہوا
ہر گھر میں شورِ نالہ و ماتم عیاں ہوا یعنی غمِ امامِ دو عالم عیاں ہوا
رونے کو لوگ آئے ہیں نزدیک دور سے
رونق ہر ایک مکاں میں ہے مولا کے نور سے

۲

بچھے ہیں فرشِ نور، مصفا ہیں بام و در مصروفِ اہتمام ہیں مردم اِدھر اُدھر
بوئے عبیر و عُود کو سونگھے کوئی اگر نکہت عیاں ہو خلد کے پھولوں کی سر بسر
کیا وصف ایسے طبقۂ عنبر سرشت کا
بزمِ عزا ہے صاف نمونہ بہشت کا

۳

پہروں کہیں ہے سینہ زنی اور کہیں بُکا غُل ہے کہیں کہ ہائے شہنشاہِ کربلا
رختِ سیاہ پہنے ہوئے بانیٔ عزا دل سے شریکِ مجلسِ ماتم ہیں جابجا
غمگیں دلوں کو یادِ شہِ تشنہ کام ہے
ہر صبح و شام گریہ و زاری سے کام ہے

۴

ہے بیچ میں ضریحِ شہِ آسماں حشم استادہ کس شکوہ سے پہلو میں ہیں عَلَم
کیا باوفا تھے حضرتِ عباسِ ذی کرم مرنے پہ بھی حسینؑ کے چھوڑے نہیں قدم
بھائی کے ساتھ کیوں نہ رہیں حق شناس ہیں
جس گھر میں تعزیہ ہے عَلَم اس کے پاس ہیں

۵

عالم میں آشکار ہے ان کی وفا کا حال — دلجوئیِ حسین کا تھا ہر گھڑی خیال
ذی قدر، عاشقِ پسرِ شیر ذوالجلال — راحت رساں، شفیق نژاد و وفا خصال
اب ذکر اُن کی چاہ کا اہلِ عزا سنیں
سب گوشِ دل سے معرکۂ کربلا سنیں

۶

وارد جو کربلا میں شہِ بحر و بر ہوئے — حضرت کی بیکسی پہ حرم نوحہ گر ہوئے
زینت دہِ زمیں جو علی کے قمر ہوئے — روشن رخوں کے نور سے سب دشت و در ہوئے
شیروں کو کربلا کا نیستاں نظر پڑا
جس کی تلاش تھی وہ بیاباں نظر پڑا

۷

آئی ندائے غیب کہ اے شاہِ بحر و بر — رک جائیے کہ ختم ہوئی سختیِ سفر
جس کی تلاش رہتی تھی ہر شام، ہر سحر — وہ جا یہی ہے اے خلفِ سیدالبشر
وعدہ جہاں کا تھا یہ وہی ارضِ پاک ہے
اُترو، یہ کربلائے معلی کی خاک ہے

۸

روئے زمیں پہ زیب دہِ آسماں ہے یہ — رشکِ نعیم و غیرتِ باغِ جناں ہے یہ
جائے ورودگاہِ امامِ زماں ہے یہ — ہے جس کا نور عرش تلک، وہ مکاں ہے یہ
پرسش کا یاں نہ خوف، نہ اعمالِ زشت کا
ملتا ہے اس مکان سے رشتہ بہشت کا

۹

سنتے ہی یہ اتر پڑے گھوڑے سے شاہِ دیں — فرمایا اب یہاں سے نہ جائیں گے ہم کہیں
بس شاد شاد ہو گئے زینب کے نازنیں — پھولوں سے فاطمہ کے بسی جا بجا زمیں
بھائی فضا وہاں کی ہر اک خوش صفات کو
عباس دیکھنے لگے نہرِ فرات کو

۱۰

جھونکے چلے ہوا کے جو دریا سے ایک بار ساحل پہ آ کھڑے ہوئے عباسِ نامدار
بولے یہ مسکرا کے امامِ فلک وقار کیوں بھائی کیا فضا کی ہے جا، اور کیا بہار
اس سرزمیں کی کیوں نہ ہر اک جا پسند ہو
تم شیر ہو یقیں ہے کہ دریا پسند ہو

۱۱

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ ذی حشم کیا وصف اس زمیں کا کروں، یا شہِ امم
ہے وہ فضا کہ روح کو راحت ہے دمبدم اب کیا کہوں، فرات سے اٹھتا نہیں قدم
لہرا رہا ہے نہر پہ دل اس فدائی کا
دیکھیں حضور آن کے سبزہ ترائی کا

۱۲

مولا، عجب زمیں ہے یہاں کی عجب بہار یہ سرخ و زرد پھول، یہ خنکی، یہ آبشار
غنچے کھلے ہوئے ہیں لہکتا ہے سبزہ زار شاخیں ہوائے سرد سے جھکتی ہیں بار بار
رنگِ بہارِ خلد ہے اس سبزہ زار میں
ہر پھول اس زمیں کا ہے یکتا ہزار میں

۱۳

بے شک زمینِ پاک یہ گردوں وقار ہے ذرہ یہاں کا رشکِ درِ آبدار ہے
خوشبو ہے دلفریب، ہوا خوشگوار ہے سردی وہ معتدل ہے کہ دل بیقرار ہے
بوئے ارم ہے طیفۂ عنبر سرشت میں
گویا اتر کے آئے مسافر بہشت میں

۱۴

مولا، ہزار شکرِ خداوندِ بحر و بر آساں کیا اسی نے پہاڑوں کا یہ سفر
سختی سے راہ کی متردد تھا ہر بشر مضطر تھے اہلبیت، تو بچے تھے نوحہ گر
صدمہ تھا تشنگی کا ہر ایک خورد سال پر
دل آب تھا چچا کا سکینہ کے حال پر

۱۵

رستہ کی ماندگی سے مسافر ہیں دل ملول　　ایذا بہت اٹھائی ہے راحت بھی ہو حصول
ہے سب کو چاہ نہر کی، اے یوسفِ رسول　　خادم کی مصلحت بھی یہی ہے جو ہو قبول
اُتریں یہیں جو سرورِ عادل و خوب ہے
خیمے بپا ہوں گر لبِ ساحل تو خوب ہے

۱۶

ٹپکا کے اشک کہنے لگے شاہِ خوش نہاد　　فتنہ بپا کریں گے یہاں بانیٔ فساد
مضطر ہو کس طرح نہ یہ ناشاد و نامراد　　ایک ایک کو حسین سے ہے کینہ و عناد
کیوں کر ہو اس زمیں پہ ارادہ خیام کا
دم میں ہجوم ہوگا یہاں فوجِ شام کا

۱۷

دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ شیرِ نر　　کیا منہ، جو ہم کو روک سکے کوئی بد گہر
بگڑیں اگر غلامِ شہنشاہِ بحر و بر　　آئے نظر نہ ایک جفاجو کے تن پہ سر
گر سرکشی پہ فوجِ ضلالت شعار ہو
وہ رن پڑے کہ حشر تلک یادگار ہو

۱۸

انصاف آپ کیجیے، یا شاہِ نامدار!　　یہ گرم لو، یہ شورِ عطش اور یہ انتشار
گر قربِ نہر بھی نہ ہوا اے فلک وقار!　　کیوں کر جییں گے ساقیِ کوثر کے گلعذار
یہ ظلم و جور دوشِ نبی کے مکیں پہ ہو
خیمہ علی کے لال کا جلتی زمیں پہ ہو

۱۹

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگے شاہِ دیں پناہ　　بھیا! اس آبِ سرد کی ہم کو نہیں ہے چاہ
بولا جھکا کے سر کو وہ غازی باشک و آہ　　مجبور ہے حضور کی مرضی سے خیر خواہ
حکمِ خدا ہے حکمِ شہِ حق شناس کا
لیکن خیال تھا مجھے بچوں کی پیاس کا

۲۰

یہ بات سن کے واں سے پھرے شاہِ خاص و عام دریا سے دور آپ نے برپا کیے خیام
ناقے ملازموں نے بٹھائے باحترام اُتریں زمینِ گرم پہ سیدانیاں تمام
یاں دھوپ میں حرم تھے رسالت پناہ کے
بیٹھے اُدھر فرات پہ دستے سپاہ کے

۲۱

اللہ رے اوجِ خیمۂ زنگاریِ حضور عرشِ خدا کا جس کی بلندی سے تھا ظہور
چمکا بسانِ برق جو کوسوں کلس کا نور گل ہوگئی ہوائے خجالت سے شمعِ طور
جلوہ دیا جو شمسۂ کیواں جناب نے
شرما کے منھ کو پھیر لیا آفتاب نے

۲۲

دو دن تو ان غریبوں نے راحت سے کی بسر تھا پانچویں سے رن میں وہ مجمع کہ الحذر
گھیرے ہوئے تھے خیمۂ سرور کو بدگہر جز کثرتِ سپاہ نہ آتا تھا کچھ نظر
تھا اس قدر ہجومِ سپہِ بدصفات کا
نظروں سے چھپ گیا تھا کنارا فرات کا

۲۳

تاریخ ساتویں تھی کہ آفت ہوئی بپا خیمہ میں قحطِ آب ہوا، وامصیبتا
زاری وہ اہلِ بیت کی، بچّوں کی وہ بکا تکتے تھے منھ ہر ایک کا اطفالِ مہ لقا
خنداں اِدھر زمیں پہ ہر اک خود پسند تھا
پانی اُدھر حسین کے بچّوں پہ بند تھا

۲۴

ہشتم کو اہلِ بیت میں محشر تھا آشکار تھے جاں بلب عطش سے محمد کے گلعذار
باقر تڑپ رہا تھا سکینہ تھی بے قرار آتے تھے غش صغیر کو جھولے میں بار بار
بچی نگاہِ یاس سے تکتی تھی نہر کو
قدغن یہ تھا کہ دیکھ نہ سکتی تھی نہر کو

۲۵

گرمی وہ دوپہر کی، وہ رانڈوں کا اضطراب وہ تشنگی صغیروں کی، وہ شورِ آب آب
غش ہیں حرم میں حضرتِ زینب جگر کباب مرجھا گیا تھا سب چمنستانِ بوتراب
نرغہ تھا باغیوں کا ہر ایک دل ملول پر
کیا اُوس پڑ گئی تھی ریاضِ بتول پر

۲۶

دیکھا بہت جو پیاس سے بچوں کو بے قرار اُٹھے اک آہ کھینچ کے عباسِ نامدار
حضرت سے کی یہ عرض کہ یا شاہِ ذی وقار خیمہ میں کھودتا ہے کنواں اب یہ جاں نثار
رقت ہے تشنگی کی ہر ایک خورد سال پر
ٹکڑے جگر کے ہوتے ہیں بچوں کے حال پر

۲۷

دیکھے یہ حال، دل کوئی ایسا کہاں سے لائے پردیس میں یہ ظلم صغیروں پہ ہائے ہائے
غربت میں کون ہے کہ جو بچوں پہ رحم کھائے شاید اسی سبیل سے پانی خدا پلائے
شورِ عطش ہے فاطمہ زہرا کی آل میں
ڈوبا ہوا ہوں میں عرقِ انفعال میں

۲۸

پھکنتا ہے قلب، غم سے تڑپتی ہے جانِ زار اب جاں بہ لب ہیں ساقیِ کوثر کے گلعذار
معصوم تشنگی سے جو ہوتے ہیں بے قرار خادم کے منھ کو پیاس سے تکتے ہیں بار بار
نادم نہ کیوں غلام امامِ نکو رہے
سیراب ہوں جو یہ، تو مری آبرو رہے

۲۹

یہ دکھ، یہ رنج و غم، یہ صعوبت، ہزار حیف یہ دھوپ اور یہ پیاس کی شدت، ہزار حیف
آلِ رسولؐ اور یہ مصیبت، ہزار حیف بیکس مسافروں پہ یہ بدعت، ہزار حیف
جن سے بنا جہان میں ارض و سما کی ہے
پانی کو وہ ترستے ہیں، قدرت خدا کی ہے

۳۰

بولے بہا کے اشک، شہنشاہِ نیک خُو　　دشوار ہے کہ پیاس بجھائیں یہ ماہ رُو
بہتر ہے، خیر، چاہیے اس کی بھی جستجو　　یہ بھی سہی کہ دل میں نہ رہ جائے آرزو
یہ ہے یقیں کنوئیں سے بھی پانی نہ پائیں گے
ان سب کی پیاس ساقیِ کوثر بجھائیں گے

۳۱

یہ سن کے مستعد ہوئے عبّاسِ نامور　　جلدی عبا اُتار کے رکھی بچشمِ تر
دامن کو پھر کمر سے لپیٹا اِدھر اُدھر　　کھینچا نشاں کنوئیں کا تو پھٹنے لگا جگر
ہر بار منھ کو آنسوؤں سے دھوتے جاتے تھے
ہاتھوں میں بیلچہ تھا مگر روتے جاتے تھے

۳۲

عبّاس کھودتے تھے کنواں بادلِ حزیں　　مصروفِ اہتمام تھے زہرؑا کے نازنیں
جلدی الٹ کے جوش سے کُرتوں کی آستیں　　مٹی کو پھینکنے لگے زینب کے مہ جبیں
یہ کوششیں تھیں پیاس بجھانے کے واسطے
قاسم کھڑے تھے ہاتھ بٹانے کے واسطے

۳۳

اس وقت اضطراب تھا بچوں کو اس قدر　　تکتے تھے دمبدم رخِ عباسِ نامور
پانی کنوئیں میں جب کہ نہ آیا کہیں نظر　　بولا یہ سر جھکا کے وہ غازیِ بچشمِ تر
اب کیا کروں کہ غم سے جگر آب ہوگیا
پانی کنوئیں میں گوہرِ نایاب ہوگیا

۳۴

کھولے سروں کو بیبیاں کرتی تھیں یہ دعا　　یارب برائے صفدر و زہرا و مصطفےٰ
دو دن سے تشنہ لب ہے جگر بندِ مرتضیٰ　　شورِ عطش ہے، روتے ہیں اطفال مہ لقا
غربت میں ان غریبوں کی جانوں پہ رحم کر
پروردگار تشنہ دہانوں پہ رحم کر

۳۵

پہنچا جو ابنِ ساقیِ کوثر بحدِّ چاہ — تھم کر کنوئیں میں غور سے کی ہر طرف نگاہ
ہر چند غرق چاہ میں تھا وہ زمیں کا ماہ — لیکن نشاں تری کا نہ ملتا تھا، آہ آہ
سچ ہے کہ بس نہیں کسی انساں کا بخت سے
افزوں تھی سب وہ نرم زمیں سنگِ سخت سے

۳۶

جاری کیے زبان پہ بھی جان گزا کلام — واحسرتا کہ رہ گئے معصوم تشنہ کام
پانی کی آرزو میں کھڑے تھے وہ لالہ فام — کوزے کوئی لیے تھا تو کوئی لیے تھا جام
پانی ہے زندگی کی نشانی، ہزار حیف
نکلا کنوئیں تلک میں نہ پانی ہزار حیف

۳۷

ان کوششوں سے بھی نہ ملا جب یہ مدّعا — نکلا کنوئیں سے یوسفِ کنعانِ مرتضا
پانی کے منتظر تھے جو اطفال مہ لقا — بولے گلے لگا کے یہ عبّاسِ باوفا
کچھ بس نہیں ہے لاکھ اگر جدّ و کد کریں
بچّو! تمھاری ساقیِ کوثر مدد کریں

۳۸

مضطر ہے فکرِ آب میں فرزندِ بوتراب — تم تشنہ کام ہو، مجھے کیوں کر نہ ہو حجاب
کوشش ہزار طرح پہ کی باصد اضطراب — دیکھو تمھیں، کنوئیں سے بھی ممکن ہوا نہ آب
کیوں کر نہ تم کو دیکھ کے آہ و بکا کریں
تقدیر میں نہ ہو کہیں پانی، تو کیا کریں

۳۹

روئے یہ کہہ کے حضرتِ عبّاسِ حق شناس — کھودا کنواں اک اور کہ بچّوں کو ہو نہ یاس
واحسرتا، صغیروں کی پھر بھی بجھی نہ پیاس — فوراً کنواں وہ بند کیا، دل ہوئے اداس
حسرت سے منھ کو دیکھ کے معصوم رہ گئے
سب تشنہ کام پانی سے محروم رہ گئے

۴۰

مایوس ہو گئے جو علمدارِ باوفا　　بولے بہا کے اشک شہنشاہِ کربلا
پانی کی فکر اب نہ کرو، تم پہ ہیں فدا　　کیا اپنا اختیار، ہے جو مرضیٔ خدا
کوشش میں جان بھی اگر اپنی گنواؤ گے
بھیّا، کہیں سے پانی کا قطرہ نہ پاؤ گے

۴۱

حضرت کے اس بیاں پہ ہوا حشر آشکار　　روتی تھیں منھ کو ڈھانپ کے رانڈیں جگر فگار
وہ شب بھی تشنگی میں بسر کی بحالِ زار　　صبح نہم کو اور مصیبت تھی بے شمار
اعدا میں شورِ قتلِ شہِ تشنہ کام تھا
خیمہ کے گرد نرغۂ افواجِ شام تھا

۴۲

محوِ وظائفِ سحری تھا ہر ایک بشر　　آمادۂ وغا تھی ادھر فوجِ بد گہر
پڑھتے تھے یاں نماز شہنشاہِ بحر و بر　　باجے اُدھر صفوں میں بجاتے تھے اہلِ شر
آلِ نبی پہ نرغۂ فوجِ کثیر تھا
بدلے اذاں کے غلغلۂ دار و گیر تھا

۴۳

کہتا تھا شمر آ کے یہ لشکر میں بار بار　　ہاں صفدرو، قریب ہے ہنگامِ کارزار
پیاسے بہت ہیں ساقیٔ کوثر کے گلعذار　　شیروں سے معرکہ ہے ترائی میں ہوشیار
سوکھی زباں حسین کی پانی سے تر نہ ہو
یوں گھاٹ روکنا کہ ہوا کا گذر نہ ہو

۴۴

پیاسے ہیں تین دن سے شہنشاہِ کربلا　　ہیں جستجوئے آب میں عبّاسِ باوفا
ایک ایک شیرِ بیشۂ حیدر ہیں ہے کَلا　　سیراب وہ ہوئے تو قیامت ہوئی بپا
آئے نہ تا بہ نہر جواں ہو کہ پیر ہو
پانی کے بدلے بارشِ بارانِ تیر ہو

۴۵

جس وقت یہ سُنے سخنِ شمرِ بے حیا   تیر افگنی پہ لیس ہوئے بانیٔ جفا
کمریں بندھیں، کھُلے علمِ فوجِ اشقیا   غُل طبل کا بلند ہوا بُوق کی صدا
نکلے وہ یل قوی تھے جو بہرام گور سے
گاوِ زمیں لرز گئی قرّنا کے شور سے

۴۶

اعدا نے رخ کیا جو سوئے خیمۂ حرم   برہم ہوئے رفیقِ شہِ آسماں حشم
بڑھ بڑھ کے غازیوں نے صدائیں یہ دیں بہم   ٹھہرو اُسی جگہ، نہ بڑھانا اِدھر قدم
واجب ادب ہے سرورِ گردوں مقام کا
خیمہ ہے یاں حُسین علیہ السلام کا

۴۷

کیا نام ہے بڑھے ہوئے آتے ہو کیوں ادھر   مضطر ہیں اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
خیمہ میں ہیں حضور تمھیں کیا نہیں خبر   یہ سرکشی، یہ ظلم، یہ نرغہ، یہ شور و شر
بجلی کہیں گرے نہ سپاہِ جہول پر
یہ اژدھام خیمۂ آلِ رسول پر

۴۸

یہ بے حمیّتی، یہ شقاوت، ہزار حیف   مظلوم فاقہ کش سے عداوت، ہزار حیف
یہ قدرِ اہلبیتِ رسالت، ہزار حیف   دنیا میں کیوں نہ آئی قیامت، ہزار حیف
سیراب آبِ نہر سے ہر بد خصال ہے
پیاسا وہ ہے جو ساقیِ کوثر کا لال ہے

۴۹

مشغولِ ذکرِ حق ہیں امامِ فلک جناب   روحِ نبیؐ سے بھی تمھیں آتا نہیں حجاب
ایک شب کے واسطے بھی یہ شورش یہ اضطراب   کل خود طلوع ہووے گا زہرا کا آفتاب
بے جا ہے سرکشی عمرِ حیلہ ساز کی
کافر بھی ہو تو دیتا ہے مہلت نماز کی

۵۰

جب تک ہیں ہم، مجال نہیں ہے جو آسکو ۔۔۔ کیا منھ بھلا جو آنکھ بھی ہم سے ملا سکو
کیا تاب ہے قدم بھی جو آگے بڑھا سکو ۔۔۔ آنا کہاں کا، گرد تو خیمہ کی پا سکو
ہیں سر بکف رفیق شہِ کائنات کے
سر تیر تے پھریں گے کنارے فرات کے

۵۱

ڈیوڑھی پر جلوہ گر ہیں شہنشاہِ حق شناس ۔۔۔ تیوری چڑھائے قاسم و اکبر ہیں آس پاس
برہم ہیں سب رفیق شہِ آسماں اساس ۔۔۔ دیکھو جتا دیا ہے، خبردار، باحواس
ہیں سب خموش حکمِ شہِ حق شناس سے
بس خیر ہے کہ دور رہو خیمہ کے پاس سے

۵۲

جس دم دلاوروں نے کیے اس طرح کلام ۔۔۔ اللہ رے رعب رک گئی افواج روم و شام
آئے حرم میں حضرتِ عبّاسِ نیک نام ۔۔۔ دیکھا کہ جانماز پہ ہیں سرورِ انام
مُڑ کر جو شہ نے بھائی کی جانب نگاہ کی
ٹپکا کے اشک دلبرِ حیدر نے آہ کی

۵۳

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ امم ۔۔۔ بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عبّاسِ ذی حشم
فوجِ شقی بڑھی چلی آتی ہے دمبدم ۔۔۔ آمادۂ فساد ہیں سب بانیِ ستم
دل سب کے ہیں بھرے ہوئے بُغض و عناد سے
تیر آرہے ہیں لشکرِ ابن زیاد سے

۵۴

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر ۔۔۔ تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
چلّائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر ۔۔۔ حضرت کہاں ہیں، مر گئے عبّاسِ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

۵۵

افشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشاں　　عبّاس کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں　　کیوں اے حسین کون اُٹھائے گا اب نشاں
لاش ان کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

۵۶

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار　　آقا! تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں آئی ہے جانِ زار　　اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خُلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مجھے لینے کو آئی ہیں

۵۷

رو کر پکارے شاہ کہ آتا ہوں بھائی جان　　گھر لُٹ گیا ہے خاک اڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان　　ایک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

۵۸

دیکھا جو دَر سے بنت علی نے یہ شہ کا حال　　ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا؟ اے علی کے لال　　مڑ کر کہا حسین نے، عبّاسِ خوش خصال
دریا پہ فوج شام نے مارا دلیر کو
زینب! اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۵۹

خورشیدِ مشرقین، زمانے سے اُٹھ گیا　　حیدر کا نورِ عین، زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسین، زمانے سے اٹھ گیا　　زینب، ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گذار کو

۶۰

اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سوگوار ہے ہے حسین ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے، تم پہ ہیں نثار اکبر خدا کے واسطے، بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا! پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

۶۱

اکبر پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جو لائے غلطاں لہو میں بازوئے عباس ہاتھ پائے
چلّائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۶۲

اکبر نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا رکھّا چچا کے سینہ پہ، اور رو کے یہ کہا
لیجے یہی ہے لاشِ علمدارِ باوفا چلّائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسین کو
بھیّا زرا گلے سے لگا لو حسین کو

۶۳

عبّاس ہاتھ کٹ گئے شانوں سے، ہے غضب ریتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسول کی امّت نے بے سبب بھیّا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جِلا دو ہمیں منھ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۶۴

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں ہیں تر آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں، یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

۶۵

غش میں سنی جو گریۂ شبیر کی صدا چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسِ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفےٰ اس پیار کے نثار، اس الطاف کے فدا
زیبا ہے جان نکلے اگر پیشوائی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکل کشائی کو

۶۶

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور لیں ہچکیاں، بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہوگئی
تھرّائے دونوں ہونٹ زباں بند ہوگئی

۶۷

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام گودی میں لے کے پاؤں دبانے لگے امام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام تھرّائی لاش، مرگئے عباسِ نیک نام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبیؐ رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

۶۸

ہاں روؤ مومنو یہ بُکا کا مقام ہے تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السّلام ہے تاریخ آٹھویں ہے محرّم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

۶۹

آگے تمہارے مرتے جو عباسِ باوفا پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا زہراؑ بھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزم شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسین کو

۷۰

بس اے انیسؔ بس کہ ہے غم دل پہ لاتُعد — بے شک ہے اس کلام میں عبّاس کی مدد
یہ لطف، یہ صفائی، یہ بندش، یہ شدّ و مد — کیوں کر نہ سُن کے وجد کریں صاحبِ خرد
نظمِ سخن میں موتیوں کی آب تاب ہے
اس مرثیہ کا بند ہر اک لاجواب ہے

۱

یعقوبِ مصطفیٰؐ سے جو یوسفؑ جدا ہوا	یعنی شہیدِ اکبرؑ گلگوں قبا ہوا
ناموسِ شہ میں شورِ قیامت بپا ہوا	آفت میں فاطمہؑ کا پسر مبتلا ہوا
بہتا تھا خوں زمیں یہ تنِ پاش پاش سے
لپٹے ہوئے تھے اکبرؑ مہرو کی لاش سے

۲

بجتے تھے وہاں جلاجل و قرنا و طبل و دف	ماتم تھا نوجوانیِ اکبرؑ کا اس طرف
چلاتے تھے یہ کوفی و شامی جمائے صف	کاٹیں گے اب سر پسرِ سرورِ نجف
تنہا ہیں شاہِ دیں کوئی بیٹا نہ بھائی ہے
ایک دم میں اب بتول کے گھر کی صفائی ہے

۳

بڑھ کر پکارا تب عمرِ سعدِ بد شعار	چھوڑو پسر کی لاش کو یا شاہِ نامدار
تلواریں کھینچے مستعدِ جنگ ہیں سوار	رونے کا ہے یہ وقت کہ ہنگامِ کارزار
فاقے میں زورِ حیدرِ صفدر دکھایئے
مشکل کشا کی تیغ کے جوہر دکھایئے

۴

یہ سُن کے مسکرائے شہنشاہِ تشنہ کام	شانا ہلا کے لاش کا، چلائے یوں امام
سنتے ہو اے پسر! عمرِ سعد کے کلام	دیتے نہیں جواب اسے کھینچ کر حسام
بڑھ بڑھ کے اہلِ شام کے حربوں کو رد کرو
بیٹا! اٹھو ضعیف پدر کی مدد کرو

۵

بولا شقی کسے شہِ والا جگاتے ہیں　　مُردے بھی دردوغم میں کہیں کام آتے ہیں
اب کوئی دم میں آپ کا خون ہم بہاتے ہیں　　نیزے پہ رکھ کے سر کو سوئے شام جاتے ہیں
پیاری ہے جان اگر تو نہ ردّ و بدل کرو
حُکمِ امیرِ شام پہ اب بھی عمل کرو

۶

یہ سُن کے آگیا شہِ ذی جاہ کو جلال　　غصّہ سے تھر تھرانے لگا فاطمہؑ کا لعل
تلوار ٹیک کر جو اُٹھے شاہِ خوشخصال　　تھرّایا چرخ، کانپ گیا عرصۂ قتال
قہرِ خدا تھا غیظ شہِ کائنات کا
سینہ میں دل لرز گیا ہر ذی حیات کا

۷

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے سلطانِ بحروبر　　پھیلی ضیائے چہرۂ روشن اِدھر اُدھر
تھاما جو شہ نے باگ کا پورا بہ کرّوفر　　گویا نہال ہو گیا شبدیزِ نامور
زینت فزائے زیں، شہِ گردوں جناب ہیں
دونوں قدم رکابوں میں دو آفتاب ہیں

۸

وہ نور، وہ شکوہ، وہ توقیر، وہ جمال　　وہ داغِ دل، وہ رنج، وہ غم، وہ عطش کا حال
وہ دبدبہ، وہ رُعب، وہ اقبال، وہ جلال　　وہ دھوپ اور وہ دشت کی لُوئیں وہ دم زوال
داغِ پسر نے آگ لگا دی تھی سینہ میں
تر تھی قبائے جسمِ مطہر پسینہ میں

۹

چمکا کے اسپ کو صفتِ شیرِ خشمگیں　　نعرہ کیا کہ ہلنے لگا چرخِ ہفتمیں
تکبیر کی صدا سے لرزنے لگی زمیں　　بڑھ کر کہا کہ او پسرِ سعد بدیقیں
آتا ہے نورِ عینِ جنابِ امیر کا
لے دیکھ زور، فاطمہ زہراؑ کے شیر کا

۱۰

ہر چند تین روز سے میں تشنہ کام ہوں لیکن قسیم کوثر و دارالسّلام ہوں
سیّد ہوں، راحتِ دلِ خیر الانام ہوں بھولے ہوئے ہو کیوں، میں تمھارا امام ہوں
ہنستے ہو قتل کر کے میرے نورِ عین کو
اے ظالمو، ستاؤ نہ بیکس حسین کو

۱۱

تابع ہو جس کے تم وہ ہے میخوار و پُر گناہ بیدین و بدیقین و بدآیین و رُو سیاہ
ناحق خدا کے دوست کے دشمن ہوئے ہو آہ ڈھونڈو گے تو نہ پاؤ گے پھر مجھ سا خیر خواہ
گھر سے بُلا کے ظلم، محبّت سے دُور ہے
اچھا بتا تو دو کہ مرا کیا قصور ہے

۱۲

گر کچھ کسی پہ ظلم کیا ہو بیاں کرو پانی بھی نہر کا جو پیا ہو بیاں کرو
ذی حق کا اگر حق نہ دیا ہو بیاں کرو مال و متاع جن سے لیا ہو بیاں کرو
بے وجہ کیوں غریب کو آزار دیتے ہو
وہ امر کیا ہے جس کا عوض مجھ سے لیتے ہو

۱۳

بڑھ کر کہا حصین نے کہ یا ابنِ بوتراب تھوڑا گُنہ ہے بیعتِ حاکم سے اجتناب
غصّہ میں آ کے بولے امامِ فلک جناب بس سامنے سے دور ہو اُو خانماخراب
تو جانتا ہے جنگ سے عاجز فقیر کو
لے کھینچتا ہوں تیغِ جنابِ امیرؑ کو

۱۴

رتبے سے تو حسینؑ کے واقف نہیں ہے کیا حیدرؑ سے شیرِ بیشۂ ہیجا کا دلربا
خورشیدِ دیں، سراجِ ہُدا حجّتِ خدا کفّار جس کے ڈر سے گریزاں رہے سدا
آ سامنے حسینؑ کے گر عزمِ جنگ ہے
بیعت ہمارے گھر کے غلاموں کو ننگ ہے

۱۵

نازاں ہے تو یزید کی دولت پہ بے ادب　　دعویٰ جسے خدائی کا تھا وہ کہاں ہے اب
یہ کب تلک رہیگا وہ ظالم، رہا نہ جب　　سب کو فنا لگی ہوئی ہے غیرِ ذاتِ رب
وہ ہم میں فیضِ دینِ خدا جن سے جاری ہے
جو تا ابد رہے گی وہ دولت ہماری ہے

۱۶

کس کا پدر ہے شیرِ خدا مرتضیٰ علیؑ　　مشکل کشا، امیر عرب، صفدر و ولی
کعبہ میں کس کے تیغ سرِ کفر پر چلی　　قرآں کی طرح کس کا شرف سب پہ ہے جلی
حق اُس ولی کے ساتھ ہے، وہ حق کے ساتھ ہے
بازو رسولؐ کا ہے تو خالق کا ہاتھ ہے

۱۷

نوعِ بشر میں افضل و اعلیٰ ہے وہ جناب　　ہمّت میں بے عدیل، سخاوت میں انتخاب
نکتہ گر اس کی وصف کا لکھیں تو ہو کتاب　　خیبر ہے جس کے دفترِ جرأت کا ایک باب
دیکھو جو ذکرِ خیر، کلام خدا میں ہے
ادنیٰ عطا ہے جس کا بیاں ہل اتیٰ میں ہے

۱۸

سُن سُن کے یہ کلام فصاحت نظامِ شاہ　　تھرّائے قلب، رونے لگی شام کی سپاہ
چلّایا کوفیوں کو یہ تب، شمر رو سیاہ　　اے قوم افصح الفصحا ہے یہ دین پناہ
نکلو یہ وقت بارشِ بارانِ تیر ہے
کاٹو سر حسینؑ، کہ اب دن اخیر ہے

۱۹

یہ سُن کے فوجِ ظلم جمانے لگی پرے　　قبضوں پہ ہاتھ دوش پہ گرزِ گراں دھرے
ظالم نہ قہرِ حضرتِ قہار سے ڈرے　　غل تھا جری ہے خون میں جو شیر کو بھرے
کافی ہیں، ایک دل ابھی گر ہوں دلیر دو
جلدی چھری کلیجے پہ زہراؑ کے پھیر دو

۲۰

طبلِ وغا پہ چوٹ لگی اور نشاں کھُلے سب ترکشوں کے صورت اژدر دہاں کھلے
ابوابِ ظلم و بدعت و آزار واں کھُلے شہ کے لیے اُدھر درِ باغِ جناں کھُلے
نیزے تھے ایک طرف، تبر و تیر اک طرف
دنیا تو ایک طرف ہوئی شبیرؑ اک طرف

۲۱

چلّوں میں جوڑے تیر اُدھر اہلِ شام نے قبضہ پہ ہاتھ ڈال دیا یاں امامؑ نے
بجلی کی سب دکھائی تڑپ خوشخرام نے رستم بھی آ نہ سکتا تھا صفدر کے سامنے
روح الامیں نے دی یہ صدا آسمان سے
بھاگو، علیؑ کی تیغ نکلتی ہے میان سے

۲۲

چمکی جو کھنچ کے میان سے تیغ شرر فشاں آتش نے الحذر کہا، بجلی نے الاماں
کانپی زمیں کہ آگیا جنبش میں آسماں بھاگے پرند چھوڑ کے جنگل سے آشیاں
دوڑی بھڑک کے آگ جو دشتِ مصاف میں
پریاں دہائی دینے لگیں کوہِ قاف میں

۲۳

نعرہ کیا امام نے، اے قومِ ہوشیار! جھپکا چکو نہ آنکھ، چمکتی ہے ذوالفقار
تیغوں کو تول کے ابھی سنبھلے نہ تھے سوار آیا خدا کا قہر، گری برقِ شعلہ بار
دہشت سے ہر شقی کا جگر چاک ہوگیا
کیا آنچ تھی کہ جل کے ہر اک خاک ہوگیا

۲۴

صیفی چلی صفوں پہ کہ سیف دو سر چلی آفت بپا ہوئی، غضب آیا جدھر چلی
تھی صرصرِ فنا، کہ سوئے فوجِ شر چلی غل تھا کہ لو وہ صف بھی میانِ سقر چلی
قطرے لہو کے مثلِ شرر اڑتے پھرتے ہیں
یہ کون سی ہوا ہے کہ سر اڑتے پھرتے ہیں

۲۵

سرِ دشمنوں کے تیغ دو سر کاٹنے لگی ! تیر و کمان و تیغ و بتر کاٹنے لگی
اشجارِ باغِ بدعت و شر کاٹنے لگی ! دست و گلو و صدر و کمر کاٹنے لگی
صدمہ تھا ہر شقی کے تنِ پاش پاش پر
دس دس پڑے تڑپتے تھے ایک اک لاش پر

۲۶

کیا کیا چمک کے فوج پہ جاتی تھی دم بدم اعدا کو جوہر اپنے دکھاتی تھی دم بدم
دریا لہو کا رن میں بہاتی تھی دم بدم پانی نہ تھا تو خون میں نہاتی تھی دم بدم
دیکھا جو بحرِ قہرِ الٰہی کی گھاٹ کو
دریا کے بھاڑ مان گئے اس کی کاٹ کو

۲۷

چم چم غضب کا، شعلہ نشانی تھی قہر کی دم تھا ستم کا تیز زبانی تھی قہر کی
چلتی تھی مثلِ سیل، روانی تھی قہر کی خون پی رہی تھی تشنہ، دہانی تھی قہر کی
تصویرِ موت کی نظر آتی تھی ناب میں
زہرِ فنا گھلا ہوا تھا اس کی آب میں

۲۸

اس غول کو دکھا کے صفائی ادھر گری فرصت ادھر سروں سے جو پائے ادھر گری
گردش میں ہاتھ کی اِدھر آئی ادھر گری بازو اِدھر گرا تو کلائی اُدھر گری
پنجہ غضب قوی تھا یداللہ کے شیر کا
خالی گیا نہ ہاتھ کوئی اس دلیر کا

۲۹

حربوں کو سب نے پھینک دیا ڈر کے حرب میں دو دو کو چار کرتے تھے ایک ایک ضرب میں
لاشے بھی کربلا کی زمیں پر تھے کرب میں مانندِ برق شرق سے آتی تھی غرب میں
پھل تھے نہ برچھیوں میں، نہ تھے پھول ڈھال میں
گویا خزاں جنوب سے آئی شمال میں

۳۰

دریا پہ شور تھا کہ یہ آفت کی تیغ ہے بھاگو، یہ دستِ شاہِ ولایت کی تیغ ہے
سر اُڑتے ہیں عجب قد و قامت کی تیغ ہے محشر بپا ہے رن میں، قیامت کی تیغ ہے
برقِ اجل بھی آن کے یوں گھیرتی نہیں
لاکھوں کے رُخ پھرے پہ یہ منھ پھیرتی نہیں

۳۱

دم بھر میں سُرخ دشتِ بلاخیز کر گئی کاسے سروں کے خون سے لبریز کر گئی
ٹکڑے سوار کے معہ شبدیز کر گئی سنگیں دلوں کو مار کے، منھ تیز کر گئی
جاتے تھے نیزہ داروں پہ یوں دیکھ بھال کے
چلتا ہے جیسے مار زباں کو نکال کے!

۳۲

قبضے سے تھا ظہور سرِ قافِ قہرِ حق اُلٹا ہوا تھا رن میں صفِ فوج کا ورق
لاشوں سے بھر دیا تھا وہ صحرائے لق و دق پھیلی ہوئی تھی دُور تلک خون کی شفق
دہشت سے سامنے کوئی ثابت قدم نہ تھا
دم اس کا بڑھتا جاتا تھا اعدا میں دم نہ تھا

۳۳

کیا تیغِ مرتضیٰؑ نے کیا نام فوج میں دونی ہوئی ترقیِ اسلام فوج میں
پُرزے کیا لعینوں کا اندام، فوج میں مقراض کا زباں سے کیا کام فوج میں
جوہر سب اس کی کھُل گئے فوجِ یزید پر
قربان، ذوالفقار کی قطع و برید پر

۳۴

لشکر میں تھے سوار جو ہر سُو بڑھے ہوئے بڑھتے وہ کیا، کہ زور تھے اُن کے گھٹے ہوئے
پسپا تھیں سب صفیں، تو پرے تھے پھٹے ہوئے تصحیح کیسا، صاف تھے چہرے کٹے ہوئے
باقی نہ پائی جان، کسی لڑنے والے میں
بھرتی ہوئی ہر اک کی اجل کے رسالے میں

۳۵

ضرب اُس کی ابتدا سے ہراک پر قوی رہی   جب تک چلی وہ، فوجِ عدو منزوی رہی
پیچھے ہراک کے صورتِ حرفِ روی رہی   تقطیعِ قد کی رن میں اُسے پیروی رہی
ہر سو دُہائی لشکرِ اہلِ جفا میں تھی
وہ تیغ قافیہ کی طرح سے قفا میں تھی

۳٦

تعریف ذوالجناح کی کیونکر کروں بیاں   دوڑے کمیت خامۂ مشکی کہاں کہاں
دریا بھی اس طرح کبھی ہوتا نہیں رواں   کس کس طرف پھراؤں بھلا طبع کی عناں
سُرعت یہ برق میں نہ یہ تیزی پرند میں
شبدیز خامہ رُکتا ہے وصفِ سمند میں

۳۷

تعریف بیٹش ولبس کی سراپا مُحال ہے   حیرت میں طبعِ شاعرِ نازک خیال ہے
بجلی بھی شرمگیں ہے، یہ سُرعت کا حال ہے   آہو کی چو ی ہے تو پریوں کی چال ہے
کس طرح شکلِ مرکبِ شبیرؑ کھینچیے
کیونکر ہوا کی ہاتھ سے تصویر کھینچیے

۳۸

وہ انکھڑیاں، کہ دیکھ کے حیران رہیں ہرن   نازک وہ تھوتھنی ہے، کہ معشوق کا دہن
باریک جلد وہ، کہ خجل برگِ یاسمن   پائے یہ جست و خیز کہاں آہوئے ختن
عالم کھلے عیاں یہ گیسوئے حُور کا
غل تھا کہ یہ فرس نہیں ناقہ ہے نُور کا

۳۹

گردن کو دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں ہوشمند   دنیا کے راہواروں میں عنقا ہے یہ سمند
یوں تنگ آسماں سے ہے یہ اسپ سربلند   شیشے میں جس طرح کوئی کردے پری کو بند
کب تک ہوا کی طرح فلک کے تلے پھرے
وسعت نہیں جہاں میں کہاں یہ چلے پھرے

۴۰

بجلی گری، وہ شیر گیا رن میں جس طرف
جس صف پہ جا پڑا تہہ و بالا ہوئی وہ صف
غصّہ سے آنکھیں روئی ہوئیں اور دہن میں کف
جو آ گیا سُموں کے تلے ہو گیا تلف
اس طرح دوڑتا تھا ہر اک نابکار پر
گرتا ہے جیسے شیرِ گرسنہ شکار پر

۴۱

لاشوں سے اہلِ ظلم کی سب بھر گئی زمیں
جب دس ہزار قتل ہوئے دشمنانِ دیں
بس رحم کر اب اے پسرِ ختمِ مرسلیں!
ہتھیار پھینک پھینک کے چلّائے اہلِ کیں
قہرِ خدا ہے ضربِ شہِ تشنہ کام کی
اُمّت تباہ ہو گئی خیر الانام کی

۴۲

اب رحم کیجیے، حیدرِ صفدر کا واسطہ
مولا نہ لڑئیے آپ پیمبر کا واسطہ!
ننھے سے لاشۂ علی اصغر کا واسطہ
دیجے اماں، جوانیِ اکبر کا واسطہ!
تیغِ علیؑ کے ڈر سے کلیجے دو نیم ہیں
ہم ہیں گناہ گار، پہ حضرت کریم ہیں

۴۳

غُل سُن کے الاماں کا، ہوئے آپ بیقرار
کیا رحم ہے حسینؑ کے اس رحم پر نثار
تھمنا تھا تیغ کا کہ چلے تیر دس ہزار
گردن جھکا کے، روک لی مولا نے ذوالفقار
اک بیکس و غریب ہزاروں میں گھر گیا
زہراؑ کا پھول ظلم کے خاروں میں گھر گیا

۴۴

زخموں سے جانِ فاطمہؑ کا جسم چُور تھا
ناری تھے گرد، بیچ میں خالق کا نور تھا
دریا بھی ابنِ ساقیِ کوثر سے دور تھا
نیلے تھے ہونٹ، پیاس کا ایسا وفور تھا
سوکھی زباں پھراتے تھے ہونٹوں پہ پیاس سے
مُڑ مُڑ کے خیمہ گاہ کو تکتے تھے یاس سے

۴۵

ناگاہ ایک سمت سے پیدا ہوا غبار — گھبرا کے دیکھنے لگی سب فوجِ نابکار
آیا قریبِ لشکرِ کیں اک شُتر سوار — پوچھا کدھر ہے فاطمہؑ زہرا کا یادگار
اقبال دم بدم ہو فزوں بادشاہ کا
خیمہ کدھر ہے قبلۂ عالم پناہ کا

۴۶

شکرِ خدا کہ لشکرِ اسلام کا ہے اَوج — پھیلی ہوئی ہے قبلۂ عالم کی سب یہ فوج
خالق رکھے حسینؑ کا دُنیا میں اَوج موج — حامی رہے جہاں میں صدا فاطمہؑ کا زوج
کس قوم نے کمر یہ کسی ہے عناد پر
کے روز سے حسینؑ چڑھے ہیں جہاد پر

۴۷

اُس قاصدِ حزیں سے کہا یہ کسی نے تب — اے بے خبر، یزید کی ہے یہ سپاہ سب
مارے گئے حسینؑ، کے انصار تشنہ لب — سرور کی فوج میں کوئی باقی نہیں ہے اب
جا دیکھ، وہ پسر ہے جنابِ امیرؑ کا
چھاتی سے جو لگائے ہے لاشہ صغیر کا

۴۸

ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام — جا کر قریب شاہ ادب سے کیا سلام
دے کر جواب، کہنے لگے سرورِ انام — آنا ہوا کدھر سے ترا اے خجستہ کام
اس وقت روح جسم سے لذت اٹھاتی ہے
تجھ سے تو صاف بوئے وطن مجھ کو آتی ہے

۴۹

پگڑی سے خط نکال کے قاصد نے یہ کہا — پڑھیے یہ خط حضور کا ہے یا کہ اور کا
دیکھا جو نامِ فاطمہؑ صغرا لکھا ہوا — صدمے سے کانپنے لگے مولا کے دست و پا
اِک ضرب سی لگی جو دلِ دردناک پر
لاشے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر

۵۰

معصوم کو لٹا دیا بالائے خاک جب　　آنکھوں پہ رکھ لیا خطِ صغرا کو لے کے تب
سرنامہ پڑھ کے دل پہ زیادہ ہوا تعب　　مرقوم تھا عریضۂ صغرائے جاں بلب
ہر درد کا علاج ہے بابا کے ہاتھ میں
پہنچے خطِ مریض مسیحا کے ہاتھ میں

۵۱

سرنامہ پڑھ کے کہنے لگے شاہِ نامدار　　ہاں میرے نام کا ہے یہ خط اے شُتر سوار
گھبرا کے تب یہ کہنے لگا وہ نکوشعار　　ہیں آپ ہی حسینؑ، محمدؐ کی یادگار
تقصیر بخشیے مجھے معلوم اب ہوا
اے نورِ عینِ فاطمہؑ، یہ کیا غضب ہوا

۵۲

کیا ہو گیا یہ آپ کا حال اے شہِ زماں　　ہوتا ہے اس طرح بھی بشر زار و ناتواں
دیکھا تھا میں نے آپ کو، یثرب میں نوجواں　　کیا جلد پیر ہو گئے اے قبلۂ جہاں
خم ہی کمر میں، زیست سے دل ناامید ہے
سب جسم کانپتا ہے محاسن سپید ہے

۵۳

رو کر امامِ دیں نے کہا شکرِ ذوالجلال　　دنیا میں ایک سا نہیں رہتا کسی کا حال
خورشید کو عروج کبھی ہے کبھی زوال　　کامل کبھی ہے ماہ فلک اور کبھی ہلال
محتاج ہے کوئی، تو کوئی بے نیاز ہے
بھائی یہی جہاں کا نشیب و فراز ہے

۵۴

کی عرض اُس نے اے خلفِ سیدالبشر　　کیا ہو گئے حضور کے انصارِ نامور
اکبرؑ کہاں ہیں حضرتِ عباسؑ ہیں کدھر؟　　فرمایا رو کے سب نے جہاں سے کیا سفر
جنگل میں ساتھ آئے تھے بستی کو چھوڑ کر
پہنچے ارم میں گلشنِ ہستی کو چھوڑ کر

۵۵

فرما کے یہ لفافۂ عرضی کیا جو چاک | صدمے سے کانپنے لگے حضرت کے دستِ پاک
رُخ زرد تھا جھی ہوئی تھی گیسوؤں پہ خاک | سینہ میں تھا طپان، دلِ غمگین و دردناک

جب بندِ عرضداشت پہ رو کر نگاہ کی
صغرا کی بیکسی پہ شہِ دیں نے آہ کی

۵۶

القاب تھا کہ قبلۂ دیں، کعبۂ جہاں | خورشید آسمان شرف، عیسیِ زماں
ظلِّ الٰہ، فیض رساں، شاہِ انس و جاں | حاجت روائے خلق، مددگارِ بیکساں

جلوہ بھی ذاتِ پاک میں خالق کے نور کا
سایا رہے جہاں میں ہمیشہ حضور کا

۵۷

بعد از ادائے بندگی تحفۂ وسلام | تھا نصفِ خط میں شوقِ قدمبوسیِ امام
تحریر تھا، لکھوں اگر اندوہِ صبح و شام | آخر ہو عمرِ خضرؑ، مگر خط نہ ہو تمام

لذّتِ جگر کی زخم کے بسمل سے پوچھیے
رنجِ مفارقت کو میرے دل سے پوچھیے

۵۸

جب سے ہوا ہے قبلۂ کونین کا سفر | بدتر ہے قبر سے بھی مرے واسطے یہ گھر
خفقت بخار میں ہے، نہ جاتا ہے دردِ سر | اب ہڈیوں میں بھی تپ غم نے کیا اثر

طاقت نہیں کہ اُٹھ کے یہ مجبوسِ غم چلے
افسوس، پہلے آپ کے آنے سے ہم چلے

۵۹

سب پاس ہیں امامِ فلک بارگاہ کے | اب رحم کیجے حال پہ اس بے گناہ کے
کچھ مشغلہ نہیں ہے سوا آہ آہ کے | کٹتی ہیں دُکھ میں ہجر کی راتیں کراہ کے

غم کھاتے کھاتے خانۂ ویراں میں گھٹ گئی
اب تو غذا بھی آپ کی صغرا سے چھٹ گئی

۶۰

کیا لکھے منھ کی بدمزگی کو یہ تلخ کام — میرے لیے ہے زہر سے بدتر دوا کا جام
نانی پکا کے لاتی ہیں جب سامنے طعام — کھانا سحر کا بس یونہی رہتا ہے تا بہ شام
پانی کو دیکھ کر میرے آنسو ٹپکتے ہیں!
کھاؤں جو کچھ، گلے میں نوالے اٹکتے ہیں!

۶۱

رغبت کبھی غذا پہ جو ہوتی ہے اک ذرا — اس وقت میرے کان میں آتی ہے یہ صدا
فاقے سے ہے مسافرِ صحرائے کربلا — اے فاطمہؑ، حسینؑ کو پانی نہیں ملا
صغرا ترے نصیب میں وصلِ پدر نہیں
لٹتا ہے گھر بتولؑ کا تجھ کو خبر نہیں

۶۲

سوتی ہوں روتے روتے جو میں سوختہ جگر — تو فاطمہؑ مجھے نظر آتی ہیں ننگی سر
کہتی ہیں پوچھتی ہوں جو میں آپ کی خبر — بیٹی میانِ دشت ہے، بیکس ترا پدر
پانی نہیں ہے اصغرِ بے شیر کے لیے
تلواریں تیز ہوتی ہیں شبیرؑ کے لیے

۶۳

سوتے ہیں لوگ شہر کے سارے تمام رات — میں جاگتی ہوں خوف کے مارے تمام رات
اٹھتا ہے دل میں درد ہمارے تمام رات — گنتی ہوں آسماں کے ستارے تمام رات
سب استخواں بخار کی شدّت سے جلتے ہیں
روتی نہیں تو آنکھوں سے شعلے نکلتے ہیں

۶۴

سب پاس ہیں جناب کے، اور آہ ہم ہیں دُور — کیا راہ و رسم ہے یہی الفت کی کیوں حضور
اب رحم کا مقام ہے، اے کبریا کے نور! — لونڈی کی کون سی ہے خطا اور کیا قصور
بیٹی نہیں کنیز ہوں اور جاں نثار ہوں
میں آپ کی سکینہؑ کی خدمت گزار ہوں

۶۵

اصغر کی خادمہ ہوں میں، یا شاہِ بحر و بر خوگر ہے میری گود کا وہ غیرتِ قمر
میں نے تڑپ تڑپ کے یہ مدّت تو کی بسر مرتی ہوں اب مسیحِ زماں لیجیے خبر

فرقت کہاں تلک مری حالت تغیر ہے
ذلحجہ کا مہینا بھی اب تو اخیر ہے

۶۶

جلدی مجھے بلائیے یا شاہِ کربلا بھیاؑ کو بھیج دیجیے میں آپ کے فدا
ہے صبح و شام اب یہی بیمار کی دعا دکھلائیے مجھ کو ماہِ محرّم وہیں خدا

مشکل نہیں سفر مرے نزدیک دُور کا
دیکھوں گی چاند دیکھ کے چہرہ حضور کا

۶۷

جب سے سنا ہے میں نے کہ عابدؑ کو ہے بخار اپنا مرض ہی بھول گئی، ہے یہ دل فگار
پہلے ہی ناتوان تھے بھیّا کے میں نثار غربت میں اور ہو گئے ہونگے نحیف و زار

کیا ہو سکے جہاں نہ دوا نہ طبیب ہو
بیمار میں رہوں انھیں صحت نصیب ہو

۶۸

پردیس میں علیل ہیں، خالق نگاہ بان قالب تو یہاں ہے اور انھیں میں ہے میری جان
ایسا نہ ہو بخار میں ہو جائیں ناتواں بابا خدا کے واسطے رکھیے کا ان کا دھیان

سب چھوٹے بھائی بہنوں کے سر کے وہ تاج ہیں
دھڑکا مجھے یہ ہے کہ وہ نازک مزاج ہیں

۶۹

اکبر کو پھر لکھا تھا یہ مدّ کھینچ کر جدا اے سروِ باغِ حُسن، گلِ گلشنِ وفا
بہنوں کے سر پہ آپ کو قائم رکھے خدا خوب آئے واہ آپ کے وعدے کے میں فدا

دن رات منتظر ہوں میں خط کے جواب کی
بس دیکھ لی بہن نے محبت جناب کی

۷۰

طاقت ذرا نہیں ہے میرے جسمِ زار میں — بستر پہ لیٹی رہتی ہوں دن بھر بخار میں
رہتا ہے روز درد دلِ بیقرار میں — آنکھیں سپید ہو گئی ہیں انتظار میں
للہ، اس مریضِ الم کی دوا کرو
اب تو خدا کے واسطے وعدہ وفا کرو

۷۱

بھیا تمھیں ہماری محبت ذرا نہیں — سچ کہتے ہیں کہ خلق میں رسم وفا نہیں
طولِ غمِ فراق کی کچھ انتہا نہیں — تقدیر سے گلہ ہے، کسی سے گلہ نہیں
کیسے کہوں جو مجھ پہ مصیبت گزر گئی
پوچھا نہ تم نے جیتی ہے صغرا، کہ مر گئی

۷۲

بھیجا نہ خط، نہ لینے کو آئے ہمارے واہ — ایسا ہی وعدہ کرتے ہیں کیوں، اے فلک پناہ
یا وہ محبتیں تھیں، وہ الفت تھی اور وہ چاہ — یا واں پہنچ کے بات نہ پوچھی بہن کی آہ
میں کون ہوں بھلا جسے لینے کو آؤ گے!
گر ہو گا بیاہ بھی، تو نہ مجھ کو بلاؤ گے!

۷۳

اب تو کنارِ گور ہوں اچھی تو ہوں بھلا — ان غفلتوں کا آکے کروں گی وہیں گلا
تم پر بھی اور تمھاری دلھن پر بھی میں فدا — مشتاق ہوں، وہ دن تو دکھائے مجھے خدا
رخ کی بلائیں سامنے بابا کے لوں گی میں
اچھا نہ آیئے، وہیں نیگ آکے لوں گی میں

۷۴

خط پڑھ کے روتے جاتے تھے سلطانِ کربلا — گویا کہ اک کتابِ مصائب ہے، خط نہ تھا
ٹپکے ہوئے تھے اشک عبارت پہ جا بجا — منت کہیں، کہیں تھی خوشامد کہیں گلا
تحریر سے عیاں تھا یہ اس بیقرار کی
بھائی بہن میں باتیں ہوں جس طرح پیار کی

۵

آخر وہ خط پڑھا نہ گیا شاہ سے تمام ۔ رقت سے کانپتا تھا تنِ سرورِ انام
بھر آیا دل، پکار کے رونے لگے امام ۔ آئے قریبِ لاشۂ فرزندِ تشنہ کام
جس دم نظر پڑی جسدِ پاش پاش پر
غش کھا کے گر پڑے علی اکبرؑ کی لاش پر

۶

بازو ہلا ہلا کے یہ لاشے کو دی صدا ۔ اے میرے گلعذار یہ بابا ترے فدا
پھر رو کے خط وہ سینۂ اکبرؑ پہ رکھ دیا ۔ فرمایا کیا لکھا ہے پڑھو تو اسے ذرا
آئے تھے کربلا میں ہمیں داغ دینے کو
اے لعل جاؤ فاطمہ صغراؑ کے لینے کو

۷

لکھو جواب نامۂ صغرائے جاں بلب ۔ تم مر گئے جیے گی نہ وہ ناتواں ہے اب
مرتی ہے تیرے ہجر میں، وہ کشتۂ تعب ۔ بتلاؤ اپنی شکل دکھاؤ گے اُس کو کب
قاصد کو کیا شبیہہ پیمبر جواب دوں
جو تم کہو، وہ اے علی اکبر جواب دوں

۸

دیکھا جو شہ کو قاصدِ صغرا نے بیقرار ۔ سر پیٹ کر زمیں پہ گرا وہ نکو شعار
کر ڈالا دستِ غم سے گریباں کو تار تار ۔ چلّایا چھاتی کوٹ کے، یا شاہِ نامدار!
بتلائیے یہ کس مہِ انور کی لاش ہے؟
شہؑ نے کہا، یہی علی اکبر کی لاش ہے

۹

یہ سُن کے خاک اُڑانے لگا قاصدِ حزیں ۔ رقت کو تھام کر یہ پکارے امامِ دیں
رخصت ہو تو، کہ موت ہماری بھی ہے قریں ۔ کہہ دیجیو فاطمہؑ سے کہ اے مری مہ جبیں
تھیں جن کی منتظر وہ جہاں سے گزر گئے
دیکھو نہ اُس کو تم علی اکبر تو مر گئے

۸۰

فرماتے تھے رو رو کے ابھی سرورِ انام ‏ جو بہرِ قتلِ شاہ بڑھی رن سے فوجِ شام
فرمایا نامہ بر سے کہ جا اے خجستہ کام ‏ لے اب شہید ہوتا ہے دم میں ترا امام
اب یہاں کریں گے ذبح یہ سب کینہ جو مجھے
خنجر کے نیچے دیکھ سکے گا نہ تو مجھے

۸۱

تسلیم کر کے قاصدِ صغرا رواں ہوا ‏ یاں شاہِ دیں پہ نرغۂ فوجِ گراں ہوا
زخموں سے چور چور تنِ ناتواں ہوا ‏ ہنگامِ عصر حشر کا ساماں عیاں ہوا
پایا جو غش میں فاطمہ کے نورِ عین کو
کاٹا قفا سے شمر نے حلقِ حسینؑ کو

۸۲

رستے سے جلد پھر کے جو قاصد نے نظر کی ‏ دیکھا سناں کی نوک پہ نورِ خدا کا سر
چلاّیا سر کو پیٹ کے صغرا کا نامہ بر ‏ ہے ہے تباہ ہو گیا خیر النساء کا گھر
وا حسرتا، کہ سرورِ دلگیر مر گئے
صغرا یتیم ہو گئی، شبیر مر گئے

۸۳

بس اب انیس روک لے کِلکِ گہر فشاں ‏ تاراجیِ خیام کا آگے نہ کر بیاں
گو، گوہرِ سخن کا نہیں کوئی قدرداں ‏ شبیرؑ موتیوں سے بھریں گے ترا دہاں
شہرہ جہاں میں کیوں نہ ہو تیرے کمال کا
تو مدح خواں ہے فاطمہ زہرا کے لال کا

۱

رن سے جب کھا کے سناں اکبرِ ذیشاں آئے ماں کی خدمت میں کوئی آن کے مہماں آئے
گھر میں لاشے کو لیے شاہِ شہیداں آئے نوحہ گر، خاک بسر، چاک گریباں آئے
دی صدا قتل ہوا یوسفِ ثانی، بانو!
مل گئی خاک میں اکبر کی جوانی، بانو!

۲

شہ کے کاندھے پہ جو دیکھا علی اکبر کو نڈھال مُردنی چھا گئی چہرے پہ ہوا ماں کا یہ حال
رو کے چلّائی کہ ہے ہے مرے بچے مرے لال صدقے جاؤں تمھیں راس آیا نہ اٹھارواں سال
ٹکڑے تیغوں سے بدن ہو گیا سارا ہے ہے
کون تھا جس نے مرے لال کو مارا ہے ہے

۳

سُن کے مادر کی صدا کھول دیے دیدۂ نم ہاتھ اٹھا کر کہا، روؤ نہ مرے سر کی قسم
پاس آ کر ہمیں چھاتی سے لگاؤ اس دم رن سے آئے ہیں تمھاری ہی ملاقات کو ہم
پھر یہ گھر آپ کے اقبال سے دیکھا امّاں
پھر تمھیں آ کے عجب حال سے دیکھا امّاں

۴

بال کیوں کھولے ہو، کیوں پھینک دی سر پر سے ردا خاک کیوں منھ پہ ملی ہے، یہ پسر تم پہ فدا
نیل سینے پہ پڑا، کیوں ہے گریبان پھٹا شاہ دنیا میں سلامت رہیں، کیا یہ کیا
مر گئے یہ نہ سخن منھ سے نکالو امّاں
میں تو جیتا ہوں کلیجے کو سنبھالو امّاں

۵

زخمی ہونے کی مرے کس نے خبر پہنچائی　　جھوٹ ہے میں نے تو ہرگز نہیں برچھی کھائی
آپ تک بیٹے کو تقدیر سلامت لائی　　دیکھے حضرت کے قدم، تن میں مرے جان آئی
مرگ کے پہلے ہو ماتم، یہ زبوں ہے، امّاں
میرے کپڑوں پہ تو عبّاس کا خوں ہے، امّاں

۶

غش کے آنے کی کہوں وجہ کہ کیوں غش آیا　　تیسرا دن ہے کہ پانی نہیں میں نے پایا
دھوپ میدان کی اور سر پہ نہ تھا کچھ سایا　　گر پڑا گھوڑے سے تیورا کے تمھارا جایا
مر چکا تھا پہ مقدّر نے بچایا، امّاں!
دوڑ کر باپ نے گودی میں اٹھایا، امّاں!

۷

بولی بانو کہ جو کہتے ہو، خدا یوں ہی کرے　　اے مرے لال! یہ ماں تیری بلا لے کے مرے
لاؤ دھو ڈالوں اگر خون میں کپڑے ہیں بھرے　　چاند سے ہاتھ ہیں پھر کس لیے چھاتی دھرے
مجھ کو معلوم ہوا خلق سے جاتے ہو تم
میرے رونے کے لیے زخم چھپاتے ہو تم

۸

آہ کی کہہ کے یہ اکبر نے بصد رنج و ملال　　درد چھاتی میں اٹھا، غیر ہوا اور بھی حال
دل میں یہ سوچ کے رونے لگا وہ نیک خصال　　ہم سفر کرتے ہیں امّاں کو ہے شادی کا خیال
جسم میں ہوگا کفن، خاک پہ چہرہ ہوگا
نہ دُلھن ہوگی، نہ اولاد، نہ سہرہ ہوگا

۹

کہہ کے یہ غش ہوئے پھر منہ سے نہ کچھ کی گئی بات　　قطع کرنے لگی شمشیر اجل نخلِ حیات
ہچکی اک آئی، تڑپنے لگا وہ نیک صفات　　ہٹ گئے سینے سے وہ خون میں ڈوبے ہوئے ہات
بانو چلّائی مگر دم نہ پسر میں دیکھا
زخم سے چھاتی کے سوراخ جگر میں دیکھا

۱۰

دونوں ہاتھوں سے لگی پیٹنے ماں سینہ و سر　　خاک پر گر کے کہا، ہائے پسر ہائے پسر
مجھ سے کہتے تھے کہ زخمی نہیں، ہیں تو مادر　　زخم اس طرح کا اور مجھ سے چھپایا دلبر
لعل سی جان کے جانے کا نہ وسواس کیا
میرے غم کھانے کا "قربان گئی" پاس کیا

۱۱

ہیں تو کہتی تھی زباں خشک ہے اور رنگ ہے زرد　　دوپہر پیاسے لڑے، ہوگئیں زلفیں پُر گرد
ہاتھ اور پاؤں، سبب کیا جو ہوئے جاتے ہیں سرد　　اب تڑپتی ہوں زمیں پر، نہیں تم کو مرا درد
پاس بُلوا کے سکینہ کو بہت پیار کیا
زخم کے درد کا اماں سے نہ اظہار کیا

۱۲

بَین سے بانو کے تھا خیمے میں اک حشر بپا　　لاش کے پاس تڑپتے تھے امام دوسرا
اتنے میں آن کے فضہ نے یہ حضرت سے کہا　　خط لیے اک شتر اسوار ہے ڈیوڑھی پہ کھڑا
ٹکڑے دل ہوتا ہے کچھ بات وہ جب کرتا ہے
آپ کو اور علی اکبر کو طلب کرتا ہے

۱۳

رو کے کہنے لگے فضہ سے شہِ عرش مقام　　میں تو مظلوم نہیں لائقِ پیغام و سلام
پوچھتا ہے جسے ان کا تو ہوا کام تمام　　جا کے لے آ جو لفافے پہ رقم ہو مرا نام
حسرتِ نامہ و پیغام کسے باقی ہے
اب تو مجھ کو خطِ شمشیر کی مشتاقی ہے

۱۴

فضہ لے آئی وہ خط جا کے بہ چشمِ خوں بار　　تھا لفافے پہ رقم "عرضی صغرا بیمار"
نام پر بیٹی کے رونے لگے شاہِ ابرار　　پڑھ کے سرنامے کو آنکھوں سے لگایا اک بار
غم سے دیکھا نہ گیا بانوے بے پر کی طرف
آہ کی دیکھ کے لاشِ علی اکبر کی طرف

۱۵

پوچھا بانو نے، یہ خط کس کا ہے بتلا، واری	بن پڑھے متصل آنکھوں سے لہو ہے جاری
شہ نے فرمایا مدینے میں جو ہے غم آزاری	کشتۂ صدمۂ فرقت مری صغرا پیاری
یوں نہ تقدیر نے دیدار دکھایا اس کا
مر گئے جب علی اکبرؑ تو خط آیا اس کا

۱۶

نامہ کھولا تو ہوا اور بھی اک خط معلوم	اس کو مٹھی میں چھپانے لگے شاہِ مظلوم
صفحۂ رُخ پہ ہوا اور بھی اشکوں کا ہجوم	دوسرا کس کا ہے خط، بولی یہ امِّ کلثوم
کہا زینب نے کہ مادر کو لکھا ہوئے گا
بولی بانو، علی اکبرؑ کو لکھا ہوئے گا

۱۷

شاہ رونے لگے بہنوں کو دیا کچھ نہ جواب	عرضیِ فاطمہ صغرا کا پڑھا سب القاب
بعد القاب کے لکھا تھا کہ اے عرش جناب	بیٹی جیتی تو ہے اب تک پہ بہت ہے بیتاب
ہم کو کیا اب جو ہوا آپ کا آنا، بابا
یاں ہمیں ہوتے ہیں دنیا سے روانہ، بابا

۱۸

پڑھ چکے شہ خطِ صغرا کا جو مضموں سارا	پھینک عمامے کو اک آہ کا نعرہ مارا
اور بصد درد یہ بولا وہ علی کا پیارا	دوسرے خط کے نہیں پڑھنے کا مجھ کو یارا
حال صغرا نے جو لکھا ہے سنائے کوئی
یہ جو سوتے ہیں پڑے ان کو جگائے کوئی

۱۹

بولے پھر لاش سے رو کر علی اکبرؑ اٹھو	خط پڑھو لے کے بہن کا، علی اکبرؑ اٹھو
جاں بلب باپ ہے اٹھو، علی اکبرؑ اٹھو	کیسا یہ خواب ہے تم کو، علی اکبرؑ اٹھو
روز رہتی تھی تمہیں یاد وطن کی، بیٹا
جا کے قاصد سے خبر پوچھو بہن کی، بیٹا

۲۰

لاش کے گرد کھڑے روتے تھے سب اہلِ حرم   خط کے پڑھنے سے ہوا اور بھی جوشِ ماتم
بانو چلائی کہ چپکے رہو لوگو، اس دم   سن تو لوں بھائی کو بھینا نے کیا ہے جو رقم
کیا خوش ہوتے وہ اس نامے کو پڑھ کر ہے ہے
خط بھی تب آیا کہ جب مر گئے اکبر ہے ہے

۲۱

پڑھ چکے جب تو کیا بانو سے رو رو یہ کلام   بھائی کی یاد رہا کرتی تھی صغرا کو مدام
سوتا ہے خاک پہ بیجان، وہ میرا گلفام   بھیجوں کیا صغرا کو بھائی کی طرف سے پیغام
ہے گِلا اکبرِ دل گیر کو لکھا صاحب
لو سنو بیٹے کی تقدیر کا لکھا صاحب

۲۲

سرِ نامہ پہ تو بیمار نے یہ ہے لکھا   بھائی جاں مہر وسپہر کرم لطف و عطا
گوہرِ برجِ صداقت گلِ گلزارِ وفا   سرو قد، غنچہ دہن، ماہِ جبیں، مہر لقا
خلق میں آپ کا دم تا صد و سی سال رہے
گھر میں کب تک یہ بہن مضطرب الحال رہے

۲۳

ابھی جیتی ہوں میں، آنا ہو تو آؤ بھیا   موت گھیرے ہوئے ہے مجھ کو بچاؤ بھیا
چاند سی شکل مجھے آ کے دکھاؤ بھیا   اپنی بھینا کو گلے آ کے لگاؤ بھیا
پھر جو آؤ گے تو مرقد ہی پہ آنا ہوگا
ہم نہیں ہوویں گے اور سارا زمانہ ہوگا

۲۴

مجھ کو معلوم ہے فرصت تمھیں اتنی ہے کہاں   آتا ہوئے گا زیارت کے لیے ایک جہاں
ماں کے ہو لختِ جگر، باپ کے ہو جسم کی جاں   کب وہ چاہیں گے کہ ہو جاؤ تم آنکھوں سے نہاں
منزلیں سخت ہیں، ایذا نہ اٹھانے دیں گے
آؤ کے بھی تو نہ بابا تمھیں آنے دیں گے

۲۵

دل پہ قابو نہ رہا رودیے شاہ شہدا
پوری تحریر میں تھا شکووں کا دفتر لکھا
پڑھ دیا ہم نے، جواب اس کا لکھو تم بیٹا
رکھ کے خط سینۂ اکبر پہ یہ حضرت نے کہا

انتظاری میں فقط زیست کے دن بھرتی ہے
لو خبر جلد، کہ بیمار بہن مرتی ہے

۲۶

تری مایوسی کے صدقے مری بیکس صغرا
منھ مدینے کی طرف کرکے یہ بانو نے کہا
برچھی سینے پہ لگی، مرگیا وہ ماہ لقا
تم نے لکھا تھا جسے خط میں کہ آؤ بھیّا

جان یاں آن کے ہیہات گئی اکبر کی
اب قیامت پہ ملاقات گئی اکبر کی

۲۷

نوجواں ہوکے دغا دے گئے مجھ کو اکبر
ماں پہ آفت کا فلک ٹوٹ پڑا اے دختر
منتظر جس کی تھیں، وہ کرگئے دنیا سے سفر
کوکھ اُجڑی مری، مارا گیا میرا دلبر

کیا کروں ہائے مقدر سے مرا زور نہیں
لاشِ اکبر کو میسّر کفن و گور نہیں

۲۸

لے گئے لاش کو چھاتی سے لگاکر سَروَر
کرکے یہ بین لگی رونے جو وہ خستہ جگر
عرض کرنے لگا فرمایئے اکبر ہیں کدھر!
نامہ بر ہوکے قدم بوسِ شہِ جن و بشر

مل چکا آپ سے اب مجھ کو تلاش اُن کی ہے
شہ نے فرمایا کہ لے دیکھ یہ لاش اُن کی ہے

۲۹

لے گئے خیمے سے لاشہ کو امامِ دوسرا
ہوئی اس بین سے بانو کے قیامت برپا
جن کا مدّاح ہے تو، تجھ کو وہی دیں گے صلا
بس انیس آگے مناسب نہیں ہے طول کی جا

کر دعا یہ کہ محبّ حشر تک آباد رہیں
دوستدارانِ حسین ابن علی شاد رہیں

موجودہ مرثیے میں جہاں ● اس طرح کا نشان ہے وہ بند غیر مطبوعہ ہیں، باقی بند مطبوعہ ہیں۔

۱

کیا مرتبے بتول کو حق نے عطا کیے ۔۔۔ لطف و کرم کریم نے بے انتہا کیے
فردوس کے طعام عنایت سدا کیے ۔۔۔ نقشِ قدم پہ آنکھیں فرشتے مَلا کیے
یہاں تک خدا کو خاطرِ بنتِ رسولؐ تھی
جس وقت ہاتھ اُٹھا کے دُعا کی، قبول تھی

۲

وہ فاطمہؑ، کہ جو ہے سراپا خدا کا نور ۔۔۔ پروانہ جس کے چہرۂ اقدس کا شمعِ طُور
گر حُور اس کو کہیے تو ہے عقل کا قصور ۔۔۔ اُس کے قدم کی خاک ہے سُرمہ برائے حُور
کس کو ملا یہ رُتبۂ اعلیٰ جہان میں
بھیجا خدا نے آیۂ تطہیر شان میں

۳

مَردوں میں مرتضیٰؑ کو کیا حق نے انتخاب ۔۔۔ اور عورتوں میں فاطمہؑ زہرا ہے لاجواب
یہ ہے شفیعِ حشر، تو رحمت کا ہے وہ باب ۔۔۔ ہے ایک ماہتاب تو ہے ایک آفتاب
وہ اشرف النساء، یہ شرف کائنات کا
دریا وہ نور کا، یہ سفینہ نجات کا

۴

دونوں کا ایک نُورِ خدا سے ظہور ہے ۔۔۔ طاہر ہیں، اِن میں رِجس سے ہر ایک دُور ہے
ہیں خاصگانِ حق، ادب ان کا ضرور ہے ۔۔۔ وہ نورِ چشم ہے، تو یہ دل کا سُرور ہے
ناری ہے جس نے دونوں کی خاطر مُلول کی
ان کی خوشی، خوشی ہے خدا و رسولؐ کی

۵

اللہ رے فاطمہؑ کی بزرگی، زہے وقار حوّا کا فخر، حضرتِ مریم کا افتخار
بابا ملا تو فخرِ رسولانِ روزگار شوہر ملا امیرِ عرب، شیرِ کردگار
بیٹے حسنؑ حسینؑ سے عالی جناب ہیں
اک آسمانِ نور کے دو آفتاب ہیں

۶

یہ دُخترِ رسولؐ کا ہے عزّ و احتشام لکھا ہے اپنے عرش پہ، جس کا خدا نے نام
ہے فاطمہؑ پہ عصمت و عفّت کا اختتام یہ لائقِ درُود ہے، وہ لائقِ سلام
شہرہ زبس ہے عرش پہ اس نام پاک کا
روحانیوں میں شور ہے روحی فداک کا

۷

اکثر زباں سے اپنی یہ فرماتے تھے نبیؐ ہے فاطمہؑ کو حق نے بزرگی عطا وہ کی
پیدا اگر جہاں میں نہ ہوتا مرا وصی دُنیا میں پھر بتول کا ہمسر نہ تھا کوئی
جو سمجھے حُور، عقل کا اُس کی قصور ہے
میں سایۂ خدا ہوں، وہ خالق کا نور ہے

۸

شمس الضحیٰ علیؑ ہیں تو بدر الدجیٰ ہے یہ وہ جسم ہے، تو جانِ دلِ مرتضیٰ ہے یہ
دُرِّ نجف علیؑ، گہرِ بے بہا ہے یہ عبدِ خدا ہے وہ، تو کنیزِ خدا ہے یہ
زاہد ہیں، حق پرست ہیں، خوش خو ہیں نیک ہیں
دونوں خدا کے فضل سے رُتبے میں ایک ہیں

۹

گر ہے لقب علیؑ کا شہنشاہِ دوسرا آفاق میں بتول بھی ہے اشرف النسا
میرا وصی ہے گرمئ اُمّت کا پیشوا ہے فاطمہؑ زنانِ دوعالم کی رہنما
دونوں میں ایک ساں کرمِ ذوالجلال ہے
وہ نادرِ جہاں، یہ عدیم المثال ہے

۱۰

دونوں ہیں پارۂ جگرِ سیدالبشر ٹکڑا ہے ایک دل کا، تو اک قوّتِ نظر
دریائے معرفت کے ہیں وہ بے بہا گہر ہیں ایک آسمانِ شرافت کے دو قمر
ذی مرتبہ ہیں، اہلِ کرم ہیں، سعید ہیں
یہ بھی شہیدِ ظلم ہیں، وہ بھی شہید ہیں

۱۱

کس کا یہ مرتبہ ہے، جو خیرالنّسار کا ہے ہر لحظہ، ہر گھڑی، کرم ان پر خدا کا ہے
جس طرح اُس کو سامنا رنج و بلا کا ہے ویسا ہی اُس پہ خاتمہ صبر و رضا کا ہے
اس کے سبب سے مومنوں کی رستگاری ہے
میری بھی پیاری ہے وہ، خدا کی بھی پیاری ہے

۱۲

گو فاقہ کش ہے فاطمہؑ، یا ہے شکستہ حال حق نے کیا ہے اُس کو غنی، بے متاع و مال
دولت وہ دی ہے، جس کو ابد تک نہیں زوال پایا ہے اُس نے فقر میں، الطافِ ذوالجلال
بخشائے عاصیوں کو نہ کیوں رستخیز میں
جنّت ہو جس کی مِلک میں، عُقبیٰ جہیز میں

۱۳

اے مومنو! فضائلِ زہرؑا ہیں بیشمار دوزخ پہ اور خُلد پہ ہے اُس کو اختیار
لکھّا ہے، ہوگا عرصۂ محشر جو آشکار اُس روز ہوگی نُور کے ناقے پہ وہ سوار
تابندہ ہونگے لعل و زبرجد زمام میں
حُوریں جلو میں ہونگی، مَلَک اہتمام میں

۱۴

ہووے گا حکمِ حق سے شفاعت کا سر پہ تاج قیمت نہ جس کی ہو سکے کونین کا خراج
ہووے گی اُس سے سب کو شفاعت کی احتیاج غُل ہوگا، دیکھو مرتبۂ فاطمہؑ کو آج
کس دبدبے سے بیٹی پیمبؐر کی آتی ہے
ہٹ کر کو، سواری شافعِ محشر کی آتی ہے

۱۵

آئینگی اِس شکوہ سے، محشر میں حبّ بتولؑ — اور جائینگی بہشت میں، وہ دخترِ رسولؐ
دیکھیں گی مڑ کے محشریوں کو وہ دل ملول — ہووےگا حکمِ حق، کہ دعا ہے تری قبول
کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ، کیا انتظار ہے
بخشش میں عاصیوں کی تجھے اختیار ہے

۱۶

کر لینگی یوں وہ اپنے غلاموں کو انتخاب — دانوں کو جس طرح سے چُنے بھوک میں عقاب
کھولیگا جشمِ شوق کو، خلدِ بریں کا باب — اُس دم خطائیں شیعوں کی ہوجائینگی ثواب
خنداں پھرینگے سایۂ لطفِ رحیم میں
جنّاتِ عدن میں کبھی، باغِ نعیم میں

۱۷

کوثر پہ ہونگے ساقیِ کوثر باحتشام — اور دستِ حق پرست میں ہوئیگا ایک جام
فرمائینگے کہ شوق میں تم جن کے تھے مدام — حاضر ہے یہ شراب پیو، گر ہو تشنہ کام
پہنچی ہے جو کہ حشر کی زحمت وہ دُور ہو
مجھ کو بھی ہو سرور، تمھیں بھی سُرور ہو

۱۸

اک سمت ہونگی شوق میں حورانِ حلّہ پوش — آویزہائے لعل و زمرّد میانِ گوش
گیسوئے مشکفام پڑے ہونگے تا بہ دوش — ہوویگا مومنوں کی محبّت کا دل میں جوش
سب سے کہینگے حسرتِ بوس و کنار ہیں
آؤ، کہ بیقرار تھے ہم انتظار ہیں

۱۹

وہ نعمتیں لذیذ، وہ اشجارِ میوہ دار — خود جن کی شاخیں آئینگی جھک جھک کے باربار
وہ سیب خوش مذاق، وہ شیرینیِ انار — ہر برگ برگ سے یہ صدا ہوگی آشکار
ہم اُن کے ہیں جو دوست بتول و علیؑ کے ہیں
یہ سب ثمر مودّتِ آلِ نبیؐ کے ہیں

۲۰

اب زہد و فقر و فاطمہؑ کا کچھ سناؤں حال — فاقے پہ فاقہ کرتی تھی اکثر وہ پُر ملال
لاتے جو مزد آب کشی شیر ذوالجلال — تب جَو منگا کے پیستی تھی وہ نکو خصال
دولت سے کچھ غرض تھی نہ حشمت سے کام تھا
آٹھوں پہر خدا کی عبادت سے کام تھا

۲۱

جُز اک ردائے کُہنہ نہ تھی دوسری ردا — اس میں بھی لیفِ خرما کے پیوند جا بجا
بسترسے تھا کبھی نہ تنِ پاک آشنا — فرشِ زمیں تھا خواب گہہ بنتِ مصطفےٰ
دُنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی
فاقوں میں گر ملی بھی تو نانِ جویں ملی

۲۲

ناقل ہے اس حدیث کا سلمانِ خوش سیر — مسجد سے ایک دن میں گیا فاطمہؑ کے گھر
فضہؑ نے آن کر یہ کہا تب قریبِ در — عُریاں ہے پارۂ جگرِ سیّد البشر
کرلے حجاب کچھ ابھی آنا روا نہیں
بنتِ رسولِ پاک کے سر پر ردا نہیں

۲۳

فضہؑ کو میں نے اپنی ردا دے کے یہ کہا — لے جا کہ اوڑھ لیویں اسے اشرف النساء
بعد اس کے میں جو داخلِ بیت الشرف ہوا — دیکھا کہ چکّی پیستی ہیں بنتِ مصطفےٰ
محنت کشی ہے، رنج ہے، اس حق شناس پر
اک ہاتھ ہے حسین پر اک ہاتھ آس پر

۲۴

پیشانی پر عرق ہے، کفِ دست ہے فگار — دیتی ہیں دودھ روتا ہے جب طفلِ شیرخوار
جاری زبانِ پاک پہ ہے حمدِ کردگار — پہلو میں مارے بھوک کے شبّر ہیں بیقرار
فرماتی ہیں نہ روؤ، کچھ اس میں بھی راز ہے
واری خدا کریم ہے بندہ نواز ہے

۲۵

زہرؑا کا حال دیکھ کے دل ہو گیا کباب　　کی عرض فاطمہؑ سے یہ تب دیدۂ پُر آب
اے دخترِ رسولؐ خدائے جہاں جناب　　ان محنتوں کی آپ کے دل میں کہاں ہے تاب
جَو پیستی ہیں، دودھ پسر کو پلاتی ہیں
فضہ کے ہوتے آپ یہ ایذا اُٹھاتی ہیں

۲۶

فرمایا فاطمہؑ نے، بس از شکرِ کردگار　　اک دن تو فضہ کرتی ہے سب گھر کا کاروبار
اور کی ہے میں نے محنتِ یک روزہ اختیار　　ایذا ہو اُس کو، یہ نہیں منظور زینہار
گو میں محمدؐ عربی کی عزیز ہوں
حق کی کنیز وہ بھی ہے میں بھی کنیز ہوں

۲۷

سلمانؓ یہ سُن کے جانبِ مسجد ہوئے رواں　　ایذائے فاطمہؓ کا نبیؐ سے کیا بیاں
بے اختیار رونے لگے سرورِ زماں　　دیکھا کبھی علیؑ کو، کبھی سوئے آسماں
آنسو بھر آئے آنکھ میں، شیر اللہ کی
زہرؑا کی بے کسی پہ محمدؐ نے آہ کی

۲۸

عصمت سرا میں روتے گئے شاہ لافتا　　اک دم کے بعد آئے خوشی پیشِ مصطفؐا
پوچھا سبب نبیؐ نے خوشی کا، تو یہ کہا　　سوتی تھی گھر میں فاطمہؑ جس وقت میں گیا
خادم بھی کوئی تھا نہ مرے نورِ عین کا
پَر ہل رہا تھا آپ سے جھولا حسینؑ کا

۲۹

چکّی کے آس پاس کوئی تھا نہ مطلقا　　گردش میں آپ صورتِ گردوں تھی آسیا
جَو خرد ہوتے جاتے تھے آٹا بھی گرتا تھا　　تھی پیشِ روئے فاطمہؑ تسبیح کی صدا
سوتے میں شغل طاعتِ ربِّ ودود تھا؟
دل میں خدا کی یاد تھی لب پر درود تھا

۳۰

کہنے لگے یہ سُن کے رسولِؐ فلک جناب | روزے سے آج فاطمہؑ ہے یا ابا تراب
تھی چکّی پیسنے کی تنِ زار میں نہ تاب | چاہا یہ کبریا نے کہ آجائے اُس کو خواب
غافل کیا بتول کو راحت کے واسطے
بھجوا دیا فرشتوں کو خدمت کے واسطے

۳۱

اکثر فرشتے آتے ہیں خیر النّساء کے گھر | اکثر خدا بتول کی منگواتا ہے خبر
جھولے کو تو جھلاتے ہیں جبریلِ نامور | اور چکّی پیستے ہیں سرافیلِ خوش سیر
میکال ذکرِ حق میں ہیں بدلے بتولؑ کے
پیشِ خدا یہ رُتبے ہیں بنتِ رسولؐ کے

۳۲

محتاج بھی، مگر تھا سخاوت کا بھی یہ حال | فاقے میں در پہ آن کے جس نے کیا سوال
دے آئی کچھ نہ کچھ اسے جا کر، وہ خوشخصال | دنیا کے مال کو نہ سمجھتی تھی کچھ بھی مال
سینے میں دل علائقِ دُنیا سے پاک تھا
کوہِ طلا بھی سامنے زہرؑا کے خاک تھا

۳۳

کرتا ہے ایک راویِ شیریں سخن بیاں | تھے مسجدِ مدینہ میں پیغمبرِ زماں
اعرابی ایک آکے لگا کہنے ناگہاں | فاقے پہ فاقہ کرتا ہوں اے شاہِ انس وجاں
ایماں بھی لاچکا پہ فراغت نہیں مجھے
کپڑے بناؤں، اتنی بھی طاقت نہیں مجھے

۳۴

یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کائنات | اصحابِ باوفا سے نبیؐ نے کہی یہ بات
کچھ دیوے اُس کو ہے کوئی، ایسا نکو صفات؟ | اُٹھے سخن یہ سنتے ہی حلّالِ مشکلات
سرتاجِ دیں نے اپنا عمامہ دیا اُسے
حیدر کے بعد سعد نے جامہ دیا اُسے

۳۵

پھر ان سبھوں سے کہنے لگے سیّدِ انام		ایسا بھی ہے کوئی، جو کھلاوے اسے طعام
سلماں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ کیا کلام		تحصیلِ توشہ کرتا ہے اس کے لیے غلام
کوشش میں امرِ خیر کی جانا ثواب ہے
بھوکے کو کھانا لا کے کھلانا ثواب ہے

۳۶

سلماں یہ کہہ کے واں سے گئے فاطمہؑ کے گھر		سائل کا حال عرض کیا سب، بچشمِ تر
مخدومۂ جہاں نے کہا تب، جھکا کے سر		غیر از خدا، کسے ہے مرے حال کی خبر
فرزند میرے بھوک کی شدّت سے مرتے ہیں
مجھ پر تو تین روز سے فاقے گزرتے ہیں

۳۷

محتاج خود طعام کے ہیں فخرِ انبیاؐ		کرتے ہیں روز فاقہ کشی شاہِ لافتا
سائل کی آہ سخت ہے، پر دوں اسے میں کیا		بچّوں کو غش ہے، کانپتے ہیں میرے دست و پا
طاقت نہیں ہے اتنی کہ اُٹھ کر کھڑی ہوں میں
سجّادے پر، نماز میں گر گر پڑی ہوں میں

۳۸

پر ہوں سخی کی بیٹی، مجھے آتا ہے حجاب		یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ سائل کو دوں جواب
خیر النسا، خدا نے کیا ہے مرا خطاب		ہے شرم کی جگہ جو نہ ہوئے وہ بہرہ یاب
اب تک تو ردّ سوال کسی کا کیا نہیں
اس در پہ سائل آن کے خالی پھرا نہیں

۳۹

مشہور ہے سخاوتِ محبوبِ ذوالجلال		فیاض ہے علیؑ ولی شاہِ خوشخصال
کیا جانے اجنبی مری فاقہ کشی کا حال		دل میں کہے گا وہ، مرا خالی گیا سوال
اک نان جو بتول نے مجھ کو عطا نہ کی
حاجت روائے خلق نے حاجت روا نہ کی

۴۰

آخر اُتار کر سرِ پُرنور سے ردا — سلماں سے زوجۂ اسد اللہ نے کہا
گر رہن یہ رِدا مری، اور جو شتاب لا — تا سیر ہو طعام سے اک بندۂ خدا
خالق نے کی ہے چادرِ رحمت عطا مجھے
کافی ہے سر پہ سایۂ لطفِ خدا مجھے

۴۱

لے کر ردا کو حضرتِ سلماں ہوئے رواں — شمعوں کے پاس جا کے کیا اس طرح بیاں
رکھ لے ردائے دخترِ پیغمبرِ زماں — جَو دے، کہ اک فقیر ہے زہرؑا کا میہماں
گھر میں جو کچھ نہ دینے کو پایا بتولؑ نے
چادر گرو کو بھیجی ہے بنتِ رسولؑ نے

۴۲

یہ سنتے ہی وہ رونے لگا اور یہ کہا — واللہ زہد یہ ہے، یہ ہے ہمت و سخا
کس کا یہ حوصلہ ہے بجز بنتِ مصطفاؐ — حقا کہ مصطفٰےؐ ہے فرستادۂ خدا
ناطق کلامِ حق ہے ثنائے بتولؑ کا
توریت میں ہے ذکر ردائے بتولؑ کا

۴۳

یہ کہہ کے اس نے رکھ لی وہ چادر بچشمِ تر — نورِ خدا سے ہو گیا روشن تمام گھر
ہر تار جوں خطوطِ شعاعی تھا جلوہ گر — لایا یہودی کلمۂ طیّب زبان پر
بے دیں کو دم میں صاحبِ ایماں بنا دیا
کافر کو اس ردا نے مسلماں بنا دیا

۴۴

لے آیا جا کے، کچھ رطب و جَو، وہ بالیقیں — سلماں وہ لے کے بنت نبیؐ کے گیا قریں
جلدی سے لے کے دخترِ سلطانِ مرسلیں — چکی میں پیسنے لگیں جو، بادلِ حزیں
پر تھیں یہ ناتواں کہ بدن تھرتھراتا تھا
زہرؑا کو مارے ضعف کے غش پر غش آتا تھا

۴۵

فاقے کے مارے ضُعف سے بیحال تھے حسنؑ چکّی کے پاس آ کے کیا ماں سے یہ سخن
بھوکوں پہ شکر ہے کہ ہوا فضلِ ذوالمنن فاقے سے سنسناتا ہے اماں مرا بدن
دُنیا میں لوگ کھاتے ہیں نعمت زمانے کی
دو دن کے بعد یاں ہوئی تدبیر کھانے کی

۴۶

کہنے لگیں حسنؑ سے وہ بنتِ رسولِ حق واری ہے اس طعام کا اک اور مستحق
ہونے سے دیر کے مرا ہوتا ہے رنگ فق بھوکا وہ پھر نہ جائے یہی ہے مجھے قلق
کھا کے تمھارے حق میں جو سائل دُعا کرے
ہے کیا عجب جو حق تمھیں نعمت عطا کرے

۴۷

سائل کا فاطمہؑ سے حسنؑ نے سُنا جو نام کہنے لگا وہ لختِ دلِ سیدِ انام
سائل ہے میہماں تو نہ مانگیں گے ہم طعام دیوے گا ہم کو اجر سوا ربِّ ذوالکرام
لڑکے ہیں، گو یہ آج تو محنت اُٹھانے دو
ہوگا ثواب ہم کو بھی یہ چکّی پھرانے دو

۴۸

کُرتے کی آستین اُلٹ کر وہ خوش صفات چھوٹا سا جوب اس کی جانب بڑھا کے ہات
جَو پیسنے کو ہوگئے آمادہ، ماں کے سات لے کر بلائیں فاطمہؑ نے تب کہی یہ بات
جَو پیس چکے کڑھاؤ نہ احمدؐ کی جائی کو
صدمہ نہ پہنچے کچھ تری نازک کلائی کو

۴۹

آخر پکا کے روٹیاں اور اُس پہ خُرما دَھر سلماں کو دیں، تو کہنے لگا یوں وہ خوش سیر
ہیں آپ تین دن سے گُرسنہ مع پسر اب نانِ جَو رکھو کہ حسنؑ ہو وے بہرہ ور
بولیں بتولؑ اس میں سے لینا روا نہیں
سائل کا کیا خدا ہے، ہمارا خدا نہیں

۵۰

سلماں نے جا کے تب دیا سائل کو وہ طعام　　تب اُس سے پوچھنے لگے یوں سیدِ انام
کھانا دیا یہ کس نے، تو بولا وہ نیک نام　　زہرؑا کے گھر سے لایا ہوں اے شاہِ خاص و عام
فاقہ جو تھا رسولؐ کو بھی مرتضیٰ کو بھی
حیرت ہوئی نبیؐ کو بھی شیرِ خدا کو بھی

۵۱

اُٹھ کر گئے بتولؑ کے گھر سرورِ زمن　　دیکھا کہ فاطمہؑ میں نہیں طاقتِ سخن
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں، زرد ہے بدن　　مُرجھا گیا ہے صورتِ گُل چہرۂ حسنؑ
فاقوں سے فاطمہؑ کا زبس شیر خشک تھا
جھولے میں دودھ بن لبِ شبیرؑ خشک تھا

۵۲

آنکھوں میں آنسو بھر کے محمدؐ نے یہ کہا　　اے میری نورِ عین یہ کیا حال ہے ترا
کی عرض فاطمہؑ نے، کہ اے فخرِ انبیا　　گزرے ہیں تین روز کہ کھانا نہیں ملا
راضی ہوں میں تو، جو کہ رضائے الٰہ ہے
لیکن حسنؑ حسینؑ کی حالت تباہ ہے

۵۳

سُن کر سخن یہ رونے لگے سرورِ اُمم　　گودی میں پھر نواسوں کو لے کر بہ درد و غم
کی یہ دُعا رسولِ خدا نے بچشم نم　　اے رازق العباد! کر ان بچوں پر کرم
آسودگی ہے سارے زمانے کے واسطے
آلِ رسولؐ روتے ہیں کھانے کے واسطے

۵۴

زہرؑا ہے تیری خاص کنیزوں میں انتخاب　　تیرے کرم سے قاسمِ روزی ہے بوتراب
دونوں کو پر ہے دولتِ دُنیا سے اجتناب　　زہرؑا کا حال دیکھنے کی اب نہیں ہے تاب
صدمے عجب گزرتے ہیں اُس باتمیز پر
فاقے ہیں تین روز سے تیری کنیز پر

۵۵

حضرت کا یہ نہ ختم ہوا تھا ابھی کلام
موجود اک طبق میں ہوا خلد کا طعام
خوشبو وہ تھی، کہ جس سے معطر ہوا مشام
آئی صدائے غیب، کہ اے سیدِ انام
رتبہ یہ کم تھا مریمؑ و حواؑ کے واسطے
کھانا یہ ہم نے بھیجا ہے زہراؑ کے واسطے

۵۶

اس صابرہ کو ہم نے وہ بخشا ہے اقتدار
خدمت ہے جس کی بنتِ سلیماں کا افتخار
سب نعمتوں پہ خلد کی اس کو ہے اختیار
کہہ دے گی یہ جسے، وہی ہو ویگا رستگار
دنیا میں آج گو اسے عسرت کے رنج ہیں
پر فاطمہؑ کے واسطے عقبیٰ کے گنج ہیں

۵۷

جس پر یہ کبریا کی عنایت ہو یہ کرم
اس پر قلیل عمر میں کیا کیا ہوئے ستم
دنیا سے کوچ کر گئے جب سرورِ امم
اس فاقہ کش پہ ٹوٹ پڑا کوہِ دردِ غم
محبوب کبریا سا پدر گھر سے اٹھ گیا
سایہ تھا جس کا سر پہ، وہی سر سے اٹھ گیا

۵۸

تھا رونے پیٹنے کے سوا اور کچھ نہ کام
سینے سے آہیں بھرتی تھیں لے لے پدر کا نام
کہتیں تھیں ڈاڑھیں مار کے یا سیدِ انام!
تم کیا جہاں سے اٹھ گئے، زہراؑ ہوئی تمام
رہتی ہے صبح و شام نظر سوئے در مری
شفقت سے پوچھتے نہیں آکر خبر مری

۵۹

تم کو تو مجھ بغیر نہ تھا ایک دم قرار
بیٹی سے کیوں خفا ہوئے یا شاہِ نامدار
چھاتی سے مجھ کو کون لگا کر کریگا پیار
فرقت میں آپ کی نہ جیے گی یہ سوگوار
اس فاقہ کش کو چھوڑ کے بابا کدھر گئے
آباد گھر بتولؑ کا ویران کر گئے!

۶۰

سینے میں دردِ غم، تو بدن زار، رنگِ زرد   سوزش جگر میں، ہوش پراگندہ، دل میں درد
تن میں کبھی بخار، کبھی ہاتھ پاؤں سرد   پوشاک میلی، بال پریشان، رخ پہ گرد
بند آنکھیں، دل میں یادِ رسالت پناہ کی
تکیے سے سر کبھی جو اُٹھایا تو آہ کی

۶۱

حضرت کے خالی حجرے میں دن بھر گزارتی   بستر کے گرد آپ کو پھر پھر کے وارتی
تکیوں پہ ملتی آنکھوں کو، اور ڈاڑھیں مارتی   بوئے پدر جو آتی، تو رو رو پکارتی
لاؤں کہاں سے آہ، دو عالم کے شاہ کو
سوئے زمیں میں چھوڑ کے اِس خوابگاہ کو

۶۲

فریاد کی کبھی، کبھی چھاتی پہ مارا ہات   گر بات کی تو شفقتِ خیرالوریٰ کی بات
غم تھا یہی، کہ سر پہ نہیں شاہِ کائنات   زہراؑ جیے، جہاں سے پیمبرؐ کی ہو وفات
دنیا کے درد و غم سے چھڑاتے نہیں مجھے
پاس اپنے بابا جان بُلاتے نہیں مجھے

۶۳

رغبت نہ کھانے پر تھی، نہ پانی کا تھا خیال   چہرے پہ آنسو بہتے تھے آنکھیں تھیں دونوں لال
کرتا سیاہ بر میں، پریشان سر کے بال   پہروں زمیں پہ غش میں پڑی رہتی تھی نڈھال
نے فرش سے غرض تھی، نہ بستر سے کام تھا
گر کام تھا تو ذکرِ پیمبرؐ سے کام تھا

۶۴

اس صدمے پر بھی درپئے ایذا تھے اہلِ کیں   باغِ فدک پہ ظلم سے قابض ہوئے لعیں
مسجد میں خط سند کا گئی لے کے وہ حزیں   اس کو دیا جواب، کہ تیرا یہ حق نہیں
بس چل سکا نہ زوجۂ شیرِ اللہ کا
پرزے کیا نوشتہ، رسالتؐ پناہ کا

۶۵

روتی نبیؐ کی قبر پہ پھر آئی فاطمہؑ مانندِ بید، غیظ سے تھرائی فاطمہؑ
فریاد کرنے آئی ہے دُکھ پائی فاطمہؑ چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلّائی فاطمہؑ
یا شاہ، ضبط یک مری آج ہو گئی
بیٹی تمھاری قوّت کو محتاج ہو گئی

۶۶

حاصل اسی کا تھا مرے جینے کا آسرا لوٹی گئی بتولؑ، مرا باغ چھن گیا
حضرت کے غم سے ہو گئے حیدر شکستہ پا بچّوں کو اپنے آہ کھلاؤں گی اب میں کیا
مزدوری کر کے لاتے تھے سو وہ بھی چھٹ گئی
زہرؑا تمھارے مرنے سے ہر طرح لُٹ گئی

۶۷

ہر روز رنج نو مجھے دینے کو آتے ہیں دو داد، اے پدر! مجھے اعدا ستاتے ہیں
بے آس ہو کے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں بچّے گرسنگی سے مرے تلملاتے ہیں
کس سے کہوں جو کچھ مری توقیر ہوتی ہے
شیرِ خدا کے قتل کی تدبیر ہوتی ہے

۶۸

ہاتھوں سے پیٹنے لگی چھاتی، بچشم تر یہ بین کر کے کھول دیا فاطمہؑ نے سر
جنبش میں آ گئی لحدِ سیّد البشر مسجد کے کانپنے لگے دیوار و بام و دَر
رقّت ہوئی نہ ضبط جو اس دلفگار سے
نکلے نبیؐ کے دستِ مبارک مزار سے

۶۹

زہرؑا کو کیوں ستاتے ہو اس نے کیا ہے کیا قبرِ رسولِؐ پاک سے پھر آئی یہ صدا
آثار حشر کے ہوئے عالم میں غل پڑا بھیجا نا سب نے ہاتھ، اور آوازِ مصطفا
گردوں پہ سُن کے حشر کے شور و نشور کو
نزدیک تھا کہ پھونکے سرافیل صور کو

۷۰

اتنے میں آئے روتے وہاں شاہ لافتا چادر اڑھائی فاطمہؑ کو، اور یوں کہا
بس بس خدا کے واسطے کرتی ہو کیوں بُکا گھر میں چلو، کہ روتے ہیں سبطینِ مصطفا
لازم ہے تم کو رحم، کہ رحمت کا باب ہو
ایسا نہ ہو کہ خلق پہ نازل عذاب ہو

۷۱

یہ کہہ کے گھر میں لائے جنابِ بتولؑ کو غش آیا فرطِ ضعف سے بنتِ رسولؐ کو
اس پر بھی دشمنی تھی یہ قومِ جہول کو رہنے دیا نہ چین سے اُس دلِ ملول کو
پاسِ ادب رسولؐ کے گھر کا اٹھا دیا
دروازہ آکے آگ سے اس کا جلادیا

۷۲

در سے لگی وہ کہتی تھی آنسو بہا بہا کیوں گھر مرا جلاتے ہو، میں نے یہ کیا کیا؟
اک شخص نے ستم یہ کیا وامصیبتا دروازہ لات مار کے اُس پر گرا دیا
پہلو پہ آئی ضرب، جو بنتِ رسولؐ کے
محسن ہوا شہید شکم میں بتولؑ کے

۷۳

صد حیف رحم آیا کسی کو نہ زینہار بازو بھی تازیانہ سے اُس کا کیا نگار
رسی گلے میں ڈال کے مثلِ گناہگار کھینچی خدا کے دوست پہ شمشیر آبدار
غل تھا کہ کل تو احمدِ مختار مر گئے
اور آج فاطمہؑ پہ یہ صدمے گزر گئے

۷۴

اُس روز سے بتولؑ کی حالت ہوئی تباہ روتی تھیں اپنے حجرے میں پہروں باشکِ و آہ
حسرت سے منھ پہ بچّوں کے کرتیں کبھی نگاہ کہتیں کبھی علی سے، کہ اے ضیغمِ الٰہ
کرتی ہے موت قطعِ سخن اشتیاق کے
ایامِ وصل گزرے دن آئے فراق کے

۷۵

رُخصت ہے تم سے اور وصیت ہے یہ مری ۔ بچّوں سے میرے رہیو خبردار، یا علیؑ!
میرے حسنؑ حسینؑ کو ایذا نہ دے کوئی ۔ مجھ سے جدا یہ رات کو ہوئے نہیں کبھی
مر جاؤں جب تو چھاتی پہ ان کو سلائیو!
دونوں کو پیار کیجیو، گلے سے لگائیو!

۷۶

ہر دم مجھے غش آتا ہے یا شاہِ بحر و بر ۔ زینبؑ ابھی سے روتی ہے منھ ڈھانپ ڈھانپ کر
ہوتا ہے اُس کے حال پہ ٹکڑے مرا جگر ۔ یہ میری لاڈلی مرے غم میں نہ جائے مر
مجھ کو دعائیں جینے کی پاس آکے دیتی ہے
ہر دم بلائیں ننھے سے ہاتھوں سے لیتی ہے

۷۷

رو کر کہا علیؑ نے یہ کیا کرتی ہو کلام ۔ ماتم میں مصطفےٰؐ کے تو روتا ہوں صبح و شام
فرقت تمھاری اب ہے مجھے مرگ کا پیام ۔ سمجھایا فاطمہؑ نے، کہ ہے صبر کا مقام
بن ماں کی تھی جہاں میں پدر کو بھی رو چکی
مدّت تمام عمر کی زہراؑ کی ہو چکی

۷۸

شب کو مجھے اُٹھائیو، اے شاہِ لافتا ۔ دیکھے نہ دشمنوں میں جنازہ کوئی مرا
بیزار اہلِ ظلم سے ہے بنتِ مصطفاؐ ۔ بھولی نہیں ہوں میں، جو مجھے سب نے دُکھ دیا
محسنؑ کے خوں کی داد نہ جب تک میں پاؤں گی
پیشِ خدا میں عرش کا پایا ہلاؤں گی

۷۹

یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ مشرقین ۔ اتنے میں آئے مضطر و حیراں حسنؑ حسینؑ
مادر کے منھ کو دیکھ کے روئے بہ شور و شین ۔ کہنے لگی علیؑ سے یہ احمدؐ کی نورِ عین
مہماں کوئی گھڑی کی محمدؐ کی پیاری ہے
بہلاؤ تم انھیں، کہ مجھے دم شماری ہے

۸۰

بولے علیؑ یہ بیٹوں کو چھاتی لگا لگا   تم جاؤ سوئے روضۂ محبوبِ کبریا
واں ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر کرو دُعا   تا رحم فاطمہؑ کے کرے حال پہ خدا
بھیجا اُنھیں اُدھر جو وصیِ رسولؐ نے
حُجرے کے در کو بند کیا یاں بتولؑ نے

۸۱

مسجد میں مرتضیٰ گئے روتے پئے نماز   یاں فاطمہؑ نے حق سے کہا اپنے دل کا راز
اے خالقِ زمین و زماں، ربِ بے نیاز   میں ہوں تری کنیز، تو عالم کا کارساز
مقبول یہ دُعا مری ہر آن کیجیو!
مشکل فشارِ قبر کی آسان کیجیو!

۸۲

بیٹی ترے رسولؐ کی میں ہوں جگر فگار   زوجہ ہوں اس کی بخشی جسے تو نے ذوالفقار
فرزند وہ دیے، کہ کیا جن کو تو نے پیار   سب کچھ دیا، تو دے مجھے اتنا بھی اختیار
محشر میں اُٹھ کے قبر سے جب آئے فاطمہؑ
چاہے جسے بہشت میں لے جائے فاطمہؑ

۸۳

یہ کہہ کے چُپ ہوئی جو مخدومۂ جہاں   زینبؑ یہ بولی فضّہ سے باچشمِ خوں فشاں
کچھ کہتے کہتے ہو گئیں خاموش اماں جاں   آئی صدائے احمدِ مختار، ناگہاں
چھوڑا جہانِ فانی کو بنتِ رسولؐ نے
صف ماتمی بچھاؤ قضا کی بتولؑ نے

۸۴

زینبؑ نے سُن کے نانا کی آوازِ دردناک   کھولا جو در، تو دیکھا سدھاریں بتولِؑ پاک
مُنھ پیٹا، چھاتی کوٹی، کیا پیرہن کو چاک   فضّہ نے بین یہ کیے سر پر اُڑا کے خاک
شہزادی میری ہائے جہاں سے گزر گئی
فضّہ نہ فاطمہؑ کی بلا لے کے مر گئی

۸۵

اتنے میں آئے فاطمہؑ زہرا کے نونہال آنکھوں میں اشک، گرد بھرے گیسوؤں کے بال
منھ دیکھ ایک ایک کا بولے بصد ملال کیا غش پھر آگیا ابھی، امّاں کا کیا ہے حال
زینبؑ پکاری قہر ہوا ننگے سر کرو
بابا کو ماں کے مرنے کی جا کر خبر کرو

۸۶

یہ سنتے ہی وہ رونے لگے، ڈاڑھیں مار کر پھینکیں زمیں پہ ٹوپیاں اپنی اُتار کر
وا حسرتا کہا، کئی باری پکار کر پیراہنوں کو، جیب کو، پھر تار تار کر
مسجد میں جا کے کہنے لگے بابا جان سے
گھر میں چلو کہ اٹھ گئیں امّاں جہان سے

۸۷

بیٹوں سے مرگِ فاطمہؑ کی سنتے ہی خبر غش ہو گئے علیؑ ولی، شاہِ بحر و بر
چلّائے شیعانِ علی پیٹ پیٹ کر تازہ ہوا پھر آج غمِ سیّدالبشر
مارا تھا بے گناہ جسے تازیانے سے
وہ فاقے کرنے والی سدھاری زمانے سے

۸۸

غاصب فدک کے، روز ستاویں گے کس کو آہ اب کس کا گھر جلانے کو جائیں گے روسیاہ
محسن کے خون کی ہوئیں گی اب حق سے دادخواہ بنتِ رسولِ پاک کو ایذا دی بے گناہ
کس درد سے نواسے پیمبرؐ کے روتے ہیں
دونوں کی بیکسی پہ جگر ٹکڑے ہوتے ہیں

۸۹

اک دم کے بعد ہوش میں آئے جو مرتضیٰؑ دیکھا پچھاڑیں کھاتے ہیں سبطینِ مصطفیٰؐ
روتے ہیں ڈاڑھیں مار کے اصحابِ باوفا غل ہے کہ ہائے دخترِ سردارِ انبیاء
پھیلائے ہاتھ دیکھ کے اس شور و شین کو
روئے گلے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو

۹۰

بیٹوں کو ساتھ لے کے چلا وہ فلک جناب
آئے حرم میں ساتھ جو با دیدۂ پُر آب
زہرؑا کو مُردہ دیکھ کے دل ہو گیا کباب
مُنھ سے رِدا اُٹھا کے یہ رو رو کیا خطاب
بی بی، علی کو چھوڑ کے دیرِ خراب میں
آخر گئیں رسولِ خدا کی جناب میں

۹۱

اب کون لیگا شبرؑ و شبیرؑ کی خبر
چھوٹے سے سِن میں ہو گئے بیکس مرے پسر
کیا کہہ کے دیوے ہائے تسلّی اِنھیں پدر
افسوس ہے کہ ہو گیا ویراں علیؑ کا گھر
جیتے ہیں کب جو ہجر کے صدمے اُٹھاتے ہیں
ہم بھی تمھارے پاس کوئی دن میں آتے ہیں

۹۲

سُن کر خدا کے شیر سے، پُر درد یہ بیاں
برپا تھا حشر، خانۂ زہرؑا کے درمیاں
مُنھ پیٹتی تھیں بیبیاں با نالہ و فغاں
تھا حالِ دلبرانِ علیؑ یہ کہ الاماں
مُردے سے ماں کے، دونوں پسر لپٹے جاتے تھے
حیدرؑ ہٹا ہٹا اُنھیں چھاتی لگاتے تھے

۹۳

ماتم میں گزری بنتِ نبیؐ کے جو آدھی رات
میّت کو دے کے غسل و کفن شاہِ خوش صفات
گھر سے جنازہ لے چلے، بیٹوں کو لے کے سات
زینبؑ پکاریں مار کے چھاتی پہ دونوں ہات
کیا ہے کہ بیٹیوں سے جو مُنھ موڑے جاتی ہو
اماں، اکیلے گھر میں ہمیں چھوڑے جاتی ہو

۹۴

اب آگے دفنِ فاطمہؑ کا کیا سُناؤں حال
کاغذ ہے سینہ ریش، قلم کی زباں ہے لال
گر دل میں تیرے مرثیہ گوئی کا ہے خیال
بس اے انیسؔ حیدرِ صفدر سے کر سوال
ذہنِ سلیم اپنے کرم سے عطا کرو!
یا مرتضیٰ علیؑ مری حاجت روا کرو!

۱

جس وقت یہ شیریں نے سُنا آتے ہیں شبیرؑ
اور چاند سی صورت مجھے دکھلاتے ہیں شبیرؑ
صادق ہیں، وفا وعدہ کو فرماتے ہیں شبیرؑ
تشریف مرے گھر کی طرف لاتے ہیں شبیرؑ
ناموس بھی ہمراہ ہیں اور بھیڑ بڑی ہے
جنگل میں کئی کوس تلک فوج پڑی ہے

۲

اس مژدہ کو بس سنتے ہی خوش ہوگئی شیریں
بولی کہ ہوئی اب دلِ بیتاب کو تسکیں
صد شکر کہ خالق نے نہ رکھا مجھے غمگیں
وعدہ جو کیا تھا اُسے بھولے نہ شہؑ دیں
اب چل کے قدم پر سر ڈالا کے گرونگی
دن میرے پھرے، گرد میں مولا کے پھرونگی

۳

تھی شیریں تو اس ذکر سے پھولی نہ سماتی
کرسی کو کہیں اور کبھی مسند کو بچھاتی
یہ کہہ کے کبھی صحن سے دروازہ پہ آتی
دیکھ آؤں سواری تو نہیں شاہ کی آتی
دعوت کا سرانجام تو تیار ہوا ہے
کیوں دیر لگی، فاطمہؑ کے لال کو، کیا ہے!!

۴

دن ڈھل گیا جب (بھی) نہ ہوئی آمدِ سرور
شوہر سے کہا اب تو نہایت ہوں میں ششدر
جا دیکھ تو، اُترا ہے کہاں شاہ کا لشکر
کہیو قدمِ پاک کو آنکھوں سے لگا کر
شیریں کی یہ ہے عرض کہ اب آئیے مولا
لونڈی کو قریب آکے نہ ترسائیے مولا

۵

یہ سن کے چلا، شوہرِ شیریں طرفِ شاہ — پوشاک بدل، اہلِ محلّہ ہوئے ہمراہ
فوج اُتری نظر آئی اُسے دُور سے ناگاہ — نزدیک جو پہنچا وہ شہیدوں کا ہوا خواہ
لشکر میں عجب طرح کا عالم نظر آیا
شادی کہیں دیکھی، کہیں ماتم نظر آیا

۶

جس جا کہ تھا خیمہ عمرِ سعد کا برپا — وہاں جا کے یہ ڈیوڑھی کے نگہبانوں سے پوچھا
کب ہوں گے برآمد پسرِ حضرتِ زہرا — فرماتے ہیں آرام، کہ بیدار ہیں مولا
گر اتنی خبر کر دو تو احسان بڑا ہے
اک تازہ غلام آپ کے مُجرے کو کھڑا ہے

۷

گر یہ نہ ہو تو شہ کے رفیقوں سے ملا دو — عباسؑ علمدار کے خیمہ کو بتا دو
سجّاد سے، اور عونؑ و محمدؑ سے ملا دو — ہم شکلِ پیمبر کی مجھے شکل دکھا دو
بتلاؤ قسم تم کو رسولِؐ عربی کی
ڈیوڑھی ہے کدھر خیمۂ ناموسِ نبیؐ کی

۸

وہ بولے کہ اے شخص کدھر دھیان ہے تیرا — اس حال سے شاید نہیں تجھ کو خبر اصلا
یہ فوج عمر کی ہے یہ خیمہ ہے عمر کا — مدّت ہوئی مارا گیا لختِ دلِ زہراؑ
اب گھر ہے کہاں سبطِ رسولؐ عربی کا
خیمہ تو جلا آئے، حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۹

مارے گئے سادات ہوئی فتح لڑائی — تصویرِ نبیؐ صفحۂ ہستی سے مٹائی
عباسؑ نے اک بوند بھی پانی کی نہ پائی — لوٹی گئی سب شیرِ الٰہی کی کمائی
کوئی نہ رہا فوجِ شہِ جنّ و بشر میں
گھر فاطمہؑ کا صاف کیا تین پہر میں

۱۰

کر لائے ہیں ناموسِ پیمبرؐ کو گرفتار　　بے قید میں حضرت کا پسر عابدِ بیمار
دفن ان کو کیا یہاں کے جو مارے گئے سردار　　بے سر ہے پڑی دشت میں لاشِ شہِ ابرار
بند آنکھیں ہیں، لب خشک ہے منھ خوں سے بھرے ہیں
وہ دیکھ لے، سر نیزوں کے نوکوں پہ چڑھے ہیں

۱۱

سیدانیاں بیٹھی ہیں وہ چہروں پہ ملے خاک　　زینبؑ ہے وہی، پہنے ہوئے ماتمی پوشاک
وہ بانوئے بیکس ہے گریبان کیے چاک　　بیٹھی ہے وہ کلثومؑ، بہن شاہ کی غمناک
کبرا ہے وہ، زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
وہ بالی سکینہؑ ہے جو روتی ہے پدر کو

۱۲

یہ سنتے ہی سینہ میں جگر پھٹ گیا اُس کا　　تھرّانے لگا بید کی مانند سراپا
دے پٹکا عمامہ کو، گریبان بھی پھاڑا　　کہتا تھا یہ کیا ہو گیا واحسرت و دردا
میں لینے کو آیا تھا نہ پایا شہِؑ دیں کو
تقدیر نے جیتا نہ دکھایا شہِؑ دیں کو

۱۳

شیریں جو تھی یہاں منتظرِ آمدِ سرور　　رونے کا جو ایک شور ہوا ہو گئی ششدر
دیکھا چلا آتا ہے تڑپتا ہوا شوہر　　ڈیوڑھی سے سراسیمہ نکل آئی وہ باہر
چلّا کے کہا کس نے تمھیں لوٹ لیا ہے!
جلدی ارے لوگو کہو یہ ماجرا کیا ہے!!

۱۴

سر پیٹ کے تب شوہرِ شیریں یہ پکارا　　ہے ہے ترے آقا کو ستمگاروں نے مارا
زہراؑ کا پسر خلق سے جنّت کو سدھارا　　سادات کا تو قافلہ لوٹا گیا سارا
بھیجا تھا جہاں تو نے، وہ لشکر تھا شقی کا
سر کاٹ کے لائے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۵

عابدؑ ہیں سو بیمار ہیں، رانڈیں ہیں سو قیدی ۔ تو منتظر اب کس کی ہے کون آئے کا بی بی!
شیریں نے کہا پیٹ کے سر، کوٹ کے چھاتی ۔ ہے ہے مرا سیّد! مرا آقا! مرا والی!
لُٹوا کے گھر اب (آئے ہو) کٹوا کے سر آئے!
فرمایا تھا آؤں گا میں، سو یوں میرے گھر آئے!

۱۶

رستے میں کہیں گر پڑی، ٹھوکر کہیں کھائی ۔ یہ کہہ کے چلی پیٹتی اور دیتی دُھائی
زینبؑ نے کہا ہائے سلامت نہیں بھائی ۔ یکبار خبر شیریں کے آنے کی جو پائی
پُرسے کو وہ آئی ہے، یہاں گھر بھی نہیں ہے
مُنھ کاہے سے ڈھانپیں گے کہ چادر بھی نہیں ہے

۱۷

سب اُٹھ کے لگے پیٹنے ناموسِ پیمبرؐ ۔ یہ کہتی تھی زینبؑ کہ وہ آ پہنچی کھُلے سر
بانوؑ کے قدم پر کبھی، زینبؑ کے قدم پر ۔ شیریں کا تھا یہ حال کہ گرتی تھی وہ مضطر
چلّاتی تھی ہے ہے شہِ ذی جاہ کو مارا!
کس جُرم پہ اعدا نے شہنشاہ کو مارا!

۱۸

ہاتھوں سے کھڑی ہو کے کبھی پیٹتی تھی سر ۔ یہ کہہ کے پچھاڑیں کبھی کھاتی تھی زمیں پر
واں جاتی تھی اور کہتی تھی یوں ہاتھ اُٹھا کر ۔ جس نیزہ پہ آلودہ بہ خوں تھا سرِ سرورؑ
تھی میں تو قدم دیکھنے آئی مرے مولا!
لونڈی کو یہ کیا شکل دکھائی مرے مولا!

۱۹

میں مر نہ گئی ہائے بلا لے کے تمھاری ۔ آقا، تری اس خوں بھری تصویر کے واری
نیزے پہ سرِ شاہ کے آنسو ہوئے جاری ۔ اس بَین سے شیریں نے جو کی گریہ وزاری
پیدا یہ لبِ خشک سے حضرتؑ کے صدا تھی
کیوں روتی ہے شیریں، یہ ہی مرضیِ خدا تھی

۲۰

صد شکر ہے ہم تجھ سے ہوئے صادق الاقرار دعوت یہ ہماری ہوئی اے مونس و غمخوار!
فاقہ سے کئی روز سے ہیں عترتِ اطہار اور پیاس سے مرتی ہے سکینہ مری دلدار
دشمن کے بھی بچوں پہ نہ یہ فاقہ کشی ہو
پانی اُسے پلوا، کہ مری روح خوشی ہو

۲۱

یہ تین برس کا سن، اور یہ تشنہ دہانی ہو جاتی ہے غش، مانگتے ہی مانگتے پانی
ہر بار گھُرکتے ہیں اُسے، ظلم کے بانی کیا قید میں بچوں کو بھی دیتے نہیں پانی
کی جاتی نہیں بات بھی اس تشنہ دہن سے
ننھا سا گلا شمر نے باندھا ہے رسن سے

۲۲

سیدانیوں کو چادریں کچھ لاکے اُڑھا دے رانڈوں کی قدر کر، کہ خدا تجھ کو جزا دے
راضی ہوں نبیؐ، صاحبِ تطہیر دُعا دے محشر میں تجھے حُلّۂ فردوس خدا دے
بے وارث و والی ہیں گرفتارِ بلا ہیں
محتاجِ کفن ہم ہیں، وہ محتاجِ ردا ہیں

۲۳

سُن کر یہ سخن زینبؑ دلگیر پکاری ان باتوں کے صدقے، میں اس آواز کی واری
یاد اپنی مصیبت نہیں، اے عاشقِ باری شیریں سے سناں پر بھی سفارش ہے ہماری
تم تشنہ دہن ذبح ہوئے مجھ کو یہ غم ہے
اور آپ کو بہناں کی اسیری کا الم ہے

۲۴

کہتی تھی بہن کس لیے کڑھتے ہو برادر تن پر تو ہے سر، گو نہیں سر پر مرے چادر
گردن پہ تو بہناں کے پھرایا نہیں خنجر لاشہ تو مرا دھوپ میں جلتا نہیں دن بھر
غم کھاؤ نہ چادر جو نہیں پاتی ہوں بھائی
میں سر کے ترے ساتھ چلی جاتی ہوں بھائی

۲۵

زینبؑ تو یہ کہتی تھی سرِ شاہ سے رو کر　　چلّاتی تھی شیریں کہ میں صدقے ترے صفدر
اُن آنکھوں کی تعریف کیا کرتے تھے اکثر　　کیوں ہو نہ گئے کور، مرے دیدۂ انور
ہوتی نہ تھیں سیر آپ کے دیدار سے آنکھیں
آؤ تو ملوں چاند سے رخسار سے آنکھیں

۲۶

اللہ رے اعجازِ سرِ سیّدِؑ ابرار!　　اس خادمہ کے ہاتھوں پہ سر آگیا اک بار
شیریں کے کفِ دست ہوئے مطلعِ انوار　　ہاتھوں سے ضیائے یدِ بیضیٰ تھی نمودار
سب دیکھ کے شہ کے رُخِ روشن کی تجلّی
کہتے تھے یہ ہے وادیِ ایمن کی تجلّی

۲۷

آنکھوں سے لگا کر کہا شیریں نے سرِ شاہ　　صدقہ میں اِس اعجاز کے اے سرورِ ذی جاہ
پھر جا کے عمر سے کہا، مت روک مری راہ　　گھر تک سرِ سرور مجھے لے جانے دے للہ
خدمتِ حرمِ شہ کی مجھے مدِّ نظر ہے
لے مجھ سے زر و مال، اگر طالبِ زر ہے

۲۸

لالچ سے ہوا زر کی رضامند وہ غدّار　　منگوا دیا دیا شیریں کو سرِ شہ وہیں یکبار
سب قیدیوں کو لے کے گئی گھر، وہ دل افگار　　اور رکھ دیا مسند پہ سرِ سیّدؑ ابرار
حلقہ میں حرم کے سرِ شیریں جو کھُلا تھا
غُل ہائے حسیناؑ کا تھا اور شورِ بُکا تھا!

۲۹

چلّاتی تھی بانوؑ، مرے سیّد! مرے سرور!　　شیریں کے گھر آئے، مجھے اس حال سے لے کر
لپٹی ہوئی کہتی تھی سرِ شاہ سے خواہر　　مہمان بہن آئی ہے چادر نہیں سر پر
غیرت سے موئی جاتی ہے صدمہ ہے بہن پر
تا بہت نہیں کُرتا بھی سکینہ کے بدن پر

۳۰

جب رونے سے فارغ ہوئے سرورؑ کے عزادار	شیریں نے چُنا خوانِ طعام آن کے اک بار
رو رو کے یہ کی سیّدِ سجادؑ سے گفتار	کھانے یہ کیے ہیں شہِ دیں کے لیے تیار
سو مر گئے بھوکے، یہی مرضی تھی خدا کی
ان کھانوں پہ دو فاتحہ شاہِ شہدا کی

۳۱

یہ سُن کے اُٹھے روتے ہوئے عابدِ ناکام	پانی کے بھی شیریں نے رکھے بھر کے کئی جام
جب دینے لگے فاتحہ وہ شاہِ خوش انجام	یہ جوش تھا رقت کا کہ تھرّاتا تھا اندام
جس وقت لیا نام، شہِ تشنہ دہاں کا
اک شور اٹھا رانڈوں میں فریاد و فغاں کا

۳۲

رو کر کہا زینبؑ نے بہن ہو گئی واری	میں جیتی ہوں اور فاتحہ ہوتی ہے تمھاری
کیا پیاس تھی جس دم تھا لہو زخموں سے جاری	پانی نہ کسی نے دیا مانگا کئی باری!
جب تم تھے تو ملتا نہ تھا پانی کہیں بھائی
اب پانی تو موجود ہے اور تم نہیں بھائی

۳۳

روتی ہوئی اتنے میں اُٹھی بانوئے بے پر	اک دودھ کا کوزہ لیا اک پانی کا ساغر
سجّاد سے رو رو کے کہا اے مرے دلبر	ان دونوں پہ دو فاتحۂ اکبرؑ و اصغرؑ
مارے گئے کس ظلم و جفا سے مرے بچّے
تھے تین شب و روز کے پیاسے مرے بچّے

۳۴

سجّاد نے جب فاتحہ سے پائی فراغت	تا دیر رہی شہؑ کے عزاداروں میں رقت
تب بیبیوں سے شیریں نے کی عرض بہ منت	فاقہ شکنی کیجیے کہ ہو رونے کی طاقت
اس کھانے پہ تھی فاتحہ جو روحِ نبیؐ کی
یہ حاضری ہے سبطِ رسولِ عربیؐ کی

۳۵

فاقہ شکنی کا جو اسیروں نے سُنا نام — پیٹے یہ سر و سینہ، کہ برپا ہوا کہرام
زینبؑ نے کہا کھانے کا ہے کون سا ہنگام — نے چین محمدؐ کو، نہ زہرؑا کو ہے آرام
کیا کھانے کو ہم کھائیں کہ دل غم سے بھرا ہے
لاشہ تو ابھی بھائی کا جنگل میں پڑا ہے

۳۶

بھائی تو ہو بے گور و کفن کھاؤں میں کھانا — بے دفن ہو فرزندِ حسنؑ کھاؤں میں کھانا
بے سر علیؑ اکبر کا ہو تن، کھاؤں میں کھانا — پامال ہو زہرا کا چمن کھاؤں میں کھانا
رونا اسے دیکھے سے چلا آتا ہے لوگو!
لے جاؤ کہ کھانا یہ مجھے کھاتا ہے لوگو!

۳۷

ناچار ہو شیریںؔ نے پھر اک جام اٹھایا — پاس آن کے ہونٹوں سے سکینہؑ کے لگایا
بولی کہ پیو واری، دم آنکھوں میں ہے آیا — منھ پھیر کے شیریں سے سکینہ نے سُنایا
پیاسے مرے بابا موئے، میں بھی نہ جیوں گی
عباسؑ چچا آئیں گے تب پانی پیوں گی

۳۸

جس دم یہ سکینہؑ نے کہا، پڑ گیا کہرام — اور پیٹنے رونے میں ہوا صبح کا ہنگام
آئی سرِ شبیرؑ کو لینے سپہِ شام — رخصت ہوئے شیریں سے حرم، بادلِ ناکام
کس پر ہے انیسؔ ایسا کرم، ربِّ غنی کا
شہروں میں ہے شہرہ تری شیریں سخنی کا

۱

جب تیغِ ستم چل گئی لشکر پہ خدا کے
مارے گئے دلبند امامِ دوسرا کے
اصغرؑ بھی نشانہ ہوئے جب تیرِ قضا کے
کوئی نہ رہا پاس غریبُ الغُربا کے
جو زینتِ پہلو تھے وہ مقتل میں پڑے تھے
لاشوں پہ اکیلے شہِ مظلوم کھڑے تھے

۲

زہراؑ کا مرقع تھا جو سب درہم و برہم
تھا قبلۂ عالم پہ عجب یاس کا عالم
بیٹا کہیں بیجاں تھا، بھتیجا کہیں بیدم
وہاں فتح کا غُل تھا، اِدھر اولاد کا ماتم
زہراؑ کا چمن سامنے آنکھوں کے لُٹا تھا
پیری میں برابر کا پسر شہ سے چھٹا تھا

۳

اس داغ سے ہے صاحبِ اولاد ہی آگاہ
دل سینہ میں تھرّاتا ہے العظمتُ لِلّٰہ
پوچھے کوئی یعقوبؑ سے یوسف کی ذرا چاہ
ماں باپ کا دل، اور یہ کوہِ غمِ جانکاہ
تصویرِ پسر دل سے بھلائی نہیں جاتی
یہ آگ وہی ہے جو بجھائی نہیں جاتی

۴

ہرچند کہ زخمی نہیں حضرت کا تنِ پاک
باطن میں مگر ایک کلیجے کے تھے صد چاک
بتلاؤ تو کس طرح سے سنبھلے دلِ غمناک
پالا جسے چھاتی پہ، وہ سویا بہ سرِ خاک
کیا لطف جو فرزند نہ ہو بھائی نہ ہووے
دشمن پہ بھی یہ عالمِ تنہائی نہ ہووے

۵

اس غم میں بشر کے لیے مشکل ہے سنبھلنا　جاتا نہیں ہر آہ کے ساتھ اشک کا ڈھلنا
وہ آتشِ فرقت کی بھڑک. قلب کا جلنا　آسان نہیں سینہ سے کلیجہ کا نکلنا
یہ غم وہی جانے جو گرفتارِ بلا ہو
اُس باپ سے پوچھو کہ پسر جس سے جدا ہو

۶

فرماتے ہیں اے جان، بس اب تن سے نکل جا!　کیا دیر ہے اے قلب، اسی آگ میں جل جا!
اے شمعِ بدن آتشِ فرقت میں پگھل جا!　اے خنجرِ خونریزِ اجل حلق پہ چل جا
اب دیر جو ہوتی ہے تو گھبراتا ہے شبیرؑ!!
بے دفن یہ لاشے، ہیں گڑا جاتا ہے شبیرؑ!!

۷

یا احمدِؐ مختار مجھے پاس بُلا لو!　یا شیرِؑ خدا مجھ کو اس آفت سے نکالو!
یا فاطمہؑ تم چادرِ زینبؑ کو بچالو!　یا حضرتِ شبرؑ میرے عابدؑ کو سنبھالو!
نانا ہیں کدھر، اور میرے ماں باپ کہاں ہیں!!
شبیرؑ مصیبت میں ہے آج آپ کہاں ہیں!!

۸

مارا گیا عباسؑ علی سا مرا بھائی　قاسمؑ سے بھتیجے سے ہوئی آج جدائی
اکبرؑ نے جوانی میں سناں سینہ پہ کھائی　برباد ہوئی تین پہر میں یہ کمائی
ایک عید ہو اُس دم جو تہہ تیغ گلا ہو
یہ باغ لٹایا ہے کہ اُمت کا بھلا ہو

۹

رو کر کبھی فرماتے ہیں عباسؑ کدھر ہو!　ہوں تیغوں میں میں، آن کے اب سینہ سپر ہو!
اس رنج میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر ہو!　نزدیک ہے اب یہ کہ جدا سینہ سے سر ہو!
ایسی بھی کسی کو نہیں نیند آتی ہے بھائی!!
اُٹھو کہ سکینہ تمہیں چلاتی ہے بھائی!!

۱۰

لو آکے ذرا بھائی کی تنہائی کو دیکھو! فاقوں میں مرے دل کی توانائی کو دیکھو!
اس شام کے لشکر کی صف آرائی کو دیکھو! عباسؑ مری صبر و شکیبائی کو دیکھو!
دیر اب نہیں آنا ہو تو آؤ کہ چلے ہم!!
اک دم میں گلا رکھتے ہیں خنجر کے تلے ہم!!

۱۱

دے کون صدا، سوتے ہیں عباسِ وفادار بیکس کا نہ بازو ہے کوئی اب نہ مددگار
نیزہ کبھی لگتا ہے بدن پر کبھی تلوار سرتا بقدم ڈوبے ہیں خوں میں شہِ ابرار
تیروں سے بچاتے نہیں مجروح بدن کو
دو لاکھ جوان گھیرے ہیں اک تشنہ دہن کو

۱۲

مجروح کو ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی جب لگتی ہے تلوار، تو فرماتے ہیں پانی
سیراب ہیں دریا سے اُدھر ظلم کے بانی دو روز سے پیاسا ہے یداللہؑ کا جانی
رحم ان کے دلوں میں جو نہیں پاتے ہیں شبیرؑ
ہونٹوں پہ زباں پھیر کے رہ جاتے ہیں شبیرؑ

۱۳

آتا ہے برابر جو کوئی تول کے شمشیر فرماتے ہیں ثابت بھی ہوئی کچھ مری تقصیر!
انصاف بھی کچھ ہے تمھیں اے فرقۂ بے پیر! میں آپ ہی مرتا ہوں، لگاؤ نہ مجھے تیر!
احسان ہیں تم سب پہ رسولِ عربیؐ کے!!
کیوں ہاتھ سے کھوتے ہو نواسے کو نبیؐ کے!!

۱۴

کچھ میں نے تمھاری جو خطا کی ہو تو کہہ دو! تم میں سے کسی پر بھی جفا کی ہو تو کہہ دو!
گر شرطِ محبت نہ ادا کی ہو تو کہہ دو! وعدہ پہ جو میں نے نہ وفا کی ہو تو کہہ دو!
اس وقت تلک ترکِ محبت نہیں کرتا!!
گھر لٹ گیا اور شکوۂ اُمت نہیں کرتا!!

۱۵

لو اب بھی میں کہتا ہوں کہ للہ امان دو! ہادی ہوں میں، روکو نہ میری راہ، امان دو!
مظلوم ہوں، اے فرقۂ گمراہ امان دو! اب بہر نبیؐ و اسد اللہ، امان دو!
لو اب نہ مدینہ میں نہ مقتل میں رہونگا!!
ناموس کو لے کر کسی جنگل میں رہونگا!!

۱۶

حاصل تمھیں کیا، گر مرے بچے ہوئے برباد اُجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتا ہے آباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولے ہو میری یاد فریاد رسِ خلق کی سنتے نہیں فریاد
للہ کرو پاس، رسولِؐ عربی کا
زہراؑ مری مادر ہے، نواسا ہوں نبیؐ کا

۱۷

تم نے تو بُلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا جنگل میں مدینہ سے مقدر مجھے لایا
کھانا بھی کھلایا مجھے، پانی بھی پلایا دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
مشتاق مدینہ کی حکومت کا نہیں میں
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں

۱۸

جس شہر میں کہہ دو، میں اُسی شہر میں جاؤں بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
لکھوالو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں مجرم، جو قلمرو میں تمھارے کبھی آؤں
سختی بھی اٹھا لونگا مصیبت بھی سہونگا
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہونگا

۱۹

تا زیست جو چھوڑوں کبھی کہسار کا داماں پھر ہاتھ ہے تم لوگوں کا، اور میرا گریباں
اسباب بھی رکھ لو، مجھے کیا چاہیے ساماں اب عمر بھی آخر ہے، کوئی دن کا ہوں مہماں
ممکن نہیں جینے کا مزا رنج و الم میں
سُن لیجیو، مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں

۲۰

تنہا ہوا اب، مجھ کو وطن میں نہیں کچھ کام ۔ ہے گھر وہی ہو جائے مسافر کو جہاں شام
یکساں ہے ملے یا نہ ملے اب مجھے آرام ۔ کیا دخل، زباں سے جو کبھی شکوہ کا لوں نام
زاری غم اولاد میں دن رات کرونگا
تا زیست کسی سے نہ ملاقات کرونگا

۲۱

لو مجھ سے قسم، اب جو کبھی شہر میں آؤں ۔ مرضی جو تمھاری ہو تو جنگل کو بساؤں
جنگل پہ نہ راضی ہو تو کہساروں میں جاؤں ۔ میں آج کسی طرح امان قتل سے پاؤں
ناموسِ نبی بیکس و ناشاد نہ ہو دیں
مطلب ہے کہ بچے مرے برباد نہ ہو دیں

۲۲

سید ہوں میں، سید سے یہ بغض اور یہ کینہ ۔ ان تیروں سے سب چھان دیا ہے مرا سینہ
مر جائیگی بچھڑے گی اگر مجھ سے سکینہ ۔ خشکی میں ڈبوؤ نہ محمدؐ کا سفینہ
ابرار ہوں، ہادی ہوں، درِ رحمتِ حق ہوں
حجت نہ رہے کوئی، کہ میں حجتِ حق ہوں

۲۳

دنیا میں نشان کفر و ضلالت کا نہ گاڑو ۔ للہ ستون کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو ۔ عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو
گو آج زبردست ہو، یا صاحب زر ہو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو

۲۴

گر نظروں میں تم سب کی گنہگار ہے شبیرؑ ۔ ناموسِ محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر؟
ان بیبیوں کی شان میں ہے آیۂ تطہیر ۔ مریمؑ سے زیادہ میری بہنوں کی ہے توقیر
لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم
اے ظالمو! اس گھر کو نہ برباد کرو تم

۲۵

یہ سُن کے پکارا، پسرِ سعدِ جفاکار جانے دیں کہیں آپ کو، یہ اَمر ہے دشوار
حضرتؑ نے کہا، پانی تو دے مجھ کو ستم گار وہ بولا کہ پانی بھی نہیں ملنے کا زنہار
حضرتؑ نے کہا، خیر اب ہم کچھ نہ کہیں گے
حجّت تو ادا ہو چکی پیاسے ہی مریں گے

۲۶

تب شمر نے بڑھ کر کیا لشکر کو اشارا فرزندِ علیؑ کو نہیں اب جنگ کا یارا
اے تیغ زنو، ہوگا بڑا نام تمھارا پھر "لوٹ" ہے جب فاطمہؑ کے لال کو مارا
ہاں خاک پہ دو روز کے پیاسے کو گرادو
دُلدُل سے محمدؐ کے نواسے کو گرادو

۲۷

یہ سُن کے جُھکے اہلِ ستم، چار طرف سے نیزے ہوئے حضرت پہ عَلم، چار طرف سے
بس گھِر گیا وہ کُشتۂ غم، چار طرف سے پڑنے لگی شمشیر دو دم، چار طرف سے
تر خون میں سرتا بقدم ہو گئے شبیرؑ
برچھی جو لگی پُشت پہ خم ہو گئے شبیرؑ

۲۸

جُھکنا تھا کہ تیغوں کے برابر سے چلے وار قدموں سے رکابیں بھی جدا ہوگئیں ایکبار
جب گرنے لگا خاک پہ وہ بیکس و ناچار زہرؑا کی صدا آئی کہ یا حیدرِ کرّار!
گھیرا ہے لعینوں نے اکیلا اُسے پاکر
گرتا ہے مرا لال، مدد کیجیے آکر

۲۹

جنگل میں تڑپتی رہی زہرؑا جگر افگار یہاں فرق پہ حضرتؑ کے لگی ظلم کی تلوار
قربوس پہ جُھک کر ابھی سنبھلے تھے نہ اکبار چھاتی پہ برابر سے چلا نیزۂ خونخوار
مجروح سراپا جو تنِ زار ہوا تھا
زخموں سے بدن تختۂ گلزار ہوا تھا

۳۰

گھوڑنے جو دیکھا، کہ سنبھلتے نہیں سرورؑ　　بس بیٹھ گیا ٹیک کے گھٹنوں کو زمیں پر
زخموں سے جو تھا چور، سرِ سبطِ پیمبرؐ　　غش ہو گئے رہوار سے ریتی پہ اُتر کر
افراطِ جراحت سے بدن رشکِ چمن تھا
سب فوج کے حربے تھے، اور اک شاہ کا تن تھا

۳۱

دس سو تو کماندار تھے اک سینۂ شبیرؑ　　برچھی کا جہاں زخم تھا لگتا تھا وہیں تیر
یا شاہِ نجف کہتے تھے جب پڑتی تھی شمشیر　　چلّاتی تھی دروازے سے یہ زینبِ دلگیر
تم کھاتے ہو تلواریں موئی جاتی ہوں بھائی
اب سینہ سپر ہونے کو میں آتی ہوں بھائی

۳۲

ناموسِ نبیؐ میں تو قیامت ہوئی برپا　　سر کھولے ہوئے بیٹھی تھی دخترِ زہراؑ
راوی نے لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا　　روتا ہوا ایک طفلِ حسیں خیمہ سے نکلا
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی تھیں
منھ چاند سا تھا ہنسلیاں گردن میں پڑی تھیں

۳۳

چہرے پہ بھلی لگتی تھی کیا زلفِ مسلسل　　ظاہر تھا کہ گھیرے ہوئے ہے چاند کو بادل
تھا طوقِ گلو رشکِ ہلالِ شبِ اوّل　　ہاتھوں میں کڑے، کانوں میں دُر، سینے میں ہیکل
کُرتے کا عجب حسن تھا اُس پھول سے تن پر
معلوم یہ ہوتا تھا کہ شبنم ہے چمن پر

۳۴

ماں ڈیوڑھی کے پردے کو اُٹھا کر یہ پکاری　　میں بھی نکل آتی ہوں کہاں جاتے ہو واری!
پھر آؤ کہ بیتاب ہوں میں درد کی ماری　　بیوہ ہوں کرو رحم، غریبی پہ ہماری
کہنا میرا مانو، نہ ارادہ کرو رَن کا
میں واسطہ دیتی ہوں تمھیں رُوحِ حسنؑ کا

۳۵

وہ کہتا تھا اماں ہمیں قسمیں نہ دلاؤ   ہم گھر میں نہ اب آئینگے، تم خیمہ میں جاؤ
قاسمؑ کی طرح داغ ہمارا بھی اٹھاؤ   ماں کہتی تھی ایک بات تو سن لو اِدھر آؤ
لاکھوں میں کہاں جاتے ہو اِس آن اکیلے
وہ کہتا تھا، ہیں میرے چچا جان اکیلے

۳۶

میداں میں چچا قتل ہوں ہم خیمہ میں آویں   جیتے رہیں بعد اُن کے تو مُنھ کس کو دکھاویں
ہم سایہ میں ہوں دھوپ میں وہ برچھیاں کھاویں   تیغوں میں نہ عمّو کے سپر ہونے کو جاویں
بس صبر کرو قید ہوں گر خیمہ میں آکے ؟
فردوس میں اب جائیں گے ہمراہ چچا کے

۳۷

چلاتی تھی رو رو کے وہ بیوہ جگر افگار   صدقے میں ارادہ کے تیرے اے میرے دلدار
کس طرح لڑوگے، نہ سپر پاس نہ تلوار   یہ سن ترا اس جنگ کے قابل نہیں زنہار
وہ کہتا تھا قربانِ شہنشاہِ اُمم ہیں
کیا ہم علی اصغرؑ سے بھی کچھ عمر میں کم ہیں

۳۸

دروازے پہ خیمہ کے کھڑی رہ گئی مادر   جنگاہ میں جا پہنچا وہ لختِ دلِ شبیرؑ
بند آنکھیں تھیں، اور جھومتے تھے خاک پہ سرورؑ   لپٹا پسرِ فاطمہؑ زہرا سے وہ دلبر
کہتا تھا " بدن خون سے سب لال ہوا ہے
اے میرے چچا جان، یہ کیا حال ہوا ہے!"

۳۹

میں تھامے ہوں یا شاہ، ذرا غش سے سنبھلیے   کیوں آپ جھکے جاتے ہیں زانو تو بدلیے
زخموں کا لہو چہرۂ انور پہ نہ ملیے   سر ننگے نکلتی ہیں پھوپھی خیمہ میں چلیے
سب روتے ہیں اس وقت نہیں ہوش کسی کو
بیٹا ہے یہ سینہ، کہ غش آیا ہے چچی کو

۴۰

فرمانے لگے کھول کے آنکھیں شہِ ذیجاہ | کیوں گھر سے نکل آئے، یہ کیا تم نے کیا آہ!
اب تیغوں سے اے لال، بچائے تمھیں اللہ | لو خیمہ میں اب جاؤ، کہ عمّو ہے سرِ راہ
کٹتا ہے گلا تیغِ ستم سے کوئی دم میں
گھر تک تمھیں لے چلنے کی طاقت نہیں ہم میں

۴۱

یہ کہتے تھے حضرتؑ، کہ بڑھا ایک جفا کار | چاہا کہ قریب آن کے حضرتؑ پہ کرے وار
ہاتھ اس نے سرِ شہؑ پہ سپر کر دیے یکبار | بچّے کے کہاں ہاتھ، کہاں ظلم کی تلوار
ریتی پہ وہ ننھے سے گرے ہاتھ جو کٹ کے
غش ہو گیا شبیرؑ کی گردن سے لپٹ کے

۴۲

گودی میں اُسے لے کے پکارے شہِ دلگیر | صدقے ترے ان دونوں کٹے ہاتھوں کے شبیرؑ
گودی میں تڑپتا تھا، کہ گردن پہ لگے تیر | چلّایا کہ قربانِ علیؑ اصغرِ بے شیر
لپٹا جو تڑپ کر وہ شہِ تشنہ گلو سے
تر ہو گئیں سب ہنسلیاں گردن کی لہو سے

۴۳

منھ زرد ہوا جان نکلنے لگی تن سے | خون ہچکیوں کے ساتھ نکلتا تھا دہن سے
جس وقت سفر کر گیا ہستی کے چمن سے | رونے کی صدا آنے لگی قبرِ حسنؑ سے
فردوس سے زہرا بصد افغان نکل آئی
خیمہ سے اُدھر خاک بسر ماں نکل آئی

۴۴

یہاں کھینچ کے خنجر کو بڑھا، شمرِ ستمگر | وہاں خیمہ سے چلّانے لگی زینبؑ مضطر
ہے ہے مرے بھائی، مرے پیارے، مرے سرورؑ | اس بیکسی و یاس کے قربان برادر
دُنیا سے سوئے خلدِ بریں جاتے ہو بھائی
میں دیکھتی ہوں برچھیاں تم کھاتے ہو بھائی

۴۵

اُس وقت بھی شہؑ ہاتھ سے کرتے تھے اشارا ہٹ جاؤ بہن، گھر سے نکلیو نہ خدارا
رُتبہ ہے فزوں مریمؑ و حواؑ سے تمھارا دم تن سے نہ نکلے یہ نہیں مجھ کو گوارا
ہٹ جاؤ محبت ہے جو مجھ تشنہ دہن سے
نکلی نہیں بھائی کی ابھی جان بدن سے

۴۶

بہنا تمھیں زہراؑ کی قسم اوڑھ لو چادر پردہ تمھیں لازم ہے کہ ہو دخترِ حیدرؑ
بھائی کو کرو صبر، کہ ہے مرضیِ داور رکھ دیتے ہیں ہم خشک گلا اب تہِ خنجر
للّٰلہ نہ اس دم تنِ صد پاش پہ آنا
سر تن سے اُتر لے، تو میری لاش پہ آنا

۴۷

تھی رانڈوں میں اُس وقت عجب گریہ وزاری سر کھولے ہوئے پیٹتی تھیں بیبیاں ساری
کہتی تھی سکینہ کہ پھو پھی جان میں واری مجھ کو تو دکھا دو میرے بابا کی سواری
یاں چھوڑ کے ہم سب کو چلے جائیں گے بابا
کیوں روتی ہو کیا گھر میں نہ اب آئیں گے بابا

۴۸

ڈیوڑھی سے ہٹو تن سے نکلتا ہے مرا دم میں جاؤں گی واں رن میں جہاں ہیں شہِ عالم
کہتی تھی اُسے تھامے ہوئے زینبؑ پُر غم اصغرؑ کی طرح تیر نہ مارے کوئی اظلم
واں چلتی ہے تلواریں کہاں جاؤں گی بی بی
بابا کو بس اب حشر کے دن پاؤں گی بی بی

۴۹

دوڑی سوئے مقتل یہ سخن سُن کے وہ مضطر پیچھے چلی اُس بچی کے زینبؑ بھی کھُلے سر
میدان میں پہنچی مگر اس وقت وہ بے پر جب چل رہا تھا گردنِ شبیرؑ پہ خنجر
قاتل سے نہ کچھ شاہؑ کو کہتے ہوئے دیکھا
ریتی پہ لہو باپ کا بہتے ہوئے دیکھا

۵۰

سر بیٹ کے وہ ننھے سے ہاتھوں سے پکاری
بابا تری اس چاند سی گردن کے میں واری
ہے ہے، یہ رگیں کٹتی ہیں خنجر سے تمھاری
ہے ہے یہ لہو ریت پہ ہے زخموں سے جاری
چھاتی تری زانوئے ستم گر کے تلے ہے
ہے ہے یہ گلا شمر کے خنجر کے تلے ہے!!

۵۱

کہنے لگی پھر شمر سے وہ بیکس و لاچار
میں جوڑتی ہوں ہاتھوں کو او ظالم غدّار
اس چاند سی گردن سے اُٹھا خنجرِ خونخوار
بابا کے سوا کوئی نہیں رانڈوں کا غمخوار
مجھ کو مرے بابا سے نہ للّٰہ جُدا کر
گوہر میرے لے، پر نہ سرِ شاہ جُدا کر

۵۲

چلّاتی رہی سامنے وہ بیکس و ناشاد
سر کاٹ کے سینہ سے اُٹھا وہ ستم ایجاد
زہراؑ تو بلکتی تھی، علیؑ کرتے تھے فریاد
زینبؑ کا یہ نعرہ تھا کہ ہم ہوگئے برباد
آفت میں پھنسی آل، رسولِ عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۵۳

ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج حسینؑا!
پردیس میں بہنوں کا لُٹا راج حسینؑا!
گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج حسینؑا!
ہے ہے کفن و گور کے محتاج حسینؑا!
پُرسا بھی تیرے دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشا بھی زمیں پر سے اُٹھاتا نہیں کوئی

۵۴

لپٹی ہوئی تھی لاشۂ والا سے سکینہؑ
کہتی تھی بُلا لو مجھے یا شاہِ مدینا
بے آپ کے، ہے موت سے بدتر مرا جینا
جو لیتا تھا کہتی تھی یہی کوٹ کے سینا
کیوں لیتے ہو گودی میں نہ گھر جاؤنگی لوگو
کھا کھا کے پچھاڑیں یہیں مرجاؤنگی لوگو

۵۵

خاموش انیسؔ اب کہ بہت طول ہے معیوب بہتر ہے وہی بات جو، ہو خلق کو مرغوب
ہیں بند تو تھوڑے، پہ بہت خوب بہت خوب مقبول ہوئی عرض تری اے دُرِ مطلوب
ہوگا وہی اس سال کہ جو ہے ترے جی میں
کمتی نہیں سرکارِ حسینؑ ابن علیؑ میں

ضمیمہ الف

کلامِ انیس کے مطبوعہ نسخے

مقصودِ کار یہ تھا کہ انیسؔ کا وہ کلام خاص کر اُن کے وہ مکمّل مرثیے جو اب تک نہیں چھپے اُن کا سراغ لگایا جائے، تاکہ ضروری تدوین و ترتیب کے بعد اُن کی اشاعت کے لیے صورت پیدا ہو۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر تلاش شروع کی گئی تو سب سے پہلی ضرورت یہ پیش آئی کہ میر انیسؔ کا کلام جب جب اور جہاں جہاں بھی چھپا ہے اسے فراہم کیا جائے۔ چنانچہ یہیں سے گویا کام کی ابتدا ہو گئی۔ مگر مقامِ حسرت ہے کہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ جسے میر انیسؔ کے قلمی مراثی کی انمول دولت انیس مرکزی کمیٹی کے تعاون سے مل چکی ہے وہاں میر انیسؔ کے چھپے ہوئے مرثیوں کی ابتدائی جلدیں بھی مکمّل نہ مل سکیں۔ ہم شکر گزار ہیں، صدر مرکزی انیس کمیٹی کے، جنھوں نے معاً ہماری دستگیری کی اور میر انیس کے ۱۹ چھپے ہوئے مرثیوں کا ایک بستہ ہمیں مرحمت فرمایا۔ پھر سیّد محمد اطیب صاحب انیسؔ کے مطبوعہ مراثی کی ایک نایاب جلد، جلد پنجم جدید، میرٹھ سے لے آئے۔ کلامِ انیسؔ مرتبہ مولانا نظم طباطبائی کی ایک جلد میرے پاس تھی ۲ جلدیں سیّد محمد اطیب صاحب کہیں سے لے آئے۔ اس کے بعد جلد ششم جدید کہیں اُدھر سے ملی اور سلسلۂ تلاش آگے بڑھتا رہا۔ صدر انیس مرکزی کمیٹی نے پھر احسان کیا اور مراثیِ انیس کی چار جلدیں مطبوعہ لاہور اور چار جلدیں مطبوعۂ تیج کمار (جانشین منشی نول کشور) عنایت فرمائیں۔ اس طرح جہاں تک مراثیِ انیس کی مطبوعہ جلدوں کا تعلق ہے۔ وہ قریب قریب سب مل گئیں۔ سوا ایک جلد ششم قدیم کے کہ جب وہ نہ مل سکی تو اس کے حوالے جہاں جہاں ملے اُن سے اُس کی کمی کو پورا کیا گیا۔

ان جلدوں کے علاوہ جرائد یا روزنامے جن میں مراثیِ انیس جستہ جستہ شائع ہوتے رہے ہیں، مثلاً "سرفراز"، "نیا دور" (لکھنؤ) "آج کل" (دہلی) اور "قومی آواز" (لکھنؤ)، وہ شمارے بھی حاصل

حاصل کیے گئے۔ حضرت مہذّب لکھنوی نے بھی انیس کے چند مراثی کے انتخابات "شعارِ انیس" اور "وقارِ انیس" کے عنوان سے چھاپے ہیں؛ ان کے علاوہ انھوں نے پانچ مرثیے "مراثیِ انیس" کے عنوان سے بھی شائع کیے ہیں۔ یہ مجموعے بھی حاصل کیے گئے۔ یقیناً ان کے علاوہ بھی غیر معروف مطبوعات ہو سکتے ہیں اور ہیں؛ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے مل سکنے اور مل جانے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ یہ سلسلۂ جستجو جاری ہی تھا کہ خاندانِ انیس کے ایک فرد میر علی احمد دانش صاحب، جن سے ہماری خط و کتابت چل رہی تھی، ان کا ایک مضمون "میر انیس کا نو دریافت کلام" مطبوعہ "نیا دور" (لکھنؤ) ہمارے سامنے آیا اس سے معلوم ہوا کہ انیس کا کچھ کلام ان کی حیات میں بھی چھپا تھا، یعنی "مجموعۂ بکا" جو ۱۲۷۸ھ (مطابق ۶۲-۱۸۶۱ء) میں مطبع اسلامی بمبئی سے چھپا۔ اس مجموعے میں صرف دو مرثیے چھپے تھے ایک تھا: "جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں" [۶۶ بند کا]

اور دوسرا تھا: "اے مومنو، کیا مرتبۂ سبطِ نبی ہے" [۵۷ بند کا] اسی سال مطبع مخدومی بمبئی نے بھی انیس کے دو مرثیے شائع کیے، ایک تو وہی جو مطبعِ اسلامی میں چھپ چکا تھا، یعنی:

"جب فوجِ خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں"

[۱۰۴ بندوں کے ساتھ] اور دوسرا

"آمد ہے کربلا میں شہِ دیں پناہ کی"

[۱۲۰ بند کا] یہ دونوں مطبوعات اب نایاب ہیں۔ علی احمد دانش کے پاس ہوں، تو ہوں۔

ان چار بلکہ تین مرثیوں کے علاوہ انیس کا ایک اور مرثیہ:

"خورشیدِ حقیقت رُخِ زیبای علی ہے"

علی ضامن لائبریری کی بلسری ضلع جون پور میں میری نظر سے گزرا، بعد میں یہی مرثیہ منشی نول کشور نے اپنی جلد دوم میں شائع کیا؛ ان کے علاوہ اور کوئی مرثیہ ہمیں میر انیس کی زندگی کا شائع شدہ نہیں ملا۔ اس بنا پر قدرے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کلامِ انیس کی اشاعت کا سلسلہ دراصل منشی نول کشور مرحوم کی کوششوں سے میر انیس کے انتقال کے قریب دو سال بعد سے یعنی نومبر ۱۸۷۶ء سے شروع ہوا؛ جب منشی مزبور کے زیرِ اہتمام سید تصدق حسین کنتوری نے بڑی ژرف نگاہی کے ساتھ مراثیِ انیس کو تین جلدوں میں مرتب کیا اور شائع کیا، اور پھر اسی مطبع سے آگے چل کر ایک چوتھی جلد بھی شائع ہوئی۔

منشی نول کشور کی ان چار جلدوں کے بعد مرزا محمد مہدی مالکِ مطبع جعفری نخاس نے ۱۳۱۳ھ

(مطابق ۱۸۹۵ء) مرثیہ ہائے میر انیس کے عنوان سے ایک اور جلد چھاپی۔ یہ وہی جلد ہے جس کے حق میں جناب نفیس ایک ہبہ نامہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

ان پانچ جلدوں کے بعد سید عبد الحسین صاحب تاجرِ کتب لکھنؤ نے ۱۹۰۱ء میں مراثیِ انیس کی تین جلدیں شائع کیں اور انھیں نام دیا، جلد پنجم جدید، جلد ششم اور ششم جدید۔

سلسلۂ آصفیہ کے مطبوعات جو ۱۹۲۴ء سے شروع ہوئے اس کے تحت نظامی پریس بدایوں نے میر انیس کی تین جلدیں ۱۹۳۰ء تک شائع کیں۔ ان سب کے مرتب تھے مولانا سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی۔ اور بیان یہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ان جلدوں میں شائع شدہ تمام مراثی میر انیس کے چھوٹے بیٹے میر محمد صاحب سلیس سے حاصل کیے تھے۔

۱۹۵۸ء میں منشی تیج کمار نے اسی مطبع نول کشور سے انیس کے مرثیوں کی چار جلدیں شائع کیں۔ ان کو بڑی حد تک سابقہ چار جلدوں کا دوسرا ایڈیشن کہا جا سکتا ہے۔ حال آنکہ ان میں صحتِ متن اور سابقہ دستورِ ترتیب کا اتنا خیال نہیں رکھا گیا۔

جہاں تک پاکستان کا سوال ہے وہاں کلامِ انیس کے مجموعوں کی اشاعت ۱۹۵۹ء سے شروع ہوئی۔ وہاں اس سال ان کے کلام کو چار جلدوں میں ترتیب دے کر چھاپا گیا۔ اس کے بعد بک لینڈ، کراچی نے بھی ۱۹۶۱ء میں مراثیِ انیس کی ایک جلد چھاپی۔ مگر جس طرح مقدم الذکر چاروں جلدیں زیادہ تر نول کشوری نسخوں کی نقلیں ہیں اسی طرح یہ پانچویں جلد سید عبد الحسین صاحب کی مذکورہ جلد پنجم کا چربہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لاہور سے انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر سید مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے بھی انیس کے بارہ مرثیے چھاپے ہیں، مگر یہ جلد باوجود کوشش ہم تک پہنچ نہ سکی۔ ویسے اس جلد میں چوں کہ کوئی غیر مطبوعہ مرثیہ شامل نہیں اس لیے اس کے نہ ملنے سے کوئی خاص رکاوٹ واقع نہیں ہو سکی۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر مرحوم سید صفدر حسین زیدی متخلص بہ صفدر نے انیس کے مرثیوں کو چھ جلدوں میں ترتیب دیا تھا۔ اور انھیں "مراثیِ انیس کامل" کے نام سے شائع کرنے والے تھے کہ موت کے ہاتھوں نے انھیں ہم سے چھین لیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

ہم نے بہر حال مراثیِ انیس کی ہر اشاعت کو وہ جلدوں کی صورت میں ہو یا مجلہ، جریدہ اور مخصوص شمارہ کی صورت میں، یکساں طور پر اہم سمجھا اور اس کو حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور شکر ناظم حقیقی کہ ہم اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اس وقت ہمارے سامنے منشی نول کشور کی چاروں جلدیں، مطبع جعفری کی جلد پنجم، اسی طرح مطبع شاہی کی جلد پنجم اور ششم، ششم جدید: اور

مطبع نظامی کی تینوں جلدیں، منشی تیج کمار کی چاروں جلدیں، لاہور کی چاروں جلدیں، ان کے علاوہ "جواہرِ انیس" کی تینوں جلدیں بھی ہیں "باقیاتِ انیس" جو ڈاکٹر اکبر حیدری صاحب نے میر انیس کے غیر مطبوعہ کلام پر مشتمل شائع کرایا ہے، وہ بھی ہمارے سامنے ہے مگر موخر الذکر کے بارے میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ دراں حالے کہ ہم اس کتاب سے ہر ممکن فائدہ اٹھانا مناسب جانتے ہیں، مگر جب تک اس کا غلط نامہ جو بتایا جاتا ہے کہ سو صفحوں سے زیادہ پر محتوی ہوگا سامنے نہ آجائے اس کی ہر بات کو قولِ فیصل کا درجہ نہیں دے سکتے۔

تاہم مطبوعات کے ضمن میں جو دو ایک نئی باتیں اس میں ملیں انھیں یہاں مختصراً عرض کیا جارہا ہے۔

۱- "ذخیرۂ ثواب" کے نام سے ایک مجموعہ ۱۸۸۰ء میں گلبرگہ (حیدرآباد) سے چھپا تھا۔ جس میں پہلا مرثیہ میر نفیس کا، تیسرا میر مونس کا اور بقیہ پانچ میر انیس کے۔ مرثیوں کا یہ انتخاب میر غلام علی فیض آبادی نے کیا تھا، جسے حسب فرمائش سید اسد اللہ عرف میر نواب باہتمام سید مستجاب حسین مطبع دار الصنائع گلبرگہ میں شائع کیا گیا۔ مرثیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

اے شمع دودمانِ تجلّی ضیا دکھا	۹۱ بند
روحِ سخن ثنائے حسینِ شہید ہے	۱۲۴ بند
جب آسماں پہ مہر کا زرّیں نشاں کھلا	۱۱۶ بند
فرزندِ پیمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے	۹۶ بند
شیریں سخنی ختم ہے ہم شکلِ نبی پر	۷۷ بند
جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا	۱۱۹ بند
جب حُر کو ملا خلعتِ پُرخونِ شہادت	۱۰۲ بند

۲- ۱۸۹۹ء میں سید علی اظہر جون پوری نے حسب فرمائش سید محمد مصطفےٰ حسین صاحب جون پوری "شجرۂ غم" کے عنوان سے ۲۹۴ صفحات پر مشتمل ۵۶ مرثیوں کا انتخاب سوز خوانی کے لیے شائع کیا۔ اس میں بیشتر مطلعے میر انیس کے ہیں۔

"شجرۂ غم" میر انیس کے مطبوعہ مراثی کی نشاندہی کے لیے اہم ہے۔ کتاب نایاب ہے۔ رشید صاحب کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ لیکن ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔

۳- ۱۹۲۸ء میں ۱۱ مرثیوں کا انتخاب زنانی مجلسوں کے لیے "عروسِ سخن المعروف بہ جواہراتِ انیس"

کے عنوان سے بنت حسنین بیگم عابد رضا نے رام پور سے شائع کیا۔ مرتبہ نے اسے بیگم صاحبہ سید بشیر حسین زیدی چیف منسٹر رامپور کے نام منسوب کیا ہے۔ یہ کتاب بھی اب نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ رشید صاحب کے پاس موجود ہے۔ ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔

۴۔ ۱۹۳۸ء میں مجموعۂ مراثی کا ایک خوبصورت نسخہ جلد اوّل میں عربی خط میں بمبئی سے شائع ہوا۔ اس میں انیسؔ، مونسؔ، دبیرؔ کے مرثیے بھی شامل ہیں۔ سر ورق کی عبارت یہ ہے۔

مجموعۂ مراثی انیس رحمۃ اللہ

جلد اوّل

باہتمام علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لیمیٹڈ۔ تاجران کتب و مالکان مطبع محمدی بمبئی، ۱۳۵۰ھ۔
اس میں میر انیس کے سات مرثیے درج ہیں۔ یہ کتاب بھی ہماری دسترس میں نہ آسکی۔

یہ تعداد [۵۵۹] مطبوعہ نسخوں کی ہے۔ مرثیوں کی تعداد اس سے بہت کم ہوگی، اس لیے کہ ان میں کا شاید ہی کوئی مرثیہ ایسا ہو جو صرف ایک بار چھپا ہو؛ زیادہ تر مرثیے ایسے ہیں جو بار بار چھپے ہیں ایسی حالت میں مطبوعہ مرثیوں کی صحیح تعداد کا ایک سرسری اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یعنی ہر مرثیہ کی پہلی طباعت ہی کو اگر مدّ نظر رکھا جائے تو مجموعی طور پر یہ معلوم ہوگا کہ کل مرثیوں کی تعداد تین سو یا سوا تین سو سے زیادہ نہیں۔ اس کی تائید یوں بھی ہوجاتی ہے کہ مراثیِ انیس کے بڑے سے بڑے ذخیرے مثلاً مسعودی میں قلمی نسخوں کی کم و بیش یہی تعداد ملتی ہے۔

بہر طور ہر مطبوعہ نسخے کو عام اس سے کہ وہ پہلی بار چھپا، یا متعدّد بار، سامنے رکھ کر مقابلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ میر انیسؔ کے ہمعصروں میں خاص کر ان کے گھر والے اور مرزا دبیرؔ کے کلام کو بھی سامنے رکھا جائے تاکہ کچھ حتمی نتائج برآمد ہوسکیں۔

ضمیمہ "ب"

میر انیس کے مطبوعہ مراثی کی ضروری تفصیل

نمبر شمار	نام مطبع	تشریح جلد	مراثی جو اس جلد میں پائے گئے ان کی مجموعی تعداد
۱۔	منشی نول کشور، کان پور	جلد اوّل	۲۹
۲۔	"	جلد دوم	۲۷
۳۔	"	جلد سوم	۱۹
۴۔	"	جلد چہارم	۳۳
			۱۰۸
۵۔	مطبع جعفری، لکھنؤ	جلد پنجم	۲۱
۶۔	"	جلد پنجم جدید	۱۸
۷۔	"	جلد ششم جدید	۲۹
۸۔	"	جلد پنجم قدیم	۲۰
۹۔	"	جلد ششم قدیم	۲۳
			۱۱۱
۱۰۔	کراچی ایڈیشن	"مراثی انیس" جلد پنجم	۱۸
۱۱۔	نظامی پریس بدایوں	جلد اول	۲۲
۱۲۔	"	جلد دوم	۲۶
۱۳۔	"	جلد سوم	۲۹
			۷۷

نمبر شمار	نام مطبع	تشریح جلد	مراثی جو اس جلد میں پائے گئے ان کی مجموعی تعداد	
۱۴۔	غلام علی اینڈ سنز لاہور	جلد اوّل	۲۹	مرتبہ سیّد نائب حسین نقوی
۱۵۔	"	جلد دوم	۳۰	
۱۶۔	"	جلد سوم	۳۰	
۱۷۔	"	جلد چہارم	۳۰	
			۱۱۹	
۱۸۔	تیج کمار لکھنؤ	جلد اوّل	۲۹	
۱۹۔	"	جلد دوم	۲۶	
۲۰۔	"	جلد سوم	۱۸	
۲۱۔	"	جلد چہارم	۳۳	
			۱۰۶	
۲۲۔	سرفراز قومی پریس لکھنؤ	جلد اوّل	۶	مراثی "شعارِ انیس" اور "وقارِ انیس" مرتبہ: مہذب لکھنوی
۲۳۔	"	جلد دوم	۶	
			۱۲	
۲۴۔	اردو پبلشرز تلک مارگ لکھنؤ	جلد اوّل	۲۵	"جواہراتِ انیس" مرتبہ مرزا امیر علی جونپوری مطبوعہ راجہ رام کمار پریس لکھنؤ
۲۵۔	"	جلد دوم	۲۳	
۲۶۔	"	جلد سوم	۲۴	
۲۷۔	پبلشرز محمد پبلشرز لکھنؤ	جلد اوّل	۲۶	"باقیاتِ انیس" مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری مطبوعہ نظامی پریس

(نمبر ۱۸ چھوڑ کر)

مطبوعہ نسخوں کی مجموعی تعداد	۵۵۹

ضمیمہ "ج"

نقل تحریر جناب سید محمد محسن صاحب ذوالقدر مرحوم المتخلص بہ محسن

آپ شاگرد بتائے گئے ہیں میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے موصوف نے مراثی میر انیس جلد اول مطبوعہ نول کشور پریس، جولائی ۱۸۹۲ء کے چھپ کرآنے پر یہ تحریر فرمایا۔
(تیسرا ایڈیشن)

"واضح ہو کہ باوصف دعوئی تصحیح اس جلد کے (۱) مراثی میں بہت اغلاط اور تحریف پائی گئی (۲) اکثر مقامات سے برائے اختصار مرثیہ خوانوں نے بندوں کو نکال کر برائے ربط مصرعوں میں تحریف کی ہے (۳) اور بعض مراثی میں جو ناتمام تھے صاحب کے سامنے دعوئی تمام مرثیہ دینے کا کر کے الحاق اپنی طرف سے کر دیا ہے، جو میر انیس مغفور کے کلام سے فرق بیّن رکھتا ہے (۴) جا بجا انھیں کے دوسرے مرثیوں کا (اقتباس) اس تحریفی تکمیل میں کیا ہے۔ بلکہ یہ تغیر الفاظ و بندش اُن کے کلام کو الٹا ہے ؎

سخنوروں نے خرائے انیس کے مضمون
مزا تو یہ ہے کہ پھر وہ مزا سخن میں نہیں

بالفعل میں نے جہاں تک بادی النظر میں غلطیاں اور تحریف نظر آئیں اُن کو صحیح کیا ہے، مگر بند ہائے متروک کی تحریر کی جگہ نہیں تھی، اس کا اشارہ کر دیا ہے۔

وانا العبد الحقیر الراجی الرحمت الراحمین محمد محسن عفی عنہ
۹ر شوال المکرم ۱۳۱۳ ہجری

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی نئی اور اہم کتابیں

کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
مولانا آزاد کا ذہنی سفر	(ادب)	ظ انصاری	۳۲/-
تنقید اور جدید اردو تنقید	(تنقید)	ڈاکٹر وزیر آغا	۹۰/-
مشقی تدریس، کیوں اور کیسے؟	(تعلیم)	ڈاکٹر محمد اکرام خاں	۳۵/-
آوازوں کا میوزیم	(افسانے)	ساگر سرحدی	۳۵/-
اپنی ہواؤں کی خوشبو	(خاکے)	کشمیری لال ذاکر	۳۶/-
دلی کی چند عجیب ہستیاں	(خاکے)	اشرف صبوحی	۵۱/
چند تصویر نیکاں	(تاثرات)	مولانا عبدالسلام قدوائی	۴۵/-
ہندستانی مسلمان اور مجیب صاحب	(ادب)	پروفیسر آل احمد سرور	۸/-
صاحب جی، سلطان جی	(تذکرہ)	ڈاکٹر اسلم فرخی	۲۰/-
نظام رنگ	(ادبی خاکہ حضرت نظام الدین اولیا)	" "	۱۵/-
شہید جستجو	(سوانح ڈاکٹر ذاکر حسین)	ضیاء الحسن فاروقی	۷۵/-
مذہب اور ہندستانی مسلم سیاست	(مذہب)	مشیر الحق	۹/-
ہمارے دینی علوم	(مذہب)	مولانا اسلم جیراجپوری	۱۹/-
معاشیات کے اصول	(معاشیات)	عزیز احمد قاسمی	۲۱/-
آسان اردو، ورک بک	(تعلیم)	شکیل اختر فاروقی	۲۳/-
کچھ مولانا آزاد کے بارے میں	(ادب)	مالک رام	۵۱/-
تحقیقی مضامین	(تحقیق)	" "	۹۰/-
پرانی بات ہے	(شاعری)	زبیر رضوی	۳۰/-
ساز سخن	(")	ادا جعفری	۴۵/-
غزل نما	(انتخاب غزلیات)	مرتبہ ادا جعفری	۷۵/-
فی الفور	(مزاحیہ)	یوسف ناظم	۳۰/-
گول مال	(")	شفیقہ فرحت	۱۸/-

مطبع لبرٹی آرٹ پریس : پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲